

**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.**

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ
اور اللہ کی رضا سے بڑی، یہی ہے بڑی مراد پانی (توبہ: ۲۰)

آیاتِ ہمارا مائیں

مجدد الفیثانی شیخ احمد سمرندی رحمۃ اللہ علیہ

جلد دوم

ڈائریکٹر پبلسٹیٹی: پروفیسر ڈاکٹر محمد عود احمد
مستنبین

صاحبزادہ ابوالسرد محمد مسرور احمد
مولانا جاوید اقبال مظہری
ڈاکٹر اقبال احمد اختر الفتادی
محمد عالم مختار حق

امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

۰۲۰۰۸/۱۲۲۹



(جملہ حقوق طباعت بحق ناشر محفوظ ہیں)

128738

نام باقیات جہان امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
مرتبین صاحب زادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد مولانا جاوید اقبال مظہری ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
نظر ثانی محمد عالم مختار حق
جلد دوم
حروف ساز سید شعیب افتخار مسعودی، قاری محمد شریف کبوه
طابع جاوید اقبال مظہری
مطبع برکت پریس
طباعت ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء
اشاعت اول (بارہ سو)
ناشر امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی
ہدیہ

ناشر

امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی

فلٹ نمبر ۵-۵، پلاٹ نمبر ۷-۷، اسٹیڈیم لین نمبر ۷، فیئر ۷، خیابان شمشیر ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی،

فون ۰۱۲-۵۸۴۰۳۹۵ (اسلامی جمہوریہ پاکستان)

ملنے کے پتے

☆☆

- ☆ ادارہ مسعودیہ..... ۲/۶، ۵-ای، ناظم آباد، کراچی فون: ۰۲۱-۶۶۱۳۷۳۷
- ☆ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز..... ضیاء منزل (شوگن مینشن) محمد بن قاسم روڈ آف ایم۔ اے۔ جناح روڈ، کراچی فون: ۰۲۱-۲۲۱۳۹۷۲
- ☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز..... اردو بازار، کراچی فون: ۰۲۱-۲۶۳۰۳۱۱
- ☆ مکتبہ غوثیہ ہول سیل..... پرانی سبز منڈی، یونیورسٹی روڈ، نزد پولیس چوکی محلہ فرقان آباد، کراچی فون: ۰۲۱-۳۹۲۶۱۱۰
- ☆ فرید بک اسٹال..... ۳۸- اردو بازار، لاہور فون: ۰۳۲-۷۲۲۳۸۹۹
- ☆ مکتبہ نبویہ..... گنج بخش روڈ، لاہور
- ☆ مکتبہ جامعہ نقشبندیہ بستان العلوم..... کڈہالہ (مجاہد آباد)، براستہ گجرات، آزاد کشمیر، اسلامی جمہوریہ پاکستان

- ☆ Khalifa Muhammad Sadique Raza, Roza Shareef, Sirhind, District Fategharh, Pin code-140406 (iNDIA) Ph. 01763-30144.
- ☆ Dr. Mufti Muhammad Mukarram Ahmad, Nusratul Islam Educational Society, Masjid Fatehpuri, Delhi-6,(INDIA)
- ☆ Mr. Masood Ahmad Ashrafi, Chairman, Global Islamic Mission, 335, Walnut Street # 2, Yonkers, New York-10701(U.S.A)
- ☆ Mr. Munir Hussain Masoodi, 46-Holly Lane Smethwich, West Midlnds B67 7JD. (U.K)
- ☆ Hafiz Muhammad Qamaruddin Rizvi, Maktaba-i-Razvia 423-Matia Mahal, Jama Masjid Delhi-110006. (INDIA)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

انتساب

صحابی ء رسول بابتن برہمن ہندی

کے نام



☆ جنہوں نے لڑکپن میں مکہ معظمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اپنے

کندھے پر سوار کر کے بارش کے نالے کو عبور کرایا

☆ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار درازی عمر کی دعائیں دیں

”بارک اللہ فی عمرک“

☆ جن کو بعثت کے بعد ہندوستان کے راجہ نے تحائف دے کر پھر زیارت کے لیے بھیجا

☆ جو مدینہ منورہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہچان گئے،

زبان ہندی میں فرمایا ”بیٹھ جاؤ“ اور خود بخود تحائف طلب فرمائے، پھر اپنے

دست مبارک سے چھ کھجوریں کھلائیں، بابارتن ہندی فوراً مشرف باسلام ہو گئے

☆ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرف باسلام ہونے کے بعد خوش ہو کر تین بار درازی

عمر کی پھر دعائیں دیں

”بارک اللہ فی عمرک“

اور ہندوستان واپس جانے کا حکم دیا

☆..... جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پے در پے چھ دعاؤں کے طفیل چھ سو برس کی

عمر پائی

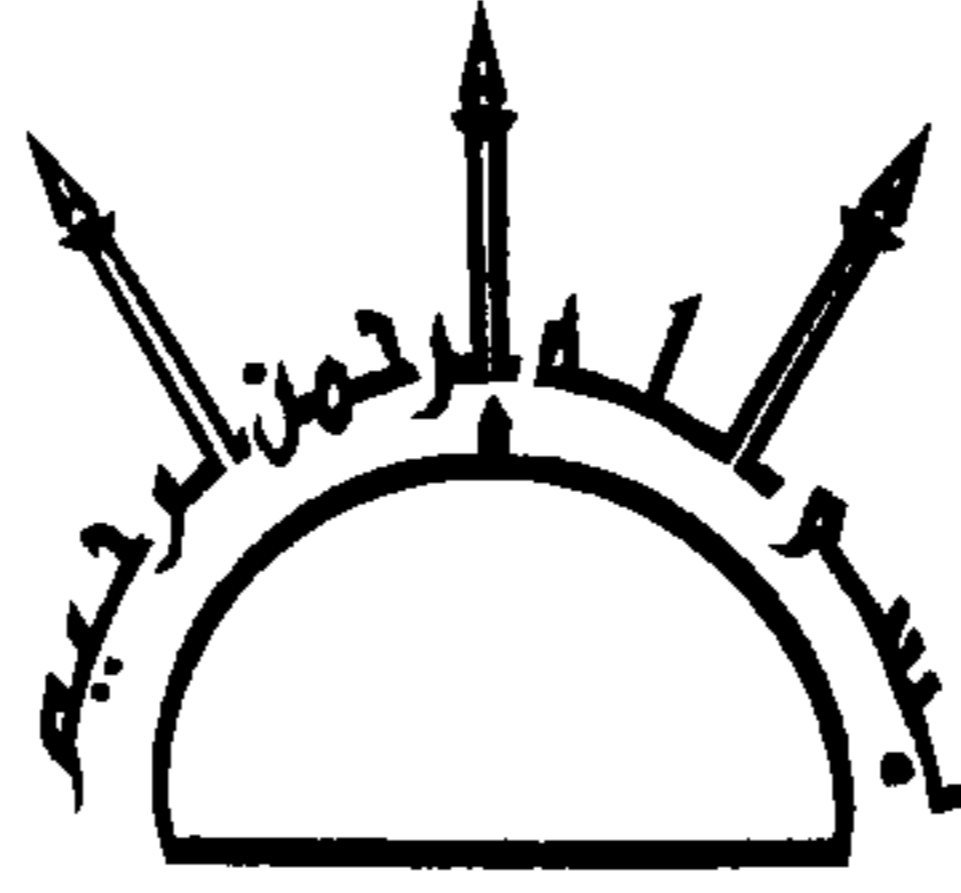
☆..... جن کی زیارت کے لیے بھٹنڈا شہر (مشرقی پنجاب، بھارت) میں دو دروازے

زائرین جوق در جوق آتے تھے اور احادیث شریفہ سنتے اور فیض پاتے تھے.....

(مرتبین)

☆.....☆.....☆





باقیاتِ جہانِ امام ربانی

جلد دوم



والی سرہند تو اور وارثِ بغداد تو
الفِ ثانی میں خدا کے دین کی امداد کی
(غلام مصطفیٰ)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

باقیات جہان امام ربانی

جلد دوم

☆☆

۱۱	امام احمد رضا محدث بریلوی نعت شریف
۱۳	خالد محمود نقشبندی، لیلی مرحومہ نقشبندی مناقب
۱۹	ڈاکٹر اقبال احمد اختر قادری ابتدائیہ
	سید علی آفندی، الشیخ قاسم الحنفی، تاثرات
۲۱	میاں جمیل احمد شرقپوری	

باب اول

۲۵	محمد عظیم نقشبندی فیروز پوری ذکر مجدد
۱۲۵	پروفیسر غلام مصطفیٰ مجددی علم الکلام میں حضرت مجدد کے اجتہادات

باب دوم

۳۱۵	پروفیسر پیرنثار احمد جان سرہندی عہد اکبری مکتوبات امام ربانی کے آئینہ میں
۳۳۹	پروفیسر محمد عامریگ نفاذ شریعت مکتوبات امام ربانی کے آئینہ میں

افتخار ضمیری ۳۴۹

..... فتنہء دور اکبری و جہانگیری اور مجدد الف ثانی
(منظوم)

باب سوم

محبوب احمد بھٹی ۳۵۵

..... خواجہ محمد یعقوب چرنی
(حالات و ارشادات)

ڈاکٹر اقبال احمد اختر قادری ۳۷۲

..... خواجہ شمس الدین سید امیر کلال
(حالات و ارشادات)

محبوب احمد بھٹی ۳۷۷

..... ملفوظات شریف (خواجہ محمد عارف ریوٹری)

میاں فضل احمد جیبی ۳۸۳

..... صد سالہ و ہزار سالہ مجدد

باب چہارم

مصنفہ: خواجہ عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید

..... الجنات الثمانية (مبیضہ)

مرتبہ: صاحبزادہ بدرالاسلام صدیقی ۴۰۹

(مخطوطہ، لٹن ائبریری، علی ٹرہ مسلم یونیورسٹی)

باب پنجم

مصنفہ: خواجہ عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید

..... جنات الثمانية (اردو)

مترجم: مفتی محمد علیم الدین انٹشندی ۵۰۳

۵۸۹

..... مرقعات

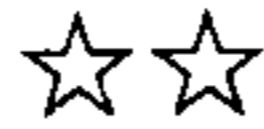
☆.....☆.....☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

نعتِ رسولِ مقبول

(صلی اللہ علیہ وسلم)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی



نظرِ اکِ پُمن سے دوچار ہے، نہ چمن، چمن بھی نثار ہے
عجب اُس کے گل کی بہار ہے کہ بہارِ بلبُل زار ہے

نہ دلِ بشر ہی فگار ہے کہ تک بھی اُس کا شکا ہے
یہ جہاں کہ ہر وہ ہزار ہے، جسے دیکھو اُس کا ہزار ہے

نہیں سر کہ سجدہ کناں نہ ہو، نہ زباں کہ زمزمہ خواں نہ ہو
نہ وہ دل کہ اُس پہ تپاں نہ ہو، نہ وہ سینہ جس کو قرار ہے

وہ ہے بھینی بھینی وہاں مہک کہ باہے عرش سے فرشتہ تک
وہ ہے پیاری پیاری وہاں چمک کہ وہاں کی شب بھی نہا ہے

وہی آنکھ ، اُن کا جو منہ تیکے ، وہی لب کہ محو ہوں نعت کے
 وہی سر جو اُن کے لیے جھکے ، وہی دل جو اُن پہ نثار ہے

وہی نذرِ شہ میں زرنکو ، جو ہو اُن کے عشق میں زرد رو
 گل خلد اس سے ہو رنگ جو ، یہ خزاں وہ تازہ بہا ہے

وہ اُنھیں چمک کے تجلیاں کہ مٹا دیں سب کی تعلیاں
 دل و جاں کو بخشیں تسلیاں ، ترانور بارِ د و حار ہے

رُسل و نکت پہ دُرود ہو ، وہی جانے اُن کے شمار کو
 مگر ایک ایسا دکھا تو دو ، جو شفیق روزِ شمار ہے

وہ تری تجلی دل نشیں کہ جھلک رہے ہیں فلک زمیں
 ترے صدقے میرے مرہ نہیں ! مری رات کیوں ابھی تار ہے !

گنہِ رضا کا حساب کیا ! وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا
 مگر اے عفو ، تیرے عفو کا ، تو حساب ہے نہ شمار ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

درشان امام ربانی مجدد الف ثانی

خالد محمود خالد نقشبندی مجددی

(بین الاقوامی شہرت یافتہ نعت گو شاعر)



اے	منظہر	خیر	البشر	اے	منظہر	خیر	البشر
قربان	تیرے	حسن	پر	قربان	تیرے	حسن	پر
جان	مراد	مصطفیٰ	صلی اللہ	جان	مراد	مصطفیٰ	صلی اللہ
جد	ہیں	تیرے	حضرت	جد	ہیں	تیرے	حضرت
آئینہ	غوث	جلی	آئینہ	غوث	جلی	آئینہ	غوث
خلعت	ہے	جن	کی	خلعت	ہے	جن	کی
ہر	رنگ	کا	ہے	ہر	رنگ	کا	ہے
اے	حق	جمال	و	اے	حق	جمال	و
نسبت	تری	ناز	آفریں	نسبت	تری	ناز	آفریں
صدیقیت	کی	شان	کا	صدیقیت	کی	شان	کا
تو	باقی	باللہ	کی	تو	باقی	باللہ	کی
ہر	رنگ	ہے	تیرا	ہر	رنگ	ہے	تیرا

سارے کرم کے سلسلے
غوث و قطب حلقہ بگوش
تو جادۂ اسلام ہے
جنت ہے تیری رہگزر

تیری نظر کے فیض سے
ہیں تاجور تیرے فقیر
مدنی تری پوشاک ہے
اے نازنین کحل البصر

تو نے ملایا خاک میں
جب تیرہ بختی کو دیا
تیرے تدبیر سے جلے
پھر کھل گئے حرمت کے در

پیارے نبی کے جسم پر
جو بیچ گئی زینت بنی
یہ شان تیری شان ہے
سرکار نے دی خود خبر

صدقہ رسول پاک کا
بن جاؤں تصویر کرم

اک تیرے ملنے سے ملے
طالب ترے سارے ولی
تو کشورِ عین الیقین
اے مظہرِ خیر البشر

بدلی مقدر کی لکیر
اے مرشدِ روشن ضمیر
تیرے قدم کی خاک ہے
اے مظہرِ خیر البشر

سب دین اکبر کا غرور
اسلام کا تو نے شعور
بجھتے ہوئے سارے دیے
اے مظہرِ خیر البشر

جو نوری مٹی تھی لگی
جسمِ مجدد پاک کی
تیرے مجدد ہونے کی
اے مظہرِ خیر البشر

جھولی میں میری ڈال دے
مجھ کو وہ خدوخال دے

مشکل میں ہے مشکل کشا
اے مظہر خیر البشر

جوہر کھلے تحریر کے
سیرت الف ثانی تری
تحریر ہے گوہر فشاں
اے مظہر خیر البشر

علم و عمل کی روشنی
تیری نظر جس پر پڑی
کچھ صدقہ فیضان دے
اے مظہر خیر البشر

نورِ دلِ عبدالاحد
تیرا وسیلہ ظفر

لفظوں کی ارزانی ہوئی
مسعودِ ملت نے لکھی
ہے خوب اندازِ بیاں
یہ ہے محبت کا ثمر

پھوٹی ترے ادراک سے
سب کر گئی نکلتے بیاں
خالد کو اپنا گیان دے
ہے کیمیا تیری نظر



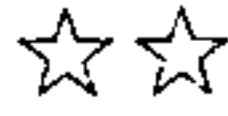
اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى
رَسُوْلِكَ الْكَرِيْمِ
وَعَلَىٰ اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ
وَسَلِّمْ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

دربار مجدد میں معروض

لیلیٰ مرحومہ نقشبندی مجددی

(مالیہ کوٹلا، بھارت)



اُن کا قاصد شادماں اے دل نظر آتا تو ہے
غالباً پیغام ان کا کچھ نہ کچھ لایا تو ہے
یہ مجدد الف ثانی کا ہی فیض عام ہے
جن کے در پر جا کے ہر اک کچھ نہ کچھ پاتا تو ہے
اُس در اقدس کی بھی کتنی نرالی شان ہے
جھولیاں بھرتا ہے سب کی آخرش داتا تو ہے
بے خبر ہے راہ سے یہ دل مگر دربار تک
پا ہی لے گا راستہ خود راہبر اپنا تو ہے
تابش خورشید محشر کا ہو کیوں کھٹکا ہمیں
سر پہ اپنے اُس مجدد پیر کا سایہ تو ہے
اُن کے روضہ کو تو دیکھو سر سے پا تک نور ہے
ذات میں جس کی خدا ہم کو نظر آتا تو ہے

حاضری دی میں نے جا کر بصد عجز و نیاز
سن کر حالِ زار میرا رحم فرمایا تو ہے
پاس اُن کے جاتے ہی سب کام اپنے بن گئے
کیوں ترس کھاتا نہ وہ مشکل کشا اپنا تو ہے
لوٹ آئی میں تو جا کر ان کی بزمِ ناز سے
میں وہاں حاضر نہیں مگر میرا چرچا تو ہے
وہ مجدد الف ثانی کتنا اچھا پیر ہے
جب پکاریں ہم اسے وہ پاس آجاتا تو ہے
دور کر دیتا ہے سب بیماریاں ، امراض سب
سنتا ہے فریاد سب کی مہرباں اپنا تو ہے
یا مجدد المجدد ، محبوب سبحان المجدد
دیکھیے ہم کو پریشانی نے آگھیرا تو ہے
مشکلیں جتنی ہیں اپنی دور سب ہو جائیں گی
کرنے حل مشکل کو وہ مشکل کشا آیا تو ہے
زندہ باو اسمِ مجدد ، کام میرا کر دیا
بیاز کی صحت کی خوشخبری کو لے آیا تو ہے
اسمِ اعظم ہے بھرا قدرت نے نامِ پاک میں
جب لیا نامِ مبارک کام بن جاتا تو ہے

ان کے فیض عام کی جا کر وہیں لوٹو بہار
 بخششوں کا ان کی بہتا رات دن دریا تو ہے
 خود وہ آجائیں گے اپنے پاس اک دن دیکھنا
 ہم نے لیلیٰ بارہا اس دل کو سمجھایا تو ہے

(انوار الصوفیہ، قصور، شمارہ نومبر و دسمبر ۱۹۶۳ء، ص ۱۳، ۱۴، بحوالہ: تذکرہ شعرائے جماعتیہ، مطبوعہ قصور ۲۰۰۶ء، ص ۱۵۹-۱۶۰)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

ابتدائیہ

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری



حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ (م ۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۳ء) نے اکبر بادشاہ کے دور آخر (۹۹۰ھ ۱۰۱۳ء) میں تجدیدی مہم کا آغاز کیا جبکہ اسلام کے حق میں حالات بد سے بدتر ہو چکے تھے اور اکبر بادشاہ نئے مذہب ”دین الہی“ کی بنیاد رکھ چکا تھا..... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے مطابق اس دور میں اکبر بادشاہ نے رسالت اور پھر خدائی کا دعویٰ بھی کیا..... اکبر بادشاہ کو اسلام سے بیر ہو گیا تھا جس کی خاص وجہ علماء سوء کی بد اعمالیاں تھیں..... ان حالات میں حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی انقلابی و تجدیدی مہم کا آغاز کیا جو کہ آخری دم تک جاری رہی..... آپ نے اصلاح حال کے لیے بادشاہ، وزراء و امراء اور علماء و صوفیہ سب ہی کو مکتوبات شریف ارسال فرمائے اور عام مسلمانوں کی اصلاح کے لیے مختلف علاقوں اور ممالک میں وفود بھیجے.....

آپ کی مصنفات و مکتوبات بڑے فکر خیز اور انقلاب آفریں ہیں، جو غلاموں کو جہانگیری، جہاں بانی اور جہاں آرائی کا سلیقہ سکھاتے ہیں..... چار سو سال گزر جانے کے باوجود آج بھی ہم آپ کی تعلیمات سے ہدایت پاسکتے ہیں..... مکتوبات شریف کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ مکہ معظمہ سے اس کا عربی ترجمہ شائع ہوا جو بعد میں بیروت سے بھی چھپا..... پھر اس کے منتخبات کا انگریزی ترجمہ ترکی، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ سے شائع ہوا اور اب نیوزی لینڈ سے شائع ہونے والا ہے..... علامہ حسن علی رضوی بریلوی مدظلہ العالی (میلسی، پنجاب) نے سچ فرمایا:

وہ میکدہ سرہند کا ہے تین صدیوں سے آباد
فیض جاری ہے مجدد کا مسلسل صبح و شام

(مجلد المظہر کراچی، اپریل ۲۰۰۵ء، ص: ۴۰)

”باقیات جہان امام ربانی“ کی جلد دوم آپ کے پیش نظر ہے جس کی فہرست شروع میں دے دی گئی ہے..... اس سے قبل جلد میں پیش کیے گئے مقالات کی تفصیل کچھ یوں ہے.....

جلد اول میں حمرب جلیل و نعت شریف اور مناقب کے بعد افتتاحیہ ابتدائیہ اور تاثرات پھر باب اول میں مجدد دوراں، امام ربانی کے تجدیدی کارنامے اور عصر حاضر، مرشد کریم کے نام مکتوبات شریف میں نجی زندگی کی جھلکیاں، وجود و عدم وجود اور امکان (مکتوبات کی روشنی میں)..... باب دوم میں تفردات مجدد الف ثانی، جواہر مکتوبات مقدسہ، سرمایہ ملت کا نگہبان، مجدد الف ثانی کا نظام تبلیغ، نشان وحدت ملت اسلامی، اشاعت مسلک اہل سنت اور حضرت مجدد کی اولاد و احفاد..... باب سوم میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت مجدد الف ثانی کے فلسفہ کا تنقیدی جائزہ (انگریزی) اور جہان امام ربانی کا تنقیدی جائزہ..... باب چہارم میں حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ آلوسی، تصانیف رضا میں اذکار امام ربانی اور فتاویٰ رضویہ میں افکار مجدد الف ثانی..... باب پنجم چوہویں صدی ہجری کے عرب مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، وسط ایشیاء میں سلسلہ نقشبندیہ کا عروج، کردستان میں سلسلہ نقشبندیہ کے آخری تاجدار شیخ محمد معصوم، انگلستان کے مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، لاہور کے مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، سلسلہ نقشبندیہ اور اقبال کے علاوہ حافظ سید وزیر علی شاہ نقشبندی، خواجہ سید محبوب عالم توکلی اور حضرت میاں شیر محمد شرچپوری کے تذکرے، مشائخ نقشبندیہ (بخارا، ازبکستان) کے مزارات کی فلموں اور مرقعات پر مشتمل ہے.....

امید ہے جلد اول کی طرح جلد دوم بھی قارئین کے علمی و روحانی ذوق کا سامان کرنے میں کامیاب رہے گی.....

عجب رنگ پر ہے جہان مجدد، فروغ قمر ہے جہان مجدد

یہ شیخ احمد کی روشن کہانی، کمال بشر ہے جہان مجدد

احقر

ڈاکٹر اقبال احمد اختر قادری

(کراچی، پاکستان)

۱۷ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

۲۷ جنوری ۲۰۰۸ء

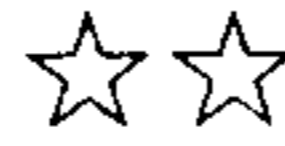
☆.....☆.....☆

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تأثرات



سید علی آفندی



شمس فلک الارشاد و بدر اوج الطریقة والحقیقة والسواد ومحور دائرة
الفضائل والکمالات والرشاد والقطب الربانی والغوث الصمدانی المرحوم المقدس
المبرار الاوحدی العارف بالله الشیخ احمد سرهنندی الفاروقی النقشبندی قدس الله
تعالی سرہ العزیز

(مخطوطہ عطیۃ الوہاب الفاصلہ بین الخطا والصواب (۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء) مرتبہ: محمد بیگ انجلی
(۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء) مخزونہ بیت الحکمت ہمدردیونیورسٹی، کراچی، ص ۱۰۷)

الشیخ قاسم الحنفی



مولانا و شیخنا وبرکتنا وعمدتنا الشیخ احمد
(مخطوطہ عطیۃ الوہاب الفاصلہ بین الخطا والصواب (۱۰۹۴ھ/۱۶۸۳ء) مرتبہ: محمد بیگ انجلی
(۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء) مخزونہ بیت الحکمت ہمدردیونیورسٹی، کراچی، ص ۱۰۵)

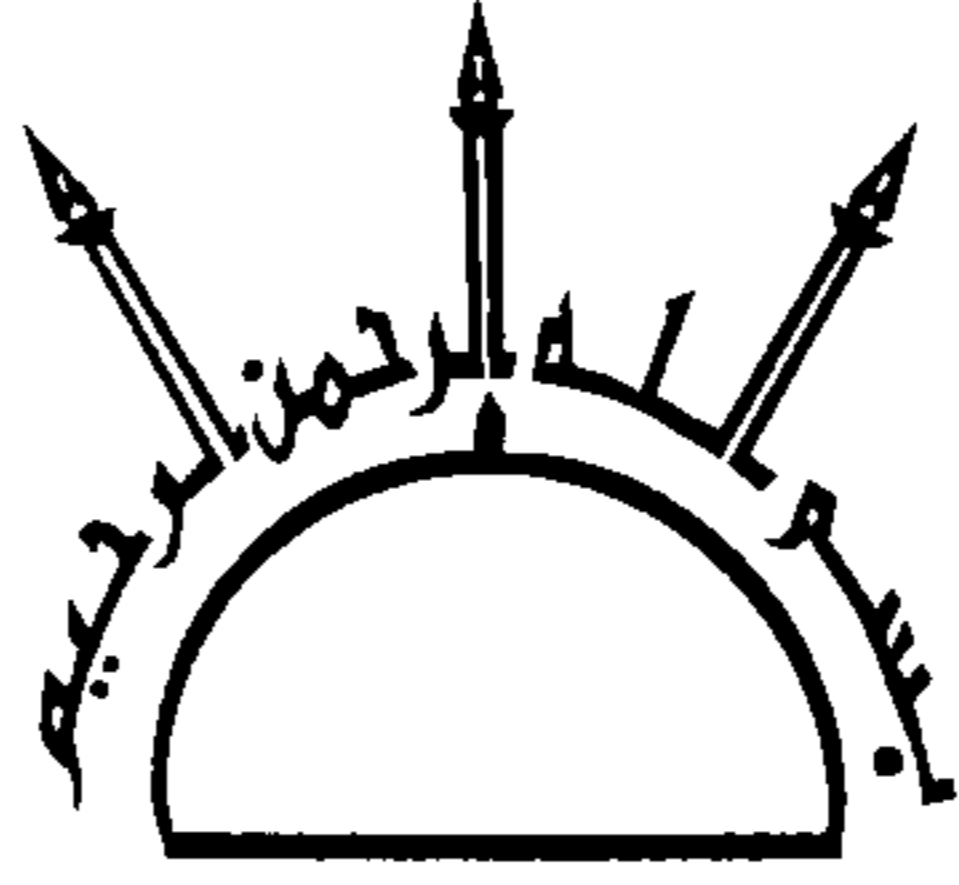
میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی

(سجادہ نشین آستانہ عالیہ شیر ربانی شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ)



عہد اکبری میں مسلمان غیر اسلامی رنگ میں اس قدر رنگ گئے تھے کہ کفر و اسلام میں امتیاز مشکل تھا۔ مسلمانوں میں سیکڑوں مشرکانہ رسوم رائج ہو گئی تھیں جس کا اثر عہد جہانگیری تک رہا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے پوری قوت کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی اور اس ماحول میں جہاں آواز حق بلند کرنا اپنے سر کو تلوار پر رکھنے کے مترادف تھا، حضرت مجدد نے پوری اسلامی حمیت اور غیرت حق کے ساتھ بڑے مدبرانہ انداز میں اعلاء کلمۃ الحق ادا کیا۔ اکبر بادشاہ نے ابوالفضل فیضی کے کہنے پر ۱۵۷۵ء میں اپنے دین الہی کا اعلان کر دیا۔ یہ دین الہی کیا تھا، اسلام کے خلاف ایک بغاوت تھی مگر وقت کے علماء اس کے خلاف کوئی آواز بلند نہ کر سکے۔ علماء میں جرأت نہ تھی نہ حوصلہ، وہ اس قدر بے بس تھے کہ اس کی ساری شقیں تسلیم کرنے پر اپنا نیاز بن گئے۔

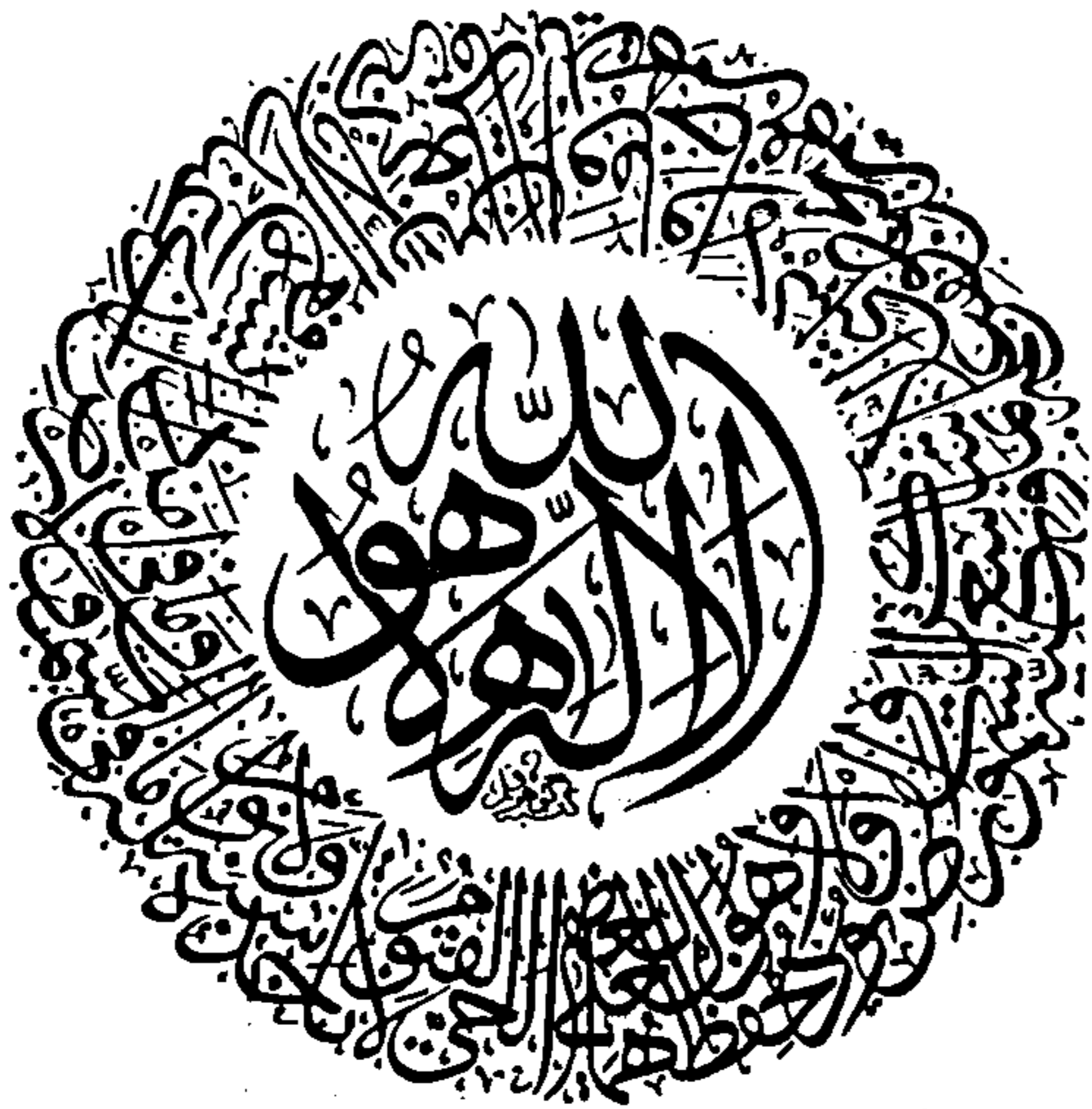
وہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ الرحمۃ تھے جنہوں نے بانگ دہل اس کی مخالفت کی۔ آپ نے دین الہی کی جزئیات کو دیکھا تو اسے سراپا اسلام کے خلاف پایا گویا اس کے تحت ایک مسلمان کو اسلام کے گہوارے سے نکال کر کفر کی جھولی میں ڈالنا تھا اس دین کے لیے یہ فارمولا وضع کیا گیا تھا کہ تمام مذاہب سے ان کی اچھی باتیں نئے دین میں شامل کر لی جائیں لیکن اسلام سے کوئی چیز نہ لی جائے۔ گویا اکبر کے نزدیک اسلام میں کوئی بھی اچھی چیز نہیں تھی۔ آپ نے اس کے خلاف قلمی جہاد کیا اور اکبر کے بعد جہانگیر کے دور میں خود جہانگیر نے اس کی تیسخ کروائی اور اکبر کا دین الہی اکبر کی موت کے ساتھ ہی اپنی موت مر گیا اور آصف جاہ وغیرہ کے باعث جسد ملت میں جو روافض کے جراثیم سرایت کرتے جا رہے تھے ان سے شاہی لشکر بڑی حد تک پاک ہو گیا۔ آپ چار برس شاہی لشکر میں بھی رہے۔ آپ نے بیرون ملک تبلیغی و فوذ بھی بھیجے جن کے ذریعے لاکھوں بندگان خدا کو راہ ہدایت نصیب ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو بھی خوب فروغ ہوا۔ آپ بلاشبہ مجدد الف ثانی ہیں آپ کے وجود مسعود سے ملت اسلامیہ کو حرارت ملی، جذبہ جہاد ملا اور ایک انقلاب برپا ہوا۔ مستقبل میں آنے والے اسلامی انقلابات میں آپ کا خون جگر شامل رہے گا۔



باقیاتِ جہانِ امام ربانی

جلد دوم.....باب اول



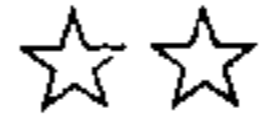


بسم الله الرحمن الرحيم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ذکرِ مجدد

محمد عظیم نقشبندی مجددی فیروز پوری

(مدرس اسلامیہ اسکول، لاہور)



نوٹ: پیش نظر مقالہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ پر ایک صدی قبل ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں اردو زبان میں شائع ہونے والی کتاب ”ذکرِ مجدد“ کا متن ہے۔ جو کہ ۱۳۲۵ھ میں حمید یہ سنیم پریس لاہور سے طبع ہو کر شائع ہوئی تھی۔ فاضل مصنف نے اگرچہ تفصیلی حوالوں کا اہتمام نہیں رکھا لیکن انہوں نے بالعموم مستند کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً مبداء و معاد، مکتوبات امام ربانی، مکتوبات معصومی، زبدۃ المقامات، حضرات القدس، جمع الجوامع، نفحات الانس۔ روضۃ القیومیہ سے بھی استفادہ کیا ہے جو محققین کے نزدیک مستند نہیں سمجھی جاتی..... مجموعی طور پر یہ کتاب یادگار اور قابل مطالعہ ہے۔ (مرتبین)

میری کیا زبان ہے کہ میں اس خورشید طریقت و مہتاب حقیقت و سراج شریعت کی شان میں کچھ بیان کرو۔ عیاں راچہ بیاں آفتاب آمد دلیل آفتاب

امام ربانی محبوب سبحانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کچھ ایسے نہیں جو زمانے کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوں۔ بلکہ ایک عالم آنحضرت کے فیض و برکات کا خوشہ چین ہے۔ اور ایک بات جہاں حضور کے فضائل و کمالات کا مداح ہے۔ یہاں مجھے ایک بات یاد آگئی یعنی ایک دن مجھے حضرت مولانا شرف الدین صاحب مرحوم فیروز پوری خلیفہ خواجہ اللہ بخش علیہا الرحمۃ کی زیارت کا اتفاق ہوا۔ آپ نے اپنا سفر حج بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حج کے موقع پر مجھ کو ایک شامی قافلہ سے اتفاق ملاقات ہوا۔ ان میں سے ایک بزرگ نے اثنائے گفتگو میں مجھ سے سکونت کے متعلق دریافت کیا تو میں نے جواب دیا کہ میں ہندی ہوں اس پر انہوں نے کہا اس ہند کے رہنے والے جہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز گزرے ہیں۔ میں نے کہا جواب دیا ہاں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اس شامی قافلے کے بزرگ کو سرزمین ہند کی واقفیت بھی حضرت مجدد الف ثانی

علیہ الرحمۃ کے وجود کی شہرت سے حاصل ہوئی تھی۔ سبحان اللہ کیا عالی شان ہے آپ کی۔
 پیشتر اس کے کہ آنحضرت والا صفات کے مختصر حالات ہدیہ ناظرین کیے جائیں یہ ضروری ہے کہ
 سرہند شریف کے متعلق کچھ لکھا جائے تاکہ خطہء مبارکہ سرہند کی عظمت و شرافت ناظرین باتمکین پر واضح
 ہو جائے۔

سرہند شریف:

سہ شیر کو کہتے ہیں، رند بمعنی جنگل یعنی شیر کا جنگل۔ جہاں شہر آباد وہاں قدیم زمانہ میں ایک وحشتناک
 جنگل تھا جو شیروں کا وطن ہو رہا تھا اسی۔۔۔ نام پر شہر کا نام سرہند رکھا گیا اور سکوں میں بھی یہی نام مستعمل ہوا
 اس شہر کے قریب ایک فرسنگ کے فاصلہ پر ایک گاؤں بروس نام تھا اور حضرت مجدد الف ثانی
 قدس سرہ العزیز پر ظاہر کیا گیا تھا کہ یہاں انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں اس سبب سے یہی اس شہر کو فضیلت
 ہے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں پنجاب کا خزانہ پایہء تخت دہلی کو لیے جا رہے تھے جب خزانہ اس
 وحشتناک جنگل میں جہاں اب سرہند ہے پہنچا خزانہ کے ہمراہیوں میں ایک صاحب دل تھے ان کو کشف سے
 معلوم ہوا کہ ہجرت پیغمبر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام سے ہزار سال گزرنے پر اس جگہ ایک شخص پیدا ہوا جو وحید
 امت ہوگا۔

خزانے کے سب ہمراہی ان کے معتقد تھے اس بزرگ نے اس جگہ کی بنیاد رکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی
 سب نے مل کر التجاء کی کہ یہ کام شاہی امداد کے سوا مشکل ہے۔ حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں سلطان
 فیروز شاہ کے پیر ہیں وہ فرمائیں تو بادشاہ اس کام کو بخوشی سرانجام دے گا۔

چنانچہ سب نے سید مخدوم کی خدمت میں اس بارے میں درخواست کی اور ان سب صاحب دل کا
 مکاشفہ بھی عرض کیا حضرت مخدوم جہانیاں علیہ الرحمۃ نے سلطان کو وہاں شہر آباد کرنے کو فرمایا۔ سلطان نے
 اپنے پیر کا حکم مان لیا اور امام رفیع الدین کے بڑے بھائی خواجہ فتح اللہ کو جو وزیر اعظم تھے اس کام پر متعین
 کیا۔ خواجہ صاحب دو ہزار سوار ہمراہ لے کر اس جگہ پہنچے۔ اور جنگل میں ایک بلند جگہ دیکھ کر بنیاد ڈالی تمام
 دن قلعہ کی دیوار تیار ہوتی اور رات کو گر جاتی کچھ عرصہ اسی طرح ہوتا رہا۔ خواجہ فتح اللہ نے حیران ہو کر
 بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں درخواست کی۔ حضرت مخدوم

علیہ الرحمۃ نے امام ربیع الدین کو جو حضرت کے خلیفہ اعظم تھے اس خدمت پر مقرر فرمایا۔ اور اس شہر کی امامت و قطبیت بھی ان کی سپرد فرمائی اور فرمایا کہ غالب امید ہے جس وحید امت نے پیدا ہونا ہے وہ آپ ہی کی نسبت سے پیدا ہوگا۔ حضرت امام نے وہاں پہنچ کر حقیقت حال کا معائنہ فرمایا اور مکاشفہ میں معلوم ہوا کہ شاہی آدمیوں نے زبردستی حضرت شاہ شرف بوعلی قلندر کو پکڑ کر مزدوروں میں لگا رکھا ہے۔ وہ رات کے وقت توجہ سے دیوار کو ہلا دیتے ہیں۔ حضرت امام صاحب نے شاہ صاحب کی خدمت میں معذرت کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا آپ کی نسبت سے ایک عزیز پیدا ہوگا۔ اس کی خاطر ہم کو خدا نے مزدوری عمارت میں لگایا ہے۔ حضرت امام نے عرض کی کہ اگر صورت یہ ہے تو پھر ہر روز دیوار کیوں گراتے رہے ہو۔۔۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ صرف تمہارے منگوانے کی خاطر ایسا کرتے رہے۔ اب آپ آگئے ہیں بفرانغ خاطر قلعہ بنوایئے۔

پس دونوں صاحبوں نے بسم اللہ شریف پڑھ کر ایک اینٹ اٹھائی اور غربی دروازہ سے بنیاد قلعہ رکھی۔ اور شہر کی تعمیر حضرت امام کی توجہ سے انجام کو پہنچی۔ قرآن شریف میں اسی قسم کا قصہ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کو ایک صالح کے یتیم فرزندوں کی دیوار بنانے کا حکم ہوا اور ہر دو صاحب بزرگوار نے معمار اور مزدور کا کام کر کے دیوار کو سرانجام دیا۔

یہ شہر دار الخلافہ شاہجہاں آباد سے ۳۷ فرسنگ جانب شمال واقع ہے اور لاہور سے ۳۳ فرسنگ مشرق کی طرف، کابل سے سرہند کا فاصلہ ۱۲۵ فرسنگ ہے۔

حضرت امام کے ساتھ تین اور بزرگوں نے اس شہر میں آکر اقامت فرمائی۔ حضرت امام کی اولاد کابلی کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت امام کا مزار مبارک وہیں ہے۔ سرہند روئے زمین کی اقلیم ثالث میں مرکز عالم پر واقع ہے اور حرین شریفین بھی اقلیم ثالث میں۔ اس لیے سرہند شریف کو حرین شریفین سے مناسب نامہ ہے۔ حضرت سرہند کی بزرگی میں مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:

”الحمد لله والسلام على عباده الذين اصطفى بعنايت الله سبحانه وبصدق
حبيبه تعالى عليه وعلى آله الصلوة والسلام۔ بلدة سرہند گویا زمین احیائے
من است کہ برائے من چاہ عمیق تاریخ را پر کرده۔ صفہ بلند ساختہ
اند و برا کثر بلاد و بقاع انرا ارتقاع دادہ و نورے وراں زمین و دیت

گشتہ است کہ مقتبس از نورے بے صفتی و بے کیف است و در لورنگ
 نورے کہ از زمین مقدسہ بیت اللہ ساطع و لامع است پیش از ارتحال
 فرزندى اعظمى مرحومى بہ چند ماہ ايس نور را بر من درویش ظاہر ساختہ
 بودند و در زاویہ زمین مسکنہائے فقیران نشان دادہ نورى نمودند ساطع
 کہ گردى از صفت و شان بوئے راہ نیافتہ بود از کیفیات منزہ و مبرہ
 آرزوے آں شد کہ آن زمین مدفن من شود و آں نور بر سر قبر من لامع
 بود ايس معنی بر فرزندى اعظمى کہ صاحب سر بود۔ ظاہر ساختم و از اں نور و
 از اں آرزو مطلع گردانیدم اتفاقاً فرزندى مرحومى بايں دولت سبقت
 کرد و در پردہ خاک و دریائے نور مستغرق گشت

ہنیا لارباب النعیم نعیمہا
 وللعاشق المسلمین ما یتجرع

از شرافت ايس بلدہ معظم است کہ مثل فرزندى اعظمى کہ از اکابر اولیاء
 اللہ است در آنجا آسودہ است و بعد از مدتے ظاہر شد کہ آں نور
 مودع لمعہ ايست از انوار قلبیہ ايس فقیر کہ از ایں جا اقتباس نمودہ در آں
 زمین افروختہ اند و در رنگ آنکہ چراغے از مشعلہ بر افروزند۔ قل
 مکمل من عند اللہ نور السموات والارض سبحان اللہ
 ربک رب العزت عما یصفون و سلام علی المرسلین
 والحمد لله رب العالمین (اللہ کی عنایت اور اس کے حبیب
 پاک کے صدقہ شہر سر ہند گویا میری زندگی کی جگہ ہے۔ میرے لیے
 ایک گہرا کنواں تاریک راستہ میں تھا اس کو پُر کیا گیا اور اس کو بلند کر
 کے اکثر شہروں سے اونچا کیا گیا اور اس میں ایک نور امانت رکھا گیا
 ہے جو بے صفتی و بے کیفی سے بہرہ یاب ہے جیسا کہ بیت اللہ کی زمین
 میں نور چمک دمک رہا ہے۔ فرزند اعظمى (خواجہ محمد صادق اکابر اولیا)

کے وصال سے چند ماہ پیشتر اس نور کو اس فقیر پر ظاہر کیا اور اس زمین کے گوشہ میں فقیروں کے مسکن دکھائے گئے۔

اور ایک چمک دار نور دکھایا گیا جو کیفیات سے منزہ تھا۔ یہ آرزو ہوئی کہ یہ زمین میری مدفن ہو اور وہ نور میری قبر میں چمکے۔ اور اس بات کو فرزندِ اعظم پر جو کہ صاحب اسرار تھا ظاہر کیا۔ اور اس نور اور اپنی آرزو سے آگاہ کیا۔ اتفاقاً فرزندِ مرحومی اس دولت پر سبقت لے گیا اور خاک کے پردہ میں چھپ کر دریائے نور میں مستغرق ہوا۔ اس شہرِ معظم کی شرافت میں سے ہے کہ مثل فرزندِ اعظمی جو کہ اکابر اولیاء اللہ میں سے ہے اس جگہ آرام فرما رہے تھے مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ نور امانت کردہ فقیر کے انوارِ قلبیہ کی ایک چمک ہے جس سے وہ جگہ روشن کی گئی ہے جیسے کہ ایک چراغ جو کہ مشعل سے روشن کیا جاتا ہے قل کل من عند اللہ۔ کہہ دے کہ ہر ایک نور ذات باری کی طرف سے ہے۔ جو آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔“

سرہند شریف کے متعلق حضرت ایک اور جگہ مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ:

”تخم بخارا اور سمرقند سے لا کر ہندوستان کے اس خطہ میں بویا جس کا مایہ یثرب اور بطحا کی مٹی سے ہے اور فضل کے پانی سے مرتب کیا جب کشتکاری ہو چکی تو اس کے گرد حد معارف کا پھل دیا“

خواجہ محمد صادق عروۃ الوثقی جلد اول میں فرماتے ہیں:

”آج سرہند باعث کثرت فیوض و انوار و ظہور اسرار کی بہتات کے ہند اور غیر ہند کا رشک بن رہا ہے اس کو ہند میں سے نہیں سمجھنا چاہیے وہ ولایت کا دریچہ ہے ولایت کی جمع کی ہوئی خاک ہے۔ اور محبت کا مادہ اس کی طبیعت میں افسوں کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ کیا اچھا کہا ہے:

ازاں افسوں کہ ساقی در سے انگند
حریفان را ز سرماند و نہ دستار

اس سب کیفیت کے علاوہ جمع الجمع کے شربت سے سرشار اور صحو کے سبب سے ہوشیار دعوت یہاں کی ہدایت اور ارشاد ہے۔ اور یہ سب کچھ اسی کا اثر ہے کہ یہاں محبت و درد نظر آ رہا ہے۔ اس سرزمین کی لطافت طیبہ کا بیان کہاں تک کیا جائے ہوش مند طالبوں اور بانصاف سعادت مندوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔ وہاں سے اسرار کے موتی حاصل کرنے چاہئیں۔ اور جگہ کیا ہے:

”بس کنم خود زیر کاں را این بس است
بانگ دو کردم اگر درده کس است“

جو زمین آنجناب کی مسجد سے شمال کی طرف واقع ہے اس کی نسبت حضرت قیوم اول علیہ الرحمۃ نے بہشت کی زمین ہونے کی بشارت دی ہے۔ حضرت قیوم ثانی خوجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ مکتوبات کی پہلی جلد میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے نقل فرماتے ہیں:

”اور حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ متبرکہ کی زمین بہشت کی زمین میں سے ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ میرے منبر اور قبر کے درمیان جنت ریاض میں سے ایک روضہ ہے“

فرماتے ہیں کہ:

”حضرت مجدد الف ثانی حضرت ایشاں از غایت اتباع سرور دین و دنیا علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نیز مبشر شدہ بودند کہ روضہ متبرکہ کہ کہ قبر آنحضرت در آن ست و صحن قدیم آن روضہ مقدسہ روضہ ایست از ریاض جنت میفرمودند کہ مبشر شدہ ام با آنکہ اگر یک مشتے از خاک آن روضہ مبشر در قبر شخصے باندازند امیدوار ہائے عظیم فکیف من دفن فیہا

یعنی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت متابعت سے

ہمارے روضہ کی زمین کو بھی بہشتی روضوں میں اللہ کے فضل سے داخل کیا گیا ہے۔ اگر ہمارے مقبرہ کی مٹی میں سے ایک مشت خاک کسی قبر میں ڈالی جائے تو اس سے بڑی امیدیں ہو سکتی ہیں“

چنانچہ اورنگ زیب نے یہ بشارتیں سن کر روضہ مبارک کی خاک پاک کا ایک ٹکڑا منگوا کر اپنے پاس نہایت تعظیم کے ساتھ محفوظ رکھا۔ اس کے بعد جب اعظم شاہ تخت نشین ہوا تو اس منگے کی تحقیر کی اور کہا کہ یہ خاک کس کام کی ہے پھینک دو شاہی خزانے میں رہنے کے قابل نہیں۔ دونوں بھائیوں میں جنگ چھڑی تو محمد معظم کے جوار لشکر کے سامنے اعظم شاہی عظمت کے چھکے چھوٹ گئے اور شکست فاش کھائی۔ اس وقت غیب سے آواز آئی کہ تیرے سر پر وہی خاک پڑ رہی ہے جو امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مزار پر ہے۔

مبشرہ زمین طول میں چالیس گز اور عرض میں ۳۰ گز ہے۔ روضہ مبارک سے شروع ہوتی ہے اور قبہ مبارک کے عقب میں شمال کی طرف ۶ گز چلی گئی ہے اور عرض میں دولت سرائے کی دیوار سے غرب کی جانب کو کنوئیں تک ہے۔ کنوئیں کے لیے بھی بشارت ہے کہ جنت کی زمین میں واقع ہے اور اس مبشرہ کے گرد حد کی ہوئی ہے۔

خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ کے مزار پر ایک گنبد تعمیر فرمایا جب حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کا وصال ہوا تو حضرت عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم و خواجہ محمد سعید علیہما الرحمۃ نے آنجناب کا جنازہ وصیت کے مطابق گنبد کے اندر لاکر چاہا کہ موقع وصیتی جانب غرب میں دفن کریں جب زمین پر کسی لگائی گئی تو حضرت خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ کی قبر مبارک پاس ادب ایک گز مشرق کو ہٹ گئی۔ آنجناب کو اسی قبر میں دفن کیا گیا۔ حضرت خواجہ محمد سعید خازن علیہ الرحمۃ نے ارتحال فرمایا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو بھی گنبد کے اندر دفن کیا جائے۔ لوگوں نے عرض کی کہ اب اور قبر کی اس میں گنجائش نہیں رہی۔ آپ نے پھر تائید سے یہ حکم دیا۔ لوگوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب زمین پر کسی لگائی گئی تو فی الفور روضہ مبارک کی دیوار میں وسعت ہو گئی اور زمین کا فرش دیواروں سے پیچھے رہ گیا اور قبر کی جگہ نکل آئی۔ اس وقت حضرت قیوم اول امام ربانی قدس سرہ العزیز کے روضہ مطہرہ میں حضرت خاتم الرسل علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے

مطابق تین قبور مبارکہ ہیں۔

(۱) خواجہ محمد صادق اکابر اولیاء فرزند اعظم

(۲) خواجہ محمد سعید خازن الرحمت فرزند دوم

(۳) وجود باجود حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ

چنانچہ حضرت خواجہ شاہ عبدالغنی حضرت کے روضہ مطہرہ کی شان ان ابیات میں بیان فرماتے ہوئے
اخیری بیت سے پہلے میں ہر سہ قبور متبرکہ کی جانب اشارہ فرماتے ہیں:

شیرے بخواب ناز بہ پہلوے دوشبل

یارب چہ راز است کہ ایں جانہفتہ اند

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فاروقی نسب تھے۔ حضرت کانسب اٹھائیس واسطوں سے حضرت امیر

المؤمنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

شجرہ نسب:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی بن خواجہ شیخ عبدالاحد بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبدالحی بن شیخ
محمد بن شیخ حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن شیخ نصیر الدین بن خواجہ سلیمان بن خواجہ یوسف بن خواجہ اسحاق
بن خواجہ عبداللہ بن خواجہ شعیب بن خواجہ احمد بن خواجہ یوسف بن فرخ شاہ بن خواجہ نصیر الدین بن خواجہ مسعود
بن خواجہ محمود بن خواجہ سلمان بن خواجہ مسعود بن خواجہ عبداللہ بن خواجہ ابوالفتح بن خواجہ اسحاق بن خواجہ ابراہیم بن
خواجہ ناصر الدین بن عبداللہ بن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ضرورت امام ربانی مجدد الف ثانی:

حضرت رسول مقبول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت سے دسویں صدی میں سلطان جلال الدین
اکبر شہنشاہ ہند دین اسلام میں نہایت سست ہو گیا اور بغرض تالیف قلوبی ہنود عقائد میں ان سے متفق ہوا۔
چنانچہ سجدہ کرانا جو اس عبادت ہے وہ بھی اس نے اپنے واسطے رائج کر لیا۔ اور بڑھتے بڑھتے یہاں تک
پہنچ گیا کہ اس کے اقوال و دعوات سے ادعائے نبوت کا ذبہ کی بو آنے لگی۔ ابوالفضل و فیضی اس کے
مصاحب تھے جو مذہباً شیعہ تھے۔ مہر خاص کا جمع تھا جل جلالہ اکبر بادشاہ پشت پر تھا اکبر شانہ تعالیٰ۔

غرض کہ دین کی حالت ابتر تھی۔ اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر کے عہد میں نور جہاں بیگم جو شیعہ ملت کی تھی اس کے اور اس کے بھائی آصف الدولہ وزیر اعظم ہردو کے اقدار سے شیعہ مذہب کو ترقی ہوئی اور اہل سنت و جماعت جو دین حقہ تھا اس کو غایت درجہ کا تنزل۔

تقریباً ہزار سال نبوت کے گزر چکے تھے خدا تعالیٰ کی سنت جاریہ کے مطابق وہی وقت امت محمدیہ پر آگیا تھا جو ہر ایک نبوت کے بعد آتا رہا۔ اگر ختم نبوت کا فرمان بارگاہ ایزدی سے صادر نہ ہوا ہوتا تو بمقتضائے وقت ایک اولوالعزم نبی کی ضرورت تھی مگر حکمت الہیہ نے ایک اولوالعزم نبی کا کام ایک عزیز الوجود مقبول سے لینا تھا اور وقت آپہنچا تھا کہ وہ عزیز ایک اولوالعزم نبی کا قایم مقام ہو کر دین اسلام کی تجدید کرے اور اس میں نئی روح پھونکے۔ اس لیے بہ مشیت ایزدی بشارات کے مطابق عین وقت پر وجود پاک مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ظہور پذیر ہوا۔

پہلے زمانہ میں ایک اولوالعزم رسول کے بعد وقتاً فوقتاً انبیاء پیدا ہو کر اولوالعزم پیغمبر کی متابعت میں اس کے دین کی تقویت فرماتے رہتے تھے۔ چونکہ نبوت کا منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مظہر پر ختم ہو چکا تھا اس لیے امت مرحومہ کے علماء کو انبیاء بنی اسرائیل کا رتبہ عطا ہوا اور وہ تقویت دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے چلے آئے اور چونکہ حضور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کو ہزار سال گزر چکے تھے اور بدعات شنیعہ رائج ہو گئے تھے اس لیے ختم نبوت نہ ہوتی تو سنت اللہ کے مطابق ایک نبی مبعوث ہوتا جس کی ہمت ظاہری و باطنی کے ساتھ دین حق کو تازہ رونق اور قوت حاصل ہوتی۔ پاس ہزار سال کے ختم ہونے پر ایک مظہر اتم اور وارث اکمل کی ضرورت ہوئی جو تمام فرائض اولوالعزم پیغمبر کے سرانجام دے پس اس ضرورت حقہ پر وجود مسعود حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ظہور پذیر ہوا اور تمام کارخانہ دینی و دنیاوی امت کا حضرت کے وجود باجود سے منصوب و مربوط ہوا۔

احادیث جو آنجناب کے وجود باجود پر دال ہیں:

ملا جلال الدین سیوطی جمع الجوامع میں یہ حدیث نقل فرماتے ہیں:

”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون رجل فی امتی

یقال صلاہ یدخل الجنة بشفاعتہ کذا و کذا۔

فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو صلہ کہیں گے (صلہ دو چیزوں کو ملا دینے والا)۔
 جس کی شفاعت سے اتنے اتنے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔
 چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ مکتوب ششم جلد دوم میں ارقام فرماتے ہیں:
 ”الحمد لله الذي جعلني صلة بين البحرين ومصلحا
 بين القسمين“
 خدا کا شکر ہے کہ جس نے مجھے دو سمندروں کو ملانے والا اور قسموں کو
 اصلاح دینے والا بنایا۔

شریعت و طریقت جو بسبب رائے عموم کے جدا جدا سمجھی گئی تھی آپ نے اس کی تشریح مکتوبات میں
 بالبداهت بیان فرمادی کہ ایک کا انحصار دوسری پر ایسے ہے جیسے بدن کا روح پر اور نیز فرماتے ہیں کہ:
 ”شریعت کے تین جزو ہیں علم و عمل و اخلاص۔ جب تک یہ تینوں متحقق
 نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی“ (مکتوب ۳۶، جلد اول)
 آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

”علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل“^۴

میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کے مشابہ ہیں۔

یہ حدیث کامل طور پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے وجود مسعود پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آپ ہزار سال
 کے بعد اولوا العزم نبی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مبعوث ہوئے۔
 اولیائے سلف کی خبریں:

(۱) مقامات میں شیخ احمد جام علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں کہ:

”میرے بعد سترہ آدمی احمد نام کے پیدا ہوں گے اور ان میں سب

سے پچھلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزار سال بعد پیدا ہوگا وہ

امت محمدیہ کے تمام اولیاء میں صحابہ کے بعد افضل ہوگا“

شیخ ظہور الدین فرزند شیخ احمد جام علیہ الرحمۃ کتاب رموز العاشقین میں لکھتے ہیں کہ:

”اخیر عمر تک اس کے باپ کے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمی نے بیعت کی میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ہم نے مشائخ کرام کے مقامات کئی اور کتابوں میں دیکھے ہیں لیکن جو حالات آپ پر ظاہر ہوئے ہیں کسی پر ہوتے نہیں سنے۔

انہوں نے فرمایا میں نے جس قسم کی ریاضت کسی ولی کی سنی یا دیکھی وہ کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو کچھ ان اولیا کو عطا فرمایا وہ سب مجھ کو عنایت فرمایا۔ آج سے چار سو سال بعد ایک شخص احمد نام کا پیدا ہوگا کہ جس میں عنایات الہی کے آثار آیات اولین جیسے ہوں گے۔ سب خلقت دیکھے گی (ہذا من فضل ربی) اولیائے اولین و آخرین کے کمالات اس کو دیے جائیں گے“

یہی نقل مولوی جامی قدس سرہ العزیز نے نفحات الانس میں لکھی ہے۔ شیخ احمد جام علیہ الرحمۃ نے ۶۰۰ھ میں وفات پائی اور ولادت باسعادت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ دسویں صدی میں آغاز پذیر ہوئی۔

(۲) داؤد قیصری فصوص الحکم شارح مقدمہ قیصری کی دوسرے فصل میں لکھتے ہیں کہ:

”ہر ایک اسم اور کواکب کا دورہ ہزار سال کے ساتھ ہے اور اولوالعزم نبیوں کی شریعتوں کا دورہ بھی ہزار سال کا ہے۔ پس اس امت میں ہزار سال کے بعد ایک شخص پیدا ہوگا جو دین کی تجدید کرے گا اور انبیاء اولوالعزم کا قائم مقام ہوگا“

(۳) مقامات شیخ خلیل اللہ بدخشی میں مذکور ہے کہ ایک دن شیخ نے فرمایا کہ:

”سبحان اللہ سلسلہ خواجگان نقشبندیہ میں ایک عزیز ہند میں پیدا ہوگا جو امت کے کل اولیاء سے افضل ہوگا۔ مگر افسوس کہ اس وقت ہم نہ ہوں گے۔ پھر ایک خط نیاز مندانہ دعا کی التجا سے لکھا اور اپنے خلیفہ کے سپرد کیا کہ حضرت کو پیش کریں چنانچہ خواجہ عبدالرحمن بدخشی نے آنحضرت کی تجدید و قیومیت کی خلعت ہونے کے دسویں سال

گزرنے پر وہ خط خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا شیخ
خلیل اللہ امت کے مشائخ کبار میں نظر آتے ہیں“

(۴) ایک دن سید الجن والانس حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کسی جنگل میں مراقبہ
فرما بیٹھے تھے ناگہاں آسمان سے ایک نور عظیم ظاہر ہوا۔ جس سے تمام عالم نورانی ہو گیا۔ یہ نور ساعۃ بساعۃ
بڑھتا گیا۔ حضرت نے تامل فرمایا کہ اس مثال میں کس صاحب کمال کا وجود مشاہدہ کرایا گیا ہے۔ القا ہوا کہ
اس نور کا صاحب وہ عزیز امت ہے جو پانچ سو سال بعد ظہور فرما کر ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین
کی تجدید کرے گا۔ جو اس کی صحبت سے فیض یاب ہوگا وہ سعادت مند ہوگا اور اس کے فرزند و خلفاء بارگاہ
احدیت کے صدر نشینوں میں سے ہیں۔

اس واقعہ کے مشاہدہ کے بعد حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا خاص خرقہ اتارا اور اس میں
نسبت خاصہ القا فرما کر اپنے خلیفہ اکبر کو امانتاً سپرد فرما کر ہدایت فرمائی کہ یہ خرقہ بہ حفاظت رکھا جائے اور
دست بدست وقتاً فوقتاً امانتاً سپرد ہوتا رہے۔ تا وقتیکہ اس کا اصلی وارث ظاہر ہو اور اس کے سپرد کیا جائے۔
سپردوار جس شخص کی نوبت وہاں تک پہنچی وہ اس سے استفاضہ کرے، اس کی عزت کرے اور ہماری طرف
سے یہ تحفہ سلام پیش کرے۔ یہ خرقہ مطابق وصیت امانتاً چلا آیا اور حضرت شاہ کمال کیتھلی پیر شاہ سکندر کیتھلی
نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تجدید کے دوسرے سال آپ کے سپرد کیا اور وصیت کا پورا عمل درآمد
فرمایا۔

صاحب روضہ قیومیہ لکھتے ہیں کہ:

”حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے والد ماجد مخدوم عبدالاحد جو
حضرت خواجہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور قطب
سرہند تھے اوائل میں حضرت خواجہ کی خدمت میں بہ نیت استفادہ
حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ آپ علوم متداولہ سے فارغ
ہو آئیں۔ حضرت مخدوم نے عرض کیا کہ اگر اس وقت حضرت
جامہء حیات کو اتار چکے ہوں تو کیا کروں؟ حضرت نے اپنے فرزند
کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر میں نہ ہوں گا تو ان کی خدمت میں آنا۔

حضرت مخدوم کے دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ اگر تحصیل علوم تک خود میری زندگی نے وفانہ کی۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے یہ خطرہ معلوم فرما کر فرمایا کہ آپ اپنے دل میں خطرہ کو راہ نہ دیں۔ جائیں اور جلدی تحصیل علوم سے فارغ ہوں۔ آپ سلوک باطنی کریں گے۔ ہمیں آپ کی پیشانی میں ایک نور دکھائی دے رہا ہے۔ اور مکشوف ہو رہا ہے کہ عنقریب تمہیں ایک فرزند عطا ہوگا۔ جس کے نور سے تمام مشرق سے مغرب تک منور ہوگا۔ اور بدعت اور ضلالت اس کے نور سے مٹے گی۔ اور اس کی اولاد و خلفاء کے ذریعے قیام قیامت تک کمالات باطنی قائم رہیں گے۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو اس کی خدمت کو وسیلہ قرب پروردگار شمار کروں گا“

اسی قسم کی پیشین گوئیاں شیخ سلیم چشتی حضرت شیخ نظام نارنولی حضرت شیخ عبداللہ علاء الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہیں جو بخوف طوالت چھوڑ دی گئی ہیں۔ سلطان ہند یعنی اکبر کی تعدی کفر و بدعت کے باعث مسلمان لوگ تنگ آ کر وقت کے مشائخ شیخ سلیم اور شیخ عبداللہ علاء الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور دعا اور امداد باطنی کی درخواست کی۔ حضرت شیخ متوجہ باطن ہوئے اور لوگوں کو بشارت دی کہ اللہ جل شانہ نے خبر دی ہے کہ عنقریب ایک شخص مبعوث ہونے والا ہے جو اولیاء زمان سے افضل ہوگا۔ اور اس کی توجہ سے دنیا کی نکبت فرحت میں بدل جائے گی۔ دین اسلام میں رونق تازہ پیدا ہوگی اور اس کی ہدایت و ارشاد کے نور سے زمین و آسمان منور ہو جائیں گے اور وہ نور قیامت تک قائم رہے گا۔

اختر شناسوں اور نجومیوں کی پیشین گوئیاں:

خان اعظم نے جو اکبر کے خاص ارکان سلطنت میں سے تھا اکبر کے جو روزانہ سے تنگ آ کر نجومیوں اور اختر شناسوں کو جمع کیا اور مضطرب ہو کر واقعات آئندہ کی نسبت دریافت کیا۔ انہوں نے چالیس روز کی مہلت چاہی اور مہلت گزرنے کے بعد سب نے متفق ہو کر بیان کیا کہ ہم نے اپنے علم میں خوب غور کیا اوضاع فلکی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ:

”عنقریب ایک مرد خدا پیدا ہونے والا ہے جس کی توجہ کی برکت سے دین اسلام تازگی پائے گا اور کفر نیچا دیکھے گا۔ ملحد لوگ فٹوں سار ہوں گے۔ اس کا طریق مثل اصحاب حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوگا۔ اور ہزار سال کے بعد دین اسلام کو رونق تازہ دے گا۔ ایک نجومی نے بیان کیا کہ تین دن سے ایک ایسا ستارہ نکلا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے آج تک نہیں نکلا تھا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے نکلتا تو اس سے ایک نبی اولوالعزم صاحب شرع کی بعثت کا استدلال کیا جاتا۔ چونکہ اس امت میں بعد ختم رسالت پیغمبر کا پیدا ہونا محال ہے اس لیے اس ستارہ کے خواص یہ معلوم ہوتے ہیں کہ اب ایک شخص پیدا ہوگا جو تروج دین کے خواص میں نائب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔ اولوالعزم نبی کا قائم مقام ہو کر باطل مذاہب و طرق کی بیخ کنی کرے اور شریعت مصطفویہ کو تازگی بخشے اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو اور اس کا طریقہ سنت نبویہ کے مطابق ہو۔ اس دن سے خان اعظم حضرت مجدد الف ثانی کا معتقد ہوا اور اس کے عہد مسعود کا منتظر تھا۔ چنانچہ بعد میں خود ایک واقعہ دیکھنے کے بعد تجدید کے دوسرے سال خدمت سعادت میں مشرف ہوا۔ شیخ سلطان جو اراکین سلنت میں سے تھا اور خان اعظم و سید صدر جہاں جو ایک صحیح النسب سید سلطان ہند کا مدرا المہام تھا ان میں سے ہر ایک نے رویا دیکھا جو بخوف طوالت چھوڑے جاتے ہیں۔

سید صدر جہاں کے رویا کی تعبیر میں حضرت شیخ جلال خلیفہ حضرت خواجہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بعد تامل فرمایا کہ:

” بگولوں سے مراد موجودہ بدعت و ضلالت ہے اور پچھوں سے

مراد فتنہ پردازوں کے گروہ ہیں جو مومنین کے ایمان کو ہلاک کر رہے ہیں اور جو نور سرہند کی زمین سے نکلا دیکھا ہے اس سے وہ بزرگ مراد ہیں جو سرہند میں پیدا ہونے والے ہیں ان کی توجہ کے نور سے تمام عالم منور ہونے والا ہے۔ مرغان خوش الحان جو دیکھے ہیں وہ ان کے خلفاء اور مرید ہیں جن کا شیوہ مرضیہ یا مروں بالمعروف وینہون عن المنکر ہوگا، الخ

چنانچہ خان اعظم، شیخ سلطان، سید صدر جہاں اور شیخ جلال نے تجرید قیومیت کے دوسرے سال خدمت اقدس میں مشرف ہو کر فخر بیعت و ارادت حاصل کیا۔

ولادت:

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی کا بلی قدس سرہ العزیز علمائے راسخین سے ہیں۔ غوث العالمین، قطب الاقطاب، عالی جناب، مظہر خوارق و کرامات، جامع درجات ولایت، دافع بدعات و ضلالت، عامل کتاب اللہ و سنت رسول اللہ، وارث کمالات نبویہ، عارج معارج ولایت، امام طریقت، مقتدائے حقیقت، پیشوائے شریعت تھے۔

طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کے آفتاب عالم تاب تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲ شوال المکرم بروز جمعہ نصف شب ۹۷۱ھ بمقام سرہند ہوئی۔ اسم مبارک شیخ احمد، لقب بدرالدین، کنیت ابوالبرکات۔ مادہ تاریخ خاشع ۹۷۱ھ، احمد رفیع المنزلت ۹۷۱ھ، وصال مجدد الف ثانی ۱۰۳۲ھ۔

واقعات بوقت ولادت و قبل از ولادت:

آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد نے مراقبہ میں دیکھا تھا کہ تمام جہاں پر از ظلمت ہے اور خاک و بندر اور ریچھ جہاں میں لوگوں کو ہلاک کرتے ہیں اسی اثناء میں میرے سینے سے ایک نور نکلا ہے جس سے یک بیک تمام عالم نورانی ہو گیا اور ایک بجلی اس نور سے نکلی کہ اس نے تمام خاک و خرس جلادے۔ اور اس نور سے ایک تخت ظاہر ہوا کہ اس پر ایک نورانی شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور ہزاروں آدمی نورانی و فرشتہ ہائے آسمانی اس کے سامنے باداب تمام کھڑے ہیں اور سارے جہان کے ظالم اور زندیق و ملحد پکڑ کر اس کے سامنے لا کر بکریوں کی مثل ذبح کرتے ہیں اور کوئی شخص باواز بلند کہتا ہے 'قل جاء الحق زهق الباطل'

ان الباطل کان زھوقا“

حضرت کے والد ماجد نے یہ واقعہ دیکھ کر حضرت شاہ کمال کبھتلی کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے بعد توجہ باطنی فرمایا کہ تم سے ایک فرزند ہوگا جس سے تمام ظلمت و بدعت دور ہوگی اور سنت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جہان میں بطریق احسن قائم ہوگی۔ پس جیسا انھوں نے فرمایا ویسا ہی ظہور میں آیا۔

شہ ملک ولایت شیخ احمد

مٹلش مادر ایام کم زاد

خواجہ ہاشم کشمیری صاحب زبده المقامات نقل فرماتے ہیں کہ:

”حضرت مجدد الف ثانی کے والد مخدوم عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ کا اتفاق قیام قصبہ سکندرہ (دہلی سے ۲۵ کوس) برائے تحصیل علوم ہوا۔ وہاں ایک صحیح النسب شریف خاندان میں سے ایک صالحہ خاتون رہتی تھی اس نے حضرت مخدوم کے کمال زہد و تقویٰ کو دیکھ کر فراست صادقہ سے مخدوم کے جبین مبین پر معرفت کے آثار اور صلاحیت کے انوار مشاہدہ کیے اور درخواست کی کہ میرے زیر تربیت میری ہمیشہ رہے جو نہایت ہی نیک سیرت اور بہت صالح ترین زمن ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ حضور کے حوالہ عقد میں لاؤں اور امیدوار ہوں کہ یہ التماس قبول ہوگی۔ مخدوم پر چونکہ تحریر و تفرید غائب تھے فوراً قبولیت میں التوا ہوا۔ بعد میں بمقتضائے مشیت ایزدی و رضائے خداوندی مخدوم نے منظور فرمایا اور کچھ عرصہ وہاں قیام پذیر رہے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نور انھیں کے بطن مبارک سے جلوہ افروز ہوا۔

واقعات بوقت ولادت:

حضرت کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب میرے فرزند ارجمند شیخ احمد پیدا ہوئے ایک دن میں مستغرق الحال تھی کیا دیکھتی ہوں کہ میرے گھر میں تمام اولیاء امت جمع ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا دوستو

شیخ احمد کی زیارت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اولیائے اولین و آخرین کے کمالات ان میں جمع کیے ہیں اور اپنا خزینۃ الرحمت بنایا ہے اور حکم دیا ہے کہ جو ان کی زیارت کرے گا میں اس کے گناہ بخش دوں گا۔ اور قیامت کو مقربین خاص میں جگہ دوں گا۔

حضرت مخدوم نقل فرماتے ہیں کہ:

”ہمارے فرزند سعادت مند کے پیدائش کے دن میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں رونق افروز ہوئے۔ کل انبیاء و رسل و ملائکہ ہم رکاب تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خوشی خوشی فرزند کو گود میں لے کر داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر فرمائی۔ اور فرمایا کہ یہ فرزند ہمارے تمام کمالات کا وارث اور قائم مقام ہو کر ہماری امت کے دینی و دنیاوی کارخانے کو دوش بہمت سے اٹھائے گا“

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ:

”ہمارے فرزند کی ولادت کے دن انبیاء و مرسلین و ملائکہ و ارواح اولیائے کرام نے اس قدر ہجوم گرد سر ہند کیا ہوا تھا کہ شہر و نواح شہر بھر گیا تھا“ الخ

شیخ عبدالعزیز خلیفہ حضرت خواجہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کی ولادت باسعادت کے وقت سر ہند میں موجود تھے۔ وہ فرماتے تھے:

”ہم نے اس دن عجیب کیفیت دیکھی فرشتوں کی فوجیں آسمان سے کعبہ معظمہ میں اتر رہی ہیں اور اس بقعہ نور متبرکہ سے جانب سر ہند متوجہ ہیں۔ ہزاروں نورانی علم کعبہ پر نصب ہیں اور غیب سے آواز آئی کہ ایھا الناس آج رات سر ہند میں ایک مرد خدا پیدا ہوا ہے جس کی برکت سے دین اسلام و سنت مصطفویہ کو تازگی و ترقی حاصل ہوگی۔“

ہزاروں قسم کی کاریگری جب حق نے دکھلائی
 تو بزم دہر میں تیری عجب صورت نظر آئی
 حضرت خواجہ ابوالحسن چشتی علیہ الرحمۃ جو وقت کے مشائخ کبار میں سے گزرے ہیں فرماتے ہیں کہ:
 ”میں وقت ولادت آنحضرت سرہند میں موجود تھا۔ میں نے واقعہ
 میں دیکھا کہ شہر میں امت کے تمام اولیاء جمع ہوئے ان میں سے ایک
 بزرگ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگو تم کو مبارک ہو آج رات
 ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس کی روح کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام
 نے ہزار سال تک اپنی کنار عاطفت میں پرورش فرمایا ہے اور ان کو
 اولیائے امت کے کمالات کا مظہر اتم بنایا ہے“

ہزار سال جو باغ یقین پہ ہو جائے
 تو پھول آپ سا ہمت کی شاخ پر آئے
 قرن بھی گزریں مگر تجھ سا خوشنما ناپید
 زمانہ گزرے تو تجھ سا عزیز مل جائے

ایام طفولیت:

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ قیوم اول سنت حضرت رسول منبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
 مطابق مختون پیدا ہوئے۔ آپ ایام طفولیت میں کبھی برہنہ نہیں ہوئے اگر بمقتضائے ضرورت ننگے کیے
 جاتے تو بعد از فراغت جلد کپڑا لے لیتے۔ آپ سے کبھی بدن یا کپڑا نجاست آلود نہیں ہوا۔
 آپ نے عام بچوں کی طرح کبھی گریہ زاری نہیں کیا۔ ہر وقت خندہ پیشانی رہتے۔ ایک دفعہ مرض
 صبیان سے بیمار ہوئے اس وقت حضرت شاہ کمال کبھلی قادری علیہ الرحمۃ موجود تھے آپ کے والد ماجد آپ
 کو اٹھا کر شاہ صاحب کی خدمت میں لائے اور دعائے صحت کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے کمال جذبہ
 سے فرمایا کہ:

”خاطر جمع رکھو اس بچے کی عمر دراز ہوگی اور عالم و عارف کامل ہوگا

اور میرے تیرے جیسے اس کے دامن تربیت سے بہت ظاہر ہوں گے اور اس کی ہدایت و ارشاد کی چمک تا قیام قیامت قائم و روشن رہے گی۔ یہی لڑکا ہے جس کے وجود مسعود کی خبریں اولیاء و صلحاء عظام دیتے چلے آئے ہیں اور باخبر لوگ اس کی بعثت کے منتظر اور چشم براہ ہیں“

یہ فرما کر حضرت شاہ صاحب نے اپنی زبان حضرت کے دہن مبارک میں دی۔ آپ نے شاہ صاحب کی زبان زور سے چوسی۔ جب حضرت نے شاہ صاحب کی زبان چھوڑی تو شاہ صاحب نے مخدوم صاحب سے فرمایا کہ فرزند نے طریق قادری کی تمام نعمت حاصل کر لی۔

تحصیل علوم ظاہری:

جب حضرت کو مکتب میں بٹھایا گیا تو حضرت نے تھوڑے ہی دنوں میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ اور اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہ کر تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔ چنانچہ بہت کم عرصہ میں علوم متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے اور بڑے بڑے دقیق مسائل کے حل بعض کتب کے حاشیہ پر دل کشا عبارت سے لکھے اور پھر سیالکوٹ تشریف لے گئے اور مولانا محقق مولانا کمال کشمیری علیہ الرحمۃ جو نہایت بزرگ و متورع عالم باعمل تھے ان کی خدمت میں رہ کر بعض کتب مثلاً عضدی و امثلہ کی تعلیم حاصل کی اور بعض کتب احادیث حضرت شیخ یعقوب کشمیری علیہ الرحمۃ (جو کہ شیخ معظم قطب مکرم شیخ حسین خوارزمی کبروی کے خلیفہ بزرگ تھے اور حریم شریفین میں رہ کر کبار محدثین سے تصحیح حدیث کر چکے تھے) کی خدمت میں رہ کر سناٹیں اور سند حاصل کی۔ اور پھر تفسیر واجدی کی اجازت بمعہ اس کی تمام مؤلفات مثلاً بسیط و سبب اور اسباب نزول اور نیز تفسیر بیضاوی کی اجازت بمعہ اس کے تمام مصنفات کے مثلاً منہاج الوصول وغیاتیہ القصوی وغیرہم صحیح بخاری کی اجازت بمعہ اس کے تمام مؤلفات مثلاً اثبات و ادب مفرد و افعال العباد و تاریخ وغیرہ ذلک اور مشکوٰۃ و ترمذی و شمائل ترمذی و جامع صغیر و سیوطی و قصیدہ بردہ شیخ بوسیری اور حدیث مسلسل کی علام ربانی قاضی بہلول بدخستانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت و اجازت حاصل کی۔ اور قاضی بہلول کو ان تمام مذکورہ کتب کی اجازت حضرت شیخ عبدالرحمن بن فہد سے پہنچی تھی جن کے آباء اجداد مشہور محدثین سے گزرے ہیں۔

اور مشکوٰۃ المصابیح کی سند اجازت حضرت شیخ عزیز الدین سے حاصل فرمائی ان اجازتوں کے حاصل

کرنے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ:

”مجھے محسوس ہوا کہ مجھ کو طبقہ محدثین میں داخل فرمایا گیا ہے۔“

سترہ سال کی عمر میں حضرت علوم معقول و منقول و فرع و اصول سے فارغ التحصیل ہو گئے۔ پھر وطن واپس تشریف لا کر اقامت فرمائی اور اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں رہ کر تدریس میں مشغول ہوئے اور بعض رسائل تازی و فارسی میں تصنیف فرمائے۔ منجملہ ان کے رسالہ تہلیلہ و رسالہ رد مذہب شیعہ مشہور ہیں۔ حضرت کے شاگرد پایہ اجتہاد کو پہنچے۔

انہی ایام میں آپ کو آگرہ میں تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔ اس سفر میں آپ کی ابو الفضل سے بھی ملاقات ہوئی مگر آپ کا اور اس کا مناظرہ ہو گیا۔ اثنائے گفتگو میں ابو الفضل نے کہا کہ ”چونکہ خرق التیام محال ہے اس لیے فرشتہ آسمان سے اتر نہیں سکتا“ اور نبوت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی انکار کیا۔ آپ نے عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا اور ایک مستقل رسالہ اثبات النبوة میں تصنیف فرمایا۔ لیکن غیرت کی تلوار کام کر چکی تھی اور ابو الفضل شاہ زادہ جہانگیر کی سازش سے قتل ہوا کسی نے مادہ تاریخ لکھا ہے

تبع اعجاز رسول اللہ سر باغی برید

سفر سے واپس تشریف لائے اور اپنے والد بزرگوار کی محبت میں التزام فرمایا اور اخذ فوائد باطنیہ کر کے اجازت سلسلہ شریفہ چشتیہ اور سلسلہ سہروردیہ کبرویہ قادریہ کی حاصل کی اور مخدوم نے حضرت کو جانشین اور قائم مقام مقرر فرمایا۔

چنانچہ حضرت علیہ الرحمۃ رسالہ مبداء و معاد میں فرماتے ہیں:

”اس درویش کو نسبت فردیت اپنے والد بزرگوار سے ملی اور ان کو

ایک صاحب جذب قوی مشہور بخوارق عظیم سے“

جس میں حضرت شاہ کمال کی عقلی کی طرق اشارہ ہے۔ اور اسی جگہ فرماتے ہیں کہ:

”فقیر کو عبادات نافلہ کی توفیق اور خصوصاً نماز نوافل کا ادا کرنا والد

بزرگوار کی مدد سے نصیب ہوا اور ان کو اپنے پیر طریقت سے جس سے

حضرت خواجہ شیخ عبدالاحد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں“

حدیث مصافحہ:

حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص میرے ساتھ سات واسطے سے مصافحہ کرے اس کے لیے جنت واجب ہے۔ ملا بدرالدین حضرات القدس میں لکھتے ہیں کہ:

”آپ کو چار واسطوں سے حضرت رسول اکرم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام سے مصافحہ کا فخر حاصل ہے۔ آپ نے حاجی عبدالرحمن بدخشی کابلی المعروف حاجی رمزی کے ساتھ مصافحہ کیا انھوں حافظ سلطان ادہمی کے ساتھ جن کی عمر ایک سو دس سال کی تھی انھوں شیخ محمود اشعری کے ساتھ انھوں شیخ سعید“

حضرت قیوم رابعہ خواجہ محمد زبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان چار عزیز درمیانی میں سے ایک صاحب جن ہیں۔

خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے شرف ملاقات و بیعت:

حضرت ہمیشہ شوق طواف بیت اللہ و زیارت روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے بیقرار و مضطرب رہتے تھے۔ مگر والد بزرگوار کی کبر سنی مانع تھی۔ حضرت کو والد ماجد سے ایسی حالت میں جدا ہونا گوارا نہ تھا۔ یہاں تک کہ مخدوم کے ارتحال کا وقت آپہنچا اور ۱۰۰۷ھ میں خواجہ مخدوم عبدالاحد اس دار فنا سے رحلت فرما کر واصل محبوب حقیقی ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۰۸ھ میں متوجہ سفر سعادت اثر یثرب و بطحا ہے۔ جب دارالاولیاء دہلی میں پہنچے تو فاضل عصر مولانا حسن کشمیری جو کہ حضرت کے آشناؤں اور حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے مخلصوں میں سے تھے ان سے حضرت کو اتفاق ملاقات ہوا۔ مولانا موصوف سے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی تعریف و توصیف سنی۔ چونکہ حضرت نے والد ماجد سے سلسلہ شریفہ نقشبندیہ اور اس طریق کے صاحب دلوں کے اوصاف سنے ہوئے تھے اور والد بزرگوار کے شوق کو جو اس طریق اور اس کے اہل کی طرف تھا دیکھا ہوا تھا اور خود بھی کتب و رسائل میں ان دلدادگان حق کے اوصاف پڑھے ہوئے تھے نیز آنحضرت کی مناسبت طبعی بھی اس طریقت کی نسبت کے ساتھ تھی اور علو استعداد و قابلیت بھی اکمل طور سے موجود تھی ان وجوہات کے باعث حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا از حد شوق دامن گیر ہوا۔ چنانچہ حضرت متوجہ زیارت حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ

ہوے اور فرمایا کہ راہ حجاز کا توشہ اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے کہ اس مقتدائے زمان سے ان عزیزوں کا طریق ذکر و مراقبہ حاصل کر کے اس پر استقامت کی جائے۔

بگیریم زاد راہ این ساغ
ز شورابہ اشک و زقرص داغ

بلاشک و لاریب وصول محبوب حقیقی کے سب طریق نور علی نور ہیں۔ لیکں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ جنہوں نے طرق چشتیہ قادریہ سہروردیہ کے خوانوں کی چاشنی سے لطف اٹھایا ہوا تھا اس طائفہ عالیہ نقشبندیہ کے طریق سنیہ کے متعلق اس طریق عالیہ کی تحصیل و تکمیل کے بعد مکتوب (صد و شصت ہشتم جلد اول) میں ارقام فرماتے ہیں:

”معلوم شریف مخدوم زادگی بادکہ علوایں طریقہ عالیہ و رفعت طبقہ نقشبندیہ بواسطہ التزام سنت است و اجتناب (پرہیز کرنا) از بدعت لہذا اکابر ایں طریقہ عالیہ از ذکر جہر اجتناب فرمودہ بذکر قلبی دلالت نمودہ اند و از سماع و رقص و وجد و تواجد کہ در زمان آن سرور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام و در زمان خلفاء راشدین نبودہ علیہم الرضوان منع فرمودہ و خلوت و اربعین کہ در صدر اول نبودہ۔ بجائے آن خلوت در انجمن اختیار کردہ لاجرم نتائج عظیمہ برین التزام مترتب گشتہ است و ثمرات کثیرہ بر آن اجتناب متفرع شدہ از بیجا است کہ نہایت دیگران در بدایت ایں بزرگواران مندرج است۔ و نسبت ایثاں فوق ہمہ نسبتہا آمدہ و کلام ایثاں دوائے امراض قلبیہ است و نظر شاہ شفا ئے علل معنویہ۔

و توجہ وجیہہ ایثاں طالبان را از گرفتاری کونین نجات می بخشد
نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند
کہ برند از رہ پنہاں بہ حرم قافلہ را از دل سالک رہ جاذبہ از صحبت
شاہ می برد و سوسہ خلوت و فکر چلہ را۔

خلاصہ اس مکتوب کا یہ ہے کہ:

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی شان سنت پر عمل کرنے اور بدعت سے پرہیز کی وجہ سے اعلیٰ ہے۔ لہذا اس طریق کے اکابر طالبوں کو ذکر قلبی بتاتے ہیں اور رقص و سماع جو حضرت رسول کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانہ میں نہ تھا۔ اس سے منع فرماتے ہیں اور خلوت و چلہ کی بجائے خلوت در انجمن (یعنی مجمع و جماعت میں دل کو خدا کی طرف لگانا) اختیار کرتے ہیں اور اسی وجہ سے بڑے بڑے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اسی باعث سے وہ برکات و انوار و حالات جو دوسرے طرق کے بزرگوں کو انتہائے طریق میں حاصل ہوتے ہیں اس طریق کے سالکوں پر ابتداء میں وارد ہونے لگتے ہیں۔ ان بزرگوں کی نسبت سب نسبتوں پر فائق ہے۔ ان کا کلام امراض قلبی کی دوا ہے اور ان کی نظر باطنی بیماریوں کی شفا ہے اور توجہ عالیہ طالب کو دونوں جہان کی گرفتاری سے نجات بخشتی ہے۔“

الیٰ آخر الکلام۔ اس کے علاوہ اور مکاتیب میں بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی تفصیل فرمائی ہے کہ یہ طریق سب طریقوں سے اعلیٰ و اقرب و افضل و اکمل و موصل تر ہے۔ چنانچہ مکتوب ۲۴۳ میں ان بزرگوں کے حق میں فرماتے ہیں:

”رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ بیان حال شانت مع ذلک طریق ایثاں اقرب طرق است والبتہ موصل است ونہایت دیگران در بدایت این بزرگواران مندرج است ونسبت ایثاں بحضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ منسوب است وفوق ہمہ نسبتہائے مشائخ است اما فہم ہر کس بہ مذاق این اکابر نرسد نزدیک است کہ قاصران این طریقہ علیہ نیز از بعضے کمالات ایثاں انکار نمایند

قاصری گر کند این طائفہ را طعن قصور
حاشا للہ کہ بر آرم بزباں این کلمہ را
اگر دفاتر در بیان خصائص و کمالات این برگزیدگان ثبت نمود آید۔ حکم
قطرہ باشد از دریائے بے نہایت۔

دادیم تراز گنج مقصود نشان
والسلام علی من اتبع الهدی والتزام متابعة المصطفی
علیہ علی وآلہ من الصلوٰۃ و افضلہا ومن التسلیمات
اکملہا“

یہ دو ایک مکتوب نمونے کے طور پر یہاں درج کیے گئے جو آنحضرت نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے علو
شان کے متعلق بیان فرمائے۔ ورنہ اور بھی بہت سے مکاتیب اسی بارے میں ہیں جو بخوف طوالت چھوڑ
دیے گئے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھو مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۱۳۱، ۱۶۸، ۲۰۲، ۲۰۳،
۲۲۱، ۲۲۳ وغیرہم)

مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ ان صاحب قرانوں کے حق میں فرماتے ہیں:

نقشبندیہ عجب طائفہ پرکارند
کہ چوپرکار دریں دائرہ سرکارند
نقشبندند ولے بند ہر نقش نیند
ہر دم از بواجبی نقش دگر مے آرند
ہر زماں بوقلمون وار برنگ دگرند
زیں عجب ترکہ ز رنگ دو جہاں بزارند
گرچہ در ظاہر عام اند باطن خاص اند
گرچہ در صورت خصمند بمعنی یار اند
آب نیل اندولے برب قبطی خون اند

روح محض اندولے بر خر عیسیٰ بار اند
 گرچہ مرآت صیقل اند حبش را زنگ اند
 گرچہ گلزار خلیل اند حطب راناراند
 پاسِ انفاس بود خصلت این شاہ شہاں
 پاسبا نند ولے بادشہ اخبارند
 دم نگہ داشتہ چوں نافہ مشک اند دگر
 لب کشانند رواں بر در عطارند
 نجم آسا ہمہ را خلوت در انجمن است
 شمع ہر انجمن و رونق ہر بازارند
 چومہ ہالہ نشین شاں سفر اندر وطن است
 بتن استادہ بدل در سفر و رفتار ند
 اہل دل قافلہء کعبہ عشق اندولے
 این گرو را قافلہ سالار اند
 در سیہ خانہ صحرائے فنا کردہ نزول
 خیمہ برتر زدہ زیں نہ تنق زنگار رند
 بربل تشنہ لبان روح فزا یا قوتند
 در کف وسوسہ کیشاں زرمشت فشارند
 دیدہ پاکند بلے روشنی دیدہ پاک
 سردیں دارے بلے بر سردیں دستارند
 خاشانند ولے وقت سخن طوطی وار
 ہمہ شیریں حرکات و شکریں گفتار ند

میرسد شاں رطب معرفت از نخل وجود

بارے از بخت خود این قوم چه برخوردارند

الغرض جب حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ خواجہ علیہ الرحمۃ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو خواجہ علیہ الرحمۃ بغیر معمول کے کمال عنایت و بشاشت سے پیش آئے اور قصد سفر دریافت فرمایا۔ حضرت نے اپنا ارادہ بیت اللہ شریف ظاہر فرمایا۔ حضرت خواجہ نے اس شاہ باز بلند پرواز کی جبین مبین پر قابلیت ارجمند دیکھ کر اپنی عادت کے برخلاف فرمایا کہ:

”ہر چند ارادہ بہت مبارک ہے لیکن اگر چند روز اس جگہ فقراء کے

پاس ٹھہرو یعنی ایک ماہ یا ایک ہفتہ تو کیا مضائقہ ہے“

حضرت نے منظور فرمایا۔ اور ایک دن نہیں گزرا تھا کہ حضرت نے بے اختیار ہو کر حضرت خواجہ سے اخذ طریق خواجگان علیہم الرضوان کی درخواست خدمت عالی میں پیش کی۔ چنانچہ حضرت خواجہ نے خلوت میں جا کر حضرت کو بیعت ذکر و طریق خواجگان نقشبندیہ سے مشرف فرمایا اس وقت حضرت کا دل گویا ہوا اور سکینت و اطمینان و التذاز اور حلاوت ذکر ظاہر ہوئی اور یومانیو ما ترقیات عالیہ و عروجات متعالیہ پر فائز ہوتے گئے تاکہ دیکھا جو کچھ دیکھا اور پایا جو کچھ پایا۔

شوق طوائف بیت الحرام کیا تھا۔ پیام وصال صاحب بیت الحرام تھا اور اشتیاق زیارت روضہ منورہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا تھا۔ بلکہ مکین مکان متبرکہ کے نور مطہرہ نے جس نے ہزار سال تک اس دریکتا کو حضرت عمر کے بحر معرفت کے ۲۸ بحروں میں تربیت فرمایا تھا (۲۸ واسطوں سے شجرہ نسب حضرت عمر تک پہنچتا ہے) اب بمقتضائے مشیت ایزدی بنفس نفیس حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ مبارک میں جلوہ افروز ہو کر اپنی نسبت خاصہ کمالات نبوت و کمالات الوال العزم سے مشرف فرمایا اور شرح صدر کی امانت سپرد فرما کر تمام کارخانہ دین و دنیا کا اہتمام تا قیام عالم حضرت نوسونیا۔ اور جہان و اہل جہان کا قبلہ و قدوق بنا کر قومیت عالم و تجدید الف ثانی کی خلعت خاصہ سے ممتاز فرما کر مورد رحمت الہیہ نامتناہیہ کرنا تھا تا کہ ہزار عالم کے لیے سرچشمہ فیوض و برکات کا تابعد قائم رہے۔ چنانچہ انجام حال میں بیت اللہ شریف کا ورو دسر ہند شریف میں ہوا۔ جیسا کہ ارقام فرمایا کہ زمین متبرکہ روضہ مطہرہ و مسجد حضرت مجدد کوزمین مطہرہ بیت الحرام: مسجد نبوی میں فنائے اتم حاصل ہوا اور سرزمین روضہ متبرکہ و مسجد حضرت مجدد کو خاص

بشارت کا حصہ ملا۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جس کی ذرا بھی چشم بصیرت وا ہو اس کو سرہند شریف میں پہنچ کر مدینہ منورہ کے انوار محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن جس کو ابو جہل کے قلب سے حصہ ملا ہو وہ خواہ خدا کے محبوب مقبول علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہی کیوں نہ بیٹھا ہو اس کو سوائے انکار کیا سو جھتا ہے (عیاذنا اللہ تعالیٰ سبحانہ) اور سوائے تاریکی کے جو اس کے قلب ہی کا عکس ہے۔ مرأت نبوی میں اور کیا نظر آنا ہے۔ (اللہ ہم کو بچائے اور ان محبوبوں کے چشموں سے حصہ بخشے۔ آمین یا رب الکریم)

الغرض حضرت کو بہت کم عرصہ میں خواجہ علیہ الرحمۃ کی صحبت میں وہ کمالات حاصل ہوئے جو احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ چند ہی روز میں تمام نسبت نقشبندیہ بالتفصیل حضرت کو حاصل ہو گئی۔ اور حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے بشارت حصول دولت و کمال و تکمیل عطا فرما کر سرہند شریف کو رخصت فرمایا۔ کچھ عرصہ قیام فرما کر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو پھر اشتیاق زیارت خواجہ علیہ الرحمۃ دامن گیر ہوا۔ چنانچہ اس دفعہ حضرت خواجہ نے آپ کو اجازت خلعت خلافت عطا فرما کر رخصت فرمایا۔ حضرت سرہند شریف پہنچ کر تربیت طلاب میں مشغول ہو گئے۔ اور اثر عظیم ظاہر ہوا۔ اور بہت کم عرصہ میں کمالات و عجائبات بسیار ظہور پذیر ہوئے جس کا حد و شمار نہیں۔

چنانچہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے حضرت مولانا کمال (جو حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے ساتھ شرف زیارت و بیعت کا باعث ہوئے تھے) ان کا شکر یہ بعد از حصول کمال مندرجہ ذیل مکتوب میں اظہار فرمایا ہے۔

”فقیر در ادائے شکر نعمت دلالت شما اعتراف بقصور وار و در مکافات
آں احسان شما معترف بعجز۔ ایں ہمہ کار و بار مبنی بر آں نعمت است و
ایں۔۔۔ مربوط بآں احسان۔ بحسن تو سطر شما آں دادہ اند کہ کم کسے
دیدہ است۔ بہ یمن تو سل آں بخشیدہ اند کہ کم کسے چشیدہ از خواص
عطا یاد آں عطا فرمودہ اند کہ اکثرے را از عموم عطا یا آن مقدار میسر
نشده است احوال و مقامات و اذواق و مواجید و علوم و معارف و
تجلیات و ظہورات ہمہ رازینہ ہائے عروج ساختہ بمنازل وصول

رسانیدہ اند لفظ قرب وصول از تنگی میدان عبارت اختیار کردہ است
والا فلا قرب ثم لا وصول ولا عبارة ولا مكان ولا
اشارة ولا شهود ولا حصول ولا اتحادہ لا كيف ولا
جهل ولا صبر

چگوئم من ازاں مرغے نشانہ
کہ باعنا بود ہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامے پیش مردم
ز مرغے من بود آں نام ہم گم
چوں اظہار ایں احسانہائے خداوندی جل سلطانہ کہ در عالم اسباب
ظہور آں مرتب براں نعمت شمار بودہ است در ضمن چند فقرہ مندرج
ساختہ تقید کتابت در آورده بود کہ شکر از شکر آں نعمت شاماد ایا بد۔

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے پیروشن ضمیر کے چند کلمات متبرکات جو
مختصر ادرج ذیل ہیں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے کمالات کے شاہد ہیں۔

بشارات حضرت خواجہ باقی باللہ در بارہ حضرت مجدد:

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جب مجھے حضرت خواجہ الملنگی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ:
”تم ہندوستان جاؤ وہاں تم سے یہ طریقہ جاری ہوگا“

میں نے اپنے میں اس کی قابلیت نہ پا کر عذر کیا۔ آپ نے استخارہ کے واسطے فرمایا۔ استخارہ میں میں
نے دیکھا کہ ایک طوطی اڑ کر میرے ہاتھ پر بیٹھی ہے بیٹھ جائے تو مجھے سفر ہندوستان میں کشائش حاصل
ہوگی۔ بجز اس خیال کے وہ طوطی اڑ کر میرے ہاتھ پر بیٹھ گئی۔ میں نے اپنا لعاب دہن اس کے دہن میں
ڈالا۔ اور اس طوطی نے میرے منہ میں شکر ڈالی۔ میں نے یہ واقعہ حضرت خواجہ الملنگی کی خدمت میں عرض
کیا۔ حضور نے فرمایا:

”اس طوطی سے مراد ایک شخص ہے جس کا ظہور تم سے ہندوستان میں

ہوگا کہ جہان اس سے منور ہوگا۔ اور تم بھی اس سے فیض یاب ہو گے“
 حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جب میں سرہند پہنچا، مجھے واقعہ میں معلوم ہوا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ تم قطب کے پڑوس میں ہو اور اس قطب کا حلیہ بھی دکھایا۔ صبح اٹھ کر میں اس جگہ کے درویشوں کو ملنے گیا مگر کسی میں وہ قابلیت نہ پائی۔ جب میں نے شیخ احمد کو دیکھا تو وہی حلیہ پایا اور نشان قابلیت بھی موجود تھے۔

ایک روز دیکھا کہ میں نے ایک بڑا چراغ جلایا ہے اور لحظہ بلحظہ اس کی روشنی بڑھتی جاتی ہے۔ اور لوگ اس چراغ سے بہت سے چراغ روشن کر رہے ہیں۔ جب میں سرہند کے قرب و جوار میں پہنچا تو وہاں کے دشت و صحرا کو چراغوں سے بھرا ہوا پایا۔ اس بات کو بھی میں تمہارے ہی معاملہ میں اشارہ سمجھا۔ فرمایا:
 ”شیخ احمد مردی است از سرہند کثیر العلم و قوی العمل روزے چند فقیر
 باو نشست و برخاست کرد عجائب بسیار از روزگار اوقات او مشاہدہ
 نمودہ بآن ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا از و روشن گردد“

جب حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ دوسری دفعہ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی زیارت کو دہلی تشریف لے گئے تو حضرت خواجہ مع خدام کابلی دروازہ تک پایادہ استقبال کے لیے تشریف لائے اور حضرت کو باعزاز تمام لے گئے اور اپنے ساتھ سر حلقہ بنا کر اپنے اصحاب کو تاکید کی کہ ان کے روبرو نہ کوئی میری جانب متوجہ ہو اور نہ کوئی میری تعظیم کرے۔ بلکہ سب انھیں کی طرف متوجہ رہا کریں۔ اس حکم کی تعمیل میں جو بعض کو متامل پایا تو فرمایا کہ میاں شیخ احمد آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کی روشنی میں گم ہیں اور خود بھی مثل دیگر مریدوں کے داخل حلقہ ہوا کرتے تھے۔ جب حلقہ سے اٹھ کر باہر تشریف لے جاتے تو حضرت کی جانب پشت نہ کرتے بلکہ چند قدم بر جعت قہقری تشریف لے جاتے۔

جب حضرت دہلی سے سرہند تشریف واپس تشریف لائے تو حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ اکثر مکاتیب میں اپنے اصحاب کا حال و مقام حضرت سے دریافت فرمایا کرتے اور ان کے واسطے دعا و توجہ کے لیے بھی عرض کرتے۔ اور ان میں عزیز متوقف کے اشارہ سے بھی کسی کا حال دریافت فرماتے اور اس کے واسطے بھی توجہ و ہمت طلب فرماتے۔ حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی صاحب زبدۃ المقامات و خلیفہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے شیخ تاج وغیرہ سے حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی زبانی لکھا ہے کہ عزیز متوقف سے خود حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ مراد

ہیں۔

حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ:

”ہم حضرت شیخ احمد کی توجہ سے جان گئے کہ تو حید ایک تنگ کوچہ ہے
اور اس سے آگے شاہراہ وسیع ہے“

فرمایا کہ:

”میاں احمد اکمل مرادوں اور محبوبوں سے ہیں“

فرمایا:

”ان کی مانند آج زیر فلک کوئی نہیں ہے“

فرمایا:

”بعد از صحابہ و کمال تابعین و مجتہدین ان کی مانند گنتی ہی کے
اخص الخواص گزرے ہیں“

فرمایا کہ:

”میں نے ان تین چار سالوں میں پیری نہیں بلکہ کھیل کیا ہے مگر
الحمد للہ! کہ میرا کھیل اور دکانداری ضائع نہیں گئی کہ ایک ایسا شخص
ظاہر ہوا“

فرمایا کہ:

”یہ تخم بخارا اور سمرقند سے لا کر ہند میں بویا“

تیسری دفعہ جب حضرت سرہند سے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ باقی باللہ
علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ:

”ضعف بدن بہت ہے امید حیات منقطع ہے“

آپ نے دونوں صاحبزادوں خواجہ عبداللہ و خواجہ عبید اللہ شیر خواران کو طلب فرما کر اپنے روبرو توجہ
کرائی۔

آپ کے آداب شیخ کی جناب میں:

حضرت خواجہ ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ بیاض حضرت خواجہ معصوم قیوم ثانی میں لکھتے ہیں:

”ہر چند آپ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ سے عرض کرتے کہ ایسے سلوکوں سے غلام کو کیوں شرمسار فرمایا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ فرماتے ہم خدا کے لیے ایسے سلوک کرتے ہیں بلکہ ہم ایسا کرنے پر مامور ہیں۔ باوجود ان خاص الطاف و عنایات کے حضرت کے ادب و اعتقاد کی کچھ انتہا نہ تھی“

حضرت خواجہ حسام الدین سے منقول ہے کہ:

”ایک روز مجھ کو حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے کسی ضرورت سے حضرت کے بلانے کو بھیجا جو نہی میں نے جا کر کہا کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ آپ کو طلب فرماتے ہیں حضرت کا چہرہ مبارک مارے خوف کے متغیر ہو گیا اور تمام بدن میں اضطراب و رعشہ پیدا ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ سنا کرتے تھے ”زردیکاں را بیش بود حیرانی“ آج دیکھ بھی لیا“

حضرت نے خود رسالہ مبداء و معاد میں لکھا ہے کہ:

”ہم چار آدمی جملہ مریدوں میں ممتاز طور حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہا کرتے تھے ہر شخص کا حضرت خواجہ کے ساتھ تعلق اور اعتقاد علیحدہ علیحدہ تھا میرا عقیدہ یہ تھا کہ ایسی صحبت اور ایسی تربیت و ارشاد (بعد زمانہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) ہرگز پیدا نہیں ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتا تھا کہ اگر حضرت خیر البشر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے مشرف نہیں ہوا بارہ ہزار ہزار شکر کہ اس سعادت سے محروم نہیں رہا“

حضرت خواجہ کے وصال کے بعد آپ کے خلفاء کا حضرت مجدد سے انحراف اور پھر متنبہ

ہو کر رجوع لانا:

حضرت خواجہ ہاشم کشمی اور ملا بدرالدین برکات الاحمدیہ اور حضرات القدس میں لکھتے ہیں کہ:

”حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی وفات کی خبر وحشت اثر سن کر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کمال اضطراب سے دہلی تشریف لائے تو حضرت خواجہ کے کل غلاموں نے حضرت کا استقبال کیا۔ اور حضور کے وصایا کی تکمیل میں حضرت کے حلقہء مراقبہ میں حاضر ہوئے۔ اور ویسے ہی آداب کے ساتھ پیش آئے۔ مگر عین سرگرمی افاضہ میں بعض حاسدوں نے حضرت خواجہ کے حضرت سے استفاضے کو طرح طرح کے رنگ میں دل پر جمایا جو باعث کشیدگی ہوا۔ چنانچہ اکثر اصحاب حضرت کی قومیت و مجددیت سے منحرف ہو گئے۔ اول اول حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے پند و نصائح فرمائے مگر وہ باز نہ آئے تو حضرت نے بعض کی نسبت سلب فرمائی مگر پھر بھی ان کا اصرار کم نہ ہوا اور حضرت نے وطن مراجعت فرمائی“

شیخ تاج خلیفہ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ منحرف جماعت کے سرگروہ تھے۔ اس کے بعد ایک دن سب لوگ ختم میں مشغول تھے ان میں سے ایک شخص صاحب کشف نے واقعہ دیکھا کہ کل درویشوں نے ایک ایک چراغ جلا یا ہے ناگاہ تند ہوا کا جھونکا بجلی کی طرح آیا اور یکنخت سب کے چراغ بجھ گئے۔ اتنے میں کسی نے غیب سے آواز دی کہ یہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مخالف درویشوں کی توجہ کے چراغ ہیں اور بجلی کی جھپٹ آنحضرت کی توجہ۔ شیخ تاج کا حال بھی سلب ہو گیا۔ نہایت متحیر ہوئے اور اس کے باعث کی طرف متوجہ ہوئے۔ واقعہ میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی مجلس منعقد ہے اور امت کے تمام کمال حاضر ہیں اور حضرت امام ربانی صدر نشین ہیں۔ ایک بزرگ نے شیخ تاج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہاری نسبت سلب ہونے کا باعث حضرت مجدد کی مخالفت ہے۔ ایسے ہی واقعات اور یاران طریقت نے بھی دیکھے اور شیخ تاج نے مولانا محمد بلخ اور مرزا حسام الدین کو ان کی غلطی اور اپنے اس واقعہ سے آگاہ کیا (اور لکھا کہ حضرت سے سب یار معافی کی درخواست کریں) اسی اثناء میں حضرت خواجہ حسام الدین نے بھی مراقبہ میں دیکھا کہ

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں اور خطبے میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تعریف و توصیف بیان فرما رہے ہیں اور آپ کی مجددیت کی تصدیق فرما رہے ہیں۔ یہ واقعات دیکھ کر سب منحرف یاروں نے توبہ و استغفار کر کے رجوع کیا اور شیخ تاج نے ایک درخواست اپنے گناہ کی معافی اور سب دوستوں کی سفارش میں لکھی اور جب حضرت خواجہ کے عرس کی تقریب پر حضرت مجدد علیہ الرحمہ دلی تشریف لائے تو کل یاران طریقت جو منحرف ہو گئے تھے ننگے سر دستاریں گلے میں ڈال کر استقبال کے لیے حاضر ہوئے۔ شیخ تاج کی سفارش پر آپ نے سب کا قصور معاف فرمایا۔

حضرت کا ارشاد و خلفاء کا جمیع ممالک کی طرف روانہ کرنا:

اکبر بادشاہ کی بے دینی اور از حد گمراہی سے سلطنت کے اکثر حلیم الطبع اراکین مثل خانخاناں، سید صدر جہان، خان اعظم وغیرہم (جن کو حضرت کے ساتھ ارادت و بیعت سے شرف حاصل تھا) سلطان کی ان حرکات سے سخت ناراض تھے۔ چنانچہ جب سلطان کا ارتداد حد سے بڑھ گیا اور اسلام کے اصول پر کھلم کھلا حملے شروع ہو گئے اور اپنے نئے دین کی بنیاد ڈالی جس کا نام دین الہی رکھا گیا۔ اور ابوالفضل اور فیضی جیسے مصاحبوں کی مدد سے اپنے آپ کو نبی ظاہر کرنے لگا اور دعویٰ میں ایک من گھڑت قرآن بھی پیش کیا تو بعض نیک اندیش و پاک طینت امراء حضرت کی خدمت میں جمع ہوئے اور نہایت ادب سے گزارش کی کہ ہم کو بلائے عظیم سے نجات بخشیں۔ حضرت حمیت دین کی وجہ سے بادشاہ پر نہایت آشفته خاطر ہوئے اور کھلم کھلا پیغام بھیجا کہ:

”تم اس دعوے سے توبہ کرو اور از سر نو اسلام کی تجدید کرو ورنہ

غضب الہی کا انتظار کرو“

سلطان کو اختر شناسوں اور نجومیوں سے اپنے زوال سلطنت کی خبر مل چکی تھی اور بزرگوں نے بھی خبریں دے رکھی تھیں جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے اور خود بھی ایک وحشتناک خواب دیکھ چکا تھا (بادشاہ نے حضرت کی ولادت کے وقت خواب دیکھا کہ شمال کی جانب سے (سرہند پایہء تخت سلطان سے شمال کی جانب ہے) ایک ایسی تیز ہوا چلی ہے جس سے وہ بمع تخت اوندھا گرا ہے) اس خواب کی ہیبت سے ایسا بیمار ہوا کہ سات روز تک زبان بند رہی۔ آخر ہفتہ کے بعد زبان کھلی تو اس نے حکماء سے کہا کہ بیماری تو مجھے کوئی نہیں لیکن میں نے خواب دیکھا ہے جس کا خوف میرے دل پر غالب آ گیا اور میرا یہ حال ہوا۔ اختر شناسوں اور

مبعروں نے اس واقعہ سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے وجود مسعود کی خبر دی۔ ان تمام واقعات سے بادشاہ کے دل میں خوف چھاپا ہوا تھا۔ ان وجوہات سے اس نے پاس خاطر امراء آئین اکبری میں صرف اس قدر نرمی کر دی کہ سجدہ زبردستی کرانا بند ہو گیا اور مذہبی آزادی ہو گئی کہ جو شخص چاہے دین محمدی پر قائم رہے اور جو چاہے دین الہی (اکبر کا نیا دین) میں داخل ہو۔ اور ایک دن مقرر کیا گیا جب لوگ اپنے فریق کو بخوشی قبول کریں۔ اور اس مقررہ دن پر دو وسیع ڈیرے نصب کیے گئے ایک کا نام بارگاہ محمدی اور دوسرے کا نام بارگاہ اکبری رکھا گیا اور دونوں فریقوں کے لوگ ہر ڈیرہ میں جمع ہونے لگے۔

جب حضرت مجدد کو یہ خبر پہنچی، حضرت نے فرمایا غضب الہی بادشاہ پر نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ جب دونوں طرف کے لوگ جمع ہو چکے اور کھانے میں مصروف ہو گئے حضرت نے ایک آدمی بھیجا جس نے آنحضرت کے ارشاد سے بارگاہ محمدی کے گرد ایک لکیر کھینچ دی اور بارگاہ اکبری کی طرف حضرت کی دی ہوئی مشک خاک پھینک دی جس سے ”ومارمیت از رمیت“ کی شان ظاہر ہوئی۔ اور اس وقت ایک طوفان گرم ہوا کا ایسا نمودار ہوا جس سے بارگاہ اکبری کا سب کارخانہ درہم برہم ہو گیا اور قاتل اور شامیانے گر پڑے۔ درپچہ کے تختے ٹوٹ گئے آن کی آن میں ڈیرہ کی میخیں اکھڑ گئیں۔ بادشاہ کے سر میں ایک تختہ ایسا کاری لگا جس سے سات زخم آئے۔ اکبر بادشاہ بیہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔ غرض ایک ہفتہ تک طوفان رہا۔ اور مرتدین سب ہلاک ہو گئے۔ بارگاہ محمدی حضرت کی دعا و توجہ کی بمرکت سے بالکل محفوظ رہا۔ بادشاہ اس طوفان کے دنوں میں راہی ملک بقاء ہوا۔ اور ہزاروں لاکھوں آدمی حضرت کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ خان جہاں، لودھی سکندر خاں، دریا خاں، مرتضیٰ خاں، بہادر خاں، دلیر خاں وغیرہم و دیگر امراء و اراکین انہی ایام میں داخل طریق ہو کر فیض یاب ہوئے تھے۔ اب حضرت کے کمالات و قیومیت کا شہرہ آفاق ہوا۔ اور جوق در جوق و گروہ در گروہ حضرت کے حلقہ غلامی سے سرفراز ہونے لگے۔ ہند، سندھ، خراسان، ماوراء النہر، بدخشاں، بخارا، شام وغیرہ جہاں کے کل جانب سے علماء و مشائخ حضرت کے آستان فیض نشان کی طرف متوجہ ہوئے۔

سلطان بدخشاں کے مقرب حضرت شیخ طاہر نے واقعہ میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بمعہ خلفائے راشدین دیکھا۔ آنحضرت علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

”تجھ کو بادشاہ کے ساتھ رہنا مناسب نہیں حضرت مجدد الف ثانی کی

خدمت میں حاضر ہو‘

چنانچہ وہ سرہند شریف کو روانہ ہوئے۔ اور راستہ میں مولانا صالح کولابی اور علاقہ طائفان سے مولانا یار محمد جو علماء میں سے تھے۔ رفیق طریق بنے اور شادیان شیخ عبدالحق اور علاقہ برک سے شیخ احمد برکی جن کو حضرت کے مکتوبات و علوم و معارف خاصہ سے واقفیت حاصل تھی ان کے ہمراہ ہوئے۔ اور سب اکٹھے مل کر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی زیارت سے فیض یاب ہوئے۔ شیخ احمد برکی کو حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ایک ہفتہ خدمت میں رکھ کر خلافت و قطبیت سے مشرف فرمایا۔ وطن میں پہنچ کر ان کو قبولیت عظیم ہوئی اور ہزاروں لاکھوں حلقہ غلامی میں داخل ہو کر سعادت دارین سے بہرہ یاب ہوئے۔ شیخ حسن جو وہاں کے اکابر میں سے تھے ان کے مرید ہو کر سرہند شریف حاضر ہوئے اور حضرت سے خلافت پا کر واپس گئے۔

شیخ یوسف برکی مولانا صالح کولابی اور مولانا یار محمد الطائفانی کو بھی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے کچھ عرصہ رکھ کر خلافت سے مشرف فرمایا اور ان کے اوطان، خراسان و بدخشاں و الطائفان کو بھیج دیا۔ جہاں ہزاروں ان کے شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ مولانا قاسم علی منصب خلافت پا کر علاقہ ماوراء النہر بھیجے گئے۔ اس جگہ کے ہزاروں لوگ مولانا سے فیض یاب ہوئے۔ توران کا بادشاہ عبداللہ خاں ازبک حضرت کے خلفاء کا از حد معتقد تھا اور کوئی کام ان کے حکم کے بغیر نہیں کرتا تھا۔ حضرت کی خدمت میں عرائض غلامانہ بھیجتا اور سب خانقاہوں کے مصارف عبداللہ خاں کی سرکار سے ملتے تھے۔

اسی سال حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے خلیفہ میر محمد نعمان کو خلافت عطا فرما کر علاقہ دکن میں بھیجا۔ جہاں ان کو قبول عظیم ہوا۔ ان کے حلقہ مراقبہ میں اس قدر انبوه ہوتا تھا کہ چار چار سو سوار ہوتے تھے اور پیادوں کا شمار نہ تھا۔ لوگ میر صاحب پر ایسے گرویدہ تھے کہ سلطان ہند کو اپنی سلطنت کا خوف پیدا ہو گیا تھا۔ اسی سال حضرت شیخ طاہر بدخشی خلافت پا کر بدخشاں کو گئے۔ حضرت مجدد نے پھر ستر خاص خاص اہل ارادت ملک قباچاق میں بھیجے۔ جن کے سردار مولانا یار محمد قدیم طائفانی تھے اور چالیس ایسے خاص خاص بزرگ ملک تین، شام، روم کو روانہ فرمائے جن کا سردار مولانا محمد صادق کو مقرر فرما کر براہ کاشغر روانہ کیا۔ یہ اپنے اپنے ملکوں میں پہنچ کر مرجع خلائق ہوئے اور ہدایت و رشد کا نور ایک عالم پر محیط ہو گیا اور حضرت مجدد کے کمالات و ارشاد کا شہرہ پوری دنیا میں پھیل گیا۔ اسی اثناء میں حضرت نے شیخ بدرالدین کو منصب خلافت عطا فرما کر سلطانی لشکر کی ہدایت کے لیے بھیجا۔

اکبر کے بعد سلطان جہانگیر تخت نشین ہوا۔ لیکن اس نے باپ کی طرح لوگوں سے سجدہ کرایا اور باپ کے رسوم و آئین کو رواج دینا شروع کیا۔ اس کا وزیر اور مدارالمہامدین متین کے دشمن تھے۔ نور جہان بیگم جو شیعہ ملت کی تھی اور بادشاہ کی چہیتی بیوی تھی۔ اس کے رعب سے شیعہ ملت کو ترقی ہو گئی تھی۔ اس وجہ سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے شیخ بدیع الدین کو خلافت بخش کر نہایت تاکید فرمائی کہ تمہارا فوج میں پہنچ کر ٹھہرنا بہت ضروری ہے۔ تم کو وہاں بڑی قبولیت ہوگی اور اگر کوئی تکلیف پہنچے تو استقامت رکھیں۔ شیخ کو لشکر میں پہنچ کر قبولیت عظیم ہوئی۔ ہزار ہا لوگ فیض یاب ہوئے اور حلقہ و مراقبہ ذکر کا بازار گرم ہوا۔ ہجوم اس قدر ہونے لگا کہ امراء کو بھی شیخ کی زیارت مشکل سے ہوتی تھی۔ اس وجہ سے شیخ کے حاسد و دشمن پیدا ہو گئے اور مختلف کی قسم کی باتیں مشہور ہوئیں۔

اسی اثناء میں وزیر اعظم آصف الدولہ کے پدرواب اعتماد الدولہ کی جانب سے شیخ نے ایک محتاج کے لیے سفارشی چٹھی لکھی۔ اس چٹھی میں القاب ایسا خفیف لکھا جیسے کم تر درجے کے مکتوب الیہ کو لکھا جاتا ہے۔ نواب نے وہ کام تو کر دیا اور اس بات کا خیال نہ کیا لیکن اس چٹھی پر وزیر اعظم کی نظر پڑ گئی۔ وہ دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا اور در پردہ شیخ کا دشمن بن گیا اور ہمیشہ درپے آزار رہتا تھا۔ چنانچہ ایک دن موقع پا کر اس نے بادشاہ سے اس طرح سلسلہ سخن کا ہلایا۔ اور کہا۔

”سرہند میں شیخ احمد نام دعویٰ تجدید ہزار سال کھرتا ہے اور اس کے پاس ایک لاکھ سوار زرہ پوش موجود ہیں۔ ایران، توران، بدخشاں وغیرہ ولایتوں کے فرمانرواؤں نے اس کی مریدی اختیار کر لی ہے۔ اس کے خلفاء دنیا ہیں تمام ممالک محروسہ میں پہنچ گئے ہیں۔ ہر ایک نے ہزاروں مرید جمع کر لیے ہیں۔ چنانچہ اس کے ایک خلیفہ نے یہاں شاہی لشکر میں بھی اپنا سکہ جمالیایا ہے۔ کل ارکان سلطنت نے اس کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ شیخ کے دل میں ہوس دولت و داعیہ سلطنت ہے“

بادشاہ کی توجہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی جانب:

پس شہنشاہ کے حکم سے ہندوستان کے تمام علاقوں میں جاسوس مقرر کیے گئے تاکہ امام ربانی مجدد

الف ثانی علیہ الرحمۃ کے حالات کی اطلاع ہر وقت جہانگیر کو پہنچتی رہے۔ ان ہی ایام میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے رفض وروافض کی رد میں مکاتیب ورسالے لکھ کر جا بجا مشتہر کیے تھے اور چونکہ نور جہاں کا اختیار تھا اور وہ شیعہ تھی اور وزیر و دیگر اراکین بھی شیعہ تھے اس لیے بھی وہ حضرت مجدد کے جان و آبرو کے دشمن ہو گئے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا ایک مکتوب بادشاہ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ شیخ احمد اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل بتاتا ہے۔ وہ مکتوب یہ ہے (حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کو اس طرح لکھا تھا):

”ثانیاً معروض آنکہ درائنائے ملاحظہ آں مقام مرۃ ثانیہ مقامات دیگر بعض فوق بعض ظاہر شدند از توجہ بہ نیاز شکستگی چوں بمقام فوق آں مقام سابق رسیدہ شد معلوم شد کہ ایں مقام ذوالنورین است و خلفاء دیگر را ہم در آں مقام عبورے واقع شدہ است و ایں مقام ہم مقام تکمیل و ارشاد است۔ وہم چنین در مقام فوق ہم کہ اکنون مذکور می شوند و بالائے آں مقام بمقام دیگر در نظر آمد چوں بآں مقام رسیدہ شد معلوم گشت کہ آں مقام حضرت فاروق است و خلفاء دیگر را ہم در انجا عبودی واقع شدہ است و فوق آں مقام مقام صدیق اکبر ظاہر شد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بآں مقام نیز رسیدہ شد و انہ مشایخ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ العزیز وارد ہر مقام با خود ہمراہ می یافت و خلفاء دیگر را ہم در آں مقام عبوری واقع شدہ است تفاوت نیست الا در عبور و مقام مرور و ثبات و بالائے آن مقام بیچ مقامے مفہوم نمی شود الا مقام حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوٰۃ والسلام اتمہا و من التھیات اکملہا و محاذی مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقامی دیگر نورانی بس شگرف کہ ہرگز مثل آں در نظر نیامدہ بود ظاہر شد و اند کے از آن مقام ارتفاع داشت۔ چنانکہ صفہ را از روئے زمین بلندی سازند و معلوم شد کہ آن مقام مقام محبوبیت است و آں مقام رنگین و

منقش بود و خود را ہم بانعکاس آں مقام رنگین و منقش یافت و بعد ازاں
 بہماں کیفیت خود را لطیف یافت و در رنگ ہوایا قطعہ ابر در افق منتشر
 دید و بعضے اطراف را وا گرفت حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ
 بہاء الدین قدس سرہ العزیز) در مقام صدیق اندر ضی اللہ عنہما و خود را
 در مقام محاذی آں می یابد۔ الی آخرہ الکلام۔ (مکتوبات امام ربانی،
 جلد اول، مکتوب یازدہم)

جہانگیر کا حضرت مجدد کو بلانا اور گفتگو کرنا:

اپنے واقعہ جس سے پہلے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا:
 ”اب تک میری تربیت جمالی طور پر ہوئی ہے اب خدا تعالیٰ کی مرضی
 مبارک جلالی طور سے کرنے کی ہے“

حضرت کو القا ہوا کہ:

”جب تک آپ اپنے نفس پر تکلیف گوارا نہ کریں گے دین متین کی
 تجدید اور کفر و بدعت کا سنت نبویہ سے تبدیل ہونا اور اسلام کا رونق
 پانا ممکن نہیں۔ خلق خدا نعمت ہدایت سے محروم رہے گی۔ انبیاء علیہم
 السلام کی سنت کے مطابق دین کی خاطر تکلیفیں اور اذیتیں برداشت
 کرو۔ اولوالعزم نبی جو ہزار سال کے بعد مبعوث ہوتے رہے ان
 کے لیے کفار سے جہاد کرنا اور اس کے ہاتھ سے ضرر اٹھانا لازمی تھا“
 آپ نے اس القاء کے بعد اپنی خواہش کو خدا تعالیٰ کے سپرد کیا اور تکلیف اٹھانے پر کمر ہمت باندھ
 لی۔

الغرض جب حضرت کا ارشاد اس قدر وسعت پذیر ہوا اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے خلفاء جا بجا ملکوں
 میں پھیل گئے اور امراء و اراکین جوق در جوق حضرت کے خلفاء کی غلامی سے مشرف ہونے لگے اور فوج کے
 ہزاروں آدمی حضرت کے خلیفہ شیخ بدیع الدین کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور حضرت نے خود اہل
 تشیع و روافض کی مخالفت میں رسائل لکھے تو وزیر اور اکثر اراکین حضرت کے درپے آزار ہوئے اور سلطان کو

اپنی سلطنت کا اندیشہ ہوا۔ پس وزیر نے موقع پا کر حضرت کا یہ مکتوب سلطان کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ شیخ احمد اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل بتاتا ہے۔ اور اپنا مقام ان کے مقام و برتر کہتا ہے۔ سلطان نے امراء و اراکین سلطنت کو جمع کیا اور مشورہ کیا۔ مختلف راؤں کے بعد وزیر کی رائے پر اتفاق ہوا کہ جو جو امراء حضرت کے مرید ہیں ان کو بے خبر دور دور علاقوں میں تنخواہیں بڑھا کر تبدیل کیا جائے۔ اس کے بعد حضرت کو طاہری دلا سے مدارات سے بادشاہ کے حضور بلا لیا جائے۔ جب یہاں پہنچیں تو شاہ اکبر کے رسوم و آئین کی اطاعت کا حکم کیا جائے۔ مثل سجدہ وغیرہ۔ اگر منظور کریں تو بہتر ورنہ نظر بند رکھا جائے۔ اگر حضرت کے مرید ان کے نظر بند ہونے پر شورش کریں تو ہم ان کو حضرت کے قتل کی دھمکی دیں گے اور اگر وہ مخالفت پر کمر باندھیں تو ہم ان کے پیر کو بمع خلفاء کے قتل کر ڈالیں گے اور جب تک بیرونی ولایتوں کے خلفاء اپنی کمکوں کے ساتھ ہند پہنچیں تب تک ہمارا انتظام ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم باہر سے آنے والوں کے واسطے حضرت مقتول کے نام پر مدارات و مہمان داری کا سامان مہیا رکھیں گے۔ اور چند واجب القتل آدمیوں کو تیار رکھیں گے اور ان پر حضرت کے قتل کے الزام لگا کر قصاص میں قتل کر ڈالیں گے۔ وزیر کی یہ تجویز بادشاہ نے پسند کی اور دوسرے دن علی الصبح امراء کو دربار میں طلب کیا جو آنجناب کے مرید تھے۔ مثلاً خانخاناں، خان اعظم، خان جہاں لودھی، ترتیب خاں، سید صدر جہاں، اسلام خاں، قاسم خاں، سکندر خاں لودھی، جباری خاں، مہابت خاں، دریا خاں، مرتضیٰ خاں وغیرہ وغیرہ۔ خانخاناں ملک دکن پر اور سید صدر جہاں کو مشرقی ممالک پر۔ خان جہاں لودھی مالوہ اور مہابت خاں کو کابل پر۔ غرضیکہ ہر ایک کو الگ الگ علاقے کی گورنری پر مقرر کر کے روانگی کا حکم دیا۔

جب ان سب امراء کی اپنے اپنے علاقوں میں پہنچنے کی رپورٹیں دربار میں موصول ہو گئیں۔ تو سلطان نے ایک اشتیاقی خط حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے نام اس مضمون سے لکھا کہ ہم کو زیارت کا شوق ہے۔ حضور تشریف لائیں اور حاکم سرہند کے نام حکم بھیجا کہ خود حاضر ہو کر ہمارا حکم پہنچاؤ اور حضرت کو شاہی دربار میں پہنچاؤ۔ حکم سلطانی تھا کہ حضرت کے متعلقین کے کل مرد کیا خلیفے کیا مخدوم زادے سب کے سب ساتھ آئیں ایک بھی پیچھے نہ رہے۔ حضرت مجدد نے حکم شاہی سفر کی تیاری فرمائی اور مخدوم زادگان عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم، خواجہ محمد سعید خازن الرحمۃ اللہ علیہما کو کوہستان کی طرف روانہ فرمایا اور ساتھ لے جانا نصیحت نہیں خیال فرمایا۔ رخصت کے وقت کل خاندان و دلا سے اور تسلی دیتے رہے اور صبر و تحمل کی وصیت

فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم پر ایک سال کی تکلیف رہے گی۔ اس کے بعد مشمتت راحت سے بدل جائے گی اور عسریہ کارنگ لائے گی۔

آپ کے ہمراہ پانچ ہزار مخلص یار تھے اور ایک ہزار چھ سو خلیفے تھے۔ جب قریب لشکر کے پہنچے تو بادشاہ نے اپنے تمام امراء دولت کو استقبال کا حکم دیا اور آپ کے لیے ایک خیمہ خاص مخلصین و خلفاء کے لیے بھی بہت سے الگ الگ خیمے لگوائے۔ وزیر نے بادشاہ کی ملاقات کا وقت ایسا مقرر کرایا جس میں علی العموم بادشاہ غضبناک ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ بادشاہ کے خارجی اوقات کے دو حصے تھے۔ ایک شراب خوری اور عیش و نشاط کا اور دوسرا غضب و غصے کا۔ جس میں مخلوق خدا پر طرح طرح کے ظلم و ستم ہوا کرتے تھے۔ ملاقات کے وقت حضرت سیدھے تشریف لے گئے۔ سجدہ تو کرنا ہی نہ تھا۔ آپ نے لفظ سلام بھی زبان مبارک سے نہ نکالا۔ بادشاہ نے تو حضرت کی اس وضع پر خیال نہ کیا لیکن وزیر نے بگڑ کر بادشاہ سے کہا کہ حضور یہ شخص اپنے آپ کو کل انبیاء علیہم السلام سے اور علی المرتضیٰ سے افضل بتاتا ہے اور اپنے مقام کو حضرت صدیق اکبر کے مقام سے برتر کہتا ہے۔

حضرت نے جواب میں فرمایا کہ جو شخص حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جو افضل الناس بعد الانبیاء ہیں افضل جانے وہ دائرہ اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ (وزیر شیعہ تھا) چہ جائیکہ کہ کوئی اپنے تئیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ فقیر کتاب اور سنت کی مخالفت کرے اور اپنے آپ کو انبیاء کے برابر یا ان سے بہتر کہے۔ حالانکہ اصول صوفیہ سے ہے کہ جو شخص اپنے تئیں سگ فرنگ سے بہتر جانے اس پر خدا کی معرفت حرام ہے اور جس عبارت سے لوگ یہ مطلب سمجھے ہیں وہ سیر عروج کا حال ہے کہ اکثر صوفیہ کو ابتداء حال میں مقامات اکابر میں واقع ہوتی ہے اور پھر اپنے اصلی مقام پر آجاتے ہیں۔ مثلاً دربار شاہی میں کہ ہر امیر و وزیر کی اپنی جگہ مقرر ہے۔ اگر سلطان کسی شخص کو مصلحتاً اپنے پاس ذرا سی دیر کے واسطے طلب فرمائے اور اس سے سرگوشی کر کے پھر اس کو واپس کر دے چونکہ وہ شخص تمام اراکین سلطنت کے مقام پر ہوتا ہوا آئے گا تو اس سے یہ ضرور نہیں کہ وہ شخص ان کا ہم رتبہ و ہم درجہ ہو گیا۔ یہی حال اس عروج باطنی کا بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس مکتوب میں لکھا ہے کہ میں نے اس مقام کے عکس سے رنگین پایا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر کوئی چیز عکس آفتاب سے روشن ہو جائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ آفتاب ہو گیا۔ زمین ہر روز آفتاب سے روشن ہوتی ہے مگر یہ نہیں

کہا جا سکتا کہ زمین آفتاب ہوگئی۔

غرضیکہ حضرت نے جوابات معقول سے بادشاہ کی تسلی کر دی۔ روافض نے جب دیکھا کہ ان کی چال نہ چلی تو بادشاہ کو حضرت کے آداب سجدہ و آداب شاہانہ بجا نہ لانے کی طرف متوجہ کیا۔ بادشاہ نے برا فروختہ ہو کر کہا کہ آپ آداب سلطنت کیوں بجا نہیں لائے اور سجدہ کیوں نہیں کیا۔ آنجناب نے فرمایا کہ میں نے اب تک خدا و رسول کے سوائے کسی کے سامنے اس قسم کے آداب نہیں کیے جو شریعت کے مخالف ہوں اور چونکہ سجدہ کی مستحق سوائے خدائے وحدہ لا شریک کے کوئی اور ذات نہیں اور اسی لیے مخلوق کو سجدہ حرام ہے۔ لہذا وہ بھی ترک کیا گیا اور سلام اس لیے نہیں کیا کہ میں جانتا تھا کہ آپ جواب نہیں دیں گے اور ترک جواب سے خاطر ٹھہریں گے۔

بادشاہ نے سجدہ کرنے پر مجبور کیا اور ملا عبد الرحمن سے فتویٰ طلب کیا۔ ملا عبد الرحمن نے کہا کہ حفاظت جان کے لیے سجدہ کرنا جائز ہے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ملا یہ فتویٰ تم لوگوں کے لیے ہے نہ ہمارے لیے اور فرمایا انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے اصحاب عظام نے راہ حق میں جانیں دے دی ہیں۔ میں بھی جان دینے پر تیار ہوں۔ تاکہ ان کی سنت پوری ہو۔ جب بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ سجدہ نہیں کریں گے تو حکم دیا کہ مجھے آپ سے شرم آتی ہے لیکن میری زبان سے نکل چکا ہے اور میرا حکم کبھی ضائع نہیں ہوا میں پورے سجدے کی تکلیف آپ سے اٹھاتا ہوں۔ صرف سر کو خم کر دیں۔ حضرت نے سر کو خم کرنے سے بھی انکار فرمایا۔ بادشاہ نے دو تین خاص مقربوں کو حکم دیا کہ آپ کا سر پکڑ کر خم کر دیں تاکہ جلدی رخصت کیا جائے۔ انھوں نے تمام زور لگایا لیکن حضرت کے سر مبارک میں ذرا بھی حرکت نہ آئی اور روئے توجہ آسمان کی طرف رہا۔ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ حضرت کو چھوٹے دروازے سے گزار دو تاکہ اندر داخل ہوتے وقت جھکیں گے تو وہی رسم آداب شاہی شمار کی جائے گی۔

لیکن آپ نے اندر آتے وقت پہلے پاؤں مبارک نکالے اور سر پیچھے کی طرف جھکا کر داخل ہوئے۔ وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ دیکھا حضرت کا مدعا ہے کہ تیرے تاج و تخت کو پامال کروں گا۔ جب بادشاہ کے روبرو یہ حال ہے تو باہر جا کر خدا جانے کس قدر فتنہ کا باعث ہوں گے۔ اس سے بہتر کوئی موقع نہیں ہے کہ فوراً ان کو قید کر لیا جائے۔

بادشاہ نہایت برا بیخنتہ ہوا اور قید کا حکم دے کر آپ کو اہل دربار سے بہت بڑے امیر کے سپرد کیا۔ مگر

اس امیر کے دل میں آپ کے استقلال سے عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے عرصہ قید میں حضرت کی عزت و حرمت کا خیال رکھا اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے غلاموں اور خلفاء کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچنے دی۔ خود بیعت سے مشرف ہو کر صبح و شام سالکوں کے ساتھ حلقہ توجہ و مراقبہ میں شامل ہوتا رہا۔ باعقیدت لوگ کھلم کھلا حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہوتے اور شرف صحبت سے سعادت دارین حاصل کرتے یہ حال دیکھ کر بادشاہ نے بمشورہ وزیر حضرت کو گوالیار کے مضبوط قلعے میں بھجوادیا اور داروغہ و افسروں کو بتا کید حکم دیا کہ جس قسم کی سختی پہنچا سکیں حضرت مجدد کو اور ان کے ہمراہیوں کو پہنچائیں۔

ایام جس میں حضرت کا تحمل و اخلاق:

جب حضرت مجدد علیہ الرحمۃ بحکم شاہی بمع اپنے تمام ہمراہیوں اور خلفاء کے قلعہ گوالیار میں بھیجے گئے اور افسر و داروغے حضرت مجدد کے ہمراہیوں پر سختی کرنے لگے اور آپ کو تکلیف دینے لگے تو آنحضرت کے خلفاء غضبناک ہوئے اور ان سے کہہ دیا کہ ہم بادشاہ کی قید میں نہیں ہیں۔ بادشاہ کون ہے جو ہم کو قید کرے۔ ہم اپنے شہنشاہ مطلق کے حکم سے کسی خدمت کے لیے یہاں بھیجے گئے ہیں اگر ایسا کرو گے تو ہم اینٹ پر اینٹ مار کر قلعہ کی دیواریں پھاند جائیں گے اور تمہارے شاہی کارخانے کو درہم برہم کر دیں گے اور ایسے ہی دیگر خوارق و کرامات ظاہر کرنے لگے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو یہ امور ناگوار گزرے اور ناراض ہو کر فرمایا کہ:

”کیا فقیر میں ان کرامات کے اظہار کرنے کی طاقت نہیں ہے ہم تو

اس جگہ ظلم و اذیت پر صبر کرنے پر مامور ہیں“

اسی قسم کے کریمانہ اخلاق نے افسروں کے دلوں پر تاثیر کی اور حضرت مجدد کے طریق معاشرت اور مہربانہ سلوک اور مالک حقیقی کی رضا پر راضی ہونے کی صفات سے گرویدہ ہو کر داروغے اور قلعہ کے سب چوکیدار و غیر ہم نے حضرت سے عفو و تقصیرات کی معافی چاہی اور داخل طریق ہو کر ذکر اور مراقبہ کے حلقوں سے فیضیاب ہونے لگے۔

آپ کے انکسار کا یہ حال تھا کہ انہی ایام میں قلعہ کے محافظ افسروں میں سے ایک نے آپ کی قید کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ:

”ہمارے بد عمل اس کا سبب ہوئے اور پڑھا ”ما اصابکم من

مصیبة فبما کسبت ایذیکم“

ہمراہیوں کو بھی اس امر کی ہدایت فرماتے تھے کہ:

”عجب عمل صالح کو ایسے نابود کر دیتا ہے جیسے لکڑی آگ کو“

ان ہی ایام کے مکاتیب جو حضرت نے غلاموں کو تحریر فرمائے ہیں عجیب و غریب نصائح کا نمونہ ہیں۔

چنانچہ آنجناب نے اپنے خلیفہ اجل میر محمد نعمان کو جو مکتوب ارقام فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:

پہلے بتقاضائے بشریت رنج و غم پیدا ہو۔ لیکن خدائے تعالیٰ کے فضل

سے پھر جلدی وہ تنگی و رنج فرحت و کشادگی سے بدل گئی اور یقین ہو گیا

کہ اس جماعت کا ارادہ جو کہ درپے آزار ہیں عین خداوند تعالیٰ کے

ارادہ کے مطابق ہے۔

تو کراہت اور رنج دعویٰ محبت کے خلاف ہے کیونکہ محبوب کی سختی عاشق

صادق کے لیے ایک نعمت ہے اور نہایت پسندیدہ خاطر ہوتی ہے۔

کیونکہ عاشق جیسے کہ محبوب کے انعام سے لذت اٹھاتا ہے ویسے ہی

سختی سے خوش ہوتا ہے۔ بلکہ سختی محبوب کی نظروں میں زیادہ اچھی

معلوم ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

نیز میر محمد نعمان کو تحریر فرماتے ہیں کہ:

اللہ کی حمد اور اس کے برگزیدوں پر سلام۔ مخفی نہ رہے کہ جب سے اللہ

جل شانہ کی اس عنایت جو بصورت غضب متجلی نہ ہو ایسے قفس زنداں

میں قید نہیں ہوا ایمان شہودی کے تنگ کوچہ سے نہ نکلا..... اور شاہ راہ

ایمان بالغیب میں مطلق العنان نہیں چلا اور اپنے ہنر کو عیب اور

دوسروں کے عیوب کو ہنر ذوق کامل اور وجدان بالغ سے نہ

پایا..... اور مردہ بدست زندہ ہو کر بالکلیہ ارادہ اور اختیار کو نہ چھوڑا

اور پورے طور پر تضرع و التجا و انابت و استغفار بہ دل و انکسار کی

حقیقت پر قبضہ نہ کیا..... اور اپنے آپ کو خوار و زار و ذلیل و بے اعتبار

بے ہنر و بے اقتدار و کمال محتاج اور فقیر معلوم نہ کیا۔ وہ ابراہی
 نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا مارحم ربی ان ربی
 لغفور الرحیم۔ اگر محض خدائے تعالیٰ کے فضل سے متواتر فیوض و
 بے نہایت عطیات و انعامات اس مسکین شکستہ بال کے شامل حال نہ
 ہوتے تو نزدیک تھا کہ معاملہ ناامیدی تک پہنچ جاتا اور امید کی طناب
 ٹوٹ جاتی۔ الحمد لله الذی عافانی فی عین البلاء و
 کرمنی فی نفس الجفاء واحسن لی فی حالة الفناء
 ووفقنی علی الشکر فی السراء والضراء وجعلنی من
 متابعی الانبیاء ومن مقتضی آثار الاولیاء ومحبی
 الصلحاء و صلوة اللہ سبحانہ و تسلیماتہ علی
 الانبیاء۔

(حمد ہے اس ذات پاک کے لیے جس نے مجھ کو بلا سے بچایا اور جفاء
 کی صفت میں مجھ پر اپنا کرم کیا اور فنا کی حالت میں مجھ پر احسان کیا
 اور رنج و راحت میں مجھے شکر کی توفیق بخشی اور مجھے اپنے نبیوں کے
 تابعین میں بنایا۔ اپنے اولیاء کے نشانوں کا خواہشمند کیا اور صالحین
 کی محبت بخشی اور اس کی صلوة و اور تسلیمات نبیوں پر ہو)“

ایک اور غلام کے مکتوب کے جواب میں لکھتے ہیں:

”جب فقیر پہلے پہل اس قلعے میں پہنچا تو مخلوق کی ملامت کو شہروں
 اور قصبوں سے نورانی بادلوں کے رنگ میں پے در پے نکلتے دیکھا جس
 سے مقام بلند ہوئے۔ سالوں تک تو جمالی تربیت کے منازل طے کیے
 اب جلالی منزلوں کو طے کر رہا ہوں مقام رضا میں رہنا اور
 جمال و جلال محبوب حقیقی کو مساوی سمجھنا چاہیے۔ محبوب کی جفا اس کی
 وفا کی نسبت زیادہ لذت بخش ہے کیونکہ جمال اور آرام میں ہماری

مراد اور ہمارے محبوب کی مراد ملی جلی ہے اور جلال اور تکلیف میں

خالصتاً اسی کی مراد ہے“

سبحان اللہ کیسا عالی پایہ کا کلام ہے۔

حضرت کی قید کی خبر سن کر امراء ہند کا بادشاہ سے سرکش ہونا:

جب خانخاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں، مہابت خاں، اسلام خاں، خان جہاں لودھی، سکندر خاں وغیرہ دیگر امراء نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی قید کی خبر سنی، نہایت بے قرار ہوئے اور بغاوت پر تیار ہو گئے۔ آپس میں خط و کتابت کی اور سب نے متفق ہو کر مہابت خاں کو جو کابل کی گورنری پر متعین تھے اپنا سرگروہ تسلیم کیا اور اس کو فوج و خزانے سے امداد دی۔ مہابت خاں نے بادشاہ ہند کی اطاعت سے سر پھیر لیا اور بادشاہان بدخشاں، خراسان اور توران سے امداد لے کر اس پر فوج کشی کی اور خطبہ و سکھ سے بادشاہ کا نام نکال ڈالا۔

بادشاہ نے یہ خبر پا کر بمشورہ وزیر ایک ہزار معتمد افسر وزیر کے بھائی کے ماتحت قلعہ گوالیار پر متعین کیے اور پہلے قلعہ دار کو بھی تاکید حکم بھیجا کہ احتیاط قید میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھے۔ پہلا قلعہ دار تو بمع اپنے محافظوں کے حضرت کی غلامی سے شرفیاب ہو چکا تھا۔ وزیر کا بھائی مع اپنے ماتحتوں کے یہاں پہنچ کر حضرت کے اخلاق کریمانہ سے منجذب و متاثر ہوا اور مقلب حقیقی نے ان کے دلوں کو حضرت کی طرف پھیرا اور ان کی چشم بصیرت وا ہوئی اور سعادت ازلی نے ان کا دامن پکڑ کر ان کو حضرت کریم کے آستان فیض نشان سے حصہ بخشا اور وہ سب کے سب ایسے فریفتہ ہوئے کہ حضرت کے در اقدس کی غلامی سے مشرف ہونے کو ایک غیبی عطیہ جانا اور بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ سرکار خاطر جمع رکھیں، ہم حفاظت میں احتیاط بلیغ کام میں لائیں گے۔

ادھر بادشاہ نے امراء کو کہلا بھیجا کہ بغاوت سے باز آؤ ورنہ ہم تمہارے پیر کو قتل کرتے ہیں۔ باغی امراء کو حضرت کی زبانی معلوم ہو چکا تھا کہ بادشاہ حضرت پر قید سے زیادہ ظلم نہیں کر سکے گا۔ ادھر حضرت کے تصرف سے قلعہ کے کل کار پرداز حضرت کے مرید ہو چکے تھے۔ امراء کو بھی اس امر کی خبر پہنچ چکی تھی اس لیے انہوں نے بادشاہ کی دھمکی کی کچھ بھی پروا نہ کی۔ بادشاہ ایک لشکر عظیم لے کر مہابت خاں کے مقابلہ میں عازم کابل ہوا۔ بادشاہ کی مہابت خاں کے ساتھ جنگ کی مصروفیت دیکھ کر ہند کے کل امراء نے اتفاق کر

کے انحراف کیا اور ملک پر قبضہ کر لیا اور شاہی طرف داروں کو برطرف کر دیا اور حضرت قیوم اول امام ربانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں استدعا کی کہ حضرت ہماری شاہی مسند کو قبولیت سے شرف بخشیں۔ حضرت نے امراء کی درخواست کے جواب میں ارشاد فرمایا:

”مجھے سلطنت کی ہوس نہیں ہے اور میں تمہارے فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتا میں نے جو قید کی تکلیف اٹھائی وہ اور کام کے لیے ہے جب وہ کام پورا ہو جائے گا میں خود بخود تمہاری کوشش کے سوا ہی قید سے رہا ہو جاؤں گا۔ یہ فساد میرے کام کا خارج ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم بغاوت سے باز آؤ اور فوراً اپنے بادشاہ کی اطاعت قبول کرو۔ میں بھی ان شاء اللہ جلد ہی قید سے آزاد ہو جاؤں گا“

ادھر مہابت خاں بادشاہ کے ساتھ مقابلے پر تھا اور دونوں فوجیں دریائے جہلم کے کنارے پر خیمہ زن تھیں۔ مقابلہ کے وقت مہابت خاں نے ایسی ہیئت بنائی کہ گویا وہ ہیبت زدہ ہو کر فرار ہو رہا ہے۔ بادشاہی لشکر میں جو لوگ حضرت کے مرید تھے انہوں نے مہابت خاں کی زیارت کرنے کے لیے اس پر حملہ کیا۔ مہابت خاں نے چکر لگا کر اپنی پراگندہ فوج کو جمع کیا اور حملہ کرنے والا لشکر مہابت خاں کی فوج کے ساتھ مل گیا اور بادشاہ محصور ہو گیا۔ وزیر دریا کے دوسری طرف آراستگی فوج میں مصروف تھا۔ بادشاہ کے قید ہونے کی خبر پا کر مہابت خاں سے عذر معذرت کرنے لگا۔ مہابت خاں نے ایک نہ سنی اور وزیر کو بھی گرفتار کر لیا اور اس کے منہ پر نجاست کا بھرا تو برہ باندھا اور کہا کہ اے شریر النفس تیری ہی خباثت کی وجہ سے ہمارے حضرت کو تکلیف پہنچی۔ یہ سب تیری ہی شرارتوں کا نتیجہ ہے۔

اس نے اور بادشاہ نے ہر چند منت سماجت کی لیکن مہابت خاں نے نہ مانا۔ نور جہاں بیگم بھی بلائی گئی مہابت خاں نے اس کو بھی قید کر لیا اور چاہتا تھا کہ تینوں کو قتل کر دے لیکن قادر مطلق نے ابھی بادشاہ کو اس کی نیک نصیبی کی وجہ سے خم خانہ عشق کے ساتی سے جام پلانا تھا یعنی اس نے بھی حضرت کی غلامی سے فیضیاب ہونا تھا اسی وقت حضرت کا وہ مراسلہ جو آنحضرت علیہ الرحمۃ نے امراء ہند کو لکھا تھا مہابت خاں کو بھی پہنچا اور امراء ہند کی طرف سے بھی خطوط پہنچے جس میں حضرت کے فرمان کا مضمون مندرج تھا۔ مہابت خاں نے جونہی حضرت کا فرمان پڑھا بادشاہ کے پاس آیا اور حضرت کا ارشاد سنا کر کہا کہ میں حضرت کے حکم کی تعمیل

میں آپ کو رہا کرتا ہوں اور بادشاہ کو تخت سلطنت پر بٹھا کر خود اس کے آگے غلامانہ وارد دست بستہ کھڑا ہوا اور سوائے سجدہ کے تمام آداب سلطنت بجالایا۔ اس واقعہ کی مختلف روایات ہیں لیکن صحیح واقعہ یہ ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ بادشاہ مہابت خاں کی قید میں تین دن رہا۔

اگر ایسے نازک وقت پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا حکم نہ پہنچتا تو خدا جانے مہابت خاں کیا کر بیٹھتا اور سلطنت کا رنگ آنا فنا کیا کیا ہو جاتا۔ کیونکہ جہانگیر، نور جہاں اور آصف جاہ وزیر تینوں اس وقت مہابت خاں کے پنجہ میں تھے اور کل فوج پر اس کا پورا تسلط ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے مہابت خاں سے رہائی پا کر اس کے قصور معاف کر دیے اور اس پر شاہانہ عنایتیں کیں اور کشمیر کی طرف کوچ کیا۔ شاہزادہ شاہجہاں اور نور جہاں بیگم ہر روز حضرت کے آزاد کرنے کے لیے بادشاہ کو تاکید کراتے اور شاہی حکم ہر روز اس امر میں صادر ہوتا لیکن وزیر بے تدبیر اس حکم میں توقف کرتا رہا۔ شاہزادہ کہتا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ برگزیدہ اور ممتاز اولیاء عظام میں سے ہیں ان کی قید کی تکلیف سے بالضرور سلطنت پر کوئی بلائے عظیم نازل ہوگی اور وزیر ایک منحوس اور نامبارک آدمی ہے حضرت کے معاملہ میں اس کی بات نہیں سنی چاہیے۔

توقف کا اصلی موجب یہ تھا کہ حضرت کی سیر اسماء صفات جلالت کی ابھی تکمیل نہیں ہوئی تھی اور ان اہم امور دین کی ترویج نہیں ہو چکی تھی۔ جن کے سبب آپ نے قید کا گراں بوجھ قبول فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ شاہزادہ اپنی کوشش میں فی الفور کامیاب نہیں ہوا۔ شاہزادہ کو حضرت کی غذائی کا فخر حاصل تھا اور حضرت محمد معصوم عروۃ الوثقی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

”ہم شاہجہاں کا حق ادا نہیں کر سکتے اس کے سارے حقوق سلسلہ

عالیہ مجددیہ پر ہیں“

حضرت کا قید سے رہائی پانا:

غرض جب حضرت امام ربانی کی تربیت جلالی پوری ہو گئی اور وہ وقت آپہنچا کہ اللہ جل شانہ سنت مصطفویہ کو روشن کرے اور ملت حنفیہ کو زینت دے اور دین اسلام ترقی پکڑے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو کہا گیا کہ:

”جن اہم امور کے لیے تمہیں قید میں رکھا گیا تھا وہ ہم نے اب اپنے فضل و کرم سے پورے کر دیے اب زنداں سے نکلنے کا وقت آپہنچا“

ماہ کنعان من مسند مصر آن توشد

وقت آنست کہ پدرو دکنی زنداں را

آپ نے نماز شکرانہ ادا فرمائی اور اپنے غلاموں کو یہ بشارت سنا کر مسرت بخشی۔

اسی رات کا ذکر ہے کہ بادشاہ تخت پر بیٹھا تھا اور عیش و نشاط کی محفل گرم تھی کہ یکا یک سامنے کو نظر کر کے بول اٹھا ”شیخ احمد مجدد سرہندی آنکلا“ لوگ متعجب ہوئے اور کہا کہ حضور وہ تو قلعہ گوالیار میں ہے اور حضور کشمیر میں۔ سیکڑوں کوس کی مسافت ہے۔ بادشاہ کہا کہ یہ دیکھو آپہنچا۔ کہ اتنے میں حضرت مجلس میں آگئے اہل مجلس گھبرا کر حیران رہ گئے۔ آپ نے نے بادشاہ کو مع تخت اٹھا کر زور سے زمین پر اوندھا ڈال دیا اور فی الفور آپ غائب ہو گئے۔ اہل مجلس نے بادشاہ کو اٹھایا۔ بادشاہ دیر تک غشی میں رہا۔ بعد ازاں آرام ہوا تو جس بول و دیگر کئی امراض میں مبتلا ہو گیا۔

انہی ایام میں حضرت کے ایک مخلص نے واقعہ میں دیکھا کہ لشکری ہر طرف سے دوڑے جا رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر جواب ملا کہ حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ اس قلعہ میں ہیں۔ حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب کرام علیہم الرضوان عیادت قید کے لیے تشریف لائے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شور اٹھا کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو قید سے چھوڑ دیا۔ جس کام کے لیے آپ نے قید اٹھائی تھی وہ پورا ہو گیا۔ اتنے میں میری نظر ایک سوار پر پڑی۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ حضرت عثمان غنی ہیں۔ میں نے قدم بوسی کی۔ اور گریہ و بکا غالب ہوا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا جب تم بلاؤ گے میں آؤں گا۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی، دیکھا تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ بادشاہ کی بیماری دیکھ کر شاہزادہ شاہجہاں نے باپ کو ملامت کی کہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ کسی سخت مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ بادشاہ نے نہایت نادم ہو کر ایک عرضی حضرت امام ربانی قیوم اول علیہ الرحمۃ کی خدمت میں لکھی۔ جس میں اپنی تقصیرات کی معافی کی درخواست کی اور لشکر سلطانی میں رونق افروزی کی خواہش درج کی۔ اور وہاں کے کارپردازوں کے نام احکام جاری کیے کہ فوراً باعزاز تمام حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو قلعہ سے رہا کیا جائے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے بادشاہ کی درخواست کے جواب میں ارقام فرمایا کہ میرا یہاں سے نکلنا چند شرطوں پر مشروط ہے۔

- ۱..... بادشاہ کا سجدہ کرنا بالکل بند کیا جائے۔
- ۲..... گاؤ کشی کی اجازت عام ملک میں دی جائے اور بادشاہ اپنے ہاتھ سے ایک گائے ذبح کرے۔
- ۳..... ملک بھر میں جہاں جہاں مساجد شہید کی گئی ہیں وہ از سر نو تعمیر ہوں۔
- ۴..... ایک مسجد جامع دربار عام کے مقابل بنائی جائے جس میں عام مسلمان نماز پڑھیں۔
- ۵..... حکام مثل قاضی مفتی محتسب شرعی قواعد کے مطابق مقرر ہوں۔
- ۶..... کفار بموجب شریعت عزا جزیہ لیا جائے۔
- ۷..... ہر ایک خلاف شرع قانون منسوخ کیا جائے اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام رواج پذیر ہوں۔

۸..... بدعت کے کل کام مسدود کیے جائیں۔

۹..... ہندوستان بھر کے کل قیدی رہا کیے جائیں۔

اگر یہ شرطیں بادشاہ کو منظور ہیں تو ہم قلعہ سے نکل سکتے ہیں۔

بادشاہ کو اسی اثنا میں خواب آیا کہ تیری مرضیں حضرت قیوم اول علیہ الرحمۃ کی دعا کے سوا دور نہیں ہو سکتیں اور تیری سلطنت کو سوا آپ کی توجہ کے قرار نہیں رہ سکتا۔

بادشاہ نے کل شرائط منظور کر کے اپنے مقربوں کی ایک خاص جماعت حضرت علیہ الرحمۃ کو لینے کے لیے روانہ کی۔ جب سرکاری ہلکاروں نے قلعہ پہنچ کر قیدیوں کو رہائی دی تو انھوں نے زاری سے عرض کی کہ ہم حضرت کا آستانہ چھوڑ کر کہاں جاسکتے ہیں پس ان کو ہمراہ رہنے کی اجازت دی گئی اور اب تک ان کی اولاد سرہند میں موجود ہے۔

تمام ہند کے کل قیدی اس دن چھوڑے گئے حضرت قلعہ سے باہر تشریف لائے اور براہ سرہند عازم لشکر سلطانی ہوئے۔ راستہ میں جو مقام آیا وہاں مسجدیں بنوانے کا حکم دیا۔ شرعی خدمات پر لائق دوستوں کو مقرر فرمایا۔ گاؤ ذبح کرنے کے لیے کئی قصاب مقرر فرمائے۔ جب حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سرہند شریف پہنچے تو استقبال کے لیے سب اہل شہر نکلے اور مدحیہ قصائد تہنیتی مبارکباد دی۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ تین یا اس سے زیادہ دن سرہند شریف میں قیام پذیر رہے۔ بعد اس کے کشمیر روانہ ہوئے۔ جب کشمیر پہنچے بادشاہ بستر بیماری پر تھا۔ وزیر اور ولی عہد شاہجہاں کو استقبال کے لیے بھیجا۔ وہ حضرت کو باعزاز تمام لشکر میں لائے۔

بادشاہ نے حضرت کی خدمت میں دعائے صحت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا ”تیری شفا اجرائے قانون شرعیہ پر وابستہ ہے“ بادشاہ نے کہا میں تو آپ کی سب شرطیں قبول کر چکا ہوں۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے تجدد و وضو کے لیے لوٹا منگوا یا۔ خدمتگار آپ کے لیے طلائی لوٹا لایا۔ آپ نے فرمایا سونے کے برتن استعمال کرنے حرام ہیں۔ بادشاہ کو شرعی احکام سے اس قدر بے خبری تھی کہ حرام و حلال کی تمیز نہ تھی۔ پوچھا کہ حرام کس کو کہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا:

”جس کام یا چیز سے خدا و رسول نے منع کیا ہو اسے حرام کہتے ہیں“

نور جہاں پردے کے پیچھے بیٹھی تھی۔ اس نے بلوریں لوٹا چلمچی بھیج دی۔ آپ نے نماز پڑھ کر بادشاہ کے لیے دعائے شفاء کی اور فرمایا میں دعا کرتا ہوں اور تورو۔ شاید اللہ تعالیٰ رحم فرمادے۔ بادشاہ نے کہا مجھے رونا تو نہیں آتا میں اپنا سر عاجزی کے اظہار میں ننگا کر دیتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ آپ کی دعا سے بادشاہ اچھا ہو گیا اور روبرو اٹھ کر بادب بیٹھ گیا اور اپنے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہوا اور تائب ہو کر مرید ہونے کی خواہش پیش کی۔ آپ نے معاف فرما کر غلامی سے سرفراز فرمایا۔ اس بادشاہ نے کل ممالک محروسہ میں تاکیدی احکام جاری کیے کہ ہر ایک گاؤں اور شہر میں مسجدیں اور مکتب تعمیر کیے جائیں۔ ہر شہر میں قاضی و محتسب شرعی مقرر کیے۔ حکم دیا کہ سر بازار گائے کا گوشت بکے۔ ہر قسم کی بدعتیں اٹھادی جائیں اور کفار پر جزیہ مقرر کیا۔ اپنے آپ کو سجدہ کرانے کا دستور بالکل ترک کر دیا اور توبہ و استغفار کی۔ پھر ایک گائے منگوا کر بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کی اور امراء نے بھی دربار عام کے دروازہ پر گائیں ذبح کیں اور کباب تیار کرا کر بادشاہ نے کل امراء سے مل کر نوش کیے اور دربار عام کے روبرو مسجد بنوائی اور اس میں خود بادشاہ مع امراء حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔ مسلمانوں میں خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اسلام نے رونق پائی اور شریعت غرا کو رواج ہوا۔ سنت نبویہ از سر نو چمکی، بدعت کی تاریکی نابود ہوئی۔

بسیط روئے زمین باز گشتہ آباداں
بلطف و خارق آں قطب مصدر عرفاں
ز بازوئے تو قوی گشت بازوئے اسلام
کہ از تصادم کفار گشتہ بد ویراں

تمثیل:

معارج النبوة و دیگر تواتر نبوی میں مذکور ہے کہ جناب رسالتآب علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام بہ مقتضائے رب جلیل بمع اپنے یاروں کے ایک پہاڑی بنام شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رہے یعنی نبوت کے ساتویں سال سے لے کر دسویں سال تک اور تمام اہل عرب نے ایک عہد نامہ قطع رحم کا لکھ کر کعبہ میں حسب دستور آویزاں کر دیا۔ اس عرصہ میں ابوطالب ابوسفیان حضرت رسول کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سعی کرتے رہے۔ جب عرصہ تین سال کا گزر چکا اور حکم ربی پورا ہو چکا تو ابوطالب نے ان کو جمع کر کے کہا کہ حضرت رسول کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے خدا نے ان کو خبر دی ہے کہ وہ عہد نامہ قطع رحم کا جو تم نے لکھا تھا اس پر خدا نے ایک کیڑا مسلط کیا تھا اس کو اس نے خدا کے نام کے سوا سب کھا لیا۔ کاغذ کو دیکھ لو اگر یہ خبر صحیح ہے تو ان کو پہاڑی سے آزاد کر دو۔ جب دیکھا گیا تو واقعی ایسا ہی نکلا۔ قریش نے حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو آزاد کر دیا۔

اللہ جل شانہ نے حکیم ابن حزام و ابوسفیان وغیرہ جنہوں نے مسلمانوں کے آزاد کرنے میں سعی کی تھی اس کے صلہ میں ان کو نعمت اسلام سے بہرہ ور فرمایا۔ حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر شدید اذیت برداشت کرنے کے بعد دین متین مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیل گیا۔ معراج شریف بھی اس کے بعد ہوا جو قرب پروردگار کا منتہا ہے اور کل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت کا موجب ہے۔ ایسا ہی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اتم اور وارث خاص حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سنیہ کی پیروی میں اپنے نفس پر اس قدر تکلیف منظور فرمائی تو آپ کے دست مبارک سے دین متین محمدی کا ضعف قوت سے بدل گیا اور بدعت کی ظلمت دور ہوئی۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو جو خصوصیت اور امتیاز سے علوم و معارف عطا ہوئے یہ خاص انبیاء کے علوم و معارف ہیں۔ ان علوم و معارف کا خاصہ یہ ہے کہ جس پر عطا ہوں اس پر حقیقت اور شریعت کے کمالات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جس طرح انبیاء پر ظہور پذیر ہوتے رہے۔ فرق یہ ہے کہ انبیاء تو شریعت پر مبعوث ہوئے اور آنجناب نے انہیں معارف و علوم کے ذریعہ دوسرے الف (ہزار سال) کے شروع میں حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو از سر نو تازہ کیا۔ اس وجہ سے آپ کو بھی انبیاء عظام کی سنت کی پیروی میں وہی تکالیف نفس پر گوارا کرنی پڑیں جو بزرگواریوں نے کیں۔ اللہ جل شانہ نے اپنے فضل

و کرم سے جماعت اولیاء میں آپ کو ہی کمالات بخشے جو کمالات انبیاء اولوا العزم کو دیے جاتے تھے۔ اور حضرت مجدد بحکم ”علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل“ وہی کمالات با اتباع خاتم الرسل لے کر اس امت مرحوم کے ہزار سال گزرنے پر تشریف لائے اور یہ اللہ کے فضل و کمال سے ہے۔ اس وجہ سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ افضل کل اولیاء ہیں۔

الغرض جب بادشاہ نے حضرت کی دعا سے شفا پائی تو حضرت کی جدائی گوارا نہ کی اور کمال زاری کی کہ حضرت لشکر کے ہمراہ رہیں۔ کیونکہ بادشاہ از حد خوف زدہ تھا اور اس کو یقین ہو گیا تھا کہ اگر حضرت سے علیحدہ ہوا تو زندہ نہ رہوں گا۔ آپ کو بھی امر ربی ایسا ہی تھا اس لیے مجبور تھے۔ ہدایت کے لیے لشکر میں اشد ضرورت تھی آپ بہر کیف لشکر شاہی میں اقامت پذیر رہے۔

بادشاہ سے جو گستاخیاں ہو چکی تھیں ان پر اسے بہت ندامت اور شرمساری تھی۔ ہر روز حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر خیریت خاتمہ کی دعا چاہتا تھا۔ آپ فرماتے:

”خاطر جمع رکھو جب تک تجھے ساتھ نہ لے لیں گے ہم بہشت میں جانا قبول نہیں کریں گے“

حضرت کے اقامت لشکر کے بعض واقعات:

وزیر اعظم آصف جاہ نے وزیر اعظم کو گمراہ کرنے کے لیے نیر اللہ شستری سرآمد علماء روافض کو ایران سے بلوایا مگر وہ بادشاہ کے حکم سے بمع اپنے ہمراہیوں کے قتل ہوا اور وزیر اس منصوبے میں ناکام رہا۔ اس کے بعد وزیر کی وساطت سے چند شعبدہ باز فرنگیوں کو دربار میں رسائی ہوئی اور بادشاہ کا میلان طبع ان کی طرف ہو گیا۔ حضرت قیوم اول علیہ الرحمۃ نے بادشاہ سے فرمایا:

”ہم تو جناب باری سے تمہارے پہلے گناہوں کی بخشش کی التجا کر رہے ہیں اور تم ایسی بھاری مصیبت کے واسطے تیاری کر رہے ہو جس کا دور ہونا ہی محال ہے“

بادشاہ نے کہا ان کے فوق العادت شعبدوں سے میرے دل پر ان کا اثر ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ بلائے گئے اور حضرت نے اولیاء کی کرامات اور جوگیوں و کاہنوں کے استدراج میں فرق بیان فرمایا اور فرنگیوں کو سامنے بلا کر ان سے مناظرہ فرمایا۔ وہ سب ساکت ہو گئے۔ پھر پادریوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے

ہمارے پیغمبر کو یہ معجزہ عطا کیا تھا کہ وہ مردوں کو زندہ کر لیتے تھے حضرت نے جواب دیا کہ ہمارے پیغمبر کو عالم ظاہر سے رحلت فرمائے ہزار سال کے قریب گزر گئے ہیں اب ان کے امت کے غلاموں کے غلاموں کو خدا نے یہ قدرت بخشی ہے کہ اگر تم کہو ہم آسمان سے ایک ٹکڑے کو اشارہ کر کے زمین پر گرا دیں۔ جب حضرت نے یہ فرمایا بادشاہ حضرت کے جلال و ہیبت قیومی سے اس قدر ہشت زدہ ہوا اور دست بستہ عرض کی خدا کے لیے ایسا نہ کیجیے۔ مبادا ہم پر اور مصیبتیں نازل ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ نے نصف پادریوں کو بلا کر ان پر نظر غضب ڈالی وہ بے حس و بے حرکت ہو گئے اور مر گئے۔ باقی ماندہ پادریوں سے کہا کہ دیکھو زندہ ہیں یا مردہ؟ انہوں نے دیکھ کر کہا کہ ان میں جان باقی نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا قم باذن اللہ۔ سب کے سب زندہ ہو گئے۔ لیکن سب کے سب شقی ازلی تھے۔ ہدایت یاب نہ ہو سکے۔ آخر وہ اصرار کفر کی وجہ سے شاہی حکم سے قتل کیے گئے۔ اسی اثناء میں شہزادہ شاہجہاں بادشاہ سے باغی ہو گیا اور بے اندازہ لشکر فراہم کر کے آمادہ فساد ہوا۔ اکثر امراء بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ بادشاہ نے گھبرا کر حضرت سے درخواست کی کہ فتح کے لیے دعا و توجہ بلیغ کی جائے۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ مصیبت اسی معصیت کی شامت سے ہے۔ تم خاطر جمع رکھو ہم نے شہنشاہ حقیقی سے عہد لے لیا ہے کہ تیرے سوا ہم کسی کو سلطنت نہیں دیں گے۔ تم فتح یاب ہو گے۔ چنانچہ بادشاہ کو فتح نصیب ہوئی اور شہزادہ خرم ناکام رہا۔ ملا بدر الدین حضرات القدس میں نقل کرتے ہیں کہ شہزادہ خرم نے شکست کھا کر ایک بزرگ صاحب کشف سے دریافت کیا کہ باوجود اس قدر جلیل القدر سامان اور امراء کے ہمارے ساتھ سازش کرنے کے ہمیں فتح کیوں نہیں ہوئی۔ انہوں نے فرست باطنی سے دریافت کر کے کہا کہ اس زمانہ میں سلطنت کا مدار چار صاحبوں کی رائے پر منحصر ہے۔ ان کے صدر شیخ احمد مجد الف ثانی ہیں۔ تین تو تمہاری جانب ہیں لیکن حضرت مجد الف ثانی ابھی تمہاری سلطنت پر راضی نہیں ہیں۔

یہ سن کر شہزادہ خفیہ شاہی لشکر میں حضرت قیوم اول علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھ کو قدیم سے حضرت کی خدمت میں غلامی کا شرف حاصل ہے اور حضور کی حالت قید میں بھی میں حضور کی خاطر بادشاہ سے آزر دہ ہو کر مخالف ہو گیا تھا پھر عجب بات ہے کہ حضرت میری سلطنت پر راضی نہیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ میں خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ سلطنت تیرے باپ کے پاس رہے۔ مگر اب میری عمر کا آخری وقت ہے اور دنیا چھوڑنے والا ہوں۔ میں منصب قیومیت اور قطبیت عالم خواجہ محمد معصوم کو دوں

گا اور سلطنت تمہارے باپ سے تمہاری طرف منتقل کی جائے گی۔ چنانچہ حضرت نے اپنی دستار خاص تبرکاً عنایت فرمائی اور فرمایا کہ ہم نے تمہارا نام شاہجہاں رکھ دیا۔ چنانچہ شہزادہ خرم سے شاہجہاں مشہور ہوا۔

حضرت کا بادشاہ کے ہمراہ دیہات میں سفر:

خواجہ ہاشم کشمی مصنف زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ:

”جہانگیر بادشاہ ہند کے ساتھ حضرت کا گزر بعض بلاد و دیہات میں ہوا۔ اس میں احکم الحاکمین کی پوشیدہ حکمتیں تھیں۔ ان دیہات و شہروں کے باشندے حاضر ہو کر فیضیاب ہوتے رہے۔ چنانچہ ایک سفر میں بندہ بھی ہمراہ تھا۔ ایک دن شاہی لشکر دریائے چناب کے کنارے ایک بڑے گاؤں میں پہنچا۔ آپ کے خادم آبادی کے نزدیک مناسب جگہ دیکھ کر خیمہ نصب کرنے لگے۔ میں نے حضرت کو دیکھا تنہا پیادہ پا گاؤں کی ایک گلی میں تشریف لے گئے۔ بندہ بھی حضرت کے پیچھے دوڑا۔ آپ نے مجھے فرمایا دل میں آتا ہے کہ اس گاؤں کی مسجد میں وضو کر کے نماز ادا کریں۔ مسجد میں جا کر آنجناب تجدید وضو فرما کر نماز میں مصروف ہو گئے۔ گاؤں کے ایک فقیر نے مجھ سے آپ کا حال پوچھا۔ میں نے آپ کا نام نامی ظاہر کیا۔ وہ سنتے ہی شوق سے دوڑا گیا۔ اتنے میں ایک بڑھا بزرگوار جو گاؤں کا پیشوا تھا آیا وہ حضرت کے کمالات سن کر مشتاق زیارت تھا۔ مگر بڑھا پے اور کئی اور باعثوں سے خدمت شریف میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس نے قدمبوسی کی اور نہایت آرزو کے ساتھ آپ کی ضیافت کی اور جمع جمیع متعلقین کے دست بیعت سے مشرف ہوا۔ اس گاؤں میں آپ کی توجہ کی برکت سے سو آدمی صاحب حضوری ہوئے۔

جناب آنجناب لاہور پہنچے تو یہاں قطبیت خواجہ محمد طاہر کو عطا ہوئی۔ لاہور سے سلطانی لشکر سرہند شریف پہنچا۔ ایک دن بادشاہ حضرت کے دولت خانہ سے نکل کر شاہی لشکر کو جارہا تھا راستہ میں لوگوں کے

گھر دیکھ کر حکم دیا کہ ہمارے پیر کو آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہوگی سب لوگوں کے گھر جو راستہ میں پڑتے ہیں ان کو مسماں کیا جائے۔ بجز حکم سب گھر گرا دیے گئے۔ آنجناب کو خبر لگی تو بادشاہ پر خفا ہوئے اور فرمایا کہ ہم غریب درویش لوگوں کو آنے جانے میں کیا تکلیف تھی؟ لوگوں کو ناحق برباد کیا۔ بادشاہوں کو ایسے جبر زیا نہیں۔ بادشاہ نے حضرت کی دلداری کے لیے ان لوگوں کو بہت سا روپیہ دیا کہ وہ اور جگہ گھر بنا لیں۔

جب بادشاہ نے سرہند شریف سے دہلی کی طرف کوچ کا ارادہ کیا تو حضرت نے سرہند شریف میں ٹھہرنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ بادشاہ نے کہا کہ میں آپ سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ جب تک آپ یہاں ٹھہریں گے میں بھی اس جگہ ٹھہرا ہوں گا۔ چنانچہ چار ماہ تک حضرت مقیم رہے۔ شاہی لشکر بھی اسی جگہ ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد دہلی، بنارس اور اجمیر شریف میں دورہ رہا۔ حضرت اجمیر شریف پہنچ کر سلطانی لشکر سے رخصت ہوئے۔ (باقی واقعات بخوف طوالت چھوڑ دیے گئے ہیں)

اس وقت حضرت کا سن مبارک ۶۲ سال کو پہنچ چکا تھا اور آپ نے لوگوں سے ظاہر فرمادیا تھا کہ میری عمر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق تریسٹھ سال کی ہے۔

حضرت کے خواص جن کے باعث آپ دیگر اولیاء اللہ سے ممتاز ہیں:

حضرت کے کل خواص خارج از بحث ہیں مگر بفوائے مالا یدرک، کلمہ لایترک کلمہ مشتے نمونہ از خروار و قطرہ از بحر خار یہاں چند مشہور خواص کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا خمیر طینت اس مٹی سے بنا جو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق و تکمیل سے باقی رہی تھی۔ چنانچہ اس کا اشارہ حضرت نے مکتوب صد جلد سوم میں کیا ہے اور یہ بات کچھ عقلاً و نقلاً بعید بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وان من شئی الا عندنا خزائنه“

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابو بکر اور عمر ایک ہی طینت سے پیدا ہوئے ہیں اور عبد اللہ بن جعفر کو فرمایا کہ تو میری طینت سے پیدا ہوا ہے۔

(۲) آپ کو اللہ تعالیٰ نے منصب قیومیت عطا فرمایا۔ حضرت نے فرمایا کہ:

”ایک روز بعد نماز ظہر مراقب بیٹھا تھا اور حافظ قرآن شریف پڑھتا

تھا کہ ناگاہ میں نے اپنے اوپر ایک خلعت عالی نورانی پایا۔ ایسا معلوم

ہوا کہ یہ خلعت قیومیت تمام ممکنات ہے کہ بوراشت و تبعیت خاتم
الرسال عطا ہوا ہے کہ اتنے میں حضرت سید المرسلین ورحمۃ للعالمین
تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے میرے سر پر دستار باندھی
اور مبارک باد منصب قیومیت دی“

قیوم کی مفصل کیفیت مکتوب ۷۹، ۸۰ جلد سوم میں درج ہے باعث طوالت چھوڑ دی جاتی ہے۔ بلکہ
مکتوبات معصومیہ کے مکتوب جلد اول کا خلاصہ مطلب لکھا جاتا ہے:

”قیوم زماں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اکمل اور نائب ہوتا ہے۔ کل دنیا کی توجہ
کا قبلہ۔ خواہ اہل دنیا جانیں یا نہ جانیں۔ کل غوث و قطب و ابدال و
اوتاد و نجبا و غیرہ اس کے خدم و حشم ہیں اور کل عالم کو اسی کی وساطت
سے تمام دین و دنیا کے فیوض و برکات پہنچتے ہیں“

(۳) آپ کو حق تعالیٰ نے الف ثانی (یعنی دوسرے ہزار) کا مجدد کیا۔ چنانچہ مکتوب چہارم جلد دوم

میں فرماتے ہیں:

”از عین الیقین وحق الیقین چہ گوید و اگر گوید کہ فہم کند۔۔۔ و بدانند
کہ بر سریر مائتہ مجدد گزشتہ است اما لمجدد مائتہ دیگر است و مجدد الف
دیگر چنانچہ در میان مائتہ و الف فرق است در مجدد اینہا نیز ہمہ قدر
فرق است بلکہ زیادہ ازاں و مجدد آن است کہ ہرچہ در اں مدت از
فیوض بامستاں برسد بتوسط او برسد اگرچہ اقطاب و اوتاد آں وقت
بوند و بدلا و نجبا باشند خاص کند بندہ مصلحت عام را و السلام انتہی۔

ہر صدی پر ایک مجدد ہوتا ہے اس طرح ہر ہزار پر ایک مجدد ہوتا ہے مگر
ان دو مجددوں کے رتبے میں وہی فرق ہے جو صدی اور ہزار میں فرق
ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اس عرصہ میں جو فیوض خلق اللہ کو (خواہ و
قطب و اوتاد و ابدال و نجبا ہی ہوں) پہنچتا ہے اسی کی وساطت سے
پہنچتا ہے“

اور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”اے فرزند ایں آں وقت است کہ در اہم سابقہ دریں طور وقتے کہ پر
از ظلمت است پیغمبر اولوا العزم مبعوث میکشت۔۔۔ الخ
یعنی اگلی امتوں میں ایسے پُر ظلمت وقت پر ایک اولوا العزم پیغمبر
مبعوث ہوا کرتا تھا۔ مگر چونکہ رسالت آنحضرت خاتم النبیین والمرسلین
پر ختم ہو چکی ہے اور اس امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے مثل ہیں
اس واسطے اس امت میں احیائے شریعت و تجدید دین متین کے لیے
ایک اولوا العزم پیغمبر کا قایم مقام ایک اولوا العزم ولی عالم عارف تام
المعرفت مبعوث فرمایا گیا“

ایک اور مکتوب میں اسی قسم کے مضمون کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”مقصود ازیں گفتگو اظہار نعمت حق است سبحانہ و ترغیب طالبان
طریقت نہ تفضیل خود بردیگراں۔ معرفت خدائے عزوجل و علی بر آں
کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند اندر کیف از اکابر
دین۔

یعنی اس گفتگو سے مقصود اظہار نعمت الہی اور ترغیب طالبان طریقت
ہے نہ کہ دوسروں پر اپنی فضیلت جتلانا۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس شخص
پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بہتر سمجھے چہ جائیکہ اکابر دین
سے“

و لے	چوں	شہ	مرا	برداشت	از	خاک
سردگر	بگزرانم	سرز	افلاک			
من	آں	خاکم	کہ	ابر	نو	بہاری
کند	از	لطف	برمن	قطرہ		باری

اگر بروید از من صد زبانم
چو سون شکر لطفش کے تو انم

(۴) حق تعالیٰ نے آپ کو محبوبیت ذاتی مرحمت فرمائی جو طینت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہے اور امت میں آپ سے پہلے کسی کو نہیں ملی۔ محبوبیت ذاتی حضرت خاتم الانبیاء کے خواص میں سے ہے یا بہ طفیل متابعت و تبعیت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور آپ کے تین فرزندوں کو اس نعمت عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ محبوبیت ذاتی کا حاصل ہونا بدوں طینت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہو سکتا اور طینت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سوائے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اور آپ کے تینوں فرزندوں کے کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔ حضرت قیوم ثانی عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم فرماتے تھے کہ:

”سرور کائنات کی پیدائش سے کچھ بقیہ تھا۔ وہ امانت رہا اور امت کے طالع مند افراد میں سے ایک فرد کو عطا ہوا (یعنی مجدد الف ثانی کو) اس کا خمیر کیا گیا۔ اس کی وجہ سے اس طالع مند کو منصب اصالت سے سرفرازی بخشی گئی۔ اس فرد کے خمیر کرنے پر بھی کچھ بقیہ تھا کہ اس کی جاگ آگے چلی اس میں سے پورا حصہ میرے خمیر میں ڈالا گیا اس میں سے جو باقی رہا وہ قیوم عمالت و قیوم رابعہ مروج الشریعت کو دیا گیا۔ جو بقیہ اصالت مہدی موعود کے لیے ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصالت سے ہے“

(۵) خلت ابراہیمی آپ کو عنایت ہوئی۔ کعبہ شریف آپ کی زیارت کو سرہند میں آیا آپ کی خانقاہ میں ٹھہرا رہا اور زمین خانقاہ کی کعبہ کی زمین میں واحد الحقیقت ہوئی جس کی قبر میں آپ کی خانقاہ کی مشتمل خاک ڈالی جائے اس کے لیے بہشت کی بشارت ہے۔

(۶) حق تعالیٰ نے آپ کو خزینۃ الرحمت کا خطاب مرحمت فرمایا۔ یعنی بہ طفیل اپنے حبیب کے رحمت کے سب خزانے آپ کے حوالے کیے۔

آنجناب کو ہمیشہ کعبہ شریف کی زیارت کا شوق رہتا تھا مگر بعض موانع کے سبب تشریف نہیں لے جاسکتے تھے۔ تجدید الف و قیومیت کے سال اول میں یہ شوق ایسا مشتعل ہوا کہ آپ بے قرار ہو گئے۔ اسی

بے چینی میں آپ کیا مشاہدہ فرماتے ہیں کہ تمام عالم انسان فرشتے جن سب کی سب مخلوق نماز میں مشغول ہے اور سجدہ آپ کی طرف ہے۔ ظاہر ہوا کہ کعبہ معظمہ آپ کی ملاقات کو آیا اور آپ کے وجود باوجود کو گھیرے ہوئے ہے اس واسطے سے نمازیوں کا سجدہ آپ کی طرف ہوتا ہے۔ الہام ہوا تم ہمیشہ کعبہ شریف کے مشتاق تھے ہم نے کعبہ کو تمہاری زیارت کے لیے بھیج دیا۔ کعبہ شریف نے خانقاہ مبارک میں حلول کیا اور دونوں کی زمین باہم جل مل گئی۔ اس زمین کو بیت اللہ کی زمین میں فنا اور بقا تم حاصل ہوئی۔ ندا آئی کہ مجدد کی مسجد روئے زمین کی مسجدوں سے سواء مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے اعلیٰ و افضل ہے۔ اس مشاہدہ کے بعد پروردگار عالم نے حضرت قیوم اول کو نہایت کرم و فضل سے خزینۃ الرحمة کا خطاب عطا فرمایا۔ یعنی رحمت کے تمام کمال و خزانے آپ کے سپرد ہوئے اور آپ نے دیکھا کہ رحمت کے تمام فرشتے آپ کی اطاعت پر مامور ہیں۔ اس کے تقسیم فرمانے والے حضرت رحمت للعالمین اور آپ کی کمال متابعت کی خدمت کے لیے رحمت کا خزانہ حضرت مجدد الف ثانی کے سپرد ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیابتاً قیامت کے دن بہشت میں داخل کرنے کی خدمت صاحبزادہ ثانی حضرت خواجہ محمد سعید کو تفویض فرمائی۔ چنانچہ ان کو خازن الرحمت کے لقب سے یاد فرمایا کرتے اور رحمت کی باقی خدمتیں مثلاً دوزخ سے نکالنا، پل صراط سے اتارنا، بد عملیوں کا حساب وغیرہ حضرت عروۃ الوثقیٰ قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے سپرد ہوا۔

(۷) حضرت محدث بفتح دال تھے چنانچہ مکتوب پنجاہ یکم جلد ثانی میں تحریر فرماتے ہیں:

”ان کلامہ سبحانہ مع البشر قد یکون شفا ہاذا لک الافراد من الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وقد یکون ذالک لبعض اکمل من متابعم بالتبعیۃ والورثۃ ایضاً واذا اکثر ہذا لقسم من الکلام مع واحد منہم سمی محدثا کما کان امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ہذا غیر الہام وغیر القاء فی الروح وغیر الکلام الذی مع الملک الی آخر الکلامہ العزیز۔“

یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ کا کلام کبھی کبھی مشافہتہ ہوتا ہے اور یہ مخصوص ہے انبیاء علیہم السلام سے اور کبھی کبھی بعض مکمل متبعین کو بھی بوجہ تبعیت وراثت کے ہوتا ہے۔ اور جس وقت کہ بہت ہو کلام کسی سے اس کو (محدث بفتح دال کہتے ہیں) جیسے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر

رضی اللہ عنہ تھے اور یہ کلام الہام والقا سے علیحدہ اور کلام ملک سے بھی جدا ہے اس کلام سے انسان کامل جامع ہے بعد طے امر و خلق و روح و نفس و عقل و خیال مخاطب کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مخصوص کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ساتھ رحمت کے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے اور مشابہت کلام کرنے سے سامع و متکلم کا روبرو رہنا لازم نہیں آتا۔ نہ ہونے سامع ضعیف البصر کے کہ متحمل شعشان انوار نہ ہوگا، چنانچہ ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجواب سوال باری تعالیٰ کے کہ اللہ تعالیٰ ایک نور ہے کہ میں تحقیق دیکھتا ہوں اس کو اور تحقیق مشابہت میں خرق جب شہودی (شہودی حجاب کا ہٹنا) نہ وجودی فافہم“

یہ معرفت شریفہ ہے کہ بہت کم ایسی کسی نے بیان کی ہے۔ نیز خواجہ ہاشم کشمی قدس سرہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ اپنی کتاب زبدۃ المقامات میں لکھتے ہیں کہ:

”مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ در بیاض خاص رقم نمودہ اند کہ حضرت ایٹاں رابوراشت جد مکرم ایٹاں فاروق اعظم محدث بفتح دال گردانیدند“

(۸) حضرت بہ تبعیت و وراثت زمرہ سابقین سے تھے۔ (دیکھو مکتوبات امام ربانی جلد سوم مکتوب سی

ونہم)

(۹) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو بشارت دی کہ قیامت کو ہزار ہا آدمی تمہاری شفاعت سے بخشے جائیں گے۔

(۱۰) حضرت کو بکمال متابعت حضرت سید الانبیاء اللہ تعالیٰ نے بمقام فوق رضا مشرف فرمایا۔ چنانچہ جلد ثانی مکتوب ہفتم میں تحریر فرماتے ہیں کہ فوق مقام رضامندی قدمی نیست مگر خاتم الرسل علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیمات ازاں مقام خبر دادند کہ فرمود علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام لی مع اللہ وقت لایسعی فیہ ملک مقرب ولانبی مرسل۔۔۔ جائز است کہ در اں موطن خاص کہ فوق رضا است خادے رابوراشت و

تبعیت جائے دہند

از کریمیاں کارہا دشوار نیست
الی آخر کلام۔

(۱۱) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات کی جلد اول میں ارقام فرماتے کہ:
”ابتدائے حال میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ میں دیکھا
آپ فرماتے ہیں کہ تم امت کے مجتہدوں میں سے ہو۔ تم پر اس امت
کا ظاہری و باطنی اجتہاد ختم ہوا۔ جس دن فقیر نے یہ واقعہ دیکھا ہے
اسی دن سے علم ظاہر میں فقر کی رائے علیحدہ ہے لیکن فقیر کی اکثر رائے
حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے موافق ہے“

حضرت قیوم ثانی عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی
علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ:

”جب ہم نے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے اجتہاد میں
خوب سیر کی تو معلوم ہوا کہ حضرت ابوحنیفہ کو دو حصے اجتہاد کے ملے
ہیں اور امام شافعی کو ایک حصہ“

آپ ان دونوں کے مسائل پر عمل فرماتے تھے۔ مکتوبات شریفہ۔ نمونہ کے طور پر ایک دو مسائل لکھے
جاتے ہیں۔

مشرکین کے بچے دوزخی یا بہشتی:

حنفیہ ان کے لیے دوزخی ہونے کا حکم لگاتے ہیں دلیل یہ ہے کہ وہ دارالاسلام میں داخل نہیں
ہیں۔ (رائے شافعیہ)

شافعیہ کہتے ہیں کہ وہ بہشت میں جائیں گے کیونکہ وہ معصوم ہیں مستوجب سزا نہیں۔ (رائے حنفیہ)
آپ کی رائے ہے کہ ان کو حشر کے دن بہائم کی طرح خاک کر دیا جائے گا کیونکہ وہ کسی نبی پر ایمان
نہیں رکھتے تھے کہ بہشت میں جائیں اور رحمت الہی کا تقاضا نہیں کہ بغیر حکم سنانے کے نافرمانی کی علت میں
سزا دی جائے۔ (رائے حضرت مجدد الف ثانی)

پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے ناجی ہیں یا نہیں؟:

حنفیہ کے رئیس ابو منصور ماتریدی کی رائے ہے کہ یہ لوگ ابدی دوزخی ہیں کیونکہ خدائے تعالیٰ کی ذات پہچاننے کے لیے عقل کافی ہے اور خدا تعالیٰ کے ارشاد ”ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لم یشاء“ کے مطابق مشرکین بخشے نہیں جائیں گے۔ (رائے حنفیہ)

ابو الحسن اشعری شافعیہ کے رئیس کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ارشاد ”ما کننا معذبین حتی نبعث

رسولا“ کے مطابق یہ لوگ جنتی ہیں۔ (رائے شافعیہ)

آپ کی رائے ہے کہ چونکہ کسی کو بغیر وسیلہ نبی جنت نصیب نہیں ہو سکتی اور رحمانی شفقت سے یہ بھی بعید ہے کہ بغیر حکم سنائے نافرمانی کے الزام میں گرفتار کر کے عذاب کیا جائے۔ لہذا ان پر بھی بہائم کا حکم لگایا جائے گا۔ یعنی ان کی طرح خاک ہو جائیں گے۔ (رائے حضرت مجدد الف ثانی)

آپ نے یہ مسئلہ بیان فرما کر ارقام فرمایا کہ:

”جب یہ مسئلہ انبیاء کے حضور پیش کیا گیا تو انھوں نے پسند فرمایا“

(۱۲) ایک روز حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو حلقہ مراقبہ میں دید قصور غالب ہوئی۔ اسی اثناء میں الہام ہوا:

”غفرت لک ول من توسل بک بواسطۃ او بغیر

واسطۃ الی یوم القیمۃ“

یعنی بخشا تجھ کو اور جس شخص نے تیرا وسیلہ واسطہ یا بلا واسطہ قیامت تک

پکڑا۔

(۱۳) حضرت نے فرمایا:

”جو کوئی میرے طریق میں بواسطہ یا بلا واسطہ مرد عورت قیامت تک

داخل ہوں گے سب کو میرے پیش نظر کیا اور ان کا نام و نسب و مولد و

مسکن بتلایا گیا ہے اگر چاہوں تو تمام بیان کر دوں“

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو طریقہ جدیدہ عطا فرمایا۔ آپ سے قبل سیرسا لکین صرف

ولایت صغریٰ یعنی قلب پر منحصر تھی اور شاذ و نادر کسی کو ولایت کبریٰ و ولایت ملاء اعلیٰ و کمالات نبوت و

رسالت و اولوالعزم و حقیقت ابراہیمی و حقیقت موسوی حقیقت محمدی و حقیقت احمدی و حب حرفہ و لاتعین و نیز

حقیقت کعبہ و حقیقت قرآن و حقیقت صلوٰۃ و معبودیت مطلقہ منکشف فرمائیں اور ان مقامات کی بہ تفصیل حضرت نے اپنے صاحبزادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما کو سیر کرائی۔ چنانچہ مکتوبات میں شرح و بسط کے ساتھ ان مقامات کی تفصیل ہے۔ دیگر کتب میں مثلاً ایضاح الطریقت مصنفہ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ میں سلوک و مقامات مجددیہ کی تفصیل درج ہے۔

(۱۵) فرمایا کہ:

”سوائے نبوت جو کمالات کہ نوع بشر میں ممکن ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عطا فرمائے“

(۱۶) آپ کے روضہ منورہ کی زمین بہشتی زمین بنائی جس کی قبر میں وہاں کی مشیت خاک ڈالی جائے اس کے لیے بہشت کی بشارت ملی۔

(۱۷) آپ کے اہل طریق کو قیامت میں اللہ تعالیٰ نے بخشش کی بشارت دی۔ یعنی جو آپ کے سلسلہ میں داخل ہے وہ مغفور ہے۔

(۱۸) کعبہ آپ کی زیارت کے لیے آیا اور زمین خانقاہ کی کعبہ کی زمین میں واحد الحقیقت ہوئی۔

(۱۹) آنجناب کی نسبت خاصہ اور ارشاد کی قطبیت آپ کی اولاد میں تا قیامت قائم اور برقرار رہے گی۔

(۲۰) علم، صلاح، تقویٰ، ولایت معرفت اولیاء کے منصب مثلاً قطبیت، غوثیت، فردیت وغیرہ خاتمہ دنیا تک آنحضرت کے سلسلہ میں رہیں گے اور امام مہدی آپ کے سلسلہ میں مبعوث ہوں گے۔ اور حضرت کے خلفاء اعظم میں ہوں گے چنانچہ فرمایا کہ:

”امام مہدی موعود ہمارے عزیز الوجود نسبت پر مبعوث ہوں گے“

(۲۱) کل امت کے مشائخ نے آپس میں مناظرہ کر کے ہر ایک نے اپنے سلسلہ کی اشاعت کے لیے آپ کی ذات والاصفات سے خواہش کی اور اپنی نسبت خاصہ سے مشرف فرمایا۔

(۲۲) امت کے کل مجتہدین کا نور آپ میں داخل ہوا۔

(۲۳) حضرت کو جمیع سلاسل عالیہ کے اکابر سے نسبتیں پہنچیں۔۔۔ چنانچہ صاحب حضرات القدس اور خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہما صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں:

”حضرت ایک روز صبح کی نماز کے بعد حلقہ میں مع یاران طریقت بیٹھے تھے کہ شاہ سکندر نبیرہ شاہ کمال کیتھلی قدس سرہما تشریف لائے اور ایک خرقہ آپ کے دوش مبارک پر ڈال دیا۔ حضرت نے جو آنکھ کھولی تو دیکھا کہ شاہ سکندر ہیں۔ جلدی سے اٹھے اور بتواضع معانقہ فرمایا بعدہ حضرت شاہ سکندر نے فرمایا کہ میرے جد امجد نے اپنے وصال کے نزدیک وہ خرقہ جو حضرت غوث الاعظم سے پشت درپشت چلا آیا تھا میرے سپرد کیا اور فرمایا کہا امانتاً اپنے پاس رکھو جس کو میں کہوں اس کے حوالہ کرنا۔ اب چند مرتبہ جد امجد نے مجھے واقعہ میں فرمایا ہے کہ جب آپ کے سپرد کروں۔ لیکن مجھے خرقہ کا جدا کرنا شاق گزرتا تھا۔ مگر بحکم تاکید یہ امانت صاحب امانت کو سرپننے پر مامور ہوں۔ حضرت نے وہ خرقہ زیب تن فرمایا اور طریق قادریہ میں متوجہ ہوئے۔ نسبت قادریہ نے غلبہ کیا اور حضرت غوث الاعظم قدس سرہ العزیز مع اپنے تمام خلفاء تا حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور اپنی نسبت خاصہ کے انوار سے منور فرمایا۔ حضرت کے دل میں خیال گزار کہ میں مشائخ نقشبندیہ علیہم الرحمۃ کا تربیت یافتہ ہوں بجز اس خیال کے سر حلقہ خواجگان نقشبندیہ خواجہ عبدالحق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر تا حضرت خواجہ باقی باللہ علیہم الرحمۃ سب تشریف لائے۔ خواجہ محمد بہاء الدین المعروف خواجہ نقشبند قدس سرہ العزیز حضرت غوث الاعظم قدس سرہ العزیز کے برابر بیٹھے۔ اکابر نقشبندیہ نے فرمایا کہ شیخ احمد ہماری تربیت سے کمال و تکمیل کو پہنچے۔ اکابر قادریہ نے فرمایا کہ انھوں نے اول چاشنی ہمارے خوان سے کھائی ہے۔ (اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت شاہ کمال کیتھلی حضرت کے ایام شیر خوارگی میں تشریف

لائے اور حضرت اس زمانہ میں علیل تھے اور حضرت شاہ صاحب نے اپنی زبان مبارک حضرت کے دہن میں دی تھی اور آپ نے اسے چوسا تھا) اور بواسطہ شاہ کمال نعمت ہمارے سلسلہ کی لی ہے اور اب خرقہ بھی ہمارا ہی پہنا ہے۔ اسی اثناء میں مشائخ ان کرام علیہم الرحمۃ طریقہ چشتیہ کبرویہ سہروردیہ بھی تشریف لائے اور کمال عنایت و الطاف سے فرمایا کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو نسبت چشتیہ کبرویہ سہروردیہ اپنے والد بزرگوار کے ذریعہ اکمل طور سے پہنچ چکی ہے۔ اس لیے ہمارا حق ہے کہ آپ ہمارے طریق کو رواج دیں“

خواجہ ہاشم کشمی و مولانا بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں کہ:

”اس قدر اولیاء عظام کے ارواح سرہند شریف میں جمع ہوئے کہ تمام مکان و گلی و کوچہ و دشت و صحرا پُر ہو گیا اور مناظرہ کو ظہر کا وقت آ گیا۔ آخر الامر معاملہ فیصلہ کے لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پیش ہوا۔ خورشید رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکمال کرم و نوازش سب اکابر دین کو تسلی و دلا سے دے کر ارشاد فرمایا کہ سب بزرگوار اپنی اپنی نسبت بہ تمام و کمال اس بزرگ کے حوالہ کر دیں۔ مگر چونکہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تکمیل طریق نقشبندیہ میں ہوئی ہے اور نسبت معبودہ بھی ان کو اسی سلسلہ سے پہنچی ہے اور نیز اس سلسلہ کے سردار خیر البشر بعد الانبیاء ہمارے خلیفہ اکبر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور بوجہ اس کے کہ اس سلسلہ میں اتباع سنت سنیہ زیادہ ملحوظ خاطر ہے۔ جو خاص خدمت تجدید سے تعلق رکھتا ہے اس لیے ان کے ہاتھ پر یہ طریقہ زیادہ رواج پذیر ہوگا۔ سلسلہ قادریہ کا بھی ان کے ہاتھ سے رواج ہوگا۔ اس ارشاد کی تعمیل میں جمیع اکابر مشائخ عظام علیہم الرحمۃ والرضوان نے اپنی اپنی نسبتیں پیش کر دیں۔

حضرت نے تمام نسبتوں کو اپنے طریق میں امتزاجاً شامل کیا اور ان کو اپنی نسبت خاصہ سے جو جناب باری سے بوساطت رسالت پناہی علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیمات آپ کو عطا ہوئی تھی منور فرمایا۔ پس طریق مجددیہ تمام امت کے سلاسل کا مرکب و ممتزج ہے اور اس طریق کے سالکوں کو ہر ایک سلسلہ اولیاء کے فیوض سے حصہ ملتا ہے۔ اسی وجہ سے اس طریقہ کو سلسلۃ الذہب بولتے ہیں۔ اسی فیصلہ پر سب بزرگواران دین نے فاتحہ پڑھا اور حضرت قیوم اول سے رخصت ہوئے۔ مشائخ کبار کا یہ فاتحہ ۱۱ شعبان ۱۰۱۱ھ المقدس روز شنبہ ماہین ظہر و عصر وقوع میں آیا“

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی رانخن پایاں
بمیرد تشنه مستقی و دریا ہم چناں باقی

حضرت کی بعض کرامات و تصرفات:

حضرت کے خوارق عادات و تصرفات بے حد بے شمار ہیں۔ مگر یہاں چند ایک کرامات بطور نمونہ لکھے

جاتے ہیں۔

(۱) آپ نے فرمایا:

”میں نے دیکھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تشریف لائے ہیں

اور فرماتے ہیں کہ میں تجھ کو علم سماوات سکھانے آیا ہوں“

(۲) حضرت نے فرمایا کہ:

”میں نے ایک روز صبح کے وقت حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس اور

حضرت خضر علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والتسلیمات بصورت روحانیاں

تشریف لائے وہ تلقی روحانی حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم

عالم ارواح سے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہماری ارواح کو قدرت

کاملہ عطا فرمائی ہے کہ بصورت اجسام متمثل ہو کر کار اجسام سرانجام

دیتے ہیں اور دنیاوی امور میں بہ اقتداء طب مدار جو غوث وقت ہوتا ہے اہتمام کرتے ہیں“

(۳) حضرت نے فرمایا کہ:

”طریقہ قادریہ میں بعد شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز مثل شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی کم نظر آتا ہے“

(۴) حضرت نے فرمایا کہ:

”آفتاب کی جانب بفراغت دیکھ سکتے ہیں مگر شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہ کے قلب کی جانب بوجہ شعثان نگاہ نہیں کی جاتی“

(۵) حضرت نے فرمایا کہ:

”مجھ پر مکشوف ہوا ہے کہ ہندوستان میں انبیاء گزرے ہیں لیکن کسی کا ایک تابع ہوا کسی کے دو غرضیکہ تین سے زیادہ کسی کے نہیں پائے جاتے اور اگر چاہوں تو ان کا مکان و جگہ بعثت بتا دوں بلکہ ان کی قبر بھی کہ ان کے انوار نظر آتے ہیں“

(۶) حضرت نے فرمایا کہ:

”ایک روز حافظ حلقہ میں قرآن شریف پڑھتا تھا کہ دفعتاً وساوس دربارہ قرآن شریف میرے دل میں آنے لگے خیال آیا کہ نفس مطمئنہ ہو گیا ولایت متحقق فنا و بقا حاصل ہو گئی۔ پھر یہ خطرات کہاں سے پیدا ہوئے۔ چنانچہ اس راز کے انکشاف کے واسطے متوجہ ہوا بعد توجہ بسیار والتجادیکھا کہ ایک مرغ عظیم الخلق میرے سینے سے نکل کر باہر ہو گیا ہے۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ سینے میں بھی خناس تھا کہ جو وسوسہ ڈالتا تھا اور حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی خناس کے شر سے بچنے کے واسطے حکم ہوا تھا قل اعوذ برب الناس ملک الناس الہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی

صدور الناس من الجنة والناس۔ اور پھر الہام ہوا کہ اصل دین میں جو خطرہ گزرتا ہے اس کا منشاء یہی خناس ہے کہ سینہ میں آشیانہ رکھتا ہے اور ہر وقت نیش زنی کرتا رہتا ہے۔ پھر الہام ہوا کہ اس کے آشیانہ کو تیرے سینہ سے دور کر دیا“

حضرت نے فرمایا کہ:

”الحق بعد خروج اس خناس کے عجب شرح صدر حاصل ہوا“

(۷) حضرت نے فرمایا کہ:

”بلا شائبہ تکلف و تعصب کہا جاتا ہے کہ نورانیت مذہب حنفی نظر کشفی میں مثل دریائے عظیم کے معلوم ہوتی ہے اور دوسرے مذاہب مثل حوض کے“

(۹) حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ:

”ایک روز بعد نماز صبح میں نے دیکھا کہ جو خلعت میں پہنے ہوئے تھا وہ مجھ سے جدا ہو گیا اور اس کی جگہ ایک اور خلعت آ گیا۔ اس وقت میرے دل میں خیال گزرا کہ یہ خلعت زائلہ کسی کو دیں گے یا نہیں اور یہ آرزو ہوئی کہ فرزندِ محمد معصوم کو عطا کریں بعد لمحہ کے دیکھا کہ محمد معصوم کو عطا ہوا اور یہ خلعت زائلہ معاملہ قیومیت سے کہ تربیت و تکمیل سے متعلق ہے اشارہ ہے اور خلعت جدیدہ کا معاملہ جب انجام کو پہنچے امید ہے کہ براہ کرم اس کو فرزندِ محمد سعید کو عطا فرمائیں“

(۹) نقل ہے کہ حضرت کے صاحبزادہ کلاں خواجہ محمد صادق کی ولایت موسوی تھی۔ حضرت نے اپنے

تصرف سے ان کو ولایت محمدی پر پہنچایا۔ چنانچہ مکتوب ۶۲۳، جلد اول میں ان کو تحریر فرماتے ہیں:

”بعد الحمد والصلوة معلوم فرزندِ ارشدی باد کہ از مکتوب شما کہ در شرح

احوال نوشته بودند چنان مفہوم گشتہ کہ شمارا مناسبتی بولایت خاصہ محمدیہ

علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پیدا شدہ است ازیں معنی شکر

خداوندی جل سلطانہ بجا آورده کہ از مدتها آرزوئے این دولت داشته کہ در حق شما بحصول پیوند و این زمان امیدوار گشته متوجه آن شد کہ شمارا باین دولت جذب نماید اتفاقاً درین جستجو شمارا داخل ولایت موسوی یافت علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام و از انجا کشیدہ داخل دائرہ ولایت خاصہ ساخت للہ سبحانہ الحمد والممنۃ و چون شمارا بہ قسر دریں ولایت در آورده اند زیادہ از بست روز است کہ در کنار خود نگاہ داشته پرورش می نماید“

اور یہ اعظم تصرفات سے ہے۔

(۱۰) حضرت نے فرمایا کہ:

”ایک روز میں متوجہ یاراں تھا معلوم ہوا کہ شیخ طاہر لاہوری کا نام دفتر سعدان سے خارج کر کے دفتر اشقیاء میں داخل کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی وقت متوجہ دفع شقاوت مذکور ہوا۔ عین التجا و تضرع میں معلوم ہوا کہ یہ امر لوح محفوظ میں قضا معلق نہیں ہے اور شرط کسی شرط کا نہیں ہے۔ اسی وقت کمال یاس اور ناامیدی ہو گئی۔ از سر نو پھر ملتجی و متضرع ہوا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ ایک قسم کی قضا ہے کہ وہ لوح محفوظ میں مبرم ہوتی ہے اور عند اللہ معلق ہوتی ہے اور اس میں اخص الخواص کو دست تصرف ہوتا ہے اور یہ معاملہ اسی قسم آخر سے ہے“

چنانچہ جناب باری میں التجا منظور ہوئی اور شیخ محمد طاہر جو ایک ہندو عورت پر گرویدہ ہو کر اسلام سے برگشتہ ہو گئے تھے از سر نو حضرت کے دست مبارک پر تائب ہوئے اور حضرت نے کمال عنایت و شفقت فرما کر لاہور کی قطبیت و ولایت سپرد فرمائی۔ چنانچہ یہ قصہ ایک مکتوب میں مدرج ہے۔

اولیاء را ہست قدرت از الہ
تیر جستہ باز گردانند راہ

(۱۱) ایک عالم حضرت کے خادموں میں اثناء سلوک میں قریب بمرگ ہو گئے اس وقت حضرت ان

کے پاس تشریف لے گئے اور متوجہ اتمام سلوک ہوئے اور ان کو بھی اس بات سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ حضرت ان سے حال دریافت فرماتے جاتے اور وہ بیان کرتے جاتے تھے۔ جیسے ہی ان کا سلوک ختم ہوا ویسے ہی جاں بحق تسلیم کی۔

(۱۲) ایک شخص حضرت کی خدمت میں ابھی حاضر نہیں ہوا تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا اور اس میں عرض کیا کہ صحابہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک ہی صحبت میں اکمل اولیاء ہو جاتے تھے اس کی کیا وجہ تھی کیا اسی صحبت میں ایسی حالت ہو جاتی تھی کہ اولیاء مع جمیع حالات پر شرف لے جاتے تھے۔ حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

”اس سوال کا حل صحبت پر موقوف ہے“

چنانچہ وہ شخص حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اول صحبت میں وہ حالت پیدا ہو گئی کہ بیان نہیں ہو سکتی۔ اسی روز حضرت نے اس کو بلا کر فرمایا کہ:

”آج میں نے تیرا ورق پلٹ دیا تیری سمجھ میں آ گیا ہوگا“

اس نے حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا۔

(۱۳) ایک شخص حضرت سے طریقہء قادر یہ میں مرید ہوا کہ اسی درمیان میں حضرت کے کوئی مہمان آگئے انھوں نے اس شخص کی حضرت سے سفارش کی کہ اس کے باپ سے آشنائی تھی۔ اس کو آپ نے طریقہ قادر یہ میں داخل کیا ہے۔ حضرت غوث الاعظم سے بھی ان کو ملا دیجیے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد حضرت مکان سے باہر تشریف لائے اور اس شخص کو بلا کر فرمایا قطب تارہ کی جانب دیکھ۔ اس نے جو دیکھا اس سے ایک شخص سیاہ کبیل پہنے ہوئے تیر کی طرح اس جگہ آگئے۔ حضرت نے فرمایا کہ غوث الثقلین ہیں۔ چنانچہ وہ شخص حضرت غوث الثقلین سے فی الفور قدمبوس ہوا۔ بعد ازاں حضرت غوث الاعظم رخصت ہوئے اور اسی ستارہ میں جا کر غائب ہو گئے۔

(۱۴) ایک شخص نے وصیت کی تھی کہ میرا انتقال ہو جائے تو میری نعش حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں لے جانا اور عرض کرنا کہ داخل طریق فرمائیں کیونکہ حضرت کا طریقہ تھا کہ اموات کو بھی عطاءے نسبت فرمایا کرتے تھے، جب اس کا انتقال ہو گیا اس کا لڑکا جنازہ کو حضرت کی خدمت میں لایا۔ آپ نے فرمایا کل کو ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائے گا۔ دوسرے روز اس کے لڑکے نے حلقہ میں دیکھا کہ اس کا باپ

حضرت سے ایک آدمی کے فاصلہ پر بیٹھا ہوا سرگرم ذکر ہے۔

(۱۵) عبدالرحیمی خان خاناناں صوبہ دار دکن بوجہ غمازی چند فتنہ انگیز مورد عتاب سلطانی ہو کر دارالسلطنت میں طلب کیا گیا اور نوبت بایں جا رسید کہ اس کو اپنی جان کا اندیشہ ہو گیا۔ اسی حالت میں پریشانی میں حضرت کے خلیفہ جلیل القدر میر محمد نعمان سے طلب مدد کی۔ حضرت میر صاحب نے خاناناں کی سفارش میں عریضہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں روانہ کیا اور جواب نیاز نامہ طلب کیا۔ حضرت نے بعد ملاحظہ عریضہ میر نعمان قلمدان طلب کر کے اس طرح جواب تحریر فرمایا کہ:

”در وقت مطالعه کتاب شما خاناناں در نظر رفیع القدر در آمد خاطر شریف از معاملہ او جمع باشد“

میر صاحب نے وہ خط خان خاناناں کے پاس بھیج دیا۔ اس کے چند روز بعد ہی بادشاہ خان خاناناں سے راضی ہو گیا اور خلوت خاصہ عطا فرما کر اس کو پھر بحال کر دیا۔

(۱۶) ایک امیر کو سلطان وقت نے بغضب تمام لاہور سے طلب کیا اور چونکہ اس سے خطائے عظیم سرزد ہوئی تھی لوگ گمان کرتے تھے کہ بجز دہنچنے کے وہ مجھے ہاتھی کے پیر سے بندھوا کر مروا ڈالے گا۔ دہلی جاتے وقت جب وہ سر ہند پہنچا تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور التماس حمایت کی۔ حضرت نے فرمایا اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں خاطر جمع رکھو۔ اس نے بکمال اضطراب عرض کی کہ حضرت زبان سے فرماتے ہیں وہ قلم سے لکھ دیں۔ حضرت نے مسکرا کر یہ کہہ دیا:

”چوں فلاں از خوف غضب سلطانی کہ نمونہ غضب الہی است بفقرا رجوع نمودہ فقراء اور در ضمن خود گرفتہ ازیں مہلکہ رہانیدند“

اس کے رخصت ہونے کے چند دن بعد کسی نے آ کر حضرت سے بیان کیا کہ اس امیر کو بادشاہ نے قید کر دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ خبر صحیح نہیں ہے۔ فقراء کو سلطان کی شفقت اس کے حق میں مثل روز روشن معلوم ہوئی تھی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب بادشاہ کے پاس پہنچا بادشاہ اس کو دیکھ کر متبسم ہوا اور چند کلمات نصیحت آمیز کہہ کر خلعت دیا اور پھر اس کو اس جگہ واپس کر دیا۔

(۱۷) ایک شخص ساہا سال سے بیمار چلا آتا تھا نہ کوئی دوا فائدہ دیتی تھی اور نہ ہی دعا۔ حضرت کی شہرت سن کر ایک عریضہ خدمت شریف میں بطلب دعاء صحت و جامہ تبرک روانہ کیا۔ حضرت نے اس کے

جواب میں یہ مکتوب مع جامہ تبرک بھیجا۔

”مخدوماتا چند چوں مادر مہربان بر خود باید لرزید و تا کے از غم و غصہ باید پیچید خود را ہمہ را مردہ باید انگاشت و جماد چند نیس و حرکت باید پنداشت انک میت و انہم میتون نص قاطع است فکر ازالہ مرض قلبی دریں فرصت بسیر بذکر کثیر از اہم مہام است و علاج علت معنوی دریں مہلت قلیل ببادرب جلیل از اعظم مقاصد دلی او کہ گرفتار غیر است از وچہ توقع خیر روحی کہ مائل بہتر است نفس امارہ از و بہتر است آنجا ہمہ سلامتی قلب می طلبند و خلاصی روح می جویند و ما کوتہ اندیشاں ہمہ در فکر تحصیل اسباب گرفتاری روح ہیہات ہیہات چہ توان کرد و ما ظلمہم و لکن کانوا انفسہم یظلمون دیگر از ضعف اندیشہ نکلند ان شاء اللہ تعالیٰ بصحت و عافیت تبدیل خواهد یافت خاطر اینجانب ازیں رہگذر جمع است جامہ فقراء کہ طلب داشہ بودند پیرہن فرستادہ شد خواہند پوشید و مترصد نتائج و ثمرات آن خواہند بود کہ کثیر البرکات است :

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است
وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است
والسلام علی من اتبع الهدی و التزم متابعة المصطفیٰ

علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و التسلیمات“

(۱۸) جس وقت کہ حضرت کا خط اور پیرہن شریف اس شخص کے پاس پہنچا اور اس نے اس کو پہنانی

الفور آرام ہو گیا۔

ایک شخص نے حضرت کی زبانی سنا کہ جس قدر کفر کی توہین کرے عند اللہ اجر عظیم و ثواب غازیان فی سبیل اللہ کا مستحق ہوگا۔ ایک مرتبہ اس شخص کا معہ چند رفقاء ایک جگہ گزر رہا وہاں ایک بت خانہ تھا وہ لوگ موقع پا کر بت شکنی میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ گاؤں کے آدمی ان پر چڑھے آتے ہیں۔

اس سے نہایت پریشان ہوئے اس وقت حضرت کو یاد کیا ناگاہ آواز آئی کہ تیری مدد کو لشکر اسلام بھیجتا ہوں۔ چنانچہ اس نے رفیقوں کو تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں میں نے اس طرح آواز سنی ہے۔ دشمن ایک تیر کے فاصلے پر رہ گئے ہوں گے کہ تمیں چالیس سو ایک بلندی پر سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے اور آتے ہی کفار کو ڈانٹ پلائی اور ان سب کو اپنی حمایت میں لے کر چل دیے۔ جب کفار نظر سے غائب ہو گئے سب کو رخصت کیا پھر جو دیکھا نہ تو لشکر تھا اور نہ سوار تھے۔ صرف حضرت کا تصرف ہی تھا۔

(۱۹) مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے دکن سے ایک عریضہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں قدمبوس ہونے سے قبل متضمن ذوق و شوق بھیجا حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

”در وقت مطالعه کتابت شما انبساط نورانیت شادراں نواحی بسیار بنظر آمد و امیدوار ساختن لہ سبحانہ الحمد والمنة“

اس بشارت پہنچنے کے بعد خواجہ رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہوئے اور کچھ مدت خدمت شریف میں رہ کر اور خلافت حاصل کر کے دکن تشریف لے گئے اور مرجع خلائق ہوئے اور حضرت کی بشارت پوری ہوئی۔

(۲۰) صاحب زبدة المقامات لکھتے ہیں کہ:

”حضرت خواجہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ نہایت متورخ اور صاحب دل گزرے ہیں انہوں نے اس فقیر سے بیان کیا مجھے علمائے وقت میں سے ایک کی مجلس میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا اور حضرت فرماتے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ذکر آیا۔ اس عالم نے آنحضرت کی نسبت طعن و تشنیع کے کلمات زبان سے نکالے۔ میں نے ان سے کہا کہ فقیر کو حضرت کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا ہے۔ میں نے بہت سے عرفاء اور اولیاء کی زیارت کی ہے اور ان کے سلوک سے واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ عزیز مردان خدا میں سے ہیں۔ اس عالم نے اتفاق نہ کیا اور معاملہ طول پکڑ گیا۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ ہم تازہ وضو کریں اور دو گانہ ادا کریں پھر نہایت عجز و نیاز و توجہ سے قرآن مجید کھولیں جو کلمہ کے صحیفہ متبرکہ

شروع میں ہو اس کو اس مرد کے حال کا نشان سمجھیں اور اسی پر مشاجرت کو ختم کر دیں۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا اور مصحف مجید کو اس عالم نے بتوجہ و خضوع تمام کھولا۔ پہلی آیت متبرکہ کہ کھولنے پر سامنے آئی وہ یہ تھی۔ ”رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله“ وہ عالم نہایت حیران ہوا اور اپنی گفتگو سے نادم ہوا۔ اور میں نے حضرت کی اس کرامت سے خدا تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا اور میرا اعتقاد حضرت کی نسبت بڑھ گیا“

(۲۱) حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ جو عالمگیر کے عہد میں قاضی القضاة تھے اور علامہ دہرو عارف کامل گزرے ہیں اور اپنے وقت کے محدث اور فقیہ اور شیخ الكل اور مرجع علماء و فضلاء تھے انھوں نے سب سے اول حضرت کی تجدید الف ثانی کی تصدیق فرمائی اور بعد میں خود حضرت کی ارادت و بیعت سے مشرف ہوئے۔

حضرت کی عبادات:

حضرت ہمیشہ گرما و سرما، سفر و حضر میں بعد نصف شب بیدار ہوتے اور یہ دعا پڑھتے

”الحمد لله الذي احيانا بعد ما ماتنا واليه البعث

والنشور“

اور یہ آیت بھی پڑھتے تھے:

”اعوذ بالله من الشيطان الرجيم الحمد لله خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور ثم الذين كفروا ابيداهم يعدلون هو الذي خلقكم من طين ثم قضى اجل مسمى عنده ثم انتم تمترون وهو الله في السموات وفي الارض يعلم سركم وجهركم ويعلم ماتكسبون“

بعد ازاں بیت الخلاء کو تشریف لے جاتے پہلے بائیں پاؤں بیت الخلاء میں رکھتے اور بعد اس کے داہنا

اور یہ دعا پڑھتے:

”اللهم انى اعوذ بك من الخبث والخبائث“
 بعد ازاں اس جگہ جب بیٹھتے تو بائیں پیر پر زور رکھتے بعد فراغت بکلوخ طاق استنجا کرتے اس کے
 بعد پانی سے استنجا فرماتے اور بیت الخلاء سے باہر نکلتے وقت داہنا پیر نکالتے۔
 بعد ازاں مستقبل بقبلہ وضو کو بیٹھتے اور بوقت وضو کسی سے مدد طلب نہ کرتے اور آفتابہ بدست چپ
 رکھتے اور ابتداء ہاتھ دھونے یہ دعا پڑھتے:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم بسم العظیم والحمد للہ

علیٰ دین الاسلام حق والکفر باطل“

پہلے داہنے ہاتھ پر پانی ڈالتے بعد ازاں بائیں پر بعد ازاں دونوں ہاتھ جمع کر کے دھوتے اور انگلیوں
 میں کف دست کی طرف سے خلال کرتے اور بوقت مضمضہ مسواک استعمال فرماتے۔ تین دفعہ داہنی طرف
 اور تین دفعہ بائیں طرف کرتے پھر زبان پر کرتے اور اگر زیادہ کرتے تو رعائے وتر کرتے اور پہلے داہنی
 طرف کے اوپر کے دانتوں میں پھر نیچے کے دانتوں بعد ازاں بائیں طرف کے اوپر کے دانتوں میں پھر
 نیچے کے دانتوں میں اور ہر وضو میں التزام مسواک رکھتے تھے۔ بعد فراغ مسواک کو اکثر خادم کے سپرد
 کرتے اور آپ مضمضہ دوڑالتے اور رعائے تثلیث رکھتے تھے۔ بوقت مضمضہ یہ دعا پڑھتے:

”اللهم اعنى على ذكرك وعلى تلاوة القرآن وعلى

صلوة حبيبك عليه الصلوة والسلام“

اور تین دفعہ استنشاق بھی تازہ پانی سے جدا جدا کرتے اور بوقت استنشاق یہ دعا پڑھتے:

”اللهم ارحمنى رائحة الجنة وانت عنى راض“

اور بعدہ روئے مبارک پر کمال آہستگی و سہولت سے بالائے پیشانی سے پانی ڈالتے اور داہنا ہاتھ
 داہنے رخسار پر اور بائیں ہاتھ بائیں رخسار پر گزارتے اور داہنے کو بائیں پر تقدم کرتے تاکہ ابتداء داہنے
 سے ہو اور منہ دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے:

اللهم بيض وجهي بنورك يوم تبيض وجوه اوليائك

ولا تسود وجهي تسود وجوه اعدائك اشهد ان لا اله

الا اللہ وحده لا شریک له و اشہد ان محمدا عبده

ورسولہ“

بعد ازاں داہنے ہاتھ کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھوتے اور ہر مرتبہ اس پر ہاتھ پھیرتے تاکہ قطرہ نہ رہ جائے اور اسی طرح سے بائیں ہاتھ دھوتے اور انگلیوں کی جانب سے پانی ڈالتے اور داہنا ہاتھ دھوتے وقت یہ پڑھتے:

”اللہم اعطنی کتابی بیمیئنی وحاسبنی حسابا یسیرا و اشہد ان لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له و اشہد ان محمدا عبده ورسولہ“

اور بائیں ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھتے:

”اللہم انی اعوذ بک ان تعطینی کتابی بشمالی او من وراء ظہری ولا تحاسبنی حسابا عسیرا اشہد ان لا الہ الا للہ وحده لا شریک له و اشہد ان محمدا عبده ورسولہ“

بعد ازاں داہنے چلو میں پانی لے کر بائیں کف دست اور انگلیوں پر ڈال کر اس طرح زمین پر ڈالتے کہ چھینٹیں نہ اڑتیں اور تمام سر کا مسح کرتے اور اطراف سر پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں پیچھے سے آگے تک پھیر لاتے اور یہ دعا پڑھتے:

”اللہم غشنی برحمتک وانزل علی برکاتک و اظلنی تحت ظل عرشک“

بعد ازاں اسی پانی سے مسح گوش باطن شباہہ اور پشت گوش نرا انگشت سے کرتے اور یہ دعا پڑھتے:

”اللہم اعتق رقبتی من النار و رقاب ابائی و اغذنی من السلاسل و الاغلال اشہد

ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا عبده ورسولہ“

بعد ازاں داہنا پیر تین مرتبہ ٹخنوں سے اوپر تک دھوتے اور ہر مرتبہ اس پر اس طرح ہاتھ پھیرتے کہ قریب خشک کے ہو جاتا اور اسی طرح سے بائیں پیر دھوتے اور یہ دعا پڑھتے:

”اللہم انی اعوذ بک ان تنزل قدمی و قدم الذی علی صراط الاستقیم یوم تنزل

اقدام النافقین و الکافرین فی النار بحرمة النبی المختار اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد

ان محمدا عبده ورسولہ علیہ الصلوٰۃ“

اور بعد فراغت وضو یہ دعا پڑھتے:

”اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين واجعلني من ورثة الجنة النعيم
واجعلني من الذين لا خوف عليهم ولا هم يحزنون واجعلني عبد الشكور واجعلني ان
ذكرك كثيرا اويسبحك بكرة واصيلا اعوذ بالله من الشيطان الرجيم انا انزلناه“
آخر یہ دعا پڑھتے:

”اللهم اشفني بشفائك وداونى بدوائك وعافني من البلاء واعصمني من
الاهوال والامراض والاوراجاع“
آپ کی نماز:

بعد ازاں پوشاک لطیف و نفیس پہنتے اور بہ نخل و وقار تمام متوجہ نماز ہوتے اور دو رکعت خفیف گزارتے
اور ان رکعت میں قرأت بعد فاتحہ یہ دعا پڑھتے۔

”والذين اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذكروا الله فاستغفروا الذنوب بهم ومن يغفر
الذنوب الا الله ولم يصروا على ما فعلوا وهم يعلمون اولئك جزاؤهم مغفرة من ربهم
وجنات تجري من تحتها الانهر خالدين فيها ونعم اجر العاملين“
اور دوسری رکعت میں بعد قرأت فاتحہ یہ آیت پڑھتے:

”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا
الله توابا رحیما ومن يعمل سوءا او يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفورا رحیما“
باقی نماز تہجد کو بطول قرأت ادا کرتے۔ غالباً دو تین پارہ قرآن مجید پڑھتے تھے اور گاہ گاہ حالت غلبہ
حضور میں نصف شب سے صبح تک ایک ہی رکعت میں گزر جاتی اور جب خادم پکارتا کہ صبح ہوئی جاتی ہے تب
دوسری رکعت میں بہ تخفیف ادا فرما کر سلام پھیرتے پس ازاں بعد دوسری دو رکعتیں بقرأت طویلہ لیکن اول
سے کم ادا کرتے اور علیٰ ہذا القیاس بعد کی رکعتیں ایک دوسرے سے کم ادا فرماتے بعد ازاں اگر اول شب
میں وتر نہ پڑھتے تو تین وتر پڑھتے اور بعد فاتحہ پہلی رکعت میں سج اتم ربک اور دوسری میں قل یا ایھا
الکفرون اور تیسری میں قل هو اللہ احد پڑھتے۔ سوم رکعت میں بعد قل هو اللہ قنوت حنفی کو قنوت شافعی میں ضم
کرتے جیسے کہ حنفیوں کی کتاب میں موجود ہے۔

”اللهم اهدنا من هديت و عافنا من عافيت و تولنا في من توليت و بارك لنا من اعطيت و قنا ربنا شرما قضيت انك نقضي و لا يقضي عليك انه لا يذل من واليت و لا يعز من عاديت تباركت ربنا و تعاليت نستغفرک و نتوب اليک و صلى الله على النبی“

اور اگر وتر اول شب میں پڑھ لیا کرتے تو تو تہجد بارہ رکعت پڑھتے اور کبھی آٹھ اور کبھی دس پر بھی اکتفا فرماتے اور اکثر نماز تہجد میں سورۃ یسین پڑھتے اور فرماتے کہ اس کی قرأت میں نفع بسیار اور نتائج بے شمار ہیں۔ سورہ الم السجدہ اور ملک اور منزل، سورہ واقعہ اور چار قل پڑھتے۔ بعد نماز آخر سورہ آل عمران اس جگہ سے پڑھتے ”ان فی خلق السموات و الارض و اختلاف الیل و النهار“ الی آخر سورہ اور ستر دفعہ استغفر اللہ پڑھتے اور کبھی کبھی آیت کریمہ ”رب انی ظلمت نفسي فاغفر لی فغفر له“ ستر مرتبہ پڑھتے۔ بعد صبح تک مراقبہ کرتے یا کلمہ طیبہ پڑھتے یا قبل از صبح موافق سنت سنیہ علی مصدرہ الصلوٰۃ والسلام سو جاتے تاکہ تہجد بین النویمین واقع ہو اور قبل صبح بیدار ہوتے اور وضو جدیدہ فرما کر سنت گھر پر پڑھتے بعد ازاں بجانب قبلہ داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے پھر اٹھ کر متوجہ مسجد ہوتے لیکن آخر میں اضطجاع ترک کر دیا تھا بعد ازاں فرض فجر باجماعت کثیر اول وقت میں ادا کرتے۔ خود امامت فرماتے اور طوال مفصل پڑھتے اور بعد ادائے فرض اسی جلسہ میں دس مرتبہ ”لا الہ الا اللہ و حدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد یحی و یمیت بیدہ الخیر و هو علی کل شئی قدير“ اور سات دفعہ ”اللهم اجرنی من النار“ بعد ازاں یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے ”الھکم الہ و احد لا الہ الا هو الرحمن الرحیم و حم تنزیل الکتاب الی الیہ المصیر و آیۃ الکرسی و کریمہ فسبحن اللہ حین تمسون و حین تصبحون الی تخرجون“ پھر یمن و یسار قوم کی طرف رجوع ہو کر دعا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے۔ بعد دعا دونوں ہاتھ منہ مبارک پر لاتے بعد ازاں مع اصحاب حلقہ ذکر فرماتے اور شغل باطنی میں، بلندی آفتاب بقدر نیزہ مشغول رہتے۔ حلقہ میں کبھی حافظ سے قرآن پاک بھی سنتے اور بعد فراغ حلقہ دو رکعت نماز پڑھتے اول رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ آیۃ الکرسی اور سورۃ یسین تا ”نفخ فی الصور“ اور دوسری رکعت میں اس سورۃ سے تا آخر مذکور سورۃ الشمس پھر دو رکعت بہ نیت استخارہ پڑھتے۔ کبھی اول رکعت میں ”قل یا ایھا الکفر ون“ اور دوسری میں ”قل هو اللہ احد“ اور کبھی پہلی میں ”سبح اسم“ و الم شرح قل یا ایھا الکفر ون اور دوسری میں قل هو اللہ احد تین مرتبہ اور معوذتین ایک ایک بار پڑھتے اور بعد

تشہد درود و استغفار اس طرح پڑھتے۔

”اللہم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عہدک ووعدک ما استطعت واعوذ بک من شر ما صنعت ابولک بنعمتک علی و ابوء بذنبی فاغفر لی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت بعدہ دعا استخارہ پڑھتے ”اللہم انی استخیرک بعلمک و استقدرک بقدرتک و اسئلك من فضلک العظیم فانک تقدر و لا اقدر و تعلم و لا اعلم انک انت علام الغیوب اللہم ان کنت تعلم ان ما ارید من ای عمل خیر الی فی دینی و دنیائی و معاشی و عاقبہ امری الیوم فاقدہ لی و یسرہ لی ثم بارک لی فیہ اللہم ان کنت تعلم ان ما ارید من ای عمل شر الی فی دینی و دنیائی و معاشی و عاقبہ امری الیوم فاصرفہ عنی و اصرفنی عنہ و اقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین“

بوقت شام بعد اتمام او این یہی دعا استخارہ پڑھتے اور بجائے الیوم انیل پڑھتے اور جب بعد نماز صبح سکوت فرماتے تو بعض دعوات یومی بعد اشراق پڑھتے۔ دعوات یہ ہیں:

”اصبحنا و اصبح الملک و الحمد لله لا الہ الا اللہ و حدہ لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر اللہم اسئلك خیر ما فی ہذا الیوم فتحہ و نصرہ و نرہ و برکتہ و ہدایہ و اعوذ بک من شر ما ہذا الیوم و شر ما براہ اللہم ما اصبح لی من نعمۃ او باحد من خلقک فمنک و جدک لا شریک لک فلک الحمد و لک الشکر“

شام کے وقت بجائے الیوم و اصبح اسکی پڑھتے اور تین مرتبہ

اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق اور تین دفعہ بسم الذی لا یضرہ مع اللہ شیء فی الارض و لا فی السماء وهو السميع العليم اور سات دفعہ اللہم نبی قبل ان ینبی الموت اور سات دفعہ اللہم الہنی رشدی و اعذی من شر نفسی اور سات دفعہ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا و ہب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الہ ہاب۔

سات دفعہ یا مقلب القلوب قلب قلوبنا علی طاعتک اور سات دفعہ اللہم اغفر لامۃ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور سات دفعہ رب انی ظلمت نفسی فاغفر لی اور سو دفعہ سبحان اللہ وبحمدہ اور تینتیس دفعہ سبحان اللہ اور تینتیس دفعہ الحمد للہ اور تینتیس دفعہ (اللہ اکبر) اور ایک دفعہ لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له له الملك وله الحمد بیده الخیر وهو علی کل شیء قدیر اور بعض ادعیہ کو بعد نماز اذان پڑھتے اور ان چہار کلمات کو ہر فرض نماز کے بعد موافق اعداد مذکورہ بالا پڑھتے اور بعد ازاں خلوت میں تشریف لے جاتے اور بمقتضائے حال کبھی قرآن شریف پڑھتے اور کبھی کبھی طیبہ کی تکرار کرتے اور گاہ گاہ طالبان خدا کو جدا جدا طلب کر کے احوال پرسی فرماتے اور ہر ایک کے حال کے موافق ارشاد فرماتے اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ان کے احوال خفیہ اگلا و پچھلا خود بہ خود تفصیل شرح فرماتے اور مقامات و کیفیات سے آگاہ فرماتے اور کبھی کبھی خاص اصحاب کو طلب فرما کر اسرار خاصہ و معارف مکشوفہ بیان فرماتے اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں کوشش کرتے اور معارف بیان کرتے وقت محسوس ہوتا کہ گویا القاء و اعطاء حال کر رہے ہیں۔ بارہا ایسا اتفاق ہوتا کہ جس وقت طالب کوئی معرفت حضرت کی زبانی سنتے بجز سننے کے اس معرفت سے بتوجہ حضرت متحقق ہو جاتے اور ہر ایک کو اس کے حال و استعداد کے موافق ذکر و فکر فرماتے اور تمام کی علو ہمت و اتباع سنت و دوام ذکر و حضور و مراقبت و اخفائے حال کی تاکید فرماتے اور تکرار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی نہایت ترغیب دلایا کرتے اور فرماتے کہ تمام عالم بمقابلہ اس کلمہ معظمہ کے مثل قطرہ کے ہے۔ بمقابلہ دریائے محیط کے فرماتے کہ یہ کلمہ طیبہ جامع کمالات و ولایت و نبوت ہے اور فرماتے کہ فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ اگر تمام جہان کو ایک مرتبہ کلمہ پڑھنے پر بخشدیں اور بہشت میں بھیج دیں تو بھی گنجائش رکھتا ہے۔

فرماتے کہ اس کے برابر کوئی آرزو دل میں نہیں ہے کہ ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اس کلمہ کی تکرار سے متلذذ و مخطوظ ہوں مگر کیا کیا جائے تمام آرزو میسر نہیں اور مریدوں کو کتب فقہ کے مطالعہ کی تاکید فرماتے تاکہ معلوم ہو کہ کون سا مسئلہ مفتی بہ اور کون سا مسنون و معمول اور کون بدعت و مردود۔ حضرت کے اصحابوں سے خاموشی کی صحبت ہوتی اور اصحاب پر اس قدر دہشت و ہیبت غالب تھی کہ مجال انبساط دم زدن نہ تھی اور حضرت کی تمکین اس درجہ کی تھی کہ باوجود تو اثر و تکاثر و واردات متنوعہ و متلونہ ہر کبھی اثر تلوین ظاہر نہیں ہوا البتہ بسبیل ندرت چشم پر آب ہو جاتی اور گاہ گاہ اثناء بیان حقائق میں تلون رنگ رخسار و دیدہ ہو جاتا جب ضحوی کبریٰ ہو جاتا تو حضرت نماز ضحیٰ کی آٹھ رکعت ادا کرتے۔

ہر چند کہ چار رکعت جو اول پڑھتے تھے داخلِ صُحی تھیں حاصل یہ کہ نمازِ صُحی بارہ رکعت پڑھتے تھے اور کبھی بسبب قلت انہیں چار رکعت پر جو کہ اول پڑھتے اکتفا فرماتے اور کبھی دو ہی اول پر اور قرأت نماز چاشت بعد فاتحہ سج اسم ربک، والشمس واللیل، والضحیٰ اور چہار قل پڑھتے تھے۔ اوائل حال میں نماز تہجد و صُحی و فی زوال میں اکثر تکرار و قرأت سورہ یسین فرماتے حتیٰ کہ گاہ گاہ اسی مرتبہ اس سورہ کا دن رات میں پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے جب صُحی کبریٰ ہو جاتا نمازِ صُحی خلوت میں ادا کر کے حرم سرا میں شریف لے جاتے اور کھانا تناول فرماتے اور کھاتے وقت فرزندوں اور درویشوں کو طعام تقسیم فرماتے اور جو کچھ پکتا سب میں حصہ رسد عطا فرماتے اور اگر اس وقت فرزندوں و درویشوں اور خادموں میں سے کوئی موجود نہ ہوتا اس کا حصہ رکھ چھوڑنے کے واسطے ارشاد فرمادیتے۔

آپ کی غذا:

حضرت کے گھر کا کھانا نہایت لذیذ ہوتا۔ کھانا کھاتے وقت حضرت داہنا زانو کھڑا کر لیتے اور بائیں لٹا دیتے اور گاہ گاہ دونوں زانو کھڑے کر لیتے اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرتے اور بعض اوقات یہ دعا پڑھتے ”بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئی فی الارض ولا فی السماء وهو السميع العليم۔ فالله خیرا حافظا وهو ارحم الراحمین“ اور سورہ لایلاف پڑھتے اور کبھی یہ دعا پڑھتے ”الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا واشبعنا وجعلنا من المسلمین“ اور اگر کسی کی دعوت نوش فرماتے تو یہ بھی پڑھتے ”اللهم اغفر لا کله ولباذ له ولمن کان له شیئا فیہ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم“ اگر صاحب طعام موجود ہوتا تو فرماتے جزاکم اللہ ارزقنی کما تحب وترضی اجعلها عوانا ما یحب۔ اور تین انگلیوں سے لقمہ لیتے۔ محض اس نیت سے کہ کھانا سنت ہے۔ تنال فرماتے آپ کی غذا نہایت قلیل تھی مع ذلک فرمایا کرتے کہ بحکم اقتضائے آخر زمانہ بھوک میں کمال اتباع آنسور دین و دنیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میسر نہیں ہوتا اور کھانا نہایت خشوع و خضوع سے تناول فرماتے اور اس امر کی مریدوں کو بھی نہایت تاکید فرماتے۔ فرمایا کہ عارف کو کوئی چیز ملکیت سے بشریت کی جانب کھانے زیادہ نہیں کھینچتی۔

قیلولہ کے بعد کے اوقات:

بعد طعام کے تھوڑی دیر بحکم سنت قیلولہ فرماتے اور جیسے ہی سایہ پھرتا اور مؤذن اذان کہتا بجزرد

استماع اللہ بے اختیار بقوت و عجلت تمام بستر سے زمین پر آتر آتے اور اس میں ناغہ نہ ہوتا۔ بوقت سننے اذان کے اعادہ کرتے مگر بوقت حیعتین لاحول پڑھتے اور بعد ازاں دعاء اذان پڑھ کر فی الفور ہی اٹھ کھڑے ہوتے اور وضو کر کے نفیس پوشاک پہن کر مسجد میں تشریف لے جاتے اول دور رکعت تحیۃ المسجد ادا کرتے اور فرماتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زمان بعثت سے تا زمان رحلت سنت زوال ترک نہیں کیں اور اس میں طوال مفصل پڑھتے اور کبھی بمقتضای گنجائش اختصار قرأت پر اکتفا فرماتے۔ بعد ازاں چار رکعت سنت مؤکدہ ظہر کی پڑھتے اور بعد تکبیر اقامت خود امامت فرماتے اور فرض ظہر پڑھتے اور قرأت طوال پڑھتے اور بعد فراغ فرض یہ دعا "اللہم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام" پڑھ کر کھڑے ہو جاتے۔ بعد ازاں دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھتے اور پھر چار رکعت سنت زائد پڑھتے بعد ازاں و عورت کہ بعد ظہر ماثورہ وہیں پڑھتے اس کے بعد قوم کی جانب ہو بیٹھتے اور اصحاب حلقہ کرتے اور حافظ قرآن شریف پڑھتا اور حضرت یاروں کی طرف مراقب و متوجہ بیٹھ جاتے۔ بعد فراغ از حلقہ دو ایک سبق دینی درس فرماتے اور جب وقت عصر ہو جاتا تو تجدید وضو کے واسطے اٹھتے اور چار رکعت سنت عصر ادا کرتے۔ بعد ازاں خود امام ہوتے اور جماعت فرض عصر بجماعت کثیر ادا کرتے بعد ازاں ادعیہ ماثورہ وقت عصر کو پڑھ کر قوم کی طرف پھر بیٹھتے اور اصحاب حلقہ کرتے اور حافظ قرآن مجید پڑھتا اور اصحاب مراقب بیٹھتے اور کبھی احوال پرسی کا شغل کرتے اور متوجہ حال طالبان ہوتے اور ان کی ترقی کے واسطے ہمت فرماتے۔ کبھی کچھ اور عمل صالح کرتے بعد ازاں اول وقت نماز مغرب پڑھتے اور بعد ادا فرض دس مرتبہ لا الہ الا اللہ و حدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی و یمیت بیدہ الخیر و هو علی کل شئی قدیر پڑھتے اور سات دفعہ اللہم اجرنی من النار پڑھتے اور بعد ازاں چار رکعت نماز اوایلین پڑھتے اور اکثر اوقات اس میں سورہ واقعہ اور سورہ اخلاص اور گاہ چھ رکعت پڑھتے اور نماز عشاء کو بعد زوال بیاض افق کہ نزدیک امام اعظم شفق اسی سے مراد ہے وہ وقت متفق علیہ ہے مسجد میں تشریف لاتے اول دور رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے بعد ازاں چار رکعت سنت یا دو رکعت گزارتے اور پھر فرض ادا کرتے اور بغیر اس کے کہ ادعیہ پڑھیں "اللہم انت السلام الخ" پڑھ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور دو رکعت سنت مؤکدہ پڑھتے بعد ازاں چار رکعت اور مستحب پڑھتے بعد ازاں وتر پڑھتے

اور بعد ازاں الم السجدہ پڑھتے اور کبھی بعد فرض چار رکعت میں سورہ سجدہ و تبارک و قل یا ایہا الکفر ون و قل هو اللہ پڑھتے اور دعاء قنوت حنفی و شافعی کہ حنفیوں نے جمع کیا جمع کرتے۔ بعد ازاں دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے اول رکعت میں اذا زلزلت الارض پڑھتے اور دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکفر ون پڑھتے اور آخر میں ان دو رکعت کو ترک کر دیا تھا اور فرماتے تھے کہ اس میں اختلاف ہے۔ بروقت نماز حضرت ہردوا بہام کان کی لوتک لے جاتے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو بغیر اس کے کہ کھلی ہوں یا جڑی رکھیں بلکہ متوجہ قبلہ رکھتے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھوں کو نیچے لاتے اور زیناف داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر اس طرح رکھتے کہ داہنے ہاتھ کی خنصر اور ابہام سے حلقہ ہو جاتا اور تین انگلیاں کلانی پر لمبی لمبی رکھی جاتیں اور دونوں پیروں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ ہوتا اور دونوں پیروں پر برابر زور رکھتے اور ایک پیر پر زور دے کر دوسرے کو آرام نہ دیتے اور قیام سجدہ کی جگہ نگاہ رکھتے بعد ازاں تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے اور قدموں پر نظر رکھتے اور سر پشت کے برابر کرتے اور زانو انگلیاں کھول کر بقوت پکڑتے اور زانو ٹیڑھا نہ ہونے دیتے اور بعد ازاں قومہ بمقدار تسبیح جلسہ کرتے اور در حال انفراد سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد پڑھتے اور دونوں سجدوں کے درمیان بقدر تسبیح جلسہ کرتے اور سجدہ میں ناک کی نرمہ پر نگاہ رکھتے اور پیٹ کو زانو سے اور زانو کو بازو سے جدا رکھتے اور بوقت سجدہ تمام اعضا پر برابر زور دیتے اور تشہد میں دونوں پیروں کی انگلیوں کو قبلہ کی جانب متوجہ رکھتے اور کنار پر نظر رکھتے اور حضرت کے تمام اصحاب نماز میں حضرت کی تقلید کرتے۔ بہت سے آدمی حضرت کو نماز پڑھتے دیکھ کر فریفتہ ہوتے بعد نماز عشاء اور قبل سونے کے حضرت سورۃ فاتحہ و آیۃ الکرسی و امن الرسول تا آخر وان ربکم اللہ خلق السموات والارض تامن المحسنین و قل ادعوا اللہ وادعوا الرحمن الخ اور چار قل پڑھتے اور جس وقت لیٹتے پہلوئے راست پر تکیہ کرتے اور داہنے ہاتھ کو رخسار مبارک کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے:

”اللہم باسمک ربی وضعت جنبی و بک ارفعه ان امسکت نفسی فاغفرت وان ارسلتها فاحفظها بما تحفظ بہ عبادک الصالحین اللہم اسلمت و جہی الیک وفوضت امری الیک و مالجات ظہری الیک رغبة و رهبة الیک لا ملجأ لا مجامنک الا الیک اللہم انی آمنت بکتابک الذی انزلت و برسولک الذی ارسلت

و لحملهن اخر ما يتكلم به اللهم انى احمدك بكل لسان واستعيد بك من البليات ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم“

اعوذ بكلمات اللہ التامات کلها من شر ما خلق تین مرتبہ اس کلمہ کی تکرار کرتے پھر تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک له له الملك وله الحمد بیده الخیر وهو حی لا یموت ابدا ابدا ذو الجلال والا کرام وهو علی کل شئی قدیور اور سو دفعہ سبحان اللہ و بجمہ پڑھتے اور سو دفعہ بعد نماز تہجد کے بھی پڑھتے اور سو دفعہ ہر روز مواظبت رکھتے پھر خواب کرتے۔

نماز جمعہ کو جس طرح کہ علماء حنفیہ نے فرمایا ہے اس طرح ادا کرتے اور بعد فرض جمعہ سات دفعہ سورۃ اخلاص اور سات دفعہ معوذتین مع بسم اللہ پڑھتے اور صلوٰۃ ظہر کو قبل جمعہ نہ ادا کرتے بلکہ اس کو مکروہ جانتے لیکن بعد ادائے جمعہ پڑھتے اور فرماتے کہ شرائط جمعہ بقول بعض اس وقت پائی نہیں جاتیں اور اس طرح نیت کرتے نویت ان صلی اللہ تعالیٰ اربعہ رکعت آخر فرض ظہر ادرکت وقتہ ولم ادیہ اور ادائے نماز ظہر کو بجماعت نہ پڑھتے اور اگر کبھی کچھ بیماری وغیرہ ہوتی اور نماز جمعہ کو نہ پہنچتے تو تو مفرد ادا کرتے اور اسی طرح سفر میں طریقہ جاری رکھتے باوجود اس کے نماز باجماعت ادا کرنے کے نہایت حریص تھے اور فرماتے تھے کہ ہم تابع مجتہد ہیں انہوں نے جو فرمایا ہے وہ کرنا چاہیے اور جو منع کیا ہے اس کو نہ کرنا چاہیے اور آخر عشرہ رمضان میں مسجد میں معتکف بیٹھتے اور عشرہ ذوالحجہ میں عزلت کرتے اور ان عشرات میں طاعات واذکار و صیام کے بہت حریص ہوتے اور درود پڑھتے اور شبہائے جمعہ کو مع اصحاب حلقہ کر کے درود شریف پڑھتے۔ عید الاضحیٰ کو راہ میں تکبیریں بلند کہتے جاتے اور عشرہ ذی الحجہ کو حاجیوں کی مشابہت کر کے سر اور ناخن نہ ترشواتے اور بعض ادعیہ ماثورہ پڑھا کرتے اور عشرہ ذی الحجہ میں ہر روز نماز عشاء اور فجر کی دوسری رکعت میں سورۃ الفجر پڑھتے۔ نماز کسوف و خسوف پڑھتے اور نماز تراویح میں رکعت ادا کرتے اور سفر و حضر میں بہ جمعیت تمام ادا کرتے اور تین قرآن شریف سے کم ایام صیام میں ختم نہ کرتے اور ہر چار رکعت تراویح کے بعد تین دفعہ ”سبحان ذی الملك والملکوت سبحان ذی العزۃ والعظمت والہیبة والقدرۃ والکبریاء والجبروت سبحان الملک الحی الذی لا ینام

لايموت سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح اللهم اجرنا من النار يا مجير يا
 مجير يا مجير“ پڑھتے اور دیگر ایام میں چونکہ خود حافظ قرآن تھے بعد نماز ظہر ہمیشہ تلاوت فرماتے
 تھے اور حلقاں استماع قرآن شریف ہمیشہ جاری تھا اور نماز وغیرہ میں اس طرح قرأت پڑھتے کہ
 گویا ادائے معنی ضمن الفاظ میں فرماتے جاتے تھے اور سامعین کو بدیہی طور سے معلوم ہوتا تھا کہ اسرار
 قرآنی اس مقرب سبحانی پر وارد ہو رہے ہیں بہت سے آدمی جو کہ مرید بھی نہ ہوتے تھے کہتے کہ حضرت
 قرآن اس طور سے پڑھتے ہیں گویا الفاظ ان کے دل سے نکلتے ہیں اور ہرگز آواز بنا کر نہ پڑھتے
 تھے اور نماز تراویح میں اکثر سامعین کو غنودگی ہو جاتی تھی لیکن حضرت کو کبھی کچھ نہ ہوتی تھی اور اسی
 طرح کھڑے کھڑے قرآن سنتے۔ ملا بدرالدین سرہندی نے لکھا ہے کہ ایک روز میں نے حضرت
 سے عرض کیا کہ کیا باعث ہے کہ آپ کو کبھی غنودگی نہیں ہوتی۔ فرمایا شنواری دریائے اسرار قرآنی
 فرصت نہیں دیتی کہ پلک جھپکاؤں۔ سفر میں منزل پر پہنچنے تک تلاوت قرآن فرماتے اور جس وقت
 آیت سجدہ آتی فی الفور سواری سے نیچے اتر کر زمین پر سجدہ کرتے اور حالت انفراد میں تسبیحات رکوع و
 سجود پانچ وسات بار بلکہ نو و گیارہ پڑھتے اور کبھی تین مرتبہ اختصار فرماتے حسب موقع فرماتے کہ شرم
 آتی ہے کہ باوجود قوت و استطاعت حالت انفراد میں اقل تسبیحات پر اقتصار کیا جائے اور حالت
 امامت میں اس قدر کہتے کہ مقتدی بفرغت تین مرتبہ کہہ سکیں اور جس طرح اسبات کی احتیاط کرتے
 کہ سنت میں نقصان نہ ہو اسی طرح اس میں بھی احتیاط کرتے کہ زیادتی بھی نہ ہو اور سوائے نماز
 تراویح و خسوف و خسوف اور کسی نفل کی جماعت نہ کرتے اور اس کو مکروہ جانتے اور ہر کام نماز استخارہ
 سے شروع کرتے اور کبھی صرف دعائے استخارہ پر اکتفا فرماتے اور تشہد میں انگشت سبابہ سے اشارہ نہ
 کرتے کہ مذہب حنفی میں مکروہ و حرام ہے۔ ہر چند کہ بہت سے علماء اس کی سنیت کے بھی قائل ہیں مگر
 بحکم آنکہ اذا وارد الامر بين السنة والكرهة فرکہ اولیٰ معہ ذلک۔ کبھی کبھی بمقتضائے
 حدیث نوافل میں اشارہ بھی کرتے تاکہ یہ عمل متروک مطلق نہ ہو اور مریض کی عیادت کو جاتے اور
 ادعیہ ماثورہ مریض پر پڑھتے اور دفع امراض کے واسطے توجہ باطنی فرماتے اور قبروں کی زیارت کو
 جاتے اور بدعائے استغفار مدد فرماتے اور اموات سے استعانت کو جائز رکھتے بلکہ خود بھی کرتے
 اور باطن سے توجہ رفع اسباب و ترقی درجات کرتے۔ دعوت خاص قبول فرماتے اور دعوت عام میں

تشریف نہ لے جاتے۔ خواص بشر کو خواص فرشتوں پر فضل دیتے اور نبوت کو ولایت سے افضل جانتے اگرچہ ولایت اسی نبی کی کیوں نہ ہو۔ غلبہ صحو کو غلبہ سکر پر ترجیح دیتے اور صحو خالص نصیب عوام کا لانعام کہتے اور اولیائے عشرت کو جو کہ خلألق کی ہدایت میں مشغول ہوتے ہیں اولیائے عزلت سے جو کہ جنگل و پہاڑوں میں بیٹھتے ہیں بہتر جانتے اور تمام اصحاب کو تمام اولیائے امت سے خواہ وہ قطب ہوں یا نوٹ افضل جانتے اور مشاجرات صحابہ کو اجتہاد پر محمول فرماتے اور ہوائے نفسانی سے مبرا سمجھتے۔ طریق مشائخ میں طریقہ نقشبندیہ کو افضل سمجھتے اور فرماتے کہ یہ طریقہ طریقہ اصحاب ہے۔

بعض کتب مثل بیضاوی و بخاری شریف و مشکوٰۃ شریف و ہدایہ و شرح موقف و بیضاء حاشیہ عضدی و عوارف کا درس بھی فرماتے۔ تحصیل علوم کو سلوک صوفیہ پر مقدم کرتے اور فرماتے کہ صوفی جاہل مسخرہ شیطان ہے اور اگر کبھی سفر پر جانے کا اتفاق ہوتا تو دو شنبہ و پنجشنبہ کو شروع کرتے اور باقی ایام کو سفر کے واسطے مبارک جانتے کہ مالا ایام اللہ و العباد باللہ اور جب سفر پر متوجہ ہوتے تو دو رکعت نماز استخارہ پڑھتے اول رکعت میں قل یا ایہا الکفرون اور دوسری میں قل ہو اللہ احد بعد نماز دعائے استخارہ پڑھتے اور برآمد ہوتے وقت سورہ فاتحہ و آیۃ الکرسی اور چاروں قل پڑھتے اور جس وقت سوار ہوتے تکبیر کہتے اور یہ آیت پڑھتے ”سبسخن الذی سخر لنا هذا وما کننا له مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون“ اور جب شہر یا قریہ میں داخل ہوتے تو یہ پڑھتے ”اللہم اسئلک خیرھا و خیر ما فیھا و اعوذ بک من شرھا و شر ما فیھا“ اور جب منزل پر نزول ہوتا تو یہ دعا پڑھتے ”رب انزلنی منزلا مبارکا و انت خیر المنزلین“ اور اثناء عبور راہ میں اتر پڑھتے اور تین مرتبہ یہ دعا پڑھتے ”اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق“ اور دو رکعت نماز بھی پڑھتے۔ سفر میں ہمراہیوں کو تلاوت سورہ قریش کی ترغیب دیتے جب منزل پر پہنچتے واسطے خیریت منزل کے دعاء استخارہ پڑھتے اور بوقت تند ہوا چلنے کے یہ دعا پڑھتے ”اللہم اجعلھا ریاحا ولا ریحا اللہم انی اسئلک خیرھا و خیر ما فیھا و خیرنا ارسلت بہ اعوذ بک من شرھا و شر ما فیھا و ما ارسلت بہ“ اور بوقت رعد و ظہور صاعقہ یہ تسبیح پڑھتے ”سبحان من یسبح الرعد بحمده و الملائکة من خیفته“ اور کسی کو بلا میں مبتلا دیکھتے تو یہ پڑھتے ”الحمد لله الذی عافانی مما ابتلاه به و فضلنی علی ممن خلقنا تفضیلا و جعلنی

من المسلمین“ اور جب آئینہ دیکھتے تو یہ پڑھتے۔ ”اللہم حسن خلقی کما احسنت خلقه و حرم و جہی علی النار“ اور اگر اتفاقاً بازار میں گزر رہا ہو تو کلمہ توحید پڑھتے لا الہ الا اللہ و وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی و یمیت و هو حی لا یموت و هو علی کل شیء قدیر ابد ابد اذو الجلال و الاکرام اور جس وقت مسجد میں آتے اگر مکروہ وقت نہ ہوتا تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے اور اس میں کبھی فرق نہ آتا بوقت داخل ہونے کے نیت اعتکاف فرماتے اور اس طرح نیت کرتے ”اعتکف ما دمت فی هذا المسجد“ اور جب دولت خانے سے باہر تشریف لاتے تو یہ پڑھتے ”تو کلت علی اللہ و اعتصمت باللہ لا حوال ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم“ اور جب ہلال دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے ”اللہم اہلہ علینا بالامن و الامان“ اور اگر مریض کی عیادت کو جاتے تو ”عفاک اللہ“ کہتے اور جب نیا لباس پہنتے تو پڑھتے الحمد لله الذی کسانى هذا الثواب بغير حول منی ولا حول منی ولا حول قوۃ اور لباس کا نام بھی تعین کرتے۔ اگر عمامہ پہنتے تو ہذا العمامہ اور قمیص ہوتا تو ہذا القمیص فرماتے۔ غرض یہ کہ ہر ایک امر میں حضرت کمال رعایت سنت و مستحب رکھتے تھے اور اس امر کی خاموشی کو بھی نہایت تاکید ہوتی تھی۔

طلاب کے لیے حضرت کے چند نصائح:

آپ نے فرمایا کہ:

”طالب کو چاہیے کہ اپنے دل کو سب جانب سے خالی کر کے اپنے شیخ کی طرف متوجہ کرے“

فرمایا:

”اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر کوئی نفل نہ پڑھے یا دیگر عبادت نہ کرے“

فرمایا:

”اس کے سامنے کسی کی طرف ملتفت نہ ہو اور بالکل اسی کی طرف متوجہ رہے یہاں تک کہ ذکر خدا بھی نہ کرے مگر کہ وہ حکم کرے اور

فرض و سنت موکدہ کے علاوہ اس کے سامنے کوئی نماز نہ پڑھے“

فرمایا:

”جہاں تک ہو سکے ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ اس کے شیخ کے سایہ یا لباس پر پڑے“

فرمایا:

”اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کرنے کی جگہ پر وضو نہ کرے“

فرمایا:

”اپنے شیخ کے خاص کیے ہوئے برتنوں کو استعمال نہ کرے“

فرمایا:

”اس کے سامنے نہ کھائے نہ پیے اور نہ کسی سے بات کرے اور نہ ہی کسی طرف متوجہ ہو“

فرمایا:

”اپنے شیخ کی غیر حاضری میں اس جگہ کی طرف جہاں کہ وہ بیٹھا ہو پاؤں دراز نہ کرے اور لعاب دہن بھی اس طرف نہ پھینے“

فرمایا:

”جو کام پیر کرے اس کو صواب اور صحیح سمجھے اگرچہ ظاہر میں درست نہ معلوم ہوتا ہو کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور خدا کی اجازت سے کرتا ہے اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ بعض صورتوں میں اس کے الہام میں بھی خطا ہو سکتی ہے اور وہ خطا اجتہادی غلطی کی مانند ہے اور اجتہادی غلطی پر ملامت و اعتراض جائز نہیں“

فرمایا:

”ہر بات میں پیر کی پیروی کرے۔ کھانے، پینے، پہننے، سونے،

عبادت کرنے میں اور نماز اس کی طرح ادا کرے اور علم فقہ کو اس کے اعمال سے سیکھے“

فرمایا:

”اپنے شیخ کی حرکات و سکنات میں کسی میں اعتراض کو داخل نہ ہونے دے اگرچہ بہت ہی کم اعتراض کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اعتراض کرنے والا نعمت سے محروم اور سعادت سے دور رہتا ہے۔ (خدا ہمیں اس بلائے عظیم یعنی اعتراض سے بچائے)“

فرمایا:

”اپنے پیر سے ہرگز کرامات کا طالب نہ ہو۔ کیونکہ کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے بھی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا؟ معجزہ کفار طلب کرتے ہیں اور منکرین دین نہ کہ مومن۔ اگر کوئی شبہہ پیدا ہو تو پیر کی جناب میں عرض کرے اگر پھر بھی حل نہ ہو تو سمجھے کہ میری کم عقلی کی وجہ سے ہے ورنہ کسی نقصان کو شیخ کی جانب عائد نہ کرے“

فرمایا:

”بلا اجازت و بلا ضرورت اپنے شیخ سے جدا نہ ہو۔ کیونکہ غیر کا اس پر اختیار کرنا ارادت کے منافی ہے“

فرمایا:

”اپنی آواز کو اس کی آواز پر بلند نہ کرے اور بلند آواز سے اس کے ساتھ بات نہ کرے کیونکہ یہ سوء ادب ہے“

فرمایا:

”جو فیض پہنچے اس کو اپنے شیخ کے تو سل سے خیال کرے۔ اگر واقعہ میں دیکھے کہ کسی اور شیخ سے فیض پہنچا ہے۔ اس کو بھی اپنے شیخ سے سمجھے۔ کیونکہ شیخ جامع کمالات و فیوض ہے۔ وہ فیض خاص مرید کی

استعداد کے مطابق شیخ کے لطائف میں سے کسی لطیفہ کا ہے جو کہ دوسرے شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا اور طالب نے اپنے شیخ کے لطیفہ کی صورت کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اس مغالطہ سے بچنا چاہیے“

فرمایا:

”پیر کے ذریعہ سے ہی خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ پیر اپنے قلب و روح سے طالب کی روح کو صاف کرتا ہے اور خدا تک پہنچاتا ہے“

فرمایا:

”اپنے پیر کے وسیلہ سے ہی نفس امارہ سے رہائی ملتی ہے اور نفس مطمئنہ حاصل ہوتا ہے اور کفر طبعی سے اسلام حقیقی ملتا ہے“

فرمایا:

”اپنی سعادت کو اپنے پیر کی قبولیت میں سمجھے اور اپنی ثقاوت کو اس کے رد میں جانے (خدا تعالیٰ ہم کو ارتداد شیخ سے بچائے)“

فرمایا:

”جب تک مرید اپنے ارادوں کو اپنے پیر کے ارادوں میں فانی نہ کرے خدا تعالیٰ کی رضا کے مقام کی سیر نہیں کر سکتا“

حضرت کا ارتحال و آخری کلمات و وصایا:

چوں نقش کلک موج سر بحر بے ثبات
ہے رسم نقش ہستی انساں دم حیات
جب انبیاء بھی عالم ظاہر سے چل دیے
چکھی ہے اولیاء نے بھی جب لذت وفات
صدمہ ضرور ہوتا ہے شکوہ مگر نہیں
دیکھو بہ نگہ خاص کہ ہیں اولیاء حیات

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیسویں سال خلعت فاخرہ ختم رسالت زیب تن فرمایا۔
حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو عین سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق چالیسویں سن
خلعت تجدید الف و قیومیت عطا ہوا۔

اس خلعت کے عطا ہونے کے تیسویں سال کے آخر میں نماز عید الاضحیٰ سے فارغ ہو کر حضرت قیوم
اول نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”میں نے آپ لوگوں کو پہلے سے اطلاع کی ہوئی ہے کہ دنیا سے
عنقریب سفر کرنے والا ہوں اور قضائے مبرم سے ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ میری عمر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تریسٹھ
سال کی ہوگی۔ اب تریسٹھواں سال آخر کو پہنچ گیا ہے۔ قریب ہے کہ
تم سے جدا ہوں اور رفیق اعلیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں۔ اے
بندگان خدا! جو کچھ مجھے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا اور جو
کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے لائے تھے میں نے تم کو پہنچا دیا۔ تم
جانتے ہو کہ اپنی خدمات تجدید الف اور ترویج ملت محمدی صلی اللہ علیہ
وسلم میں کس قدر کوششیں کیں اور دشمنان دین سے سختیاں
سہیں۔ بادشاہ وقت کی قید میں مقید ہونے اور لشکر شاہی میں موجود
رہنے کی پابندی قبول کی مگر اپنے فرض کو نہیں چھوڑا۔

اب میں آپ سے جدا ہونے کو ہوں اور آپ کو خدا کے سپرد کرتا
ہوں۔ میری ملاقات آپ سے قیامت کے دن حضرت رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گاہ میں ہوگی۔ آپ گواہ رہیں کہ میں نے
اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی تقصیر نہیں کی۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم تم سے پوچھیں گے کہ مجدد الف ثانی تم نے کس طرح
زندگی کاٹی؟“

سب نے بالاتفاق اس نائب اتم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:

آپ نے ترویج شریعت و تجدید ملت میں پوری سعی فرمائی اور ہمیں سیدھی راہ دکھائی اور اس مقصد کی پیش رفت میں جو تکلیفیں اور سختیاں آپ پر وارد ہوئیں آپ نے صبر کے ساتھ جھیلیں۔ پروردگار کا شکر بجالا کر ہماری ہدایت میں مصروف رہے۔ دنیا بھر کو گمراہی سے نکال کر راہ راست پر لگایا اور شریعت و طریقت کو زیب و زینت دی اور مسلمانوں کے اوقات کو ٹھیک اصحاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات کے مشابہ کر دیا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔“

یہ کہہ کر سب نے عرض کیا کہ ہم یہی گواہی جناب خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور دیں گے۔ اس کے بعد حضرت مجدد نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تم کو نہایت کمال پر پہنچا دے اور دنیا کا عیش بھی فراخ کرے۔
فرمایا کہ:

”میں آپ سب کو وصیت کرتا ہوں کہ قرآن و سنت پر قائم رہو۔ مجتہدین کی تابعداری کرو۔ اس میں سر مو فرق نہ آئے کہ اس سے دین و ایمان میں خلل ہوگا۔

غیر شرع پیروں سے پرہیز کرو۔۔۔۔۔“

یہ وصایا بیان فرما کر فرمایا:

”اے یارو! اب میں تم سے وداع ہوتا ہوں“

یہ خبر سنتے ہی مخلوق میں شور برپا ہوا۔ بعدہ آپ خلوت خانے میں تشریف لے گئے۔ خلوت خانے میں آپ نے تھوڑی دیر قیلولہ فرما کر اپنے اہل حرم و فرزندوں کو فرمایا کہ:

”دو ماہ کے بعد جو سردی آنے والی ہے ہم اس وقت اس گھر میں نہ

ہوں گے“

محرم کی بارہویں تاریخ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے یہ خبر دے دی کہ مجھ سے فرمایا گیا ہے کہ:

”اب چالیس پچاس دن میں اس جہان سے چل دینا چاہیے“

یہ خبر سن کر گھر والے رونے لگے۔ ان ایام میں آپ پر گریہ غالب تھا۔ حضرت سعید خازن الرحمت نے گریہ کی وجہ پوچھی۔ فرمایا:

”اشتقاق ذوالجلال غالب ہے“

پھر انھوں نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو اس جہان کی زندگی کا اختیار دیا ہوا ہے فرمایا:

”ہم تم کو بعد ارتحال بہ نسبت اس زندگی کے زیادہ مدد دے سکیں گے“

انہی ایام میں حضرت اپنے والد ماجد کے مزار پر تشریف لے گئے اور بہت مدت تک دعا و استغفار فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ ناظرین کو اندوہ پیدا ہوا کہ ہبھی اس قبرستان والوں میں ہوتے اور اس دعا سے حصہ پاتے۔ اس کے بعد امام رفیع الدین کے مزار پر تشریف لے گئے وہاں بھی ایسا ہی معاملہ ہوا۔ ماہ صفر کی بائیسویں تاریخ آپ نے سب اصحاب کو مجمع میں فرمایا کہ:

”اب چالیس دن پورے ہو گئے ہیں۔ دیکھیں ان آٹھ سات دن میں کیا ہوتا ہے“

آپ نے فرزند ان عروۃ الوثقیٰ اور حضرت خازن الرحمت سے فرمایا:

”ان صحت کے دنوں میں جتنے کمال جو نوع بشر کے واسطے ممکن تھے مجھے عطا فرمادے“

مخدوم زادوں کا دل بہت گھبرایا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا نازل ہونے میں ایک رمز پوشیدہ تھی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دل گھبرایا تھا۔

جمعرات کے دن تیسویں ماہ صفر کو آپ کو سخت بخار لاحق ہوا اور آنحضرت نے بدن کے کپڑے اتار کر تقسیم فرمادے اور دوسرے دن جمعہ کو باوجود سخت ضعف و حرارت حضرت نماز جمعہ کے لیے تشریف لائے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”یہ ہمارا آخری جمعہ ہے“

اور پہلے وصایا کو پھر دہرایا۔ ذکر مراقبہ و اتباع شریعت و التزام سنت و اجتناب از بدعت کی تاکید فرمائی۔ فرمایا کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو دانتوں سے پکڑے رکھو“

اور فرمایا:

”میری تجہیز و تکفین مطابق سنت ہو، کسی کی نگاہ میرے ستر پر نہ پڑے۔ غسل پر میرے دو فرزندوں اور دو اعظم خلفاء کے سوا اور کوئی نہ ہو اور میری قبر کسی گننام جگہ پر بناؤ“

فرزندوں نے عرض کی کہ آپ نے اس سے پیشتر اس روضہ کی شرافت بیان فرمائی ہے جو بڑے بھائی کی مزار پر بنایا گیا ہے اور یہ فرمایا تھا کہ میری قبر اس جگہ ہوگی اور دفن کی جگہ مقرر فرمادی تھی۔ فرمایا کہ ہاں ایسا ہی تھا لیکن اب شوق ایسا ہے کہ قبر گننام جگہ پر ہو۔ جب مخدوم زادوں کی طرف سے اس امر کی قبولیت میں توقف دیکھا تو فرمایا کہ ایسا نہ کرو تو شہر کے باہر والد بزرگوار کے مزار کے پاس مجھے دفن کر دینا۔ یا شہر کے باہر قبر بنا دینا لیکن قبر کچی بنانا۔ تاکہ تھوڑے عرصے میں بے نام و نشان ہو جائے۔

خواجہ ہاشم کشمی زبدۃ المقامات میں نقل فرماتے ہیں کہ:

”آنجناب کا فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ آنجناب حضرت الوہیت بے نشاں کے مظہر اتم ہیں اور اس بات کا مؤید یہ واقعہ بھی ہے جو میں نے دیکھا۔ کہ آنجناب نے انتقال فرمایا ہے پور میں ہر طرف فریاد کرتا پھرتا ہوں۔ کبھی کہتا ہوں ”این احمد“ کبھی کہتا ہوں ”این اللہ“ اتنے میں کسی نے کہا حضرت کا مزار اس بڑی مسجد میں ہے۔ جب مسجد میں آیا تو ایک لکیر مسجد میں طولاً و عرضاً نظر پڑی۔ ملہم حقیقی کی طرف سے مجھے کہا گیا کہ حضرت کے سوائے اس قدر نشان کے اور کچھ نہیں رکھتی اور اس وقت میرے دل میں اس طائفہ علیہ کی نسبت فنائیہ و بقائیہ وارد ہوئی۔ جس کے متعلق حضرت نے آیہ کریمہ ”هل اتی علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیاً مذکوراً“ کی تشریح میں تصریح فرمائی ہے اور میر عارف نے بھی ایسا ہی واقعہ دیکھا۔ نیز حضرت کے مخلصوں میں سے ایک درویش نے فقیر (خواجہ

ہاشم کشمی مؤلف برکات الاحمدیہ) سے بیان کیا کہ میں نے واقعہ میں دیکھا کہ ایک درخت بہت بلند آسمان تک پہنچا ہے، اور جہان کو ڈھانپنے ہوئے ہے۔ جس کے سایہ کے نیچے لاکھوں کروڑوں لوگ آرام کر رہے ہیں۔ ناگہاں وہ درخت تند ہوا سے زمین پر گر پڑا ہے اور اس کے گرتے دنیا میں شور مچ گیا ہے۔

شور برخاست مگر دامن محفل بشکست
گریہ زد جوش مگر آبلہء دل بشکست
فقیر دلریش اس درویش کے واقعہ سے ہر اسان تھا کہ یکا یک حضرت کی وفات حسرت آیات کی خبر پہنچی۔ حضرت کا وجود باجود بحکم آیہ کریمہ ”کشجرة اصلها ثابت و فرعها فی السماء“ تمامی شجر شریعت غراتھا“

الغرض جب حضرت نے فرزند ان گرامی کی طرف سے مزار شریف کی جگہ قبول کرنے میں توقف و حیرانی دیکھی تو مسکرا کر فرمایا تمہارا اختیار ہے جہاں چاہو دفن کر دینا۔

اس کے بعد مخدوم زادوں کی والدہ ماجدہ کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا تم میرا کفن اپنے مہر کے روپوں میں سے بنانا۔ اتنا فرما کر رخصت کیا۔ اس کے بعد عورتوں کو پاس نہ آنے دیا۔ اس شدت مرض میں حضرت پر علوم حقائق و معارف کا کمال ظہور ہوا۔ جو آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ حضرت خواجہ محمد سعید خازن الرحمت نے عرض کیا کہ ضعف سے تکلیف ہوتی ہوگی۔ پھر بیان فرما دینا۔ آپ نے فرمایا بیٹا وقت کہاں ہے اور فرصت کس کو۔ ارتحال سے دو تین دن پیشتر آنجناب پر بیہوشی طاری ہونے لگی۔ حضرت خازن الرحمت نے عرض کی کہ حضرت یہ بے ہوشی ضعف سے ہے یا استغراق معارف سے۔ آپ نے فرمایا استغراق سے بعض معاملات درپیش ہیں۔ میں متوجہ ہوں کہ بعینہ منکشف ہوں۔ چنانچہ حضرت نے ان معاملات کو مخدوم زادوں پر ظاہر فرمایا۔ جن میں سے بعض حضرت قیوم ثانی عروۃ الوثقی نے اپنے مکتوبات کی جلد اول و دو سو تراسی مکتوب میں بھی ظاہر فرما دیا ہے۔

آپ کی استقامت:

آپ کی بیماری کے ایام میں آپ کی عبادت کے اوقات اور وظائف میں کوئی خلل نہیں پڑا۔ حسب معمول ذکر شغل و وظائف مراقبہ اور دن رات کے اور ادماثورہ اور نماز باجماعت ایام صحت کی طرح تا باخردم ادا ہوتے رہے اور اتباع شریعت میں کوئی دقیقہ اٹھانا نہ رکھا۔ سہ شنبہ کی رات اٹھائیسویں صفر کو اس سے اگلا دن آپ کے وصال کا تھا۔ آپ نے اپنے خدمت گاروں کو فرمایا کہ اب آخری رات تمہاری تکالیف کی ہے۔ کل تم اس محنت سے سبکدوش ہو جاؤ گے۔ رات بھر تمام مسنون دعائیں جو صحیح بخاری و مسلم میں وارد ہیں پڑھتے رہے۔ ایک تہائی رات باقی تھی کہ اٹھ کر وضو فرمایا اور نماز تہجد کھڑے ہو کر پڑھی اور فرمایا یہ ہماری آخری تہجد ہے۔ جب صبح ہوئی۔ فجر کی نماز باجماعت ادا کر کے حسب معمول مراقبہ فرمایا اور اشراق کی نماز جمعیت سے پڑھی اور ادعیہ ماثورہ پڑھیں۔ پھر فرمایا پیشاب کے لیے چلمچی لاؤ۔ چلمچی لائی گئی۔ اس میں ریگ نہ تھی۔ پھر فرمایا کہ ریگ ڈال کر لاؤ کہ قطرات پیشاب بستر پر پڑنے کا احتمال ہے۔ جب ریگ ڈال کر لائے تو فرمایا اب وقت تنگ ہے۔ اس قدر فرصت نہیں ہے کہ پیشاب کر کے وضو کر سکوں، اٹھا لو اور مجھ کو فرش پر لٹا دو۔ ویسا ہی کیا گیا جب بستر پر تکیہ لگایا۔ تو مسنون طریقہ پر سر شمال کی طرف اور منہ قبلہ کی طرف داہنا ہاتھ تھوڑی مبارک کے نیچے دہنی طرف رکھ کر ذکر میں مصروف ہوئے۔ جب حضرت محمد سعید خازن الرحمت نے دم کی تیزی محسوس کی عرض کیا مزاج مبارک کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا ہے۔ جو دور رکعت نماز پڑھ چکے ہیں کافی ہے۔ یہ کلمہ آپ کا آخری کلام ہے۔ پھر سوائے ذکر الہی کے کسی سے بات نہیں کی اور ایک لمحہ کے بعد اللہ اللہ کہتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کی اور واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فریاد	از	گردش	زمانہ
میداد	ز	جور	ایام
قطب	ارشاد	شیخ	احمد
گردید	مخلق	فیض	عام
در	صفر	بست	ہشتم

بگذشت زو ہر بے سر انجام
 از رفتن او ز بے دلال رفت
 یکبار قرار و صبر و آرام
 شد روز وصال عاشقان شب
 شد صبح امید طالبان شام
 تاریخ وصال او بر آمد
 افسوس فقادہ برج اسلام

آپ کی عمر مبارک سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ۶۳ رسال تھی۔ مرض کے دن عمر مبارک کے سالوں کے برابر تھی۔ یعنی تریسٹھ اور بحکم حدیث شریف حمی یوم کفارہ ستہ۔ آپ کی بیماری عمر بھر کا کفارہ ہوئی۔ آپ کے انتقال کے دن آسمان کا اطراف سرخ تھا۔ شرح الصدر میں ہے آسمان وزمین مومن کی موت پر روتے ہیں۔ آسمان کا رونا اس کے اطراف کا سرخ ہونا ہے۔
 تجہیز و تکفین:

جب آنحضرت کو تختہ غسل پر لایا گیا حاضرین نے معائنہ کیا کہ حضرت نے نماز کے طور پر ہاتھ باندھے ہوئے تھے۔ داہنے ہاتھ کا انگوٹھا اور خنصر سے بائیں ہاتھ کے گٹے پر حلقہ دیا ہوا تھا۔ حالانکہ حضرت عروۃ الوثقیٰ اور خازن الرحمت نے انتقال کے بعد آنجناب کے ہاتھ دراز کر دیے تھے۔ غسل کے وقت تختہ پر تبسم فرما رہے تھے۔ اور کچھ عرصہ تک ویسے ہی متبسم رہے۔ چنانچہ حاضرین سے فریاد اٹھی اور زبان حال سے یہ شعر پڑھنے لگے۔

یاد داری کہ وقت زادن تو ہمہ خنداں و بند تو گریاں

آں چناں زی کہ وقت مردان تو ہمہ گریاں شوند تو خنداں

آپ کے دست مبارک کو کھول کر دائیں کو بائیں پر لٹا دیا۔ سیدھی طرف غسل دے کر بائیں طرف غسل دینے کے لیے وجود مبارک کو حرکت دی گئی تو پھر دونوں ہاتھ ویسے ہی ہو گئے۔ جیسے نمازی کے قیام میں ہوتے ہیں۔ پھر لوگوں نے کھول دیے پھر ویسے ہی ہو گئے۔ تین دفعہ ایسا ہی ہوا۔ پھر تیسری دفعہ کھولنے

لگے تو ہر چند زور لگایا مگر ہاتھ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ لوگوں کو یقین ہوا اس میں کوئی راز ہے۔ حضرت عروہ الوثقی نے کھولنے سے روک دیا اور فرمایا حضرت کی مرضی مبارک ہاتھوں کو کھولنے کی نہیں ہے۔
کفن کے وقت حضرت کے دست مبارک بطریق سنت نماز اسی طرح تھے۔ کفن تین سفید کپڑوں کا دیا گیا۔ لفافہ قمیص، ازار۔

قمیص بہ روایت متفق علیہ کے دونوں کندھوں پر سے چاک کیا گیا اور تمامہ نہ دیا گیا۔ اسی پر علماء امت کا اتفاق ہے۔ حضرت خواجہ محمد سعید نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی اور نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے توقف نہیں کیا گیا۔ ایسا ہی مسنون ہے۔ جب جنازہ مبارک گنبد کے اندر پہنچا تو حضرت خواجہ محمد صادق اکابر اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی قبر اپنے پیر اور والد بزرگوار علیہ الرحمۃ کی تعظیم کے لیے ایک ہاتھ سے زیادہ مشرق کی طرف ہٹ گئی۔ چنانچہ مرقد انور کے لیے وہ ہی جگہ تجویز کی گئی۔ اس کے تعلق پہلے بھی مذکور ہو چکا ہے۔
حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی نے روضہ متبرکہ کی شان میں چند ابیات رقم فرمائے۔

اے خاک پاک روضہ عجمی و عنبری
کاہل جہان زبوں تو مدہوش گشتہ اند
ساقی فشانہ بر تو خوش آبیگہ اہل دہر
عاقل بہ پشت آمدہ محمور رفتہ اند
سری ز خاک خلد تو داری کہ اہل ارض
یک نغمہ از تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند
نے نے تراز تربت یثرب گرفتہ اند
پہاں ز روم و شام بسرہند ہشتہ اند
ایں خاک احمدی است بذات احد نگر
نے یک کہ صد ہزار ازیں خاک جستہ اند
اہلاً و مرحباً پے زوار تو بے
اقفال بعد بر رخ اعدات بستہ اند

یارب مکن خلاص ازیں خاکِ در مرا
 بدحال آنکساں کہ ازیں خاکِ رستہ اند
 بشرے بخواب ناز بہ پہلوئے دو شبیل
 یارب چه راز ہا است کہ اینجا نہفتہ اند
 نہ نغمہ مدح تو ساز کرد
 کز و بیان عرش ہم اینگونه گفته اند

حضرت کے یہ سوانح مختصراً پیش کیے گئے ورنہ مفصل دیکھنا مطلوب ہو تو ضخیم کتب ملاحظہ کی جائیں۔
 انجام میں اس احقر کی دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بہ طفیل اپنے حبیب مقبول حضرت محمد رسول اللہ
 علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام اس سعی کو جو اللہ جل جلالہ نے محض اپنے فضل و کرم سے سیدی و مولائی حضرت قبلہ
 عالم جناب شاہ صاحب مدظلہ علی پوری (پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری علیہ الرحمۃ) کی نظر کیمیا اثر کی برکت
 سے اس عاجز سے سرانجام فرمایا ہے اس کو قبول فرمائیں اور جملہ مؤمنین و مسلمین پر کرم کریں اور خصوصاً
 انگریزی خوان احباب و طلبہ کو جن میں سے اکثروں کی حالت نہایت خطرناک نظر آرہی ہے۔ فیوض دارین
 سے بہرہ ور فرمائیں۔ آمین یارب الکریم۔ اس دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔



مآخذ:

- ۱.....حضرات القدس
- ۲.....مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز
- ۳.....زبدۃ المقامات مصنفہ مولانا ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ
- ۴.....برکات الاحمدیہ مصنفہ مولانا ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ
- ۵.....روضہ قیومیہ قلمی

- ۶..... حدیثہ محمودیہ
 ۷..... تذکرۃ المشائخ نقشبندیہ
 ۸..... حدیقتہ الاولیاء
 ۹..... مکتوبات حضرت خواجہ عروۃ الوثقیٰ قیوم ثانی قدس سرہ العزیز

☆.....☆.....☆

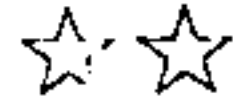
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي
 أَنْزَلَ عَلَيْنَا الْكِتَابَ
 بِالْحَقِّ وَاللُّغَةَ الْعَرَبِيَّةَ
 لَعَلَّ نَعْلَمُونَ
 الْعَجَّازِ الْعَدِيْبِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

علم الکلام میں حضرت مجدد الف ثانی کے اجتہادات

پروفیسر غلام مصطفیٰ مجددی نوری

(ایم۔ اے علوم اسلامیہ، پنجاب)



پروفیسر غلام مصطفیٰ مجددی نے اس موضوع پر بڑی تحقیق و تدقیق سے سیر حاصل تحریر فرمایا ہے۔ ان کا یہ تحقیقی مقالہ کمپوز ہو چکا تھا مگر صفحات کی تنگی کے سبب صرف اس کا اختصار ”جہان امام ربانی“ کی اقلیم یازدہم میں شائع کیا گیا تھا اور خیال تھا اسے الگ کتابی صورت میں شائع کیا جائے مگر ”باقیات جہان امام ربانی“ میں پورا مقالہ پیش کیا جا رہا ہے۔ پروفیسر موصوف نے اس مقالے میں ۲۵ ذیلی موضوعات پر اظہار خیال فرمایا ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔

- (۱) قضائے مبرم و قضائے معلق (۲) وحدۃ الشہود (۳) اللہ نور السموات والارض
- (۴) فرشتے اور انسان (۵) ظلوماً جہولاً کی تفسیر (۶) کعبے کی صورت و حقیقت
- (۷) سیر فی اللہ (۸) حقیقت محمدی (۹) فضیلت نبوت برواایت (۱۰) مقام عبدیت
- (۱۱) شیونات و اعتبارات (۱۲) رویت حق تعالیٰ (۱۳) نظریہ قیومیت
- (۱۴) تصور تجدید الف ثانی (۱۵) عرفان خدا کے دورے (۱۶) عالم مثال
- (۱۷) من عرف نفسه (۱۸) تنزلات (۱۹) علم کون و مکان (۲۰) ولایت کے تین
- درجات (۲۱) جہاد اکبر (۲۲) تخلیق آدم و فلسفہ روح (۲۳) قلب صنوبری
- (۲۴) شاہق الجبل و المفال مشرکین (۲۵) اقوال اولیاء کی توجیہات۔۔۔ (مرتبین)

تمام اہل اسلام کے لیے بالعموم اور اسلامیان ہند کے لیے بالخصوص حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ الرحمۃ کی ذات کمال علم و عرفان کا ایک لازوال سرچشمہ

ہے، جس کے تو سل سے آج بھی لاکھوں تشنہ کام سیراب اور شاداب ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر آشوب عہد میں پیدا فرمایا جب شریعت اور طریقت کے بنیادی اصولوں پر علمائے سوء، صوفیہ خام اور شاہان برصغیر اپنے اپنے انداز میں تیرزنی اور انگشت نمائی کا ارتکاب کر رہے تھے اب ضرورت تھی ایسے عظیم القدر انسان کی جو علم ظاہر کے ساتھ علم باطن کا بھی بحر خائر ہوتا اور اپنی جولانی موجوں سے دلوں اور ذہنوں کی بنجر زمین کو فکر و آگہی کی ہریالیوں سے مالا مال کر دیتا۔ حضرت علامہ بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:

”حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہر صدی کے بعد قطب وقت کی صورت میں ظہور کرتا ہے اور ارشاد و ہدایت فرماتا ہے لیکن قطب الاقطاب کی صورت میں ظاہر ہونے کے لیے ایک ہزار سال تک اس کی طینت کی تخمیر کی جاتی ہے، مادر زمانہ اس کو تینتیس قرن (990 سال) اور دس سال تک اپنے شکم میں رکھتی ہے اور قضا و قدر کی دایہ اسے تین لاکھ اور سات ہزار دنوں تک تربیت دیتی ہے اور مشاطہ ازل بارہ ہزار ماہ تک اس کے ظاہر و باطن کو آراستہ اور مزین کرتی ہے اور اسکی ظاہری اور روحانی زینت کرتی ہے اور آخر کو اول سے ملاتی ہے اس لیے اس کا ظہور بھرپور اور زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے اور چونکہ یہ تجدید سراپا حقیقت و معنی (روحانیت) کا ظہور و بروز ہے اس لیے وہ سب کے لیے ہے اور سب کو شامل ہے یہی وجہ ہے کہ کارخانہ رحمت اور خزانہ فضل و احسان آپ کے حوالے کیا گیا اور وہ جو وَمَا ارسلنک الا رحمة للعالمین کا خطاب مستطاب اللہ پاک کی طرف سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا ہے تو ایک ہزار سال کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو اس احمد (مجدد الف ثانی قدس سرہ) پر ڈالا گیا۔ آپ کا ازلی نام عبدالرحمن ہے اور آپ زمانے کے لیے عجوبہ اور عطیات الہی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

(حضرات القدس ۲/۲۵ مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ)

مظہر بیت محمدی کی اس سے بہتر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن حروف مقطعات کے اسرار جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے راز سبحانی تھے اور صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص تھے وہ آپ کے باطن پر ظاہر کیے گئے، ایسے خدیوکار خانہ ہستی کی تعریف مجھ جیسے خود پرست سے کیا ہو سکتی ہے..... آپ کے اطوار، اسرار، مقامات اور کرامات کی تعداد بارش کے قطروں اور آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہے۔ (ایضاً ۲/۲۱) بقول اقبال۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے جہاں اپنی کوشش پیہم سے نظام اسلام کو نافذ کروایا وہاں علم الکلام اور عرفان التصوف کی صدیوں پرانی الجھنوں کو دور فرمایا اور جسمانی و روحانی طور پر امت محمدیہ کی قیادت کا حق ادا کر دیا، آپ خود ارقام فرماتے ہیں:

”وہ علوم جو مقام فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے تعلق رکھتے ہیں، اللہ پاک نے محض اپنی عنایت سے مجھ پر منکشف فرمادئے ہیں اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ ہر چیز کی خاص وجہ کیا ہے اور سیر فی اللہ کے کیا معنی ہیں، برقی تجلی کیا ہے، محمدی المشرق کون ہے، اسی طرح کی دوسری باتیں، اور ہر مقام میں اس کے لوازم اور ضروریات بتائی جاتی ہیں اور ان کو سیر کرائی جاتی ہے، بہت کم چیزیں ایسی ہوں گی جن کی نشاندہی اولیاء اللہ نے کی ہوگی اور وہ راستے میں چھوڑ دی گئی ہوں اور نہ دکھائی گئی ہوں، وہ شخص مقبول ہو گیا جس نے اسکو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا۔ (بحوالہ حضرات القدس ۲/۷۳)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ پر ولایت کے تین درجات منکشف فرمائے گئے، یعنی ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور ولایت علیا، ان تینوں کی تفصیل آپ نے مکتوبات شریفہ میں تحریر فرمائی ہے، (مکتوب ۲۶ دفتر ۱، مکتوب ۲۸۲ دفتر ۱، مکتوب ۳۰۲ دفتر ۱) اسی طرح آپ پر حقیقت قرآن، حقیقت کعبہ، حقیقت بیت المقدس کے اسرار منکشف فرمائے گئے اور یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ ایک ہزار سال کے بعد حقیقت احمدی کے ساتھ حقیقت محمدی متحد کر دی گئی، اس کی تفصیل بھی آپ نے خود تحریر فرمائی ہے،

(مکتوب ۷۷ دفتر ۳، مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳، مکتوب ۷۲ دفتر ۲) آپ کو قلوبِ خمسہ کے اسرار و علوم سے بھی نوازا گیا، مبداءِ معاد منھا (۱۲) آپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سات درجہ متابعت سے نوازا گیا اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے، (مکتوب ۲۵ دفتر ۲) آپ پر تعین و جودی کہ جس کے متعلق آج تک کسی عارف نے لب کشائی نہیں کی تھی، ظاہر کیا گیا اور اس عالی مقام کے اسرار و برکات سے آپ کو ممتاز کیا گیا، (مکتوب ۸۹ دفتر ۳) آپ کی بلند استعداد کا یہ عالم ہے کہ دیگر صوفیہ کے نزدیک جو حق الیقین ہے وہ آپ کے نزدیک عین الیقین ہے، نیز فرمایا، یہ معارف احاطہ ولایت سے خارج ہیں اور علمائے ظاہر کی طرح ارباب ولایت بھی ان کو سمجھنے سے قاصر و عاجز ہیں، یہ علوم انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں کہ دوسرے ہزار سال والی تجدید سے محض تبعیت اور وراثت کی وجہ سے تازہ ہوئے ہیں، (مکتوب ۴ دفتر ۲) آپ کو خزینہ دار رحمت کے بلند درجے پر فائز کیا گیا جیسا کہ دفتر اول کے مکتوب ۳۱۱ میں ہائے دو چشمی کی حقیقت کے سلسلے میں اشارہ فرمایا ہے آپ قیومیت کے وصفِ عظیم سے بھی متصف ہوئے (مکتوب ۱۱ دفتر ۲، مکتوب ۹۳ دفتر ۲، مکتوب ۸۰ دفتر ۳، مکتوب ۲۵۶ دفتر ۱) اس حقیقت کو مبداء و معاد کے ابتدائی حصے میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ الغرض جیسا وحشت ناک دور تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے تقاضوں کے مطابق کامل المعرفت انسان کو ہویدا کر دیا جو امم سابقہ والے اولوالعزم پیغمبر کا قائم مقام تھا اور جس نے علوم شرعیہ کو نظریہ استدلالیہ کے مطابق بدیہی اور کشفی بنایا اور نظریت سے ضرورت کی طرف قدم اٹھا کر پیاسی قوم کو راہنمائی عطا فرمائی۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان

اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

زیرنگاہ مضمون میں آپ کے لاتعداد کمالات میں سے صرف ایک کمال کو اجاگر کرنے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے اور وہ ہے آپ کا کمال اجتہاد، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم الکلام میں درجہ اجتہاد پر فائز فرمایا ہے، آپ خود ارقام فرماتے ہیں:

مجھے توسطِ حال میں ایک رات جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ تم علم الکلام کے ایک مجتہد ہو، اس وقت سے لے کر مسائل

کلامیہ میں میری رائے خاص اور میرا علم مخصوص ہے، اکثر مسائل

خلافیہ میں ماترید یہ اور اشاعرہ کا خلاف ہے، شروع مسئلہ میں اشاعرہ حق بجانب معلوم ہوتے ہیں لیکن نور فراست سے دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ماترید یہ حق بجانب ہیں، میری رائے ماترید یہ کی رائے کے موافق ہے۔

(مبداء و معاد منھا ۲۸) مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ علم الکلام کے ساتھ عرفان و سلوک کے بھی مجتہد اعظم ہوئے جیسا کہ حضرت علامہ اقبال نے اپنے ایک خطبہ یورپ میں ارشاد فرمایا ہے، (تشکیل جدید الہیات ص ۲۷۸ مطبوعہ لاہور) آپ کے صحیح مقام سے تو آپ کے شیخ کامل ہی آشنا تھے، انہوں نے آپ کے لیے کثیر العلم، قوی العلم، چراغے شود کہ عالم ہا ازوے روشن گردند کے مبارک الفاظ استعمال کیے ہیں، (رقعات باقی باللہ ۶۵ بحوالہ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ۲۷ مطبوعہ دہلی) آپ کی اس شانِ اجتہاد کو اجاگر کرنے سے پہلے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ”اجتہاد“ کے بارے میں علمی اور تحقیقی مواد فراہم کیا جائے، پھر آپ کے بیان کردہ ان مسائل اور افکار کی نشاندہی کی جائے جن سے آپ کی اجتہادی فراست کا ثبوت ملتا ہے، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْقَوِي۔

اجتہاد کا مفہوم:

لفظ اجتہاد کا لغوی معنی ہے کوشش کرنا، اور اصطلاحی معنی ہے کسی شرعی مسئلے میں قرآن و حدیث سے استدلال کرنے کے لیے اپنی ذہنی اور فکری قوتوں کو استعمال کرنا، (کتاب التعریفات ص ۴، از علامہ میر سید شریف مطبوعہ ایران) اجتہاد کا مفہوم مندرجہ ذیل علماء کی تعریفات سے بھی بہت واضح ہو جاتا ہے۔

☆..... حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، کسی شرعی مسئلے میں کوشش کر کے اپنی ذاتی رائے کو قائم کرنے والا مجتہد کہلاتا ہے، (الرسالہ ص ۱۲۷ مطبوعہ قاہرہ مصر)

☆..... حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، شرعی احکام کو معلوم کرنے کے لیے کسی مجتہد کی از حد کوشش کا نام اجتہاد ہے اور مکمل اجتہاد یہ ہے کہ وہ کسی مسئلے میں اس قدر کوشش کرے کہ مزید غور و فکر کرنے سے اس کا نفس عاجز آجائے، (المستصفیٰ ۲/۳۵۰ مطبوعہ قاہرہ مصر)

☆..... حضرت امام ابن اثیر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، حاکم کا کسی مسئلہ کو قیاس کی روشنی میں قرآن و حدیث کی طرف لوٹانے کا نام اجتہاد ہے، (النبہایہ ۱/۳۳۰ مطبوعہ ایران)

☆..... حضرت امام ابن منظور افریقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، کسی مسئلے کو کتاب و سنت کی طرف لوٹانے کا نام اجتہاد ہے، کتاب و سنت کی طرف لوٹائے بغیر اپنی ذاتی رائے کو اجتہاد نہیں کہا جاسکتا، (لسان العرب ۳/۱۳۵ مطبوعہ ایران)

اجتہاد کا ثبوت :-

قرآن اور حدیث میں دینی مسائل کے متعلق غور و فکر سے کام لے کر کوئی ایسی رائے قائم کرنا جو ان کی بنیادی تعلیمات کے خلاف نہ ہو، بہت سے مقامات پر ثابت ہے، مثلاً ارشاد باری ہے۔

و داود و سلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیہ غنم
القوم و کنا لحکمہم شہدین ۰ ففہمنا سلیمان و کلا اتینا
حکماً و علماً ۰

اور داود اور سلیمان کو یاد کرو جب کھیتی کا جھگڑا چکاتے تھے، جب رات کو اس میں کچھ بکریاں چھوٹیں اور ہم ان کے حکم کے وقت حاضر تھے، ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھادیا اور دونوں کو حکم اور علم کی دولت سے نوازا۔ (سورۃ الانبیاء آیت ۷۸، ۷۹)

حضرت داود علیہ السلام کے روبرو ایک مسئلہ اٹھایا گیا کہ بکریاں چرانے والا موقع پر موجود نہیں تھا اور وہ کھیتی کھا گئیں تو اسکا کیا حل ہے، آپ نے تجویز کیا کہ بکریاں کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں کیونکہ بکریوں کی قیمت کھیتی کے نقصان کے برابر تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر ابھی گیارہ سال تھی، آپ نے فرمایا، فریقین کے لیے اس سے زیادہ آسان صورت بھی ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ بکری والا کاشت کرے اور جب تک کھیتی اس حالت کو پہنچے جس حالت میں بکریوں نے کھائی ہے، اس وقت تک کھیتی والا بکریوں کے دودھ وغیرہ سے نفع اٹھائے، بعد میں کھیتی والے کو کھیتی اور بکری والے کو اسکی بکریاں واپس کر دی جائیں، یہ تجویز حضرت داود علیہ السلام نے پسند فرمائی، اس معاملے میں یہ دونوں حکم اجتہادی تھے اور اس شریعت کے مطابق تھے، ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ اگر چرانے والا ساتھ نہ ہو تو جانور جو نقصانات کرے اس کا

ضمان لازم نہیں، حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ کیا وہ اس مسئلہ کا حکم تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو تجویز فرمائی یہ صورت صلح تھی، (خزائن العرفان ص ۳۹۴ مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور) دونوں حضرات علیہما السلام کا اجتہاد اپنی اپنی جگہ درست تھا اس لیے دونوں کے حکم اور علم کو سراہا گیا، یہ بھی معلوم ہوا کہ جن علما کو اجتہاد کی اہلیت حاصل ہوا نہیں ان امور میں اجتہاد کرنے کا حق ہے۔ جن میں کتاب و سنت کا حکم نہ پاسکیں۔ اگر اجتہاد میں خطا بھی ہو جائے تو بھی ان پر مواخذہ نہیں، (ایضاً) اسی طرح حدیث پاک سے بھی اجتہاد کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ گامزن تھیں، ایک عورت کا بچہ بھیڑیا اٹھا کر لے گیا، دونوں میں تکرار ہو گئی ایک نے کہا کہ بھیڑیا تیرے بچے کو لے گیا ہے، دوسری نے کہا، نہیں تیرے بچے کو لے گیا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کے حضور مقدمہ دائر کیا گیا تو آپ نے فرمایا، یہ بچہ بڑی عورت کا ہے، وہ دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئیں تو انہوں نے فرمایا، ایک چھری لاؤ تاکہ میں بچے کے دو ٹکڑے کر کے تم دونوں کو ایک ایک ٹکڑا عنایت کر دوں، چھوٹی عورت نے کہا، اللہ آپ پر رحم فرمائے، یہ بچہ اسی بڑی عورت کا بیٹا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ چھوٹی عورت کو عطا کر دیا (کیونکہ اس سے ممتا کی مخصوص محبت کا اظہار ہوا تھا)

(صحیح مسلم ۲/۷۷)

ایک سردرات میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر غسل فرض ہوا تو انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت تلاوت کی (ترجمہ) ”اپنے آپ کو قتل نہ کرو، اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کرنے والا ہے“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے کوئی اعتراض نہ کیا،

(صحیح بخاری ۱/۳۹۱ مطبوعہ کراچی)

حضرت امام بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: حضور اکرم ﷺ کے اعتراض نہ کرنے اور ان کے نماز نہ لوٹانے سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں بھی تیمم جائز ہوتا ہے، پھر اس سے یہ قاعدہ اخذ ہوا کہ جس آدمی کو پانی کے استعمال سے ہلاکت کا خطرہ ہو وہ تیمم کر سکتا ہے، یہ خطرہ سردی کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے آدمی مسافر ہو یا مقیم، جنبی ہو یا بے وضو، پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ظاہر میں بھی اجتہاد ہوا کرتا تھا، (عمدۃ القاری شرح البخاری ۳۴۲/۴ مطبوعہ مصر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوة احزاب سے واپس ہوئے تو ہمیں حکم دیا کہ بنو قریظہ میں پہنچ کر نماز ادا کرنا، راستے میں نماز کا وقت ہو گیا، بعض صحابہ کرام نے کہا کہ ہم بنو قریظہ میں پہنچ کر ہی نماز ادا کریں گے، بعض صحابہ کرام نے کہا کہ ہم نماز ادا کریں گے کیونکہ آپ کی یہ منشا نہیں تھی، پھر رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے کسی فریق کو بھی مورد اعتراض نہیں ٹھہرایا، (صحیح بخاری ۱۲۹/۱ مطبوعہ کراچی)

حضرت علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں، اس مسئلہ میں صحابہ کرام کے نزدیک دلائل متعارض ہو گئے تھے، آپ کا ارشاد تھا، بنو قریظہ میں نماز ادا کرنا تو دوسری طرف نماز کو وقت مقرر پر ادا کرنے کا حکم موجود تھا، چنانچہ بعض صحابہ کرام نے یہ سمجھا کہ حدیث میں جلد پہنچنے کا حکم تھا اور انہوں نے نماز ادا کر لی جبکہ بعض صحابہ کرام نے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اور نماز ادا نہ کی، چونکہ دونوں فریقوں نے اجتہاد کیا تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فریق پر بھی اعتراض نہ کیا، (عمدۃ القاری شرح البخاری ۲۶۵/۶ مطبوعہ مصر)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قاضی یمن بنا کر بھیجا اور پوچھا، تم کیسے فیصلہ کرو گے، میں نے کہا، اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر اللہ کی کتاب میں صراحت نہ ملے تو پھر کیا کرو گے، میں نے عرض کیا، میں رسول اللہ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا، اگر رسول اللہ کی

سنت میں بھی صراحت نہ ملے تو پھر کیا کرو گے، میں نے عرض کیا، میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، فرمایا الحمد للہ الذی وفق رسول اللہ، اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریف جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ کو یہ توفیق بخشی۔ (جامع ترمذی ص ۲۱۰ مطبوعہ کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ صحیح ہو تو اس کو دو اجر نصیب ہوتے ہیں اور اگر وہ فیصلے میں خطا کر جائے تو اس کو ایک اجر نصیب ہوتا ہے، (ایضاً ص ۲۱۰)

ان تمام احادیث نبویہ میں اجتہاد کا ثبوت پایا جاتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اجتہاد کی شرائط کیا ہیں، حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

مجتہد کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ اس کا علم تمام شرعی علوم کا احاطہ کرتا ہو اور وہ اپنے فکر رسا سے شرعی حکم معلوم کر سکتا ہو اور وہ یہ بھی جانتا ہو کہ مسائل کو اخذ کرنے کے لیے کون سے علوم مقدم ہیں اور کون سے علوم موخر ہیں۔

مجتہد کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو اور ان گناہوں سے بچتا ہو جو اس کے تقویٰ کے خلاف ہوں۔

شرعی علوم میں کتاب و سنت اجماع اور عقلی علوم کی امداد سے استدلال کی قوت پیدا ہوتی ہے، علم کتاب سے مراد کتاب کی تمام آیتوں کا علم مراد نہیں بلکہ ان آیتوں کا علم مراد ہے جو احکام سے متعلق ہیں اور ان کی تعداد پانچ سو ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ پانچ سو آیتیں بھی حفظ ہوں بلکہ یہ ضروری ہے کہ مجتہد کو ان کے مقامات کا علم حاصل ہوتا کہ بوقت ضرورت ان کو تلاش کر سکے، علم سنت سے مراد تمام احادیث کا علم مراد نہیں بلکہ ان احادیث کا علم مراد ہے جو احکام سے متعلق ہیں،

مجتہد کو معلوم ہونا چاہیے کہ مثلاً سنن ابی داؤد اور سنن بیہقی میں کون سے احکامات کے بارے میں احادیث مروی ہیں تاکہ بوقتِ ضرورت انہیں تلاش کر سکے، علم اجماع سے مراد یہ ہے کہ مجتہد کو معلوم ہونا چاہیے، پہلے کن احکام و مسائل میں اجماع وارد ہو چکا ہے تاکہ اس کا اجتہاد اجماع امت کے خلاف نہ ہو جائے۔

کتاب و سنت کے علوم کو جاننے کے لیے مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ لغت، صرف، نحو، بلاغت کے علوم سے بہرہ مند ہو، یہ ضروری نہیں کہ اسے ان علوم میں زحشری، اصمعی، خلیل اور سیبویہ کی طرح عبور ہو بلکہ اس قدر مہارت کی ضرورت ہے جس سے وہ عرب کے اسلوب کے مطابق احکام کو صحیح طریقے سے سمجھ سکے۔

مجتہد کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ عقائد اسلام کے مضبوط دلائل سے مکمل آشنا ہو، یہاں تک کہ وہ عقلی دلائل سے عالم کے حدوث، باری تعالیٰ کے وجود، وجوب اور وحدانیت، نبوت کی ضرورت، قرآن کے اعجاز اور ختم نبوت کو ثابت کر سکے تاکہ علم الکلام میں اس کا مقام مقلد سے اعلیٰ ہو،

مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ اسے صریح، مجمل حقیقت، مجاز، عام، خاص، محکم، متشابہ، مطلق، مقید، ناسخ اور منسوخ کا علم حاصل ہو۔ مجتہد کو چاہیے کہ وہ سنت کے ساتھ مخصوص علوم کو بھی حاصل کرے تاکہ صحیح اور فاسد، مقبول اور مردود روایت میں پہچان کر سکے، اسے روایت کے راویوں کی معرفت حاصل ہو سکے، ہاں جن کتابوں کی روایات کی صحت پر اجماع امت ہے مثلاً صحیحین کی روایات تو ان میں اس کے لیے امام بخاری و مسلم کی تقلید کافی ہے، اس طرح راویوں کے ضعف و ثقاہت کے لیے جرح و تعدیل کے اماموں کی تقلید کافی

ہے جبکہ وہ امام اس فن میں شہرتِ دوام کے حامل ہوں اور امت کو ان کی تحقیق پر اعتماد ہو۔

علم الکلام کے تفصیل مباحث اور علم الفقہ کی تعریفات کو جاننا ضروری نہیں کیونکہ یہ دوسرے مجتہدین کے اجتہاد کا ثمر ہیں اور ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی تقلید ضروری نہیں، (المستصفیٰ ۲/۳۵۰ مطبوعہ قاہرہ مصر)

اسی طرح اجتہاد کے لیے ایک دائرہ کار متعین ہے، کسی شخص کو اجازت نہیں کہ جس دینی مسئلے پر چاہے اپنی فکری موشگافیوں سے رائے زنی کرتا رہے، قرآن کریم اور احادیثِ رسولِ عظیم سے جو عقائد ثابت ہیں ان میں اجتہاد جائز نہیں مثلاً توحید و رسالت، ملائکہ، تقدیر، حیات بعد الممات وغیرہ، اسی طرح جن مسائل میں اجماع امت واقع ہو چکا ہے ان میں بھی اجتہاد کی گنجائش نہیں، اجتہاد کے دائرے میں فرعی اور عملی مسائل داخل ہیں جن میں اختلاف کرنے والا گنہگار نہیں ہوتا، اگر ان مسائل میں کسی صاحب فکر کی تحقیق صحیح ہوئی تو اسے دواجر نصیب ہوں گے، غلط ہوئی تو ایک اجر حاصل ہوگا، (المستصفیٰ ۲/۳۵۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت و رسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے مگر اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے، اگرچہ ائمہ اربعہ کے بعد ان کی قابلیت علمی کے برابر کسی بھی شخص کا مقام نہیں لیکن جن مسائل میں ان سے کوئی روایت مروی نہیں ان میں ائمہ اربعہ کے قائم کردہ ضابطوں کی اتباع کرتے ہوئے اہل علم و فضل اجتہاد کر سکتے ہیں اور عصر حاضر کے نئے نئے فتنوں اور آزمائشوں کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے عہد پر آشوب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قوم کو بہت سے مسائل نے الجھا رکھا تھا، کلام اور عرفان کے نام پر اسلام کے بنیادی عقائد پر تیشے چلائے جا رہے تھے، آپ نے عقلی اور کشفی طور پر بھی صوفیہ کے مقابلے میں علماء کے اقوال و افکار کو ترجیح دی اور خود اپنے مجتہد فی المسائل، صاحب التخریج اور صاحب التریح ہونے کا ثبوت فراہم کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال درجے کی ژرف نگاہی اور وسعت علمی سے سرفراز فرمایا جو اس دور کی راہنمائی کے لیے اشد ضروری تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہزارہ دوم کے جملہ مسائل کا حل آپ کے علمی و عملی کمالات میں پوشیدہ ہے، جناب ملک حسن علی جامعی غیر مقلد ہو کر تحریر کرتے ہیں:

”اگر اہل اسلام انصاف سے کام لے کر شیخ مجدد کی تعلیمات کو آویزہ

گوش بنا لیں تو مسلمانوں کی بہت سی تلخیاں دور ہو سکتی ہیں اور بہت

سے خانہ بر انداز بھگڑے نمٹائے جاسکتے ہیں“

(تعلیمات مجددیہ ص ۲۳)

آئیے اب حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے اجتہادات اور علمی کمالات کا نظارہ کیجیے جن سے ایک زمانے نے استفادہ کیا اور قیامت تک اہل علم و فکر جن کی خیرات سے مالا مال ہوتے رہیں گے۔

قضائے مبرم اور قضائے معلق

اللہ تعالیٰ کی قضا، قدر اور تقدیر کا معاملہ بہت ہی نازک ہے، جب تک قرآن و حدیث کا سہارا نصیب نہ ہو، انسانی تفکر و تدبیر اسکی گہرائیوں کو نہیں پاسکتا، حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی لکھتے ہیں۔ امام تفتازانی نے تلوح میں لکھا ہے، قضا کا معنی حکم اور فعل ہے، حکم اس آیت سے ثابت ہے وقضی ربک الاتعبدو الا ایاه تمہارے رب نے حکم دیا کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے، اور فعل اس آیت سے ثابت ہے، فقضاھن سبع سموات، پس ان کو مکمل سات آسمان بنایا، (حاشیہ علی الخیالی ص ۲۸۸ مطبوعہ کوئٹہ) آپ مزید فرماتے ہیں: قضا کے تین مطلب ہیں:

☆..... لغوی طور پر حکم اور فعل کا نام قضا ہے۔

☆..... اشاعرہ کی اصطلاح میں جتنی اشیا نفس الامر میں واقع ہیں، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو ارادہ ازل سے متعلق تھا، اسکا نام قضا ہے۔

☆..... فلاسفہ کی اصطلاح میں تمام موجودات کے بارے میں خدا تعالیٰ کے علم ازلی کا نام قضا ہے۔

اور یہی علم تمام موجودات کے لیے فیض کا مبداء ہے۔ اسکو حکما اشیاء کے وجود اجمالی، وجود ظلی، لوح محفوظ اور جوہر عقلی سے تعبیر کرتے ہیں، محقق طوسی نے لکھا ہے کہ عالم عقلی میں موجودات کا تخلیق کے طور پر اکٹھا ہونا قضا کہلاتا ہے اور خارج میں اپنے مواقع پر یکے بعد دیگرے واقع ہونا قدر ہے۔ قرآن پاک میں ہے، وان من شیء الا عندنا خزائنه وما نزلہ الا بقدر معلوم اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے، (سورۃ الحجر آیت ۲۱) امام تفتازانی نے بھی رقم کیا ہے کہ حکما کے نزدیک مخلوقات کا وجود قضا ہے (حاشیہ علی الخیالی ص ۲۸۸ مطبوعہ کوئٹہ) امام تفتازانی

نے تقدیر کے متعلق لکھا ہے: ہر مخلوق کے حسن، قبح، نفع، ضرر، زمان یا مکان اور اس کے ثواب اور عقاب کی حد مقرر کا نام اسکی تقدیر ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص ۶۳ مطبوعہ دہلی)۔

اگر کسی عقل نارسا کی طرف سے یہ اعتراض کیا جائے کہ تقدیر پر ایمان لانے سے یہ لازم آتا ہے کہ کافر اپنے کفر اور فاسق اپنے فسق میں مجبور ہے، اسکو ایمان و اطاعت کا مکلف ٹھہرانا کیونکر صحیح ہوگا، اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ کافر اور فاسق اپنے اختیار سے کفر اور فسق کا ارتکاب کریں گے اس لیے اس نے ان کے اختیار سے ان کے کفر اور فسق کا ارادہ کیا لہذا یہ جبر نہیں ہے اور نہ انہیں محال امر کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ تقدیر ثابت ہے اور اسکا معنی ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر کیا اور اسے علم تھا کہ یہ اشیاء ان اوقات میں اس طرح واقع ہوں گی تو اب وہ اشیاء اسکے علم ازلی کے مطابق واقع ہوتی ہیں۔ قدر یہ تقدیر الہی کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر نہیں کیا اور نہ ہی اسکو پہلے سے ان کا علم تھا، ان کے واقع ہونے کے بعد اسکو علم حاصل ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قدر یہ اس امت کے مجوس ہیں، قضا کی دو قسمیں ہیں، مبرم اور معلق قضاے مبرم اٹل ہے، اس میں تبدیلی ممکن نہیں جبکہ قضاے معلق تبدیل ہو سکتی ہے، دونوں قضاؤں کا قرآن پاک میں ثبوت ہے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے قضا کا تیسرا درجہ بھی بیان کیا ہے، اور غالباً یہ آپ کے فکر رسا کا نتیجہ ہے، فرماتے ہیں:

اے میرے سعادت مند بھائی! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ قضا دو قسم پر ہے، قضاے معلق اور قضاے مبرم، قضاے معلق میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے اور قضاے مبرم میں تغیر و تبدل کی مجال نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ما یبدل القول لدی، میرا قول کبھی تبدیل نہیں ہوتا، یہ قضاے مبرم کے بارے میں ہے، اور قضاے معلق کے بارے میں فرماتا ہے، یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الكتاب، جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الكتاب ہے، میرے قبلہ حضرت گاہی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ نے اپنے بعض رسالوں

میں لکھا ہے کہ قضاے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے ہے، اگر چاہوں تو میں اس میں بھی تصرف کروں، اس بات سے بہت تعجب کیا کرتے تھے اور بعید از فہم فرماتے تھے، یہ نقل بہت مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی یہاں تک کہ حضرت حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا، ایک دن ایک بلیہ کے دفع کرنے کے درپے ہوا جس کسی دوست (طاہر بندگی) کے حق میں مقرر ہو چکی تھی، اس وقت بڑی التجا، عاجزی اور نیاز و خشوع کی تو معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں اس امر کی قضا کسی امر سے معلق اور کسی شرط سے مشروط نہیں ہے، اس بات سے بڑی یاس اور ناامیدی حاصل ہوئی اور حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ کی بات یاد آئی، دوبارہ پھر ملتجی اور متضرع ہوا اور بڑی عجز و نیاز سے متوجہ ہوا، تب محض فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضاے معلق دو طرح پر ہے، ایک وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر ہوا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع ہے اور دوسری وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا صرف خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور لوح محفوظ پر قضاے مبرم کی صورت رکھتی ہے اور قضاے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے، پھر معلوم ہوا کہ حضرت سید جیلانی قدس سرہ کی بات بھی اسی اخیر قسم پر موقوف ہے جو قضاے مبرم کی صورت رکھتی ہے نہ اس قضا پر جو حقیقت میں مبرم ہے کیونکہ اس میں تصرف و تبدیلی عقلی اور شرعی طور پر محال ہے اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع ہی نہیں ہے تو پھر اس میں تصرف کیسے کر سکے، اس آفت و مصیبت کو جو اس دوست پر پڑی تھی قسم اخیر میں پایا اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس بلیہ کو دفع فرما دیا ہے، الحمد للہ ذلک

حمداً کثیراً طیباً مبارکاً۔ (مکتوب ۳۱۷ دفتر ۱)

حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی قدس سرہ نے قضا اور قدر کے حوالے سے غور و فکر سے کام لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اسکا تیسرا درجہ بھی متعین ہے یعنی جو صورتہ جرم ہے لیکن حقیقتاً معلق ہے اور اس میں تصرف کی اجازت خاص الخاص محبوبانِ خدا کو نصیب ہوتی ہے۔ دو نام تو ہمارے سامنے نکھر کر آگئے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، کچھ اور برگ بھی ہوں گے جنہیں فضل الہی کا خاص حصہ ضرور نصیب ہوا ہو گا یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ آپ کے غور و فکر کرنے سے جو مسئلہ اجاگر ہوا اس سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کا قول مبارک بھی سمجھ میں آ گیا، حقیقی قضائے مبرم کا تغیر و تبدل سے پاک ہونا بھی اظہر من الشمس ہو گیا، یہی آپ کا وہ فکری اجتہاد، دینی معاملے میں کاوشِ پیہم اور علمی کمال ہے جس کا اظہار آپ سے پہلے شاید ہی کسی نے کیا ہو، واللہ یختص برحمته من یشاء۔

وحدة الشہود کا نظریہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی جلوہ گری سے پہلے عرفان و تصوف کی دنیا میں حضرت شیخ اکبر بن عربی قدس سرہ کے نظریہ وحدة الوجود کا راج تھا، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اس نظریے کو مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

”شیخ اکبر کہتے، وجود صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اسکی صفات کا ظہور ہوا۔ اس کی صفات میں سے ایک صفت علم ہے۔ اللہ کے علم میں تمام اشیاء کی تفصیل موجود ہے، اشیاء کی تفصیل کا نام ”اعیان ثابتہ“ ہے۔ اعیان ثابتہ کا عکس باہر پڑا اور ان کا ظہور ہوا۔ ممکنات کی جو شکلیں نظر آرہی ہیں وہ موہومی ہیں، حقیقت میں صرف ایک ہی ذات وحدہ لاشریک کی ہے۔ اور چونکہ یہ موہومی شکلیں خلاق عظیم جل جلالہ کی صفت ہیں اس لیے ان میں اتفاق ہے اور اتفاق بھی ایسا ہے کہ ان پر ثواب و عقاب کا ظہور ہوتا ہے۔ شیخ اکبر نے جب تمام اشیاء کو موہومی عکس قرار دے دیا تو ہمہ اوست کہنا ان کے لیے جائز ہوا (مکتوب ۸۹ دفتر ۳)

اس نظریہ وحدۃ الوجود یعنی ہمہ اوست کا مفہوم کچھ بھی ہو، اکبر و جہانگیر جیسے آزاد منش بادشاہوں کے دور میں شریعت سے بیزار صوفیوں نے اس کو غلط معانی کا لباس پہنا کر عوام الناس کو گمراہ کرنا شروع کر دیا، اول تو اسکو عوام الناس کے سامنے بیان کرنے کا مقصد ہی کیا تھا، یہ کوئی اسلام کا اعتقادی مسئلہ نہیں تھا جس پر انسان کی نجات کا دار و مدار ہوتا ہے، حضرت علامہ غلام یحییٰ علیہ الرحمۃ ”کلمات الحق“ میں ارقام فرماتے ہیں ”وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا مسئلہ دین کے ان ضروری مسائل سے نہیں ہے جن پر ایمان اور اسلام کا مدار ہو..... تو حید و جودی حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ اور ان کے معاصرین و تبعین کے دور سے کچھ اس طرح اشاعت پذیر ہوئی، اس مسئلہ کے مبارکی و مقاصد کی تحقیق میں کچھ اتنی کتابیں اور رسالے لکھے گئے اور اس دور میں اسکا رواج کچھ اس قدر بڑھ گیا کہ نادانوں کا ایک گروہ زمرہ صوفیہ میں داخل ہو گیا ہے اور صرف اس مسئلہ پر اعتقاد رکھنے کو ہی دین کا کمال تصور کرتا ہے اور ظاہر شریعت کو ناقابل اعتنا اور ظاہر رسمیں قرار دیتا ہے، شریعت کا اتباع تو امت محمدیہ کا سب سے بڑا کمال ہے اور سعادتِ سرمدی کی کامیابی اسی سے وابستہ ہے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے دور میں تو گمراہی کا یہ سلسلہ اتنا دراز ہو گیا تھا کہ اسکور و کنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا، ملا عبدالقادر بدایونی کے بقول شیخ تاج الدین اکثر دربار اکبری میں باریاب ہوتے، رات بھر رہتے اور جودی فلسفے پر تقریریں کرتے، خود ابوالفضل بھی اسی غلط تعبیر و تشریح سے متاثر نظر آتا ہے، وہ اس لیے کہ اس کے مقاصد پورے ہو رہے تھے، ابوالفضل کے خیالات خاص قسم کی ذہنی کیفیت کی غمازی کرتے ہیں کہ اے خدا! میں تیرے طالبوں کو ہر معبد میں دیکھتا ہوں، ہر زبان میں تیری ہی حمد کی جاتی ہے، ہر مذہب یہی تعلیم دیتا ہے کہ تو وحدۃ لا شریک ہے، مسجد و مندر ہو یا گرجا، ہر جگہ تیری ہی عبادت کی جاتی ہے، کبھی میں تجھ کو گرجا میں تلاش کرتا ہوں اور کبھی مسجد میں، ہاں ایک معبد سے دوسرے معبد میں تلاش کرتا پھرتا ہوں، اے خدائے برتر! تیرے ہاں دین و الحاد کا کوئی امتیاز نہیں وغیرہ، (سیرت مجدد الف ثانی ص ۱۰۰ مطبوعہ کراچی) اس ماحول میں فکر و عرفان اور علم و کلام کے اس عظیم مسئلے پر تفکر و تدبر کی شدید ضرورت تھی اور اس کام کے لیے وہی شخصیت مناسب تھی جسکو وحدۃ الوجود کا پورا پورا ادراک نصیب ہوتا، اللہ تعالیٰ نے یہ کمال فکر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو عطا فرمایا، آپ ارقام فرماتے ہیں: ”مخدوما! اس فقیر کا مشرب خرد سالی سے اہل توحید کا مسلک رہا ہے، فقیر کے والد (حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی علیہ الرحمۃ) کا مشرب بہ ظاہر اس پر تھا، مع حصول نگرانی بہ جانب مرتبہ بے کیفی مشہور ہے

کہ فقیہ کا بیٹا آدھا فقیہ، فقیر کو از روئے علم اسی مشرب سے حظ وافر اور لذتِ عظیم حاصل تھی اور حضرت خواجہ (باقی باللہ علیہ الرحمۃ) سے بیعت ہونے کے بعد توحید کے اسرار کا انکشاف مجھ پر ہوا، مجھ پر ان تمام حقائق کا انکشاف ہوا جن کو شیخ اکبر علیہ الرحمۃ نے نصوص میں بیان کیا ہے، بلکہ وہ اسرار بھی ظاہر ہوئے جن کو شیخ اکبر خاتم الولاہیت سے مخصوص سمجھتے ہیں۔ (مکتوب ۳۱ دفتر ۱)

آپ نے اپنی خداداد صلاحیت اور قابلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے صرف رضائے الہی کے لیے کشف و شہود کے سمندر میں غوطہ لگایا اور وحدۃ الشہود کے گوہر مراد سے فلاح یاب ہوئے، اس محنت دینی اور مشقتِ فکری کے نتیجے میں نہ مغرور ہوئے اور نہ بزرگانِ طریقت کے متعلق کوئی توہین آمیز رویہ اپنایا، خود ارقام فرماتے ہیں:

”مسئلہ وحدۃ الوجود میں کسی کی مخالفت سے مجھ کو کوئی اندیشہ نہیں، اندیشہ اس وقت ہوتا کہ مجھ کو اپنے کشف میں کچھ تذبذب ہوتا، جبکہ نور فجر کی طرح وضاحت کے ساتھ مجھ پر حقیقت واضح ہو چکی ہے تو پھر تذبذب کس بنا پر، اس مسئلہ کا تعلق اگر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اسکی تصدیق و تنزیہ سے نہ ہوتا تو میں ہرگز اپنے کشفات کا اظہار نہ کرتا اور حضراتِ مشائخ کے خلاف ایک لفظ بھی زبان پر نہ لاتا، میں ان حضرات کے انبارِ دولت کا ایک ادنیٰ ریزہ گیر اور ان کے خوانِ انعامات کا ایک کمترین خوشہ چین ہوں۔ (مکتوب ۳۲ دفتر ۲)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ”ہمہ اوست“ کو عارفِ خدا کی منزل قرار نہیں دیا بلکہ فرماتے ہیں، جنہوں نے اپنی عمریں توحید و جودی میں صرف کردی ہیں، محسوس کریں گے کہ انہوں نے اس دریائے بے کنار سے پورا ایک قطرہ بھی حاصل نہیں کیا ہے، مزید فرماتے ہیں، توحید و جودی مقام یک بنی ہے جو سکرو مدہوشی کا مقام ہے اور یہ ولایت کا ادنیٰ مقام ہے اور اس سے بالاتر دائرہِ ظلال ہے، جب سالک اس مقام میں داخل ہوتا ہے، وہ اسماء و صفات کے ظلال میں سیر کرتا ہے اور اس سے بالاتر مقامِ عبدیت ہے، یہ حضرات انبیاء کرام کا مقام ہے، اس میں صحو و آگاہی ہے، سالک کی زبان پر توحید و جودی کے مقام میں لامحالہ ”انا الحق“ جاری ہوگا اور دائرہِ ظلال میں ”سجانی ما اعظم شانی“ کی صدا بلند ہوگی اور مقامِ عبدیت میں

”لا اھسی ثناء علیک“ کے مبارک الفاظ آئیں گے، یہ مقام فرق ہے، اس مقام میں العبد عبیدہ والرب رب یعنی بندہ، بندہ ہے اور رب، رب ہے کے اسرار کھلتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ان تینوں مقامات کا ذکر دفتر اول کے مکتوب ۱۴ میں کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تینوں مقامات کی سیر کرائی ہے چنانچہ از روئے کشف و بصیرت فرماتے ہیں کہ ہمہ اوست وہ شخص کہہ سکتا ہے جو مقام توحید و جود میں ہے اور جو شخص اس مقام میں نہیں ہے وہ ”ہمہ از اوست“ کہے گا۔ ”ہمہ از اوست“ کا جملہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ ”کل من عند اللہ“ لہذا اسکی افادیت اور ثقاہت زیادہ مسلمہ ہے، اسی کو آپ نے ”وحدۃ الشہود“ کے نام سے معنون کر کے خالق اور مخلوق کے اتحاد کی تحریک کو ختم کر دیا، آپ کے نزدیک وحدۃ الشہود کی تعریف یہ ہے:

”اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے، وہ قادر مطلق ہے، اس نے اپنی قدرت کاملہ سے عدم سے ممکن کو پیدا فرمایا، عدم پر شر و فساد اور ظلمت و خرابی کا ماویٰ ہے، یہ عدمی حصہ بمنزلہ اصل اور مادہ کے ہے، اس عدمی حصہ پر اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا ظل و پرتو پڑا۔ جس اسم و صفت کا اصل پرتو پڑا وہ اس صفت سے متصف ہوا، اگر اسم الہادی کا پرتو پڑا ہے تو ہدایت پائی، اگر العلیم کا پرتو پڑا ہے تو علم سے محلی ہوا اور اگر المعصل کا پرتو پڑا ہے تو ضلالت میں پڑا، اس طرح باقی صفات کی کیفیت ہے،

آپ ممکن کا عدمی وجود ثابت کرتے ہیں جو کہ بہ یمنِ ظلال اوصافِ الہیہ قائم ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ظل عین اصل نہیں ہے، آپ کے نزدیک ممکن کا وجود نہ ازلی ہے، نہ ابدی، اسکی تخلیق ہوئی ہے، اور اس کے لیے فنا ہے۔ آپ کے مسلک کی تائید اس حدیث حسن سے ہو رہی ہے جو جامع ترمذی کے باب افتراق ہذہ الامۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو ظلمت میں پیدا کیا، پھر اپنے نور کی تجلی ان پر کی، جس پر وہ نور پڑا اس نے ہدایت پائی اور جو محروم رہا وہ گمراہ ہوا، لہذا میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر قلم خشک ہو چکا ہے“

اس کی تشریح میں حضرت زید الفاروقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، جہاں حضرت وجود ہے، وہ نور ہی نور ہے، اللہ نور السموات والارض، عدم ہی ظلمت ہے اور وہی بے نور اور شر و فساد کا معاویہ ہے، کائنات کی اصل وہی ہے اور اس پر اسماء و صفات کی تجلی ہوئی، جس اصل پر جس اسم و صفت کا نور پڑا وہ اس صفت سے بہرہ افروز ہوا اور جس اسم و صفت کا نور نہیں پڑا اس سے بے بہرہ رہا، ممکن کو نقائص اپنی اصل سے اور کمالات اسماء و صفات کی تجلی سے ملے ہوئے ہیں، اس طرح ما اصابک من حسنة فمن الله وما اصابک من سية فمن نفسك کی تفسیر واضح ہوئی، یعنی جو بھلائی تجھ کو پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی تجھ کو پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے، ممکن کا وجود ہے اور وہ اپنے اجزا سے، اپنی صورت سے، اپنی حقیقت سے ممکن اور حادث ہے، اسکی حقیقت کے لیے ”و جوبی تعین“ کس طرح ہو سکتا ہے، اسکی حقیقت پر اسماء و صفات کا نور و ظل پڑا ہے وہ ظل موہومی نہیں بلکہ حقیقی ہے اور اس ظل سے اسکی حقیقت کا قیام ہے اور وہ ظل عین اصل نہیں، ظل کو عین اصل نہیں کہا جاسکتا۔ (جہان امام ربانی ۲/۴۵ مطبوعہ کراچی)۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے حضرت شیخ اکبر اور دیگر وجودی صوفیہ سے ایک اور اہم نظریے میں بھی اختلاف فرمایا، وہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مرتبہ ذات میں غنا ثابت ہے۔ مرتبہ صفات و افعال میں غنا ثابت نہیں۔ بلکہ وہ اس مرتبے میں ممکنات کا محتاج ہے کیونکہ موصوفات کے بغیر صفات کا ظہور نہیں ہوتا، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمہ وقت ہر حال میں غنی ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ مخلوق اسکی محتاج ہے، یا ایہا الناس انتم الفقراء الى الله والله هو الغني الحميد، اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف تم ہی محتاج ہو، اور اللہ تعالیٰ ہی بے پروا اور سب تعریفوں والا ہے، ممکنات کے اوصاف اپنے ظہور میں موصوفات کے محتاج ہیں، پروردگار کے اوصاف کو احتیاج سے کیا کام۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
و زہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے موقف کی تائید اور بھی نصوص قطعی سے حاصل ہے، آپ نے علمی اور فکری طور پر اپنے نظریے کو قرآن و حدیث سے مزین فرمایا ہے، اور طریقت کے اس اہم موضوع کو شریعت کے اصولوں کی طرف لوٹایا ہے تاکہ گمراہی کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔ آپ کی اس کاوش پیہم کی سب سے پہلے آپ کے مرشد کریم حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی علیہ الرحمۃ نے تصدیق فرمائی جو توحید

وجودی پر کار بند تھے اور اپنے رسالوں اور خطوں میں اسکو ظاہر فرماتے تھے۔ ان کے مخلص مرید حضرت میاں عبدالحق کا بیان ہے مرض الموت سے ایک ہفتہ پہلے انہوں نے فرمایا، مجھے عین الیقین سے معلوم ہو گیا ہے کہ توحید و جود ہی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ اور ہے، اس سے پہلے بھی جانتا تھا مگر اب ایک قسم کا یقین حاصل ہو گیا ہے“ (مکتوبات مکتوب ۴۳ دفتر ۱) حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نظریہ وحدۃ الشہود سے بارگاہِ صمدیت کا ادب و احترام بھی نکھر کر سامنے آتا ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

”اشیاء کیا ہیں جو اسکا مظہر ہو سکیں، در کد ام آئینہ در آید او، اور ان میں یہ طاقت و مجال کہاں ہے کہ ظہور کے اعتبار سے بھی اس پر محمول ہو سکیں، اگر مظہر بھی ہیں تو اس کے کمالات کے ظلال میں سے کسی ظل کا مظہر ہیں اور وہ ظل کہ جسکا مظہر ہیں، حق تعالیٰ کے (کمالات کے) ظلال میں سے وہ ظل ہے جس سے لیکر ذاتِ حق تعالیٰ تک کئی ہزار ظلال در میان ہیں، آپ نے سنا ہی ہوگا کہ إِنَّ لِلَّهِ سَبْعِينَ أَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُورٍ وَظُلْمَةٍ، اللہ تعالیٰ کے لیے ستر ہزار نور و ظلمت کے پردے ہیں، پس حق تعالیٰ کے (کمالات کے) ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو بے تحاشہ حق تعالیٰ پر محمول کرنا بڑی بے ادبی اور دلپیری ہے لیکن چونکہ غلبہٴ سکرو حال ہے اس لیے اس قدر مذموم نہیں، اس طرح دوسری توجیہ کے موافق بھی اپنے مشہود کو حق تعالیٰ کا عین جاننا اور اس اعتبار سے اس پر محمول کرنا بے ادبی بلکہ خلاف واقع ہے کیونکہ وہ مشہود بھی حق تعالیٰ (کمالات) کا ظل ہے، حق تعالیٰ وراء الوراثم وراء الوراہے، نیز جو کچھ مشہود ہے وہ نفی کے لائق ہے، پھر وہ حق تعالیٰ کیسے ہو سکتا ہے، حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور جانا گیا سب حق تعالیٰ کا غیر ہے، کلمہ لا کی حقیقت سے اسکی نفی کرنی چاہیے، اس مسئلہ میں جو کچھ فقیر کے نزدیک مختار اور شان تقدیس و تنزیہ کے مناسب ہے وہ ہمہ از اوست ہے۔ (مکتوب ۸۹ دفتر ۳)

کوئی شخص لفظِ ظن کی وجہ سے وہم و اشکال کا شکار نہ ہو جائے، آپ نے خود اسی مکتوب میں وضاحت فرمادی ہے کہ ”ظن شے سے مراد اس شے کا ظہور ہے“ قاضی ثناء اللہ مظہری لکھتے ہیں، اصطلاحِ صوفیہ میں یہاں ظن سے مراد سایہ نہیں جس سے کمالِ لطافت میں نقص کا وہم پیدا ہو بلکہ ظلالِ مخلوقاتِ الہی میں سے ان لطیفوں کو کہا جاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات سے پوری پوری مناسبت ہے اور وہ مخلوق تک اسما و صفات کا فیض پہنچانے کے لیے واسطہ ہوتے ہیں، انہی لطیفوں کو واسطوں کو آسانی کے ساتھ سمجھنے کے لیے ظلال کہا جاتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سالک سکر و مدہوشی کے عالم میں ان لطیفوں کو ظلال سمجھ لیتا ہو (ارشاد الطالبین، بحوالہ البینات ۱/۱۹۴ مطبوعہ گوجرانوالہ) حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ خود فرماتے ہیں، واجب تعالیٰ کا کیوں ظن ہو کیونکہ ظن سے مثل کے پیدا ہونے کا وہم گزرتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمالِ لطافت کے باعث ظن نہ تھا تو خدائے محمد کا ظن کس طرح ہو سکے، خارج میں بالذات و بالاستقلال حضرت ذات تعالیٰ اور اس کی صفاتِ حقیقہ ہی موجود ہیں، باقی سب کچھ اسکی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور ممکن و مخلوق و حادث ہے، کوئی مخلوق اپنے خالق کا ظن نہیں، مخلوقیت کے سوا اور کوئی نسبت خالق تعالیٰ کے ساتھ نہیں رکھتا۔ (مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳)

آپ کا عقیدہ ہے:

”حضرت حق سبحانہ ہمیشہ اپنی تزیہ و تقدیس پر ہے اور حدوث کے صفات اور نقص کے نشانات سے منزہ و مبرا ہے، اس درگاہِ جل شانہ، میں تغیر و تبدل کا دخل نہیں اور اس بارگاہِ اعلیٰ میں اتصال و انفصال کی گنجائش نہیں، وہاں حالت و محلیت کا تجویز کرنا کفر ہے اور اتحاد و عینیت کا حکم کرنا عین الحاد و زندقہ ہے، حق تعالیٰ کے خالص بندے اس بارگاہ میں خواہ کتنا وصل و قرب پیدا کریں پھر بھی جسمانی قرب اور جوہر و عرض کے اتصال کی قسم سے نہیں ہوگا، وہاں قرب بھی بیچون ہے اور وصل بھی بیچون ہے، ان بزرگوں کا کاروبار اس حضرت جل شانہ میں عالم بیچونی سے ہے، اور عالم چون کو عالم بیچون کے ساتھ وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ وہ ممکن ہے اور یہ

واجب، نیز چون زمان و مکان کی تنگی میں محدود ہے اور عالم بیچون اس تنگی سے آزاد اور زمان و مکان سے وراء الورا، ہاں عبارت و تعبیر کا میدان عالم چون میں وسیع ہے اور عالم بیچون میں تنگ و تاریک، کیونکہ وہ عبارت سے برتر اور اشارت سے بعید ہے،..... ان اسرار سے متحقق ہونا کمال ایمان ہے لیکن بیچون کو چون کی عبارات میں تعبیر کرنا، عین کفر و زندقہ ہے، یہاں من عرف الله کل لسانہ جس نے اللہ کو پہچانا اسکی زبان بند ہوگئی، پر عمل کرنا چاہیے، (مکتوب ۹۵ دفتر ۳) ایک مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں: اللہ کی حمد ہے جس نے امکان کو وجود کا آئینہ اور عدم کو وجود کا مظہر بنایا، وجود اور وجود اگر حق تعالیٰ کے کمال کی دو صفتیں ہیں لیکن حق تعالیٰ تمام اسما و صفات اور تمام شیون و اعتبارات اور ظہور و بطون اور بروز و کمون اور تمام تجلیات و ظہورات اور تمام مشاہدات و مکاشفات سے اور تمام محسوس و معقول اور تمام موہوم و مخیل سے وراء الورا ثم وراء الورا ہے۔ (مکتوب دفتر ۲)

توحید و جودی کے دلائل کا جواب:

حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ اور ان کے تابعین نے وحدۃ الوجود کو ثابت کرنے کے لیے قرآن و حدیث کے دلائل کا سہارا بھی لیا ہے اور کچھ صوفیہ متقدمین کے مخصوص الفاظ سے بھی ثبوت پیش کیے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ ایمان بہ تنزیہ سب مومنوں کو حاصل ہے، عارف وہ ہے جو ایمان بہ تشبیہ کو بھی اس کے ساتھ جمع کرے اور خلق کو خالق کا ظہور دیکھے اور کثرت کو وحدت کا لباس جانے اور صانع کو صنع میں مطالعہ کرے، غرض صرف تنزیہ کی طرف توجہ کارہنا ان کے نزدیک نقص ہے اور کثرت کے بغیر وحدت کا مشاہدہ کرنا ان کے نزدیک سراسر عیب ہے، یہ لوگ احدیت صرف کی طرف متوجہ ہونے والوں کو ناقص خیال کرتے ہیں اور کثرت کے ملاحظہ کے بغیر وحدت کے ملاحظہ کرنے کو تحدید و تقید سمجھتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے دفتر اول کے مکتوب ۲۷۲ میں اس دعویٰ پر قائم ہونے والے جملہ دلائل کا بڑا شافی جواب

ارشاد فرمایا ہے اور پھر اپنے جواب پر وارد ہونے والے اشکال کا بھی جواب دیا ہے، ہم آپ کے ذوق مطالعہ کے لیے اس مکتوب مبارک کا چیدہ چیدہ حصہ پیش کر دیتے ہیں تاکہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے علم و عرفان اور فکر و وجدان کا شعور کامل نصیب ہو جائے۔

(۱)

”سبحان اللہ و بحمدہ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت تنزیہ صرف کی طرف ہے اور تمام آسمانی کتابیں ایمان تنزیہی کے ساتھ ناطق ہیں، انبیائے کرام آفاقی اور انفسی خداؤں کی نفی کرتے ہیں اور ان کے باطل ہونے کی دعوت فرماتے ہیں اور اس واجب الوجود کی وحدت کی طرف بوٹیوں و بیجکوں سے راہنمائی کرتے ہیں، کبھی کسی نے نہیں سنا کہ کسی پیغمبر نے ایمان تشبیہی کی طرف دعوت کی ہو اور خلق کو خالق کا ظہور کہا ہو، تمام پیغمبر واجب الوجود کی توحید کے کلمہ میں متفق ہیں اور حق تعالیٰ کے سوا تمام ارباب کی نفی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،
يا هٰٓاهل الكتاب تعالوا الی کلمۃ سوآء... اے رسول! اہل کتاب کو فرما دو کہ آؤ ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے یعنی ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کے ساتھ شریک بنائیں اور اللہ کے ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ بنائے، پس اگر وہ نہ مانیں تو فرما دو کہ تم گواہ رہو، ہم مسلمان ہیں“

(۲)

”یہ لوگ بے نہایت اسباب ثابت کرتے ہیں اور سب کو رب الارباب کے ظہورات خیال کرتے ہیں اور کتاب و سنت کو اپنے مطالب کے لیے بطریق شہادت پیش کرتے ہیں، مثلاً ہو الاول والاخر والظاہر والباطن، یعنی اول و آخر و ظاہر و باطن وہی ہے۔ وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمی، نہیں مارا تو نے

جب کہ ماراتو نے مگر اللہ تعالیٰ نے مارا، اِنَّ الَّذِيْنَ يَبَايَعُوْنَكَ
انما يبايعون الله يدالله فوق ايديهم، جو تجھ سے بیعت کرتے
ہیں، وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے
ہاتھوں پر ہے، (سنتِ محبوب سے یہ دلیل فراہم کرتے ہیں) اللھم
انت الاول فليس قبلك شئ وانت الاخر فليس
بعدك شئ وانت الظاهر فليس فوقك شئ وانت
الباطن فليس دونك شئ، اے اللہ تو ہی اول ہے تیرے
اول کوئی شے نہیں اور تو ہی آخر ہے تیرے بعد کوئی شے نہیں اور تو ہی
ظاہر ہے، تیرے اوپر کوئی شے نہیں اور تو ہی باطن ہے، تیرے سوا کوئی
شے نہیں، اس میں (ان کے مطالب کی) کوئی شہادت نہیں کیونکہ ان
عبارتوں میں کامل طور پر وجود ما سوا کے کمال کی نفی کا حصہ ہے نہ کہ
اصل وجود کی نفی جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،
لا صلوة الا بفاتحة الكتاب، نماز نہیں ہوتی مگر فاتحہ کتاب کے
ساتھ، اور فرمایا، لا ايمان لمن ل امانة له جس کی امانت نہیں
اسکا ایمان نہیں، کتاب و سنت میں اس قسم کی مثالیں بہت ہیں، یہ
توجیہ نصوص کی تاویل نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے بلکہ
کمال بلاغت پر نصوص کو حمل کیا گیا ہے اور عرف میں جب کسی شخص
کے امر رسالت کو ضروری اور مہتمم بالشان ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو
فرماتے ہیں کہ اسکا ہاتھ میرا ہاتھ ہے، اس سے مقصود حقیقت نہیں ہے
بلکہ مجاز ہے جو حقیقت سے ابلغ ہے اور جب فاعل سے جو کامل
قدرت والے مالک کا غلام اور بندہ ہے، اس کے قدر و اندازہ سے
بڑھ کر کوئی فعل صادر ہو اور اس فعل میں اس مالک قادر کی التفات
و توجہ مد نظر ہو تو اس وقت مالک کو لائق ہے کہ یہ کہدے کہ اس فعل کو

میں نے ہی کیا ہے، یہ بات بھی نہ ہی اتحادِ فعل پر اور نہ ہی اتحادِ ذات پر دلالت کرتی ہے، حاشا وکلا کہ بندہ غلام کا فعل عین مالک مقتدر کا فعل ہو یا اس کی ذات کا عین بن جائے“

(۳)

”ان لوگوں نے شاید انبیائے کرام علیہم السلام کے مذاق کو نہیں سمجھا، کیونکہ ان کی دعوت کا مدار اثنیثیت یعنی دوئی اور غیر کے وجود اور غیریت پر ہے، ان کی عبارتوں کو توحید و اتحاد پر حمل کرنا بے ہودہ تکلف ہے، اگر حقیقت میں ایک ہی موجود ہوتا اور اس کے سوا سب اس کے ظہورات ہوتے اور اس کے سوا کی عبادت اسی کی عبادت ہوتی جیسے کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے تو پھر انبیائے کرام مبالغہ اور تاکید کے ساتھ ان کی پرستش سے کیوں منع کرتے اور ان کی پرستش پر دائمی عذاب کیوں مرتب کرتے اور ان کے پجاریوں کو خدا کا دشمن کیوں کہتے، جب تک ان لوگوں کو ان کی غلطی پر اطلاع نہ بخشیں عینیت کی دید جو جہالت سے ان میں پیدا ہو گئی ہے، دور نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی عبادت کو حق تعالیٰ کے غیر کی عبادت جانتے ہیں۔“

(۴)

”ان لوگوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ پیغمبروں نے عوام لوگوں کے قصور فہم کے باعث توحید و جود کی اسرار کو پوشیدہ رکھا ہے اور اپنی دعوت کی بنا غیر و غیریت پر رکھی ہے اور وحدت کو چھپا کر کثرت پر دلالت کی ہے، (یاد رہے کہ) یہ بات شیعہ کے تقیہ کی طرح سننے کے قابل نہیں ہے کیونکہ انبیائے کرام جو کچھ واقعی اور نفس الامر ہے اس کی تبلیغ کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں، جب نفس الامر میں ایک ہی موجود

ہو اور اس کا غیر کچھ موجود نہ ہو تو مناسب نہیں کہ اسکو چھپا کر نفس الامر کیخلاف ظاہر کریں خاص کر وہ احکام جو واجب الوجود کی ذات و صفات و افعال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، ان کے اظہار اور اعلان کے زیادہ حقدار ہیں، کوتاہ نظر خواہ اسکو سمجھیں یا نہ سمجھیں، کیا نہیں دیکھتے کہ قرآن کی آیات متشابہات یا احادیث متشابہات جن کے سمجھنے سے عوام کیا خواص بھی عاجز ہیں، ان کے اظہار کرنے سے منع نہیں ہوئے اور نہ ہی عوام کی غلطی اور کوتاہ فہمی ان کے اظہار کی مانع ہوئی۔

(۵)

”یہ لوگ اس شخص کو جو دو وجود کا قائل ہے اور ماسوا کی عبادت سے اجتناب و پرہیز کرتا ہے، مشرک کہتے ہیں اور اس شخص کو جو ایک وجود کا قائل ہے، موحد کہتے ہیں اگرچہ ہزار بت کی عبادت کرے، اس خیال سے کہ سب حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں اور ان کی عبادت حق تعالیٰ کی عبادت ہے، انصاف کرنا چاہیے کہ ان دونوں گروہوں میں سے مشرک کون ہے؟ انبیائے کرام نے وحدت و وجود کی طرف دعوت نہیں کی ہے اور نہ ہی دو وجود کہنے والے کو مشرک کہا ہے بلکہ ان کی دعوت ”وحدت معبود“ کی طرف ہے اور انہوں نے ماسوا کی عبادت کو مشرک کہا ہے۔

(۶)

”اگر صوفیہ وجودیہ ماسوا کو غیریت کے طریق پر نہ بھی جانیں تو بھی شرک کو دفع نہیں کر سکتے کیونکہ ماسوا، ماسوا ہی جانیں یا نہ جانیں، ان میں سے بعض متاخرین عالم کو حق تعالیٰ کا عین نہیں جانتے اور عینیت سے کنارہ کرتے ہیں اور عینیت کے قائلوں کو طعن و تشنیع کرتے ہیں اور شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے تابعداروں کے ساتھ انکار

کرتے ہیں اور ان کو برائی سے یاد کرتے ہیں، ساتھ ہی یہ لوگ عالم کو حق تعالیٰ کا غیر بھی نہیں جانتے، گویا نہ ہی عین اور نہ ہی غیر جانتے ہیں، یہ بات بھی صواب سے دور ہے، الاثنان متغائران، دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں، قضیہ مقررہ ہے، اثنبیت کا منکر درجہ عقل کا مخالف ہے، ہاں متکلمین نے صفات واجبہ جل سلطانہ کے بارے میں لاھو ولا غیر ہوا کہا ہے اور غیر سے غیر اصطلاحی مراد رکھ کر اس امر کو مد نظر رکھا ہے کہ دو متغائر چیزوں کا باہم انفکاک یعنی الگ ہونا جائز ہے، کیونکہ واجب تعالیٰ کی صفات حضرت ذات سے الگ نہیں ہیں اور نہ ہی حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے درمیان انفکاک یعنی الگ ہونا جائز متصور ہو سکتا ہے پس ”لاھو“ ولا غیر ہوا صفات قدیمہ میں صادق ہے، برخلاف عالم کے کہ یہ نسبت اس میں مفقود ہے، کان اللہ ولم یکن معہ شیء، اللہ ہی تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز موجود نہ تھی، پس عالم کی غیریت کی نفی کرنا لغت میں بھی اور اصطلاح میں بھی صدق سے دور ہے، ان لوگوں نے اپنی نارسائی کے باعث عالم کو صفات قدیمہ کی طرح سمجھ کر اس کے مخصوص حکم کو اس جگہ اطلاق کیا ہے، یہ لوگ جب عمیبت عالم کی نفی کے قائل ہوئے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ غیریت عالم کے قائل ہوں اور توحید و جودی والوں کے زمرے سے نکل آئیں اور عالم کے متعدد وجودوں کے قائل ہو جائیں۔ توحید و جودی میں عین کہنے سے چارہ نہیں جیسے شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے تابعین نے کہا ہے اور عین کہنا ان معنوں کے لحاظ سے نہیں ہے کہ عالم اپنے صانع کے ساتھ متحد ہے، حاشا وکلا ان معنوں کے اعتبار سے ہے کہ عالم معدوم ہے اور حق تعالیٰ کا وجود واجب ہے جیسے کہ اس فقیر نے اپنے رسالوں میں اس امر کی تحقیق کی ہے۔

(۷)

”صوفیہ وجودیہ، دو وجود کے کہنے والے کو جو مشرک کہتے ہیں وہ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ ”دو بین“ ہے اور دو بین طریقت کا مشرک ہے، ”دو بینی“ جو طریقت کا شرک ہے، توحید شہودی سے دفع ہو جاتا ہے، توحید وجودی اس مقام میں کچھ درکار نہیں کیونکہ سالک کا مشہود ملحوظ ایک ذات مقدس کے سوا اور کوئی امر نہیں ہے تاکہ فنا متحقق ہو اور طریقت کا شرک دور ہو جائے، دن میں جو آفتاب کو تنہا دیکھتے ہیں اور ستاروں کو نہیں دیکھتے، دو بینی کا دفعیہ حاصل ہے اگرچہ ہزاروں ستارے دن میں موجود ہوں مقصود یہ ہے کہ ایک آفتاب مشہود ہو، خواہ ستارے معدوم ہوں یا موجود، بلکہ میں کہتا ہوں کہ کمال اس صورت میں ہے کہ اشیاء موجود ہوں اور سالک کمال فنا کے باعث جو اپنے مطلوب حقیقی سے رکھتا ہے، کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ کسی چیز کا مشاہدہ نہ کرے اور کوئی چیز اسکے دیدہ بصیرت میں نہ آئے، اگر اشیاء موجود نہ ہوں تو فنا کس سے متحقق ہوگی اور فانی کس سے ہوگا اور کس کو فراموش کریگا۔“

(۸)

”اول جس شخص نے توحید وجودی کی تصریح کی ہے وہ شیخ محی الدین ابن عربی ہیں، ان سے گزشتہ مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید وجودی کی خبر دیتی ہیں لیکن توحید شہودی پر حمل کے قابل ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے غیر کو جب نہیں دیکھتے تو بعض کہتے ہیں لیس فی جنبی سوا اللہ، میرے جب میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں اور بعض سبحانی ما اعظم شانہ کی ندا پکاراٹھتے ہیں، اور بعض لیس فی الدار غیرہ دیار، گھر میں اس کے سوا کوئی رہنے والا نہیں ہے، کا آوازہ

لگاتے ہیں، یہ سب پھول ایک ہی یک بنی کی شاخ سے کھلے ہیں ان عبارتوں میں کوئی بھی وحدۃ الوجود پر دلالت نہیں کرتی“

(۹)

”غرض فنا و بقا اور ولایت، کبریا کی کمالات حاصل کرنے کے لیے توحید و جودی کچھ درکار نہیں ہے، توحید شہودی حاصل ہونی چاہیے تاکہ فنا متحقق ہو جائے، اور ماسوا کا نسیان حاصل ہو جائے، ہو سکتا ہے کہ کوئی سالک ابتدا سے انتہا تک سیر کر جائے اور توحید و جودی کے علوم و معارف سے کوئی بھی اس پر ظاہر نہ ہو بلکہ نزدیک ہے کہ ان علوم سے انکار کر دے، فقیر کے نزدیک وہ راستہ جو ان معارف کے ظہور کے بغیر سلوک کے ساتھ میسر ہو جائے وہ اس راستہ سے زیادہ قریب ہے جو ظہور کو متضمن ہے، اس راہ کے سالکوں میں سے اکثر مطلوب تک پہنچے ہیں اور اکثر راہ ہی میں رہ جاتے ہیں اور دریا سے قطرہ کے ساتھ سیراب ہو جاتے ہیں اور اتحاد کے وہم میں پڑ کر ظل میں گرفتار رہتے ہیں اور وصل سے محروم رہتے ہیں، یہ امر تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے۔

اس فقیر کو اگرچہ راہ ثانی سے سلوک میسر ہوا ہے اور توحید و جودی کے علوم و معارف کے ظہورات سے کافی حصہ حاصل ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوئی اور سیر محبوبی کے ساتھ راستے کے جنگلوں اور میدانوں کو فضل و عنایت کی امداد سے طے کروایا اور کمال کرم کے ساتھ ظلال سے گزار کر اصل تک پہنچایا اور جب معاملہ مریدوں تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ ایک اور راہ ہے جو وصول کے زیادہ قریب اور حصول میں زیادہ آسان ہے۔

(۱۰)

”سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اگرچہ موجودات متعدد ہوں اور حق تعالیٰ کا ماسوا بھی موجود ہو تو پھر بھی ہو سکتا ہے کہ فنا و بقا متحقق ہو جائے نہ یہ کہ ماسوا معدوم و ناچیز ہو جائے، یہ بات باوجود ظہور کے اکثر خواص پر پوشیدہ رہی ہے پھر عوام کا کیا ذکر ہے، ان لوگوں نے توحید شہودی کو عین وجودی خیال کر کے وحدت وجود کی معرفت کو راستہ کی شرط جانا ہے اور دو وجود کہنے والے کا ضال اور مضل سمجھا ہے اور کثرت کے آئینوں میں وحدت کے مشاہدہ کو انجام کار تصور کیا ہے، ان میں سے بعض نے یہاں تک تصریح کی ہے کہ ہمارے حضرت پیغمبر ﷺ کمالات نبوت حاصل ہونے کے بعد شہود وحدت در کثرت کے مقام میں رہتے اور آیت کریمہ **إِنَّا اعطینک الکوثر** سے اس مقام کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ تحقیق ہم نے تجھے کثرت میں وحدت کا مشاہدہ دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوثر کی واو کے درمیان آنے سے جو حروف کثر کے درمیان ہے، یہ اشارات سمجھے ہیں حاشا وکلا اس قسم کے معارف مقام نبوت کے لائق ہوں کیونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خدائے بیچون جل شانہ، کی طرف دعوت کرتے رہتے ہیں اور جو چیز چون کے آئینوں میں گنجائش رکھتی ہے وہ بیچونی سے بے نصیب ہے اور چونی اور چندی کے داغ سے داغدار ہے، حضرت حق تعالیٰ ان کو انصاف دے شاید یہ لوگ انبیاء کرام کو اپنے کمالات کے ترازو پر تولنا چاہتے ہیں اور ان کے کمالات کو اپنے کمالات کی طرح جانتے ہیں، کبروت

کلمة تخرج من افواہہم۔

چو آں کرے کہ در سنگ نہاں است
 زمین و آسمان او جہاں است
 حضور اکرم ﷺ کی امت میں سے یہ کمینہ اور عاجز اس قسم کی معرفت
 سے جو اول اول حاصل ہوئی تھی، ندامت و استغفار کرتا ہے اور اس
 شہود کو نصاریٰ کے حلول کی طرح اس پاک جناب سے نفی کرتا ہے،
 حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا
 اور جانا گیا سب اس کا غیر ہے، کلمہ لا کی حقیقت سے اسکی نفی کرنی
 چاہیے، پس کثرت میں وحدت کا مشاہدہ بھی نفی کے لائق ہے، اس
 پاک بارگاہ سے منہنی اور دور ہے۔

(۱۱)

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے اس کلام نے مجھکو اس شہود سے نکال
 دیا ہے اور مشاہدہ اور معائنہ کی گرفتاری سے نجات بخشی ہے۔ میرے
 اسباب کو علم سے جہل کی طرف اور معرفت سے حیرت کی طرف لے
 گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو میری طرف سے جزائے خیر دے میں صرف
 ایک ہی بات سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کا مرید اور حلقہ بگوش
 ہوں اور واقعی اولیاء میں سے شاید ہی کسی نے اس طرح کی عبارت
 بیان کی ہو اور تمام مشاہدات و معائنات کی اس طرح نفی کی ہو، اس
 مقام میں آپ کے اس سخن کی حقیقت کو جہاں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ
 خدا تعالیٰ کی معرفت بہاء الدین پر حرام ہے اگر اس کی ابتداء بایزید کی
 انتہا نہ ہو، ڈھونڈنی چاہیے کیونکہ حضرت بایزید علیہ الرحمۃ باوجود اس
 بزرگی کے شہود و مشاہدہ سے آگے نہیں بڑھے اور سبحانی ما اعظم شانی
 کے تنگ کوچے سے قدم باہر نہیں رکھا، برخلاف ہمارے حضرت خواجہ
 قدس سرہ کے جنہوں نے ایک ہی کلمہ لا سے ان کے تمام مشاہدات

کی نفی فرمادی اور سب کو حق تعالیٰ کا غیر ثابت کر دیا، حضرت بایزید علیہ الرحمۃ کی تنزیہ حضرت خواجہ قدس سرہ کے نزدیک تشبیہ ہے، ان کا بیچون ان کے نزدیک چون اور کمال نقص ہے، ناچار ان کی انتہا جو تشبیہ سے آگے نہیں بڑھے حضرت خواجہ کی ابتدا ہوگی کیونکہ ہدایت تشبیہ سے ہے اور نہایت اور تنزیہ کے ساتھ، مگر معلوم ہوتا ہے کہ آخر حال میں حضرت بایزید علیہ الرحمۃ کو اس نقص پر اطلاع بخشی گئی کہ موت کے وقت اس طرح کہتے تھے، میں نے تجھے یاد نہیں کیا مگر غفلت سے اور میں نے تیری خدمت نہیں کی مگر سستی سے، انہوں نے اپنے پہلے حضور کو غفلت جانا کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا حضور نہ تھا بلکہ (کمالات کے) ظلال میں سے ایک ظل کا حضور اور اس کے ظہورات میں سے ایک ظہور تھا پس ناچار حق تعالیٰ سے غافل رہے، حق تعالیٰ وراء الورا ہے۔ ظلال و ظہورات سب کے سب اس کے مبادی اور مقدمات اور معارج اور معدات ہیں اور یہ جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو ہدایت میں درج کرتے ہیں واقع کے موافق ہے کیونکہ ابتدا ہی سے ان کی توجہ احدیتِ صرف پر ہے اور وہ اسم و صفت سے ذات کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔

(۱۲)

فقیر کے نزدیک ممکنات کے آئینوں میں حق تعالیٰ کا وہ شہود جسکو صوفیہ کی ایک جماعت کمال جانتی ہے اور تشبیہ و تنزیہ کے درمیان جمع خیال کرتی ہے، وہ حق تعالیٰ کا شہود نہیں ہے، ان (آئینوں) میں اس کا شہود ان کا خیالی اور من گھڑت امر ہے، کیونکہ جو کچھ ممکن میں دیکھتے ہیں وہ واجب نہیں ہے، اور جو کچھ حادث میں پاتے ہیں وہ قدیم نہیں ہے اور جو کچھ تشبیہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ تنزیہ نہیں ہے، ہرگز ہرگز صوفیہ

کی اس قسم کی تر بات یعنی بے ہودہ باتوں پر فریفتہ نہ ہونا چاہیے اور حق تعالیٰ کے غیر کو حق تعالیٰ نہ جاننا چاہیے، مانا کہ یہ لوگ خطا کار مجتہد کی طرح معذور ہیں اور خطا کار مجتہد کی طرح مواخذہ سے بری ہیں لیکن ان کے مقلدوں کے ساتھ معلوم نہیں کس طرح معاملہ کریں گے، کاشکے مجتہد مخطی کے مقلدوں کی طرح ہی ہوتے۔

(۱۳)

عجب معاملہ ہے کہ ان لوگوں میں سے بہت سے مدعی اسی شہود اور مشاہدہ پر بھی قناعت نہیں کرتے بلکہ اس شہود کو تنزل خیال کر کے اس اثنا میں رویت بصری کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم واجب الوجود جل سلطانہ کی ذات کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں جو دولت ہمارے پیغمبر ﷺ کو شب معراج حاصل ہوئی تھی ہم کو ہر روز میسر ہے اور وہ نور جو ان کے دیکھنے میں آتا ہے اسکو صبح کی سفیدی سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس نور کو مرتبہ بے کنہی خیال کرتے ہیں اور مراتب عروج کی نہایت اس نور کے ظہور تک تصور کرتے ہیں، تعالیٰ سبحانہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً، اللہ تعالیٰ ان ظالموں کی بات سے بہت بلند اور بڑا ہے، نیز حق تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ و کلام ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایسا فرمایا ہے..... یہ لوگ اس نور مرئی کو عین حق تعالیٰ سمجھتے ہیں اور اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات تصور کرتے ہیں نہ یہ کہ اس کے ظہورات میں سے کوئی ظہور یا ظلال میں سے کوئی ظل جانتے ہیں، اس میں کچھ شک نہیں کہ اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات کہنا محض افتراء اور صاف الحاد اور خالص زندقہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا نہایت ہی علم و تحمل ہے کہ اس قسم کے مفتریوں کے لیے طرح طرح کے عذابوں میں جلدی نہیں کرتا اور ان کی بیخ کنی نہیں فرماتا۔

(۱۴)

”حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم صرف رویت یعنی دیدار کی طلب ہی کے باعث ہلاک ہو گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طلبِ رویت کے بعد ”لن ترانی“ کا زخم کھایا اور بے ہوش پڑ گئے اور اس طلب سے تائب ہوئے، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو رب العالمین کے محبوب ہیں اور تمام اولین و آخرین موجودات میں سے بہترین ہیں، باوجود اس کے کہ معراج بدنی کی دولت سے مشرف ہوئے اور عرش و کرسی سے گزر کر مکان و زمان سے بھی اوپر چلے گئے، باوجود قرآنی اشاروں کے حضور اکرم ﷺ کی رویت میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر علماء حضور اکرم ﷺ کی عدم رویت کے قائل ہیں، امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، صحیح یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معراج کی رات اپنے رب کو نہیں دیکھا ہے، یہ بے سرو سامان اپنے خیال باطل میں ہر روز خدا کو دیکھتے ہیں حالانکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ایک دیدار میں بھی علماء کی قیل و قال ہے۔ (یہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے یہ بتایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی رویت بصری میں بھی علماء کا اختلاف ہے تو ان صوفیہ کو کیسے ہر روز خدا تعالیٰ کا دیدار میسر ہوتا ہے، جہاں تک حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا حضور ﷺ کی رویت بصری کے متعلق اپنا عقیدہ ہے تو آپ اس کا انکار نہیں فرماتے بلکہ وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں ”آنحضرت ﷺ کو معراج کی رات جسد کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جہاں تک چاہا سیر کرائی، جنت و دوزخ آپ کے سامنے پیش کیے گئے اور ان کی طرف وحی بھیجی گئی جیسے کہ حق تھا اور اس وقت رویت بصری سے مشرف ہوئے اور اس قسم کا معراج حضور اکرم ﷺ کے لیے مخصوص ہے۔ (مکتوب ۱۳۵ دفتر ۱) یہی جمہور کا عقیدہ ہے۔

(۱۵)

”جاننا چاہیے کہ وہ وجود جو ممکنات میں ہم ثابت کرتے ہیں تمام صفات کی طرح ایک ضعیف وجود ہے۔ ممکن کے علم کا واجب کے علم کے مقابلہ میں کیا مقدار ہے اور قدرت قدیمہ کے مقابلہ میں قدرت حادثہ کیا اعتبار رکھتی ہے ایسے ہی ممکن کا وجود واجب تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں لاشعہ محض ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ دیکھنے والا ان دونوں وجودوں کے تفاوت کے باعث شک میں پڑ جائے کہ آیا وجود کا اطلاق ان دونوں فردوں پر حقیقت کے طور پر ہے یا کہ وجود کا اطلاق ایک فرد پر بطریق حقیقت ہے اور دوسرے فرد پر بطریق مجاز، کیا نہیں جانتے کہ صوفیہ میں سے بعض لوگوں نے شق ثانی پر یقین کیا ہے اور ممکن کے وجود پر جو اطلاق کرنا تجویز کے طور پر سمجھا ہے اور ممکنات کے وجود کو ثابت نہیں کرتے مگر عوام یا اخص خواص، اخص سے مراد انبیاء کرام اور ان کی امتوں میں سے وہ لوگ ہیں جو ان کی ولایت اصلیہ سے مشرف ہوئے ہیں اور دائرہ ظلال کو پورے طور پر طے کر چکے ہیں، عوام ظاہر بین ہیں جو واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو مطلق وجود کے اقسام سے جانتے ہیں اور دونوں کو موجود تصور کرتے ہیں، اخص خواص تیز نظر والے ہیں جو ہر دو وجود کو مطلق وجود کے افراد سے جانتے ہیں اور افراد وجود کے مراتب کے تفاوت کو وجود کے صفات اور اعتبارات کی طرف راجح کرتے ہیں نہ کہ وجود کی حقیقت اور ذات کی طرف تاکہ ایک حقیقت ہو اور دوسرا مجاز اور گروہ متوسطین جو عوام کے رتبہ سے قدم بڑھ کر رکھتے ہیں اور اخص خواص کے کمالات سے کوتاہ دست ہیں، مشکل ہے کہ ممکنات کے وجود کے قائل ہوں اور ممکن کے وجود پر بطریق حقیقت

وجود کا اطلاق کریں، یہی وجہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس کو علاقہ سے موجود کہتے ہیں کہ وجود کے ساتھ اسکی نسبت ہے نہ یہ کہ وجود اس کے ساتھ قائم ہے تاکہ حقیقت کے طور پر موجود ہو، اس گروہ میں سے بعض لوگ ممکن کے وجود سے سکت و خاموش ہیں اور نفی و اثبات کے ساتھ اس کی تصریح نہیں کرتے اور بعض ممکن سے وجود کی نفی کرتے ہیں اور واجب تعالیٰ کے سوا اور کسی کو وجود نہیں جانتے، ان میں سے ایک گروہ ممکن کے وجود کو جیسے کہ وجود کا عین نہیں جانتے، وجود کا غیر بھی نہیں جانتے، اور ان میں سے ایک گروہ نے اس طرح تصریح کی ہے کہ جس وجود کے ساتھ واجب تعالیٰ موجود ہے اس وجود کے ساتھ ممکن بھی موجود ہے، اس عبارت سے بھی ممکن کے وجود کی نفی کرتے ہیں، غرض ممکن کا وجود، ثابت کرنے کے لیے بڑی تیز نظر ہونی چاہیے تاکہ واجب تعالیٰ کے نور کی روشنی میں اسکو دیکھ سکیں، تیز نظر والے لوگ دن میں آفتاب کی روشنی کے باوجود ستاروں کو دیکھتے ہیں اور جن کی نظر تیز نہیں ہوتی وہ ستاروں کو نہیں دیکھ سکتے، پس ممکنات کا وجود دن میں ستاروں کی طرح ہے کہ جو تیز نظر والا ہے وہ دیکھ سکتا ہے اور جو کمزور نظر والا ہے اس دید سے بے نصیب ہے۔

توحیدی شہودی کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بہت سے لطیف نکات بیان کیے ہیں اور ان کو جا بجا قرآن و حدیث اور صوفیہ مستقیم الحوال کے اقوال سے مبرہن فرمایا ہے یہ موضوع مکتوبات شریفہ کے مرکزی موضوعات میں سے ہے لہذا اہل ذوق کو ان کی طرف رجوع کرنا چاہیے، ہم تو یہاں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے نظریہ وحدۃ الشہود کے تفصیلی مباحث کے ذریعے فکری اور عرفانی اجتہاد کی اساس فراہم کی جس کی برکتوں سے رحمان اور رام، مسجد اور مندر، کعبہ اور کلیسا مومن اور مشرک، مسلم اور کافر میں فرق واضح ہو گیا۔ ہندوستان کی تاریخ شاہد ہے کہ جتنی بھی بیرونی قوتیں یا دوسرے نظریے اس سرزمین میں وارد ہوئے، ہندوؤں نے سب کو اپنی قومیت اور نظریت میں مدغم کر لیا، ایک اسلام تھا جس نے مسلمان

بادشاہوں کی صلح کلی، سیاست طرازی اور نام نہاد رواداری کے باوجود اپنا تشخص برقرار رکھا تھا، ہزاروں اصنام اور اوٹان کے دیس میں خدائے واحد کی توحید کا پرچم لہرایا تھا، صدیوں کے بعد بھی اسکی تعلیمات و فیوضات کو شرک سے آلودہ نہیں کیا جاسکا تھا، اب اکبر اعظم اور اسکے زیر سرپرستی پلنے والے صوفیہ خام اور ہندی راہنماؤں کی بدولت رحمان اور رام کو ملانے کی سازش تیار ہوئی تو تمام مخلوقات حتی کہ اصنام و اوٹان کو بھی حق تعالیٰ کے وجود مطلق کا مظہر کامل ٹھہرایا گیا اور ان کی کثرت میں واحد مطلق کی وحدت مشاہدہ کی گئی، الحاد کا نام تو حیدر رکھ لیا گیا اور ہندوؤں جیسی مشرک قوم کو بھی بت فروشی اور بت پرستی کا جواز فراہم کر دیا گیا کہ تم جو مندروں میں رام چندر، سیتا اور کالی دیوی کے اصنام کو پوجتے ہو تو دراصل ان میں بھی خدا تعالیٰ موجود ہے، اس طرح تم بھی وحدت پرست ہو، اس نظریے کی روشنی میں کفار عرب کے عزی لات اور منات بھی خدا کے مظہر کامل ٹھہرتے ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت و رسالت کا مقصد و حید تاریخ کے دھندلکوں میں چھپ جاتا ہے (معاذ اللہ) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ان تمام تصورات باطلہ کو صحیح اسلامی تصوف اور فکر و عرفان کی روشنی میں بیک جنبش قلم نقش بر آب کر دیا۔ آپ واقعی برہان ولایت محمدیہ اور حجت شریعت مصطفویہ ہیں، شیخ الاسلام و المسلمین اور آیت اللہ فی الارضین ہیں۔

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے

اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

اللہ نور السموات والارض

اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو فکر و وسیع کی دولت سے مالا مال فرمایا جس کی بدولت آپ قرآن و حدیث کے بحر ناپیدا کنار سے انوکھے موتی تلاش کرتے رہے، قرآن مجید کی بہت مشہور آیت مبارکہ ہے:

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیہا
مصباح ط المصباح فی زجاجة ط الزجاجۃ کانہا
کو کب درئی یوقد من شجرة مبارکة زیتونۃ لا شرقیۃ
ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضی ولو لم تمسہ نار نور علی
نور، اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسی

ہے جیسے ایک چراغدان ہو اور اس کے اندر چراغ ہو اور چراغ ایک شیشے میں ہو، وہ شیشہ گویا ایک چمکدار ستارہ ہے جو زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا گیا ہو، نہ شرقی ہو، نہ غربی اور اس کا تیل آگ کے بغیر ہی روشنی دیتا ہو اور بہت ہی روشن ہو۔ (سورۃ النور آیت ۳۵)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنی اجتہادی فکر و عرفان سے اسکی تفسیر کچھ اس طرح فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں تمثیل کو اس واسطے اختیار کیا ہے تاکہ ان میں اس نور کے ظہور کو بلا واسطہ نہ سمجھ لیں اور ظل کو اصل سے مشتق نہ کریں اور نور ظل کو نور اصل سے مشتق نہ کریں اور روشن ہو اور خیال کریں لہدیٰ اللہ لنورہ من یشاء اللہ اپنے نور کی طرف جسکو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر محمول ہے لیکن ہم اسکی تاویل کرتے ہیں جو ہم پر کشف ہوئی ہے۔ یہ بیان اللہ تعالیٰ کی مدد اور حسن توفیق ہی سے ہے، اللہ نور السموات والارض، اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، نور وہ ہے جس سے چیزیں روشن ہوتی ہیں آسمان اور زمین حق تعالیٰ کے ساتھ روشن ہوئے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ ہی نے ان کو عدم کے اندھیرے سے نکالا ہے اور وجود اور اس کے توابع کے ظلال کے ساتھ متصف کر کے منور کیا ہے، آسمانوں اور زمین کو جو اس نور سے روشن ہوئے ہیں مشکوٰۃ کی طرح تصور کرنا چاہیے اور اس نور کو چراغ کی مانند جاننا چاہیے جو مشکوٰۃ میں رکھا ہوا ہے، مشکوٰۃ پر کاف تمثیل کا آنا مصباح پر مشکوٰۃ کے شامل ہونے کے لیے ہے اور زجاجہ سے اسماء و صفات کا پردہ ملاحظہ کرنا چاہیے، کیونکہ وہ نور اسماء و صفات کے ساتھ ملا ہوا ہے اور شیون و اعتبارات سے معرا نہیں، اور حق تعالیٰ کی صفات کا زجاجہ حسن و جوب اور جمالِ قدم میں ستارہ روشن کی طرح ہے اور وہ مصباح جو اس مشکوٰۃ میں رکھا ہے زیتون کے مبارک درخت سے روشن ہوا ہے جو عرش کے اس ظہور جامع سے مراد ہے جس ظہور کی رمزوں میں سے استوا ایک رمز ہے کیونکہ دوسرے ظہورات جو آسمانوں اور زمینوں سے تعلق رکھتے ہیں اس ظہور جامع کے اجزا کی طرح ہیں، وہ ظہور جامع چونکہ لامکانی اور بے جہت ہے اس واسطے اسکو لاشرقیۃ لا غربیۃ کہہ سکتے ہیں، یکاد زیتہا میں اس مبارک درخت کی تعریف اور اس درخت کے تیل کی صفائی اور روشنی کا بیان ہے جس کے ساتھ اسکو تمثیل دی گئی ہے، نوز علی نوز یعنی اس پر وہ زجاجہ نے اپنی صفائی اور چمک دمک کے باعث اس نور کو زیادہ کر دیا ہے اور اس کے حسن و جمال کو بڑھا دیا ہے کیونکہ کمالات صفات، کمالات ذات کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں اور صفات کا حسن

ذات کے حسن کے ساتھ مل گیا ہے، باوجود نور کی زیادتی اور کمالِ ظہور کے یہدی اللہ لسورہ..... جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے، ہاں سچ ہے، جس کو اللہ نے نور نہیں دیا اس کے لیے کوئی نور نہیں، یہ ظہور جامع جو عرش سے منسوب ہے تمام مشاہدات و معائنات و مکاشفات کا منتہا اور تمام تجلیات و ظہورات کا انتہا ہے، خواہ تجلی ذاتی ہو اور خواہ تجلی صفاتی، اس کے بعد معاملہ جہل کے ساتھ آپڑتا ہے، یہ ظہور جامع اگرچہ صفات کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن صفات اس مقام میں ذات کا حجاب نہیں ہیں۔

صفات کا ذات کے لیے حجاب ہونا ظہوراتِ ظلیہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ظہوراتِ ظلیہ مرتبہ علم میں ہیں اور ظہورِ اصل مقامِ عین میں، علم میں صفاتِ ذات کا حجاب ہیں نہ عین میں، مثلاً زید کو جب تو مرتبہ علم میں تعقل و تصور کرے تو اس کا ظہور علم میں صفات کے ساتھ ہوگا، یعنی دراز قد ہے یا پست قد، عالم ہے یا جاہل، چھوٹا ہے یا بڑا، شاعر ہے یا کاتب، یہ سب صفات جن کا تو نے تصور کیا اسکی ذات کا حجاب ہوں گے، اور یہ سب تقیدات کلیہ اس کے تشخص کے لیے مفید نہ ہوں گے لیکن جب زید علم سے عین میں آجائے گا اور باوجود صفات کے مشہود ہو جائے گا اور معاملہ ظلیت سے اصالت تک پہنچ جائے گا کیونکہ زید کی علمی صورت زید موجود خارجی کے لیے جو اس کا اصل ہے ظل کی طرح ہے تو یہاں صفات اس کی ذات کا حجاب نہ ہوں گے، صفات کا جامع شخص محسوس ہوگا، اسی طرح مراتبِ ظلال اور تصوراتِ مثال میں حق تعالیٰ کے صفات اسکی ذات سے جدا دکھائی دیتے ہیں لیکن جب اصل تک وصول میسر ہو جائے تو صفات کو ذات سے الگ نہ پائیں گے اور ذات کا شہود صفات کے شہود سے الگ نہ ہوگا، تجلی صفات کو جو تجلی ذات سے جدا کرتے ہیں اور تجلی افعال کو الگ جانتے ہیں سب مقاماتِ ظلال میں ہے، اصل تک وصول کے بعد ایک ہی تجلی ہے جو تجلیاتِ ثلاثہ کو شامل ہے، مثلاً زید کو جب دیکھتے ہیں تو اس کی ذات کا شہود اسکی صفات کے شہود سے جدا نہیں، اسی وقت میں کہ جب زید کو دیکھتے ہیں، معلوم کرتے ہیں کہ وہ عالم فاضل ہے، علم و فضل جس طرح اس کی رویت کا حجاب نہیں، اسی طرح اس سے جدا بھی نہیں، ہاں اگر زید کو تصور کریں اور ظلی صورتوں میں اس کا ادراک کریں تو اس صورت میں صفات اسکی ذات سے الگ ہوں گے اور ذات کا حجاب بن جائیں گے جیسے کہ گزر چکا، کیا نہیں جانتے کہ آخرت میں مرئی وہ ذات ہے جو جامع صفات ہے نہ کہ وہ ذات جو اسماء و صفات سے معرا ہے کیونکہ وہ مجرد اعتبار ہی اعتبار ہے اس لیے کہ ذات ہرگز صفات سے مجرد نہیں اور صفات ذات سے ہرگز الگ نہیں ہیں، الگ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ عارف پر جب حق تعالیٰ کی

ذات کی گرفتاری غالب آجاتی ہے تو اس کی نظر سے اسما و صفات کا ملاحظہ ساقط ہو جاتا ہے اور ذاتِ احدیت کے سوا اس کے مشاہدے میں کچھ نہیں آتا، پس ذات کا صفات سے الگ ہونا عارف کی نظر کے اعتبار سے ہے نہ کہ خارج اور نفس الامر کے اعتبار سے، نیز یہ ظہور جامع مثال کی تصویروں کا منہا ہے بعد ازاں جو کمال ظاہر ہوتا ہے مثال کے آئینے میں اسکی تصویر نہیں پاسکتے کیونکہ مثال میں اس امر کی تصویر دکھاتے ہیں جو خارج کے ساتھ مشابہت و مناسبت رکھتا ہو اگرچہ وہ مشابہت اسم میں ہو، لیکن وہ امر جو خارج میں کسی چیز کے ساتھ کسی طرح مشابہت نہیں رکھتا اسکی تصویر مثال میں محال ہے، اس سے اوپر کے کمالات سب اسی قسم کے ہیں کہ وہ کسی چیز کے ساتھ کسی طرح بھی مشابہت نہیں تاکہ مثال میں ان کی تصویر ظاہر کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقام میں ہر وقت جہل دامن گیر ہے اور ادراک کا نہ ہونا ادراک کا نشان ہے اگرچہ اس جہان میں اس مقام سے سوائے جہل با علم کے اور کوئی امر حاصل نہیں ہوا لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایسی قوت بخشیں گے اور ایسا دل دیں گے جو نور کی چمک میں متلاشی اور ناچیز نہ ہوگا اور معاملہ اصلیت سے آگاہ ہوگا۔

تو مرا دل وہ دلیری بہ ہیں

رو بہ خواہش خوان و شیری بہ ہیں

آگاہ ہو کہ فوق العرش کا ظہور تمہیں وہم میں نہ ڈال دے کہ حضرت حق سبحانہ کا مقام و قرار عرش کے اوپر ہے اور جہت و مکان اس کے لیے ثابت ہے۔ تعالیٰ عن ذلک عما لا یلیق بجناب قدسہ تعالیٰ، آئینہ میں زید کی صورت کے ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ زید آئینے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ ایسا وہم شاید کسی بے وقوف ہی کو ہوگا، واللہ المثل الاعلیٰ، اعلیٰ مثال اللہ ہی کے لیے ہے، مومن آخرت میں حق تعالیٰ کو بہشت میں دیکھیں گے حالانکہ بہشت اور غیر بہشت سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر اور اس کی مخلوق ہیں اور وہ تجلی کوہ طور پر واقع ہوئی تھی حالت و محلیت کی آمیزش سے پاک تھی، حاصل کلام یہ کہ بعض جگہیں ظہور کی قابلیت رکھتی ہیں اور بعض میں یہ قابلیت نہیں ہوتی، آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے اور گھوڑوں کی نعل میں یہ قابلیت نہیں حالانکہ یہ دونوں لوہے سے بنے ہیں، پس فرق مظہر میں ہے نہ ظاہر میں، ظاہر یعنی ظہور کرنے والے کی نسبت سب مظہر برابر ہیں قابل اور نا قابل بھی اور ایسے ہی وہ الفاظ جن سے کیت یا جزئیات اور حالت و محلیت کا وہم پایا جاتا ہے وہ ظاہر سے معروف اور تاویل کے لائق ہیں، ایسے الفاظ حق تعالیٰ کی بارگاہ کے مناسب نہیں، عبارت کی تنگی کے باعث اس قسم کے الفاظ کو اختیار کیا جاتا ہے۔

اِس قاعدہ یاددار کانجا کہ خداست
 نہ جزو نہ کل نہ ظرف نہ مظروف است
 (مکتوبات، مکتوب ۱۱ دفتر ۲ مطبوعہ لاہور)

قلب انسانی اور عرش رحمانی کا موازنہ:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے انسان کے قلب اور رحمان کے عرش کے درمیان اسرار و معارف سے لبریز موازنہ پیش کیا ہے جس کی نظیر آپ سے قبل کسی عارف باللہ کے کلام میں نہیں پائی جاتی، آپ کا یہ کلام بھی آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کا منہ بولتا ثبوت ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں: ”چونکہ قلب عالم صغیر کا عرش ہے اور عالم کبیر کے عرش کے مشابہ ہے جہاں کی تجلی میں ظلیت کی آمیزش نہیں، اس لیے اس ظلیت کی آمیزش سے خالی تجلی کا ایک لمحہ اس قلب کا حصہ ہے اگرچہ آسمانوں اور زمینوں کو بھی اس تجلی کی چمک پہنچی ہے لیکن ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں ہے، سوائے قلب کے جو عرش کی ظلیت کی ملاوٹ سے پاک ہے اگرچہ ظہور چھوٹا بڑا ہونے کے اعتبار سے متفاوت ہے۔“

بقدر آئینہ حسنِ تومی نماید او

ترجمہ: بقدر آئینہ پاتا ہے تیرا حسنِ ظہور

پس ظلیت کی آمیزش سے خالی تجلی عرش مجید کے بعد کالمین کے قلب کا حصہ ہے، دوسروں کے لیے ظلیت دامن گیر ہے، جاننا چاہیے کہ ظہور عرش اگرچہ ظلیت کی آمیزش سے پاک ہے لیکن وہاں صفات ذات کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور شیون و اعتبارات ذات میں ثابت ہیں اگرچہ صفات و شیون اس مرتبہ میں ذات کا حجاب نہیں ہیں لیکن دید و دانش میں مشارکت اور محبت و گرفتاری میں برابر شریک ہیں، احدیت مجردہ کی محبت کے گرفتار کسی امر کی شرکت پر راضی نہیں ہیں، **ألا لله الدين الخالص**، دین خالص اللہ ہی کے لیے ہے، کے موافق دین خالص کو چاہتے ہیں، صفات کا شریک نہ کرنا انسان کی ہیئت و جدانی اور انسان کے جزء ارضی کے نصیب ہے، ان سب سے بڑھ کر ایک اور انسان کی ہیئت و جدانی ہے جس نے اس کی جزء ارضی کا رنگ اور اس کا حکم اختیار کر لیا ہے، غرض اس معاملہ میں عمدہ اور بہتر جزء ارضی ہے، دوسرے امور زایدہ تحسین و خوبی کی طرح ہیں، انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عرش مجید میں نہیں ہیں اور نہ ہی عالم کبیر کو

ان کا کچھ حصہ ملا ہے انسان میں ایک جزء ارضی ہے جو عرش میں نہیں اور دوسری ہیئت وجدانی ہے جو عالم کبیر میں نہیں اور وہ شعور جو ہیئت وجدانی سے تعلق رکھتا ہے نور علی نور ہے جو عالم صغیر کے ساتھ مخصوص ہے پس انسان ایک عجوبہ ہے جس نے خلافت کی لیاقت پیدا کر لی ہے اور بار امانت اٹھالیا ہے، انسان کی عجیب و غریب خصوصیتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ حضرت احدیت مجردہ کے آئینہ بننے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے اور صفات و شیون کے ملنے کے بغیر ذات احد کا مظہر بن جاتا ہے حالانکہ حضرت ذات تعالیٰ ہر وقت صفات و شیونات کی جامع ہے اور صفات و شیونات کسی وقت بھی ذات تعالیٰ سے الگ نہیں ہیں، اس کا بیان یہ ہے کہ جب انسان کامل ذات احدیت کے ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہو کر ذات احدیت سے گرفتاری حاصل کر لیتا ہے اور صفات و شیونات سے کچھ بھی اس کے طوط و منظور اور مقصود و مطلوب نہیں ہوتا تو المرء مع من احب کے موافق اسکو حضرت احدیت مجردہ کے ساتھ ایک قسم کا مجہول الکفیت اتصال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ گرفتاری جو ذات احدیت کے ساتھ اسکو حاصل ہوتی ہے ذات بیچون کے ساتھ قرب بیچون کی نسبت اس میں ثابت کر دیتی ہے، اس وقت انسان کامل ذات احد کا اس قسم کا آئینہ بن جاتا ہے کہ اس میں صفات و شیونات کچھ مشہود اور مرئی نہیں ہوتیں بلکہ احدیت مجردہ اس میں ظاہر و جلوہ گر ہوتی ہے، سبحان اللہ العظیم وہ ذات جو صفات سے ہرگز جدا نہ تھی، اس انسان کامل کے آئینہ میں مجرد اور تنہا طور پر ظاہر اور متجلی ہو گئی اور حسن ذاتی حسن صفاتی سے الگ ہو گیا، حضرت ذات صفات و شیونات کی آمیزش کے بغیر انسان کے سوا اور کسی چیز میں جلوہ گر نہیں ہوتی، عالم کبیر میں عرش مجید حضرت ذات مستجمع الصفات کا مظہر ہے اور عالم صغیر میں انسان کامل ذات احد کا مظہر ہے، جو اعتبارات سے مجرد ہے، اس قسم کا آئینہ اور مظہر بننا انسان کی نہایت عجوبہ باتوں میں سے ہے، واللہ سبحانہ المعطی لا مانع لما اعطاه ولا معطى لما منعه، اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے جس کو وہ کچھ عطا کرے اسکو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ روک لے اسکو کوئی دے نہیں سکتا۔ (مکتوب دفتر ۳)

فرشتے اور انسان میں امتیاز:

انسان ایک عجوبہ روزگار ہے، خلاق عظیم نے ایسے ہی تو نہیں فرمایا، بے شک ہم نے انسان کو احسن التقویم بنایا ہے، پھر اسے خلافت ارضی کا سزاوار بنا کر جملہ مخلوقات پر تاجداری کا شرف عطا فرمایا۔

قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے
حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرشتے اور انسان کے مقام میں عجیب قسم کے معارف بیان
فرمائے ہیں جو آپ کی اجتہادی فکر و عرفان کی گواہی دیتے ہیں اور آپ کی بیمثال باریک بینی کا خوبصورت
نتیجہ ہیں، فرماتے ہیں

”فرشتے اصل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور
اس کے ساتھ گرفتاری رکھتے ہیں، ظلیت کی آمیزش ان کے حق میں
مفقود ہے، انسان بیچارہ اس جہان میں دائرہ ظلیت سے بمشکل قدم
باہر نکال سکتا ہے اور انفسی و آفاقی آئینوں کے وسیلہ کے بغیر شہود دائمی
بمشکل حاصل کر سکتا ہے۔ اصل تک پہنچنے کے بعد اصل کے انوار کی
شعاعوں کا پرتو اس کے قلب کے آئینہ میں جلوہ کر کے پھر اسکو عالم کی
طرف لوٹا دیتے ہیں اور ناقصوں کی تربیت اس کے حوالے کرتے ہیں،
اس رجوع میں اسکی اپنی بھی تربیت ہے اور دوسروں کی بھی، کیونکہ اصلی
انوار کا وہ پرتو جو اس کی جزء کی طرح بنایا گیا ہے رجوع کی مدت میں
دوسرے اجزاء کو بھی اپنے رنگ پر لے آتا ہے اور اپنے رنگ میں رنگ
دیتا ہے جس طرح کہ دوسروں کو نقص سے کمال تک لے آتا ہے اور
غیب سے شہادت کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور جب اسکی دعوت اور
رجوع کی مدت تمام ہو جاتی ہے اور کتاب وقت مقررہ تک پہنچ جاتی
ہے تو اسکو اپنے اصل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور رفیق اعلیٰ کی ندا اس
سے نکلتی ہے اور مختلف تعلقات سے آزاد ہو کر غیب سے شہادت کی
طرف اسباب لے جاتا ہے اور گوش سے آغوش تک معاملہ آجاتا ہے،
الموت جسریو وصل الجیب الی الجیب، موت ایک پل ہے
جو یار کو یار سے ملاتا ہے، اس وقت صادق آتا ہے، جاننا چاہیے کہ فرشتہ
اگرچہ اصل کا مشاہدہ ہے اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے لیکن

اس دولت کو انسان میں جزء کی طرح بنایا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسکو بقا بخشا ہے اور اس کے ساتھ متحقق ہوا ہے برخلاف فرشتہ کے کہ اس دولت کو اس میں جزء کی طرح نہیں بنایا گیا، وہ باہر ہی سے نظارہ کرتا ہے اور بقا و تحقیق اس کے ساتھ حاصل نہیں کرتا، یہ انصباغ و تلوون جو انسان کو اصلی رنگ سے میسر ہوا ہے فرشتہ نہیں رکھتا اور وہ خصوصیت جو خاکوں کو حاصل ہے قدسیوں کو حاصل نہیں کیونکہ اندر سے باہر تک بہت فرق ہے اگرچہ اندرونی دولت جزء کی طرح ہوتی ہے اور بیرونی دولت کل کی طرح لیکن اندر اندر ہے اور باہر باہر، کلامنا اشارۃ و بشارۃ، ہمارا کلام اشارت اور بشارت ہوتا ہے اس واسطے خواص بشر خواص ملک سے افضل ہو گئے اور ان کے ہوتے ہوئے خلافت کے مستحق بن گئے واللہ یختص برحمته من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

زمیں زیادہ بر آسماں تاختہ
زمین و زماں را پس انداختہ

یہ دولت انسان کو جزء ارضی کے باعث میسر آئی ہے اور قلب کو جو عرش اللہ کہتے ہیں عنصر خاک ہی کی بدولت ہے جو کل کا جامع اور دائرہ امکان کا مرکز ہے، ہاں زمین کو اسکی پستی اور عاجزی کے باعث یہ رفعت و بلندی حاصل ہوئی ہے، اس فروتنی نے اسکو بلند کر دیا ہے، مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ تَعَالٰی رَفَعَهُ اللّٰہُ تَعَالٰی، جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو بلند کرتا ہے، جب انسان رجوع اور دعوت کی مدت کے تمام ہونے اور اصلی رنگ میں رنگے جانے کے بعد اصل کی طرف رجوع کرتا ہے اور جناب پاک کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس وقت جو خصوصیت اور انبساط اس کو میسر ہوتا ہے یقین نہیں کہ دوسروں کو بھی ہو اور قرب و مرتبہ جو اسکو حاصل ہوتا ہے کسی اور کو حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ اصل میں فانی ہو کر اسکے ساتھ بقا پیدا کر لیتا ہے اور اصل کے رنگ میں رنگا جاتا ہے، کسی اور کی کیا مجال ہے کہ اس کے ساتھ برابری کرے کیونکہ دوسروں کا انصباغ چونکہ درونی ہے اس لیے ذاتی حکم رکھتا ہے، شان مابینہما، ان دونوں میں بہت فرق ہے، یہ کمال

انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ جن کو خواص بشر کہتے ہیں، مخصوص ہے اور جس کسی کو چاہیں ان کی وراثت اور تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف کرتے ہیں، یہ دولت انبیاء علیہم السلام کے اصحاب کو ان کی صحبت کی برکت سے زیادہ تر حاصل تھی، اصحاب کرام کے سوا اور لوگ جن کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں بہت کم بلکہ اس سے بھی کمتر ہیں، (مکتوب ۱۲ دفتر ۲)

اگر پادشہ برادر پیرزن
بیاید تو اے خواجہ سہلت مکن

ظلوماً جھولا کی انوکھی تفسیر:

قرآن پاک کی دو مشہور آیات ایسی ہیں جن کی تفسیر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے فکر و عرفان کی پرواز نقطہ کمال کو چھو رہی ہے، پہلے ان آیات مبارکہ کی تلاوت کیجیے:

ثم اور ثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم
لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات باذن الله،
پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں
میں سے چُن لیا، کوئی ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور
کوئی اعتدال پر چلنے والا اور کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خیرات میں
سب سے بڑھنے والا ہے۔

انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال فابين ان
يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه كان ظلوماً جهولاً ۵
ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی لیکن
انہوں نے اسکے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان
نے اس کو اٹھالیا، یہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔

اہل لغت نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص امانت کو واپس کرنے سے انکار کر دے اور اس میں خیانت
کرے تو عرب کہتے ہیں حمل الامانة، اس نے امانت واپس کرنے سے انکار کر دیا اور اس کا بوجھ اٹھالیا، اس
آیت طیبہ میں حمل، اس معنی میں مستعمل ہوا ہے، اس لغوی تحقیق کے پیش نظر آیت طیبہ کا معنی ہوگا، ہم نے

آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش فرمایا تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا، جو حکم ربانی ملا، بے چون و چرا اس کی تعمیل میں لگ گئے، سر مو انحراف اور سستی نہ کی، وہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں امانت میں خیانت کرنے سے غضب الہی کا شکار نہ ہو جائیں لیکن انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اس کا بوجھ گردن پر اٹھایا، بے شک وہ بڑا ظالم اور نادان ہے، لسان العرب میں یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے، علمائے کرام کے نزدیک امانت سے مراد تکلیفات شرعیہ ہیں جن میں عبادات، اخلاقیات اور ہر قسم کے قوانین داخل ہیں، اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں سے فرمایا کہ ہم تمہیں اختیار اور ارادے کی آزادی دیتے ہیں، انہوں نے اعتراف عجز کرتے ہوئے معذرت خواہی کر دی، ہمیں اطاعت کے ثواب سے نافرمانی کے عذاب کا اندیشہ زیادہ ہے، ہم تیرے مسخر اور پابند حکم رہ کر تعمیل کریں گے لیکن انسان نے اپنی ناتوانائیوں کو پس پشت ڈال کر امانت اٹھانے کی ہامی بھری اور خود کو آزمائش میں مبتلا کر دیا، یہ اس نے کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا، حضرت جنید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب یہ امانت حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کی گئی تو ان کی نظر امانت پر نہیں تھی امانت والے پر تھی، اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا، اسے اٹھانا تیرا کام ہے اور تیری حفاظت فرمانا میرا کام ہے، (روح البیان سورۃ الاحزاب) صوفیہ کرام کے نزدیک امانت سے مراد احکام شرعیہ نہیں کیونکہ ان کے جن اور ملائکہ بھی مکلف ہیں، اس سے انسان کی کیا افضلیت ہوگی، دراصل امانت سے مراد نور العقل اور نار العشق ہے، وہ نور عقل کے ذریعے معرفت الہی حاصل کرتا ہے، اور عشق کی آگ حجابات کو جلا کر اسے معرفت الہی تک پہنچاتی ہے، فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا ایک مخصوص مقام ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتا، یہ انسان ہے جو سوز عشق کی بدولت غیر متناہی درجات تک ترقی کرتا ہے اور یہ اسکی خصوصیت ہے، یہ علامہ ثناء اللہ مظہری کا نتیجہ فکر ہے جو انہوں نے صوفیہ کی تعلیمات سے حاصل کیا ہے، ان آیات کی انوکھی تفسیر کی استعداد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو حاصل ہوئی اور آپ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے گویا اسکا حق ادا کر دیا، آپ کے نزدیک یہاں انسان کی مذمت مقصود نہیں اور اسے ظلوماً جھوٹا کے خطاب سے نواز کر ایک عجیب طریقے سے اسکے کمال عرفان کو بیان کیا گیا ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

”ان دونوں آیتوں کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن ہم تاویل بیان

کرتے ہیں جو ہم پر ظاہر ہو گئی ہے، ربنا لا تو اخذنا ان نسینا او

اخطانا، اے پروردگار تو ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ فرمانا، جاننا چاہیے کہ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ، اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ صورت سے پاک اور برتر ہے، پس آدم کا اسکی صورت پر پیدا ہونا اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ اگر مرتبہ تزیہ کی صورت عالم مثال میں فرض کی جائے تو بے شک یہ صورت جامع ہوگی جس پر انسان جامع موجود ہوا ہے، دوسری صورت کو یہ قابلیت حاصل نہیں کہ اس مرتبہ مقدسہ کی تمثال ہو سکے اور اس کا آئینہ بن سکے، یہی باعث ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہوا ہے کیونکہ خلیفہ جب شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو اس شے کی خلافت کا مستحق نہیں ہوتا اس لیے کہ شے کا خلیفہ اس کا خلف اور قائم مقام ہوتا ہے، چونکہ انسان رحمان کا خلیفہ بن گیا اس لیے بار امانت بھی اسی کو اٹھانا پڑا، لا یحمل عطایا الملک الا مطایاہ، بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں، آسمان، زمین اور پہاڑ اتنی جامعیت کہاں سے لاتے تاکہ حق تعالیٰ کی صورت پر پیدا ہوتے اور اسکی خلافت کے لائق ہو کر بار امانت کو اٹھا سکتے، محسوس ہوتا ہے کہ بالفرض اگر اس بار امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے حوالے بھی کرتے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور ان کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا، وہ امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے جو انسان کامل کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی انسان کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو خلافت کے حکم سے تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں، تمام مخلوق کو تمام ظاہری باطنی کمالات کا اضافہ اور بقا اسی کے ذریعے پہنچاتے ہیں، اگر فرشتہ ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ متوسل ہے اور اگر جن وانس ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ وسیلہ پکڑتا

ہے، غرض یہ کہ حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ اس کی طرف ہوتی ہے اور سب اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں خواہ وہ اس امر کو جانیں یا نہ جانیں، فرمایا، اِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا، یعنی انسان اپنی جان پر یہاں تک ظلم کرتا ہے کہ اپنے وجود اور توابع وجود کا کوئی نام و نشان اور حکم و اثر باقی نہیں چھوڑتا، واقعی جب تک اس طرح کا حکم نہ کرے بار امانت کے لائق نہیں ہو سکتا، جھوٹا یعنی اس قدر جاہل ہے کہ اسکو اپنے مطلوب کا علم و ادراک نہیں بلکہ ادراک سے عاجز ہونا اور علم سے جاہل ہونا اس کا مقصود ہے، یہ عجز اور جہل اس مقام میں کمال معرفت ہے کیونکہ سب سے زیادہ جاہل اس مقام میں سب سے زیادہ عارف ہوتا ہے اور جو سب سے زیادہ عارف ہوگا وہی بار امانت کے لائق ہوگا، یہ دونوں صفتیں گویا بار امانت کے اٹھالینے کا باعث ہیں، یہ عارف جو اشیاء کی قومیت کے مرتبہ سے مشرف ہوا ہے وزیر کا حکم رکھتا ہے، جس کی طرف تمام مخلوقات کے ضروری کام اور معاملات راجح ہیں، انعام اگرچہ بادشاہ کی طرف سے ہیں لیکن وزیر کے ذریعے پہنچتے ہیں، اس دولت کے رئیس ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، یہ مرتبہ اصلی طور پر اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو ان بزرگوں کی وراثت و تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

بر کریمیاں کارہا دشوار نیست
وارثان کتاب میں سے پہلا گروہ جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں یہی ظالم لفسہ ہیں جو منصب وزارت اور قومیت سے مشرف ہیں، ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسرا گروہ جن کو مقصد سے تعبیر فرمایا ہے وہ لوگ ہیں جو دولت خلت سے مشرف ہیں اور

صاحب سر اور اہل مشورت ہیں اگرچہ بادشاہی کا معاملہ اور کاروبار وزیر کے متعلق ہے لیکن خلیل یعنی دوست، ہمنشین اور غمخوار اور انیس ہوتا ہے، یعنی خلیل اپنے آرام کے لیے ہے اور وزیر دوسروں کے کاروبار کے لیے، شتان مابینہما، ان دونوں میں بہت فرق ہے، اس مقام خلت کے سر حلقہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یا وہ لوگ جن کو اس مقام عالی سے مشرف فرمائیں، مقام خلت سے اوپر مقام محبت ہے جس مقام اعلیٰ کے ساتھ تیسرے گروہ کے لوگ جو سابق الخیرات ہیں مشرف ہوئے ہیں، یاروندیم اور ہوتا ہے اور محبت و محبوب اور وہ اسرار و معاملات جو محبت و محبوب کے درمیان گزرتے ہیں یاروندیم کا وہاں کچھ دخل نہیں اگرچہ کمال الفت و انس کے وقت محبت کے خفیہ اور پوشیدہ اسرار کو جلیل القدر خلیل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں اور اسکو محبت و محبوب کے اسرار کا محرم بنا سکتے ہیں، محبوب کے سر حلقہ حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور محبوبوں کے سرگروہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یا ان بزرگوں کی وراثت و تبعیت سے جس کسی کو ان دو مقاموں سے مشرف فرمادیں اور وہ مفادات جو مقام محبت سے اعلیٰ ہیں ان میں بھی صدر نشین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ سب مقامات سابقین کے مقام میں داخل ہیں جو وارثان کتاب میں سے تیسرے گروہ کو نصیب ہیں، ربنا اتنا من لدنک رحمة (مکتوب ۷۳ و دفتر ۲)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے اجتہادی فلسفے کی روشنی میں ظلم، جہول اور ظالم نفسہ جیسے الفاظ بھی حضرت انسان کے حق میں قدح کی بجائے مدح کی صورت اختیار کر گئے ہیں اور اس پیکر خاکی کے عروج و مقامات کی دلیل ٹھہرے ہیں بسا اوقات ایک ہی لفظ اپنے اندر معارف کے سمندر چھپا رکھتا ہے، مثلاً جب "متر" کا لفظ عام طور پر استعمال ہوتا ہے تو اس کا معنی فریب، دھوکا اور چال وغیرہ لیا جاتا ہے لیکن یہی

لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے ”مدیر“ کے معنی میں مستعمل ہے، اس طرح استہزا کا معنی مذاق، ہنسنہ، ہنسنوں وغیرہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا تو معنی یہ نہ رہا، گویا

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندگی

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک انسان عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے مراد ہے، عالم خلق کو انسان کی صورت اور ظاہر تصور کرتے ہیں اور عالم امر کو اہل باطن اور حقیقت جانتے ہیں لہذا اتنی جامع مخلوق ہی حق تعالیٰ کی امانت و خلافت کی سزاوار ہو سکتی ہے اور تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ کہلا سکتی ہے، اب حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے لامتناہی عرفان کا عالم دیکھیے کہ اتنے اعلیٰ درجے کی مخلوق بھی ایسے حیرت زدہ ہے جیسے کوئی بچہ سمندر کے کنارے پرکھڑے ہو کر اسکی بیکرائیوں پر نقشِ حیرت بنا ہوا ہے۔ کوئی شخص حضور اکرم ﷺ سے زیادہ فصیح نہیں ہو سکتا، فصاحت و بلاغت کے تاجدار بھی اس بارگاہِ قدس میں عرض گزار ہیں:

”ہم تیرے اوصاف شمار نہیں کر سکتے، اور عجز و انکسار کا اظہار کر رہے ہیں، میری زبان کو تیری ثنا کا یارا نہیں، میں کیا کہوں، میری زبان معذور ہے، (کشف المحجوب ص ۳۸۰ مطبوعہ لاہور) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کا قول مبارک معرفت کی جان ہے، حق تعالیٰ کا ادراک یہی ہے کہ اسکا ادراک ممکن نہیں، حضرت بایزید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، مجھے تین چیزوں کی انتہا معلوم نہیں ہو سکی، معرفت کبریا کی انتہا، عظمتِ مصطفیٰ کی انتہا اور نفس کے مکرو و دعا کی انتہا، حضرت شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، معرفتِ دوام حیرت کا نام ہے، حضرت علیؑ جویری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، حیرت کیفیت لازماً ہونی چاہیے کیونکہ ذاتِ حق کی کیفیت کو سمجھنا عقل کی مجال سے باہر ہے، اسی واسطے کسی نے کہا ہے کہ اے متحیر دلوں کے رہنما میری حیرت کو اور زیادہ گہرا مطلوب میں عقل کے لیے بجز حیرت و سرگردانی کوئی شریک کار اور کوئی مقام نہیں، عرفانِ ہستی حق انسان کو اپنی ہستی سے متعلق معرض حیرت میں ڈال دیتا ہے (کشف المحجوب ص ۳۷۷)

حضرت محمد بن واسع علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں،

”عارف وہ ہے جس کا کلام مختصر ہو اور حیرت دوامی ہو، کیونکہ بیان اسی چیز کا ہو سکتا ہے جو معرض بیان ہو، جب بیان سے مقصد حاصل نہ ہو تو انسان بے بس ہوتا ہے اور سوائے دائمی حیرت و استعجاب کے چارہ کار نہیں رہتا، اس لیے حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا، حقیقی معرفت معرفت حق سے معذوری کا نام ہے، گویا انسان کا یہ جہل، حیرت، عجز اور معذوری اس کے عروج معرفت کی دلیل ہے اس لیے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ظلوماً و جھولاً کا یہ معنی بیان فرما کر انسان کی عظمت و معرفت کو آشکار فرمایا اور قرآن پاک کے اسلوب بیان کا صحیح مقصد اجاگر کر دیا، مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

نیدِ ظلمے کہ عینِ معدلت است
نغزِ جہلے کہ مغزِ معرفت است
ترجمہ: یہ ظلم اتنا اچھا ہے کہ عین عدل ہے اور یہ جہل ایسا عمدہ ہے کہ مغز معرفت ہے۔

کعبہ کی سورت و حقیقت:

کعبہ مشرفہ، زاد اللہ شرفہا اللہ تعالیٰ کا مقدس و مطہر گھر ہے جس کی طرف چہرہ کر کے تمام اہل اسلام نماز پڑھتے ہیں، جس کا حج اور عمرہ عبادتوں کی جان ہے اور دیدار ریاضتوں کی شان ہے، جس کے طواف سے عشق و مستی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، جو کائنات میں مرکز توحید ہے، محور مساوات ہے، ذریعہ اخوت اسلامی ہے، حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یا رسول اللہ! زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی، آپ نے فرمایا، مسجد حرام (یعنی کعبہ مشرفہ) (صحیح مسلم کتاب المساجد) قرآن پاک نے بھی فرمایا۔

ان اول بیت وهدی للعلمین

یعنی بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور سارے جہانوں کا راہنما، (آل عمران آیت ۹۶)

حضرت امام آلوسی علیہ الرحمۃ کعبہ مشرفہ کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں، کعبہ مشرفہ کی تعمیر سب سے پہلے فرشتوں نے کی، پھر حضرت آدم علیہ السلام نے پھر حضرت شیث علیہ السلام نے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر عمالقہ نے، پھر جرہم نے پھر حضرت قصى نے، پھر قریش مکہ نے، پھر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے، پھر حجاج بن یوسف نے اور آج تک وہی بنا قائم ہے، (روح المعانی ۵/۴ مطبوعہ بیروت) نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں: کعبہ مشرفہ کو سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا اور کعبہ بنانے کے چالیس سال بعد فرشتوں نے بیت المقدس کو بنایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کعبہ اور بیت المقدس کے بانی اور موسیٰ نہیں نشاۃ ثانیہ اور تشکیل جدید کرنے والے ہیں، (فتح البیان ۴/۷۷) مطبوعہ بولاق مصر) حضور تاجدار انبیاء ﷺ کو کعبہ مشرفہ سے خصوصی محبت تھی، یہ آپ کی اس لازوال محبت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیت الحرام کو آپ اور آپ کی امت مرحومہ کے لیے قبلہ بنا دیا، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے کعبہ مشرفہ کے متعلق بہت ہی بلند افکار و اسرار کا اظہار فرمایا ہے جن کو پڑھ کر اسکی شان و عظمت اور جلالت و منزلت کا ادراک حاصل ہوتا ہے، آپ رقمطراز ہیں:

”جاننا چاہیے کہ صورت کعبہ پتھر اور مٹی سے مراد نہیں ہے کیونکہ بالفرض پتھر اور مٹی نہ بھی ہوں تو پھر بھی کعبہ کعبہ ہے، اور خلایق کا موجود (الیہ) ہے، بلکہ صورت کعبہ باوجودیکہ عالم خلق میں سے ہے لیکن اور اشیاء کی خلق کی طرح نہیں ہے بلکہ ایک ایسا پوشیدہ امر ہے جو حسن و خیال کے احاطہ سے باہر ہے، گو عالم محسوسات میں سے ہے لیکن کچھ بھی محسوس نہیں اور اگرچہ اشیاء کا متوجہ الیہا ہے لیکن کچھ بھی توجہ میں نہیں ہے، وہ ایک ہست ہے جس نے نیستی کا لباس پہنا ہے، اور ایک نیست ہے جو ہستی کے لباس میں ظاہر ہے، جہت میں ہو کر بے جہت ہے اور سمت میں ہو کر بے سمت ہے غرضیکہ یہ صورت حقیقت نما نہایت

ہی عجیب ہے جس کی تشخیص میں عقل عاجز ہے اور عقلمند اس کے تعین میں حیران ہیں، گویا عالم بیچونی و بیچگونی کا نمونہ رکھتی ہے اور بے شبہی اور بے نمونی کا نشانہ اس میں پوشیدہ ہے، ہاں اگر ایسی نہ ہوتی تو مسجد (الیہ) ہونے کے لائق نہ ہوتی اور بہترین موجودات بڑے شوق سے اسکو اپنا قبلہ نہ بناتے، فیہ آیات ابینات اس میں نشان ظاہر ہیں، اسکی شان میں نص قاطع ہیں اور من دَخَلَهُ كَانِ اٰمِنًا، جو اس میں آگیا وہ امن میں ہو گیا اس کے حق میں ہے، بیت اللہ ہے کہ صاحب خانہ جل شانہ کی بیوتیت خاص اسی میں ہے اور بیچون بے چگون کا مجہول الکفیت اتصال و نسبت اسی کے ساتھ ہے

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی، اعلیٰ مثال اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، عالم مجاز میں جو حقیقت کا پل ہے، بیت یعنی خانہ اور گھر اس بیوتیت کی خبر دیتا ہے کہ صاحب خانہ کے قرار و آرام کی جگہ ہے، اگرچہ دو متمندوں کی نشست گا ہیں بہت ہیں اور نشست و برخاست کے مکان بے شمار ہیں لیکن یہ ایسا گھر ہے جو اغیار کی مزاحمت سے بیگانہ ہے اور معشوق حقیقی کا مکان اور آرام گاہ ہے اگرچہ حدیث قدسی ہے وَلٰكِنْ يَسْعٰی قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ، لیکن میں اپنے مومن بندے کے دل میں سکھاتا ہوں، کے موافق مومن بندے کا دل بیچونی ظہور کی گنجائش حاصل کر لیتا ہے لیکن بیوتیت یعنی گھر ہونے کی نسبت جو بیوتیت کی خبر دیتی ہے کہاں حاصل کر سکتا ہے اور اغیار کی مزاحمت کو جو گھر کے لوازم سے ہے کس طرح دور کر سکتا ہے، چونکہ غیر و غیریت کا اس مقام میں دخل نہیں اس لیے خلافت کا مسجد ہے تا کہ غیر کو سجدہ نہ ہو کیونکہ غیریت مسجد ہونے کے منافی ہے، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سجدہ تجویز نہ کیا لیکن بیت اللہ کی طرف بڑے شوق و رغبت کے

ساتھ سجدہ کیا، اس بیان سے فرق محسوس کر لیں، ساجد اور مسجود کے درمیان بہت فرق ہے، میرے بھائی جب تو نے صورتِ کعبہ کا تھوڑا سا حال سن لیا تو اب حقیقت کعبہ کی نسبت بھی سن لے، حقیقت کعبہ اس بیچون واجب الوجود کی ذات سے مراد ہے جہاں تک ظہور اور طلب کی گرد بھی نہیں پہنچی اور مسجود اور معبود ہونے کے لائق ہے، اس حقیقت کو اگر حقیقت محمدی کی مسجود کہیں تو اس میں ڈر ہے اور اس سے اس کے افضل ہونے میں کیا حرج ہے، ہاں حقیقت محمدی جہان کے تمام افراد کی حقیقتوں سے افضل ہے لیکن کعبہ معظمہ کی حقیقت عالم کی قسم سے نہیں تاکہ اسکی طرف یہ نسبت کی جائے اور اس کے افضل ہونے میں توقف کیا جائے، تعجب ہے ان دونوں صاحب دولتوں کی صورتوں کا فرق ساجد اور مسجود ہونے کے باعث ہے، صاحب ہنر عقلمندوں نے ان دونوں حقائق کا تفاوت معلوم نہیں کیا، اسی لیے اعراض و انکار کے مقام میں رہتے ہیں اور طعن و تشنیع کے لیے زبان دراز کی ہے، حق تعالیٰ ان کو انصاف دے تاکہ بے سوچے سمجھے ملامت نہ کریں، (مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳)

یہاں صورتِ کعبہ کے متعلق کوئی وہم کا شکار جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو کعبہ مشرفہ میں منحصر اور محدود سمجھتے ہیں (معاذ اللہ) آپ کے نزدیک کعبہ مشرفہ پتھر اور مٹی کے گھر کا نام نہیں، جب یہ گھر تعمیر نہیں ہوا تھا تو پھر بھی وہ مقام رفیع کعبہ مشرفہ ہی تھا، چنانچہ تاریخ عرب بھی اس پر شاہد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظہور سے قبل وہاں ایک سرخ رنگ کا ٹیلہ تھا جہاں لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی تھیں اور لوگ دور دراز سے چل کر وہاں زیارت کے لیے آیا کرتے تھے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ اور نختِ جگر کو وہاں چھوڑا تو بارگاہ ایزدی میں دعا کی میں تیرے بیت کے قریب اپنی ذریت کو آباد کر رہا ہوں، یہ دعا قرآن پاک میں موجود ہے حالانکہ اس وقت موجودہ صورت کعبہ کا نام و نشان نہیں تھا، آپ فرماتے ہیں، ظہور قرآنی کا منشاء صفتِ حقیقہ سے ہے اور ظہور محمدی کا منشاء صفتِ اضافیہ سے ہے اس واسطے اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہتے ہیں اور اسکو حادث و مخلوق لیکن کعبہ ربانی کا معاملہ ان پر دو ظہور اسی سے بھی زیادہ عجیب

ہے، وہاں صورتوں اور شکلوں کے لباس کے بغیر معنی تنزیہی کا ظہور ہے کیونکہ کعبہ جو خلائق کا مسجود الیہ ہے پتھر، ڈھیلے، چھت اور دیواروں سے مراد نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں اگر نہ بھی ہوں تو پھر بھی کعبہ کعبہ ہے اور مسجود الیہ ہے پس یہ نہایت عجیب بات ہے کہ وہاں ظہور ہے لیکن اسکی کوئی صورت نہیں۔ (مکتوب ۱۰۰ دفتر ۳) جب صرف اس محدود عمارت کا نام کعبہ نہیں تو حق تعالیٰ کو کیسے اس میں محدود اور منحصر سمجھا گیا یہ، یہاں تک بیوتیت، کا تعلق ہے تو وہاں پر دن رات حق تعالیٰ کی طرف سے خصوصی تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے جو کسی اور مقام کو حاصل نہیں۔ آپ فرماتے ہیں، ظہور عرشی اگر تمام تجلیات و ظہورات سے برتر ہے لیکن وہ معاملہ جو بیت اللہ مقدس کے ساتھ وابستہ ہے وہ تمام تجلیات و ظہورات سے برتر ہے، (مکتوب ۷۲ دفتر ۲) البتہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی اس موضوع پر جملہ عبارتوں کو ملا کر یہ نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے کہ حقیقت محمدی کعبہ مشرفہ سے افضل ہے اور حقیقت کعبہ (یعنی ذات واجب) حقیقت محمدی سے افضل ہے۔

سیر فی اللہ کے بارے میں:

صوفیہ کے نزدیک جب سالک ذکر شریف میں پورے اخلاص و انہماک سے مشغول ہوتا ہے، مجاہدات و ریاضات سے تزکیہ نفس حاصل کرتا ہے تو اس کے اوصاف رذیلہ بتدریج اخلاق حسنہ میں بدلنے لگتے ہیں اور وہ توجہ و انابت کی توفیق حاصل کر لیتا ہے، وہ دنیا کی محبت سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ عالم مثال میں اپنے آپ کو کدورات بشریہ اور اوصاف رذیلہ سے پاک و صاف دیکھتا ہے، سمجھ لو کہ اس نے سیر آفاقی تمام کر لی ہے، مشائخ میں سے ایک جماعت نے اس مقام میں مزید احتیاط کی ہے اور فرمایا ہے کہ جب سالک اپنے ساتوں لطائف کا تصفیہ کر لیتا ہے اور عالم مثال میں ان کے انوار کو دیکھ لیتا ہے جو مختلف الوان کے ہیں تو اسکی سیر آفاقی اتمام کو پہنچتی ہے، سالک اس دوران عالم مثال میں اپنے آپ کو ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں تبدیل ہوتے دیکھتا ہے چونکہ عالم مثال بھی آفاق میں داخل ہے اس لیے اسکو سیر آفاقی کہتے ہیں ورنہ یہ سیر بھی سیر نفس سالک ہے اور اوصاف و اخلاق میں ایک قسم کی کیفی حرکت ہے، چونکہ دور سے دیکھتے وقت اسکا صحیح نظر آفاق ہوتا ہے نہ نفس، اس واسطے اس سیر کی نسبت آفاق کی طرف کر دی گئی ہے، مشائخ نے اس سیر کو سیر الی اللہ قرار دیا ہے اور فنا کو اس سے مربوط کیا ہے اور سلوک کی تعبیر اس سیر سے کی ہے، سیر آفاقی کے بعد جو سیر واقع ہوتی ہے اسکو سیر نفسی کہتے ہیں اور اس کو سیر فی اللہ قرار دیتے ہیں اور بقا باللہ کا تعلق اس موطن و مقام سے وابستہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سلوک کے بعد

کا جذبہ اس مقام میں حاصل ہوتا ہے کیونکہ پہلی سیر میں سالک کے لطائف کا تزکیہ ہو چکا ہے، وہ کدورات بشریہ سے پاک ہو گئے ہیں، ان میں قابلیت پیدا ہو گئی ہے کہ ظلال و عکوس اس اسم جامع کے جو کہ اس کا رب ہے ان میں ظاہر ہوں اور وہ مورد تجلیات اور اسم جامع کی جزئیات کے مظاہر بنیں، اس سیر کو سیر انفسی اس لیے کہتے ہیں کہ اسماء و صفات کے ظلال و عکوس کے واسطے انفس آئینے بن گئے ہیں یہ بات نہیں کہ سالک کی سیر انفس میں ہے جس طرح کہ سیر آفاقی کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے کہ بہ اعتبار مرآئیت اسکو سیر آفاقی کہا گیا ہے، یہ سیر فی الحقیقت انفس کے آئینے ظلال اسما کی سیر ہے، اس بنا پر اسکو سیر معشوق در عاشق بھی کہتے ہیں (یعنی معشوق اپنے عاشق کے لطائف کے آئینوں میں جلوہ گر ہو رہا ہے)

آئینہ صورت از سفر دور است

کاں پزیرائے صورت از نور است

اس سیر کو سیر فی اللہ قرار دیا گیا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس سیر کے دوران سالک ”متخلق باخلاق اللہ“ ہو جاتا ہے اور وہ صفات الہیہ کی ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے، کیونکہ مظہر کو ظاہر کے بعض اوصاف میں سے حصہ ملا کرتا ہے چاہے وہ نہایت جزوی ہو، اس لحاظ سے گویا اسمائے الہیہ میں سیر متحقق ہوئی، یہاں تفصیل کے ساتھ سیر آفاقی، سیر انفسی، سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے جو صوفیہ کے افکار کا نچوڑ ہے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنی علو ہمتی کی بدولت ان مقامات کو بھی منزل سالک قرار نہیں دیا اور آپ وہاں ہی متمکن نہیں ہوئے بلکہ اگلی منزلوں اور مرحلوں پر قدم رکھتے چلے گئے جیسا کہ حضرت باقی باللہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے، ہم معرفت کے کئی سمندر بھی نوش کر لیں تو سیر نہیں ہوتے، ان باطنی بیکرانیوں کا ظہور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی شخصیت میں دکھائی دیتا ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں۔

”صاحب مقام کا حال کیا ہے اور اس بات کے قائل کی مراد کیا ہے تو ہر شخص اپنی عقل و دانش کے مطابق کچھ کہتا ہے، اس بات کا کہنے والا کچھ مطلب نکالتا ہے اور سننے والا کچھ اور ہی سمجھتا ہے، یہ لوگ بلا تکلف سیر انفسی کو ”سیر فی اللہ“ کہتے ہیں اور بلا تردد کے اسکا نام ”بقا باللہ“ رکھتے ہیں اور اس مقام کو وصل و اتصال سمجھتے ہیں، فقیر پر

اس قسم کی باتیں نہایت شاق گزرتی ہیں اور ان کی تصحیح اور توجیہ کے لیے مشقت اور محنت کرنی پڑتی ہے، سیر آفاقی میں اوصاف رذیلہ سے تخلیہ حاصل ہوا ہے اور سیر نفسی میں اخلاق حمیدہ سے تجلیہ نصیب ہوا ہے چونکہ تخلیہ کو مقام فنا سے مناسبت ہے اس لیے تجلیہ کو بقا سے مناسبت ہوئی، ان کے نزدیک سیر نفسی کی نہایت نہیں ہے، اگر ابدی عمر ہو تب بھی کوئی اسکے اختتام کو نہیں پاسکتا کیونکہ حضرت محبوب جل شانہ کے شامل و اوصاف کی کوئی حد نہیں ہے لہذا سالک کے آئینے میں اسکے کمالات اور اوصاف میں سے کسی نہ کسی کمال اور وصف کا ظہور ہوتا رہے گا اور سالک اس سے متخلق اور متجلی ہوتا رہے گا۔

ذره گر بس نیک و ر بس بد بود
گرچہ عمرے تگ زند در خود بود
مشائخ اس قضا و بقا کو جو سیر آفاقی و نفسی سے حاصل ہوئی ہے ولایت کا نام دیتے ہیں اور کمال کی نہایت اس مقام کو سمجھتے ہیں، اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو ان کے نزدیک وہ سیر رجوعی ہے جس کو سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں اور اسی طرح چوتھی سیر کو سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں اور اس کا تعلق بھی نزول سے ہے، ان دو سیروں کو برائے تکمیل و ارشاد تجویز کرتے ہیں جیسا کہ پہلی دو سیروں کو حصول ولایت و کمال کے لیے کیا ہے، مشائخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ خبر میں وارد ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے ستر ہزار پردے نور اور ظلمت کے ہیں، سیر آفاقی میں ان تمام پردوں کا چاک کرنا شامل ہے، سات لطائف ہیں اور ہر لطیفہ کے دس ہزار پردے ہیں، جب سیر آفاقی پوری ہوتی ہے تو تمام پردے اٹھ جاتے ہیں، سالک کو سیر فی اللہ نصیب ہوتی ہے اور وصل کا مقام مل جاتا ہے، گویا ان کے نزدیک نسخہ جامعہ کے کمال و تکمیل کی

یہ کیفیت ہے، اے اصحابِ بنیٰ ش! سنجیدگی سے کام لو اور توجہ سے سنو، اللہ تعالیٰ تم کو فہم اور راہِ مستوی پر چلنے کی توفیق دے، اللہ تعالیٰ بے کیف و بے مثل ہے، جس طرح وہ آفاق سے برتر ہے اسی طرح انفس سے بالاتر ہے، لہذا سیر الی اللہ اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہنا کب درست ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں سیر الی اللہ میں داخل ہیں اور سیر فی اللہ وہ سیر ہے جو بہت ہی زیادہ آفاق و انفس سے بعید ہے اور آگے اور بہت آگے ہے، عجب معاملہ ہے کہ یہ لوگ سیر انفسی کو سیر فی اللہ قرار دے کر کہتے ہیں کہ اس سیر کی کوئی انتہا نہیں اگر کوئی عمر ابدی پالے جب بھی اسکو طے نہ کر سکے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے حالانکہ انفس بھی آفاق کی طرح دائرہ امکان میں داخل ہے تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ دائرہ امکان کا طے کرنا ممکن نہیں، اندر میں صورتِ حرمان دائمی اور خسرانِ ابدی کے سوا کیا نتیجہ نکلے گا، نہ فنا کا تحقق ہوگا اور نہ بقا کا تصور تو پھر وصل و اتصال اور قرب و کمال کیسے نصیب ہوگا، سبحان اللہ! جب کہ مشائخِ بزرگِ پلنی کے عوض سراب پر اکتفا کر بیٹھیں اور الی اللہ کو فی اللہ سمجھ لیں اور امکان کو وجوب تصور کریں اور مثل کو بے مثل قرار دیں تو پھر چھوٹوں اور پست ہمتوں سے کیا گلہ کیا جائے اور کیسی شکایت، چہ بلا شد، آخر کس اعتبار سے انفس کو حق جلا و علا سمجھ لیا ہے کہ اسکی سیر کو جبکہ اسکی حد و نہایت ہے، بے حد و بے انتہا لکھ گئے ہیں، سیر انفسی کے دوران آئینہ سالک میں جو کچھ نظر آیا ہے اسکو یہ لوگ عینِ اسما و صفات پروردگار قرار دے رہے ہیں حالانکہ وہ اسما و صفات کے ظلال میں سے ایک ظل کا ظہور ہے، میں کیا کروں اور باوجود علم اور واقفیت کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوء ادب کو کس طرح برداشت کروں اور اس کی بادشاہت میں کس

طرح کسی کو شریک کر دوں، بے شک ان اکابر قدس اللہ اسرارہم کے مجھ پر حقوق ہیں کہ ان کی نیک تربیتوں کا پروردہ ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے حقوق ان کے حقوق سے بالاتر ہیں اور اسکی تربیت اوروں کی تربیت سے بہتر ہے، اس کے حسن تربیت کی بدولت اس ورطہ سے میں نے نجات پائی اور اسکی بادشاہت میں غیر کو اسکا شریک نہیں بنایا ہے، حمد اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں اسکی ہدایت دی اور ہم ہدایت نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا، اللہ تعالیٰ بے مثل و بے کیف ہے اور ہر وہ شے جس پر مشیت اور کیفیت کا دھبہ ہو اس سے مسلوب ہے، اس صورت میں آفاق و انفس کے لیے آئینوں میں اس کے کیا گنجائش کیونکہ ان آئینوں میں جو بھی ظاہر ہو وہ مثل و کیف کے مظاہر کی طرح ہے لہذا آفاق و انفس کے ورا اسکو تلاش کرنا چاہیے، اس دائرہ امکان میں جس میں آفاق و انفس شامل ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے گنجائش نہیں ہے اسی طرح اس کے اسما و صفات کے لیے گنجائش نہیں ہے، جو کچھ دائرہ امکان میں ظاہر ہو رہا ہے وہ اسما و صفات کے ظلال و عکوس ہیں بلکہ ظلال و عکوس بھی اس سے بالاتر ہیں، یہاں تو صرف ان کا سراغ ہے اور قدرت کی کاریگری اور انتقاش ہے، بھلا ظہور کس کا اور تجلی کہاں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اسما و صفات بھی بے مثل و بے کیف ہیں، جب تک آفاق و انفس سے نہ نکلو گے اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کی ظلیت کو نہ پاسکو گے، جبکہ آفاق و انفس میں ظلیت کو نہیں پاسکتے تو اسما و صفات تک وصول کیسا، عجب معاملہ ہے، اگر میں اپنے مکشوفات اور یقینی معلومات کی کوئی ایسی بات بیان کروں جو مشائخ کے مذاق اور ان کے مکشوفات کے مطابق نہ ہو تو کون یقین کرے گا اور کون

اسکو قبول کرے گا اور اگر میں وہ بات نہ کہوں اور اس کو چھپاؤں تو میں نے حق کو باطل کے ساتھ ملانا تجویز کر لیا اور جو بات اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہ کہنے کی ہے اسکے کہنے کو جائز قرار دے دیا، لہذا میں مجبور ہوں کہ حق کا اظہار کروں اور جو اس کے شایان نہیں ہے اسکو سلب کروں، مجھکو اوروں کے خلاف کا نہ ڈر ہے نہ غم..... اللہ تعالیٰ کے فضل سے انکشاف ہوا کہ یہ تمام کھیل ظلال کا ہے اور یہ سب شیخ و مثال میں گرفتاری کے اسباب ہیں، مطلوب تو ان سب سے وراء ہے اور مقصود ان کے سوا ہے، لہذا سب سے منہ موڑ کر رب العزت کی طرف فقیر متوجہ ہوا ہے اور کہتا ہے، انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین، اگر مولا تعالیٰ کی تقدیس اور تزیہ کا معاملہ نہ ہوتا تو میں اکابر کے مکشوفات کے سامنے کب زبان ہلاتا، میں ان کی نعمتوں کے خرمیوں کا ایک ادنیٰ خوشہ چین ہوں، (مکتوب ۴۲ دفتر ۲)

حقیقت محمدی واجب نہیں:

حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کے نزدیک اسما و صفات حقائق ممکنات ہیں اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا عین ہیں اسی طرح عین ذات ہیں جیسا کہ انہوں نے فرمایا، سبحان من اظهر الاشياء وهو عینہا، یعنی پاک ہے وہ جس نے اشیا کو ظاہر کیا اور وہ ان کا عین ہے، (نجات الانس ص ۷۳۷)

جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نزدیک حقائق ممکنات عدمات ہیں جو اسما و صفات کے نقائص ہیں، آپ کے نزدیک عالم خارج میں وجود ظلی کے ساتھ موجود ہے جس طرح اللہ تعالیٰ خارج میں وجود اصلی کے ساتھ موجود ہے، لہذا عالم کو عین حق نہیں کہہ سکتے، حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کے نزدیک حقیقت محمدی (جسکو تعین اول اور تعین جسی کہا جاتا ہے مرتبہ وحدت کا نام ہے اور تعین ثانی کو واحدیت سے تعبیر کرتے ہیں اور ہر دو تعین کو تعین وجوبی کہتے ہیں اور قدیم جانتے ہیں اور باقی تین تعینات (روحی، مثالی، جسدی) کو تعین امکانی کہتے ہیں، (تحقیق کلمۃ الحق فی کلمۃ الحق از پیر مہر علی شاہ گولڑوی ص ۸۴) اس طرح

ان کے نزدیک حقیقت محمدی اور دیگر حقائق ممکنات (اعیانِ ثابتہ) کے لیے وجوب کا حکم ثابت ہے، وہ واجب اور ممکن کے درمیان امتیاز کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ خود فرماتے ہیں، و اعیاننا فی انفس الامر ظللہ لا غیرہ، ہمارے اعیانِ ثابتہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ظل ہیں نہ کہ اس کا غیر، (فصوص الحکم کلمہ یوسفیہ) گویا اصل اور ظل میں عینیت ہے اور اعیانِ ثابتہ اسما الہیہ کے صورت علمی کا ظہور ہیں، ان کے نزدیک حقیقت محمدی سے حضرت اجمال علم مراد ہے اور اسکو مرتبہ لائقین کا تعین اول سمجھتے ہیں اور تجلی ذات کہتے ہیں، اس تعین اول کو تعین علمی اور صورت شان العلم قرادے کر خارج میں عین ذات کہتے ہیں کیونکہ خارج میں ذات محض کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اجتہادی فکر و عرفان سے ثابت کیا ہے کہ حقیقت محمدی دراصل حقیقت الحقائق ہے اور تعین جہی ہے اور تعین وجودی ہے انبیاء اور ملائکہ کے حقائق اسی حقیقت محمدی کے ظلال کی مانند ہیں اور وہ اصل حقائق ہیں آپ کے نزدیک ذات واجب لائقین ہے اس کے لیے تعینات تنزلات اور ظلال کا اطلاق جائز نہیں، آپ ارقام فرماتے ہیں:

”یعنی فقیر کے نزدیک کوئی تعین متعین نہیں ہے، وہ کونسا تعین ہے جو لائقین ذات کو متعین بنائے (مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳) پھر فرمایا، اگر فقیر کی عبارتوں میں اس قسم کے الفاظ ہوں تو ان کو صنعتِ مشاکلہ کے قبیل سے جاننا چاہیے، (کسی شے کا کسی دوسرے لفظ کے ساتھ اس کی مصاحبت کی وجہ سے ذکر کرنا مشاکلہ کہلاتا ہے)

حقیقت محمدی باقی تمام حقائق اور حق تعالیٰ کے درمیان کا واسطہ ہے، آنحضرت کے واسطہ کے بغیر کوئی مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا (مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳) حقیقت محمدی جو حقیقت الحقائق ہے، اس حب کا تعین اور ظہور ہے جو ظہورات کا مبداء اور مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے، ”میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے خلق کو پیدا کیا“، اول اول جو چیز اس پوشیدہ خزانہ سے میدان ظہور میں آئی یہی حب ہے جو مخلوقات کی پیدائش کا سبب ہوئی، اگر حب نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں

راخ اور مستقر نہ ہوتا، حدیث قدسی 'اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا' کے راز کو جو حضرت خاتم الرسل ﷺ کی شان میں ہے اس جگہ ڈھونڈنا چاہیے، اور اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا کی حقیقت کو اس مقام میں طلب کرنا چاہیے، عالم کے ایجد کے لیے پہلے جو اعتبار پیدا ہوا وہ حب ہے بعد ازاں اعتبار و ہود جو ایجد کا مقدمہ ہے کیونکہ حضرت ذات جل شانہ اس حب اور اس وجود کے اعتبارات کے بغیر عالم اور عالم کی ایجاد سے مستغنی ہے، بے شک وہ تمام جہانوں سے غنی ہے، آیت قرآنی اس پر نص قاطع ہے، جاننا چاہیے کہ تعین اول جو کہ تعین جہی ہے جب بڑی باریک نظر سے دیکھا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعین کا مرکز حب ہے جو حقیقت محمدی ہے، (مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک پہلے دونوں تعینوں کو جو بی کبنا غلط ہے کیونکہ جب حقیقۃ الحقائق (سب سے پہلی حقیقت) یعنی حقیقت محمدی مخلوق و حادث ہے تو دوسرے مابعد کے حقائق بھی مخلوق و حادث ہوں گے، تعین و جو بی ممکنات کی حقیقت نہیں ہو سکتا ممکن کی حقیقت بھی ممکن ہوگی نہ کہ واجب، آپ کے نزدیک حقیقت محمدی کا مخلوق ہونا حدیث نبوی اول ما خلق اللہ نوری سے ثابت ہے، اس طرح قبل خلق السموات بالقی عام اور قبل خلق آدم باربعۃ عشر الف عام وغیرہ کے الفاظ احادیث سے خلقت کا وقت متعین بھی ثابت ہوتا ہے جو حقیقت محمدی کے مخلوق اور حادث ہونے کی دلیل ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

”تجب ہے کہ جناب شیخ اکبر قدس سرہ حقیقت محمدی کو اور تمام ممکنات کی حقائق کو جن کو وہ اعیان ثابتہ کہتے ہیں قدیم سمجھتے ہیں اور ان کو واجب قرار دیتے ہیں وہ کس بنا پر و جو ب کا حکم تجویز کر کے ارشادات نبویہ کے خلاف جاتے ہیں، ممکن تو اپنے اجراء سے اپنی صورت سے، اپنی حقیقت سے ممکن ہے، اس کی حقیقت کے واسطے تعین و جو بی کس بنا

پر، ممکن ممکن ہی رہے گا، اس کا واجب سے کوئی اشتراک نہیں، صرف یہ نسبت ہے کہ وہ مخلوق ہے اور واجب تعالیٰ اس کا خالق ہے،
(مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳)

پھر آپ کے نزدیک حقیقت محمدی ذات کے مرتبہ شان العلم کے اعتبار سے قابلیت اولیٰ کا نام ہے جو نفس اسم الہی کا ظہور ہے نہ اس اسم کی صورت علمی کا ظہور کیونکہ کسی چیز کی نفس شے اور اسکی صورت علمی کے درمیان بڑا فرق ہے، جیسا کہ نفس نار اور اسکی صورت علمی میں فرق سے واضح ہے، آپ فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ کے علاوہ کوئی شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو نفس اسم الہی کا ظہور ہو، البتہ قرآن مجید کہ وہ بھی نفس اسم الہی کا ظہور ہے جیسا کہ اختصار کیساتھ گزر چکا ہے، خلاصہ کلام یہ کہ ظہور قرآنی کا منشا صفات حقیقتہ سے ہے اس لیے اسکو قدیم اور غیر مخلوق کہتے ہیں اور ظہور محمدی کا منشا صفات اضافیہ سے ہے لہذا اسکو حادث اور مخلوق کہا ہے۔ (مکتوب ۱۰۰ دفتر ۳)

اس مکتوب کے خاتمہ حسنہ میں حضور اقدس ﷺ کے متعلق کمالِ محبت سے ارقام فرماتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ پیدائش محمدی تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیونکہ آنحضرت ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے جیسے کہ آپ نے فرمایا خلقت من نور اللہ، دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں، اس دقیقہ کا بیان یہ ہے کہ حضرت واجب الوجود کی صفات ثمانیہ حقیقہ اگرچہ دائرہ وجوب میں داخل ہیں لیکن اس احتیاج کے باعث جو ان کو حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے ان میں امکان کی بو پائی جاتی ہے اور جب صفات حقیقیہ قدیمہ میں امکان موجود ہے تو حضرت واجب الوجود کی صفات اضافیہ میں بطریق اولیٰ امکان

ثابت ہوگا اور ان کا قدیم نہ ہونا ان کے امکان پر پختہ دلیل ہوگا، کشف صریح سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے، ممکنات عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن وہاں آپ کا وجود مشہود نہیں ہوتا بلکہ ان کی خلقت و امکان کا منشا صفات اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے، جب آپ کا وجود عالم ممکنات میں ہے ہی نہیں بلکہ اس عالم سے برتر ہے تو یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جہان میں آپ سے زیادہ لطیف کوئی نہیں تو پھر آپ کا سایہ کیسے متصور ہو سکتا ہے، واضح ہو کہ یہ صفت علم صفات حقیقہ میں سے ہے۔ اور موجود خارجی کے دائرے میں داخل ہے اور جب اس صفت کو اضافت عارض ہو جائے اور اس سے تقسیم ہو جائے جیسے علم اجمالی اور علم تفصیلی تو یہ قسمیں صفات اضافیہ میں سے ہوں گی اور ثبوت نفس الامری کے دائرہ میں داخل ہوں گی جو صفات اضافیہ کا مقر و مقام ہے جیسے کہ گزر چکا ہے اور مشہود ہوتا ہے کہ علم جملی جو صفات اضافیہ میں سے ہے وہی نور ہے جس نے عالم عنصری میں بہت سی پشتوں سے رحموں میں منتقل ہونے کے بعد بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے بموجب صورت انسانی میں جو احسن تقویم ہے ظہور فرمایا ہے اور جس کا نام محمد اور احمد ہوا ہے،..... پس پیدائش محمدی باوجود حدوث کے قدم ذات کی طرف منسوب ہے اور اس کا امکان بھی وجوب ذات تک منتہی ہے اور اس کا حسن ذات تعالیٰ ہے، جس میں حسن کے سوا کسی اور چیز کی آمیزش نہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے

ساتھ جمیل مطلق کی محبت کا تعلق ہے اور حق تعالیٰ کی محبوب ہے۔ (مکتوب ۱۰۰ دفتر ۳)

اس عبارت سے کوئی شخص اس وہم میں مبتلا نہ ہو جائے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقی کو حادث اور ممکن سمجھتے ہیں، آپ اسی مکتوب گرامی کی ابتدا میں فرماتے ہیں کہ ”واجب تعالیٰ کی صفات اگرچہ دائرہ وجوب میں داخل ہیں لیکن چونکہ وجود و قیام میں حضرت ذات تعالیٰ کی محتاج ہیں اس لیے امکان (کی بو) ان میں ثابت ہے اور وجوب ذاتی ان کے حق میں غیر ثابت ہے کیونکہ ان کا وجوب خود بخود نہیں بلکہ ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ ہے اگرچہ ان کو غیر ذات نہیں کہتے لیکن غیریت سے چارہ نہیں رکھتے کیونکہ دوئی ان کے درمیان ثابت ہے، ان کے حق میں امکان کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے حادث کا وہم گزرتا ہے کیونکہ جو ممکن ہے وہ حادث ہے، وجوب بالغیر بھی اس مقام میں تجویز نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت ذات سے ان کا الگ ہونا مفہوم ہوتا ہے“ یہاں آپ کا عرفان علمائے امت کی تائید کر رہا ہے کہ صفات ذات حق کی عین ہے نہ غیر، ذات حق اپنی صفات کی محتاج نہیں مثلاً وہ بذات خود علم ہے نہ کہ صفت علم سے، وہ بذات خود قدیر ہے نہ کہ صفت قدرت سے، وہ بذات خود متکمل ہے نہ کہ صفت کلام سے، وہ بذات حق سمیع ہے نہ کہ صفت سمع سے، وہ بذات خود زندہ ہے نہ کہ صفت حیات سے، پس ظاہر ہوا جو کچھ دوسروں کو حق تعالیٰ کی ایجاد سے صفات کے سبب حاصل ہے حق تعالیٰ کو صفات کے وسیلہ کے بغیر ذات حق حاصل ہے، کیونکہ اس کی ذات بلا لحاظ کسی امر اور اعتبار کے تمام کمالات کی جامع ہے بلکہ ہر کمال کا عین ہے، بعض بعض ہونا اور جزو جزو ہونا اس بارگاہ میں مفقود ہے، سراسر دانائی ہے، سراسر شنوائی ہے، تمام کی تمام بینائی ہے، یہاں سوال جنم لیتا ہے کہ اگر اس کی ذات تمام کمالات کے حصول میں کافی ہے تو پھر صفات کس لیے ثابت کی جاتی ہیں اور قدیموں کے بیشتر وجود ہونے کا قول کیوں کیا جاتا ہے، اس لیے فلاسفہ اور معتزلہ نے ذات پر اکتفا کیا ہے اور صفات کی نفی کے قائل ہوئے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں:

”حق تعالیٰ کی ذات اگرچہ حصول کمالات میں کافی ہے لیکن اشیاء کی تکوین و تخلیق کے لیے صفات زائدہ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات نہایت تنزیہ و تقدیس اور عظمت و جلال و کبریا میں ہے اور

کمالِ غنا اس کے لیے ثابت ہے اور اشیاء کے ساتھ اس کو کمال بے نسبتی ہے ان الله لغنی عن العالمین، حکمت و عادت کے موافق افادہ و افاضہ کے لیے مستفید و مستفیض کے ساتھ مناسبت کا ہونا ضروری ہے، اور وہ صفات ہیں جنہوں نے ایک درجہ تنزل کر کے ظلیت پیدا کی ہے اور اشیاء کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت حاصل کی ہے، اگر صفات کا واسطہ نہ ہوتا تو اشیاء سے کسی شے کا حاصل ہونا متصور نہ ہوتا کیونکہ اشیاء کو حق تعالیٰ ذات کے ذاتی انوار کی شعاعوں کے غلبہ میں ہلاک اور فانی اور نیست و نابود ہونے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا، یہ بڑے بے سمجھ لوگ ہیں جو صفات کو ثابت نہیں کرتے (مکتوب ۲۶ دفتر ۳)

یہ معرفت بھی جداگانہ ہے جو آپ کے اجتہادات اور تفردات سے ثابت ہے، اس معرفت کی روشنی میں حضرت ذات کی شان استغنا کا ظہور کتنا لامتناہی محسوس ہوتا ہے۔ آپ نے مکتوبات ۷ دفتر سوم میں اپنا عقیدہ بیان فرمایا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کی صفات حیات، علم، قدرت، ارادت، سمع، بصر، کلام، تکوین حقیقی اور قدیم ہیں اور اس کی ذات وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں جیسا کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک مقرر ہے“ حقیقت محمدی کا تعلق چونکہ صفات اضافی کے ساتھ ہے لہذا وہ ممکن ہے اور حادث ہے۔ ترقی واقع بلکہ جائز نہیں کیونکہ وہاں سے قدم اٹھانا اور آگے رکھنا و جوہ میں جانا اور امکان سے نکلنا ہے جو عقلی اور شرعی طور پر محال ہے، (مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳)۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو حقیقت حال تک راہنمائی فرمانے والا ہے، اور معاملات کی حقیقت کو وہی بہتر جانتا ہے، اے اللہ! ہم سے بھول چوک ہو جائے تو مواخذہ نہ فرما، ہم تیرے عفو و درگزر کے طالب ہیں آمین بحرمتہ رحمۃ للعالمین۔

نبوت افضل ہے ولایت سے:

نبوت افضل ہے یا ولایت، اس مسئلہ میں صوفیہ کرام کا اختلاف ہے، بعض صوفیہ تو مطلقاً کہتے ہیں الولایۃ افضل من النبوة، ولایت نبوت سے افضل ہے، حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کے نزدیک نبی کی ولایت اسکی نبوت سے افضل ہے، حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہ سے کچھ اس طرح منقول ہے،

حضور ﷺ کے ارشاد ”لی مع اللہ وقت..... کا یہ معنی ہے کہ ایک آن ایسی ہے جس میں میرا حال ایسا ہوتا ہے کہ اس حال میں کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل ملاحظہ نہیں ہوتا، اور یہ حال بعض اوقات مبتدی کو بھی درپیش ہوتا ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ میرا حال ایسا ہوتا ہے کہ وہ حال ہر ملک مقرب اور نبی مرسل کے حال سے اعلیٰ و اشرف ہے، اور وہ حال ہمارے رسول ﷺ کی ولایت نبوت سے عبارت ہے چنانچہ بعض مشائخ کرام فرماتے ہیں، الولائیة افضل من النبوة (انیس الطالبین ص ۹۰ مطبوعہ) ایک مقام پر حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے بھی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ نبی کی ولایت اسکی نبوت سے افضل ہے، کیونکہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے اس اہم مسئلے کو کھل کر بیان فرمایا ہے۔ آپ ارقام فرماتے ہیں۔

”کمالات ولایت، کمالات نبوت کے مقابلے میں کسی گنتی میں نہیں

ہیں کاشکے ان کے درمیان وہ نسبت ہی ہوتی جو قطرے کو دریا کے محیط کے ساتھ ہے مگر ایسا نہیں پس وہ فضیلت جو نبی کو نبوت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے وہ اس فضیلت سے کئی گنا زیادہ ہے جو ولایت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، لہذا فضیلت مطلق انبیائے کرام کا حصہ ہے اور جزئی فضیلت ملائکہ کرام کے لیے ہے، پس درست وہی ہے جو علمائے کرام نے فرمایا ہے، (مکتوب ۲۶۶ دفتر ۱)

ولایت، نبوت سے افضل ہے کہ قائلین ارباب سکر اور اولیائے غیر مرجوعین میں سے ہیں اور مقام نبوت کے کمالات سے بے خبر ہیں، مقام نبوت کو مقام ولایت کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسی غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے، نبوت بہبوط کے مرتبہ میں کلی طور پر مخلوق کی طرف متوجہ ہے اور ولایت کو بہبوط کے مرتبہ میں مخلوق کی طرف پوری توجہ نہیں ہے بلکہ اسکا باطن حق کی طرف ہے اور اس کا ظاہر مخلوق کی طرف، اسکا راز یہ ہے کہ صاحب ولایت نے مقامات عروج کو پوری طرح طے نہیں کیا اور نزول کر لیا ہے اس لیے لازمی طور پر اس کو فوق کی نگرانی ہر وقت دامن گیر ہے، اور کلی طور پر اسکی توجہ خلق کے ساتھ

ہونے میں مانع ہے برخلاف صاحب نبوت کے کہ اس نے عروج کے تمام مقامات طے کر کے ہبوط فرمایا ہے لہذا وہ پورے طور پر مخلوق کو حق جل سلطانہ کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہے، ولایت اولیا، اللہ تعالیٰ کے قرب کی طرف سراغ دیتی ہے اور ولایت انبیاء حق تعالیٰ کی اقرابت کا نشان بتاتی ہے، ولایت اولیا شہود کی طرف دلالت کرتی ہے اور ولایت انبیا اس مجہول کیفیت کی نسبت کا ثبوت دیتی ہے، ولایت اولیا اقرابت کو نہیں پہچانتی کہ کیا ہے اور جہالت کو نہیں جانتی کہ کہاں ہے اور ولایت انبیاء اقرابت کے باوجود قرب کو عین بصد جانتی ہے اور شہود کو عین غیبت سمجھتی ہے، (الہینات شرح مکتوبات مکتوب ۷۷، جلد ۲)

نتیجہ یہ نکلا کہ جب اولیا کی ولایت بھی انبیا کی ولایت کے مقابلے میں ناقص اور عاجز ہے تو ان کی ولایت انبیاء کی نبوت کا کیسے مقابلہ کر سکتی ہے۔ نبی، نبی ہے، کوئی ولی بھلا کیسے اسکا سامنا کر سکتا ہے، ایک قطرے میں کیا مجال کہ بحر بے پایاں کی گہرائیوں کو ناپ سکے، حضرت بازید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، میں نے نوے ہزار سال تک وحدانیت، الوہیت اور فردانیت کے میدانوں میں پرواز کی اور ولایت کی انتہا کو پہنچا تو کیا دیکھا کہ یہاں سے نبوت کی ابتدا ہے، اسکی انتہا کا کوئی تصور نہیں کر سکتا (ملخصاً تذکرۃ الاولیاء ص ۵۶ مطبوعہ لاہور) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں:

”بعض مشائخ نے سکر کے وقت کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور بعض دوسروں نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے تا کہ نبی پر ولی کے افضل ہونے کا وہم رفع ہو جائے لیکن حقیقت میں کام برعکس ہے، کیونکہ نبی کی نبوت اسکی ولایت سے افضل ہے، ولایت میں سینہ کی تنگی کے باعث خلق کی طرف توجہ نہیں کر سکتے اور نبوت میں کمال شرح صدر ہوتا ہے نہ تو حق تعالیٰ کی توجہ خلق کی توجہ کی مانع ہوتی ہے نہ ہی خلق کی توجہ حق تعالیٰ کی توجہ کی مانع، نبوت میں

صرف خلق کی طرف ہی توجہ نہیں تاکہ ولایت کو جس میں صرف حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے اس پر ترجیح دیں، نعوذ باللہ، صرف خلق کی طرف توجہ کا ہونا عوام کالانعام کا مرتبہ ہے، نبوت کی شان اس سے بڑھ کر ہے، ان معنوں کا سمجھنا ارباب سکر کے لیے دشوار ہے لیکن مستقیم الاحوال بزرگ اس معرفت سے ممتاز ہیں۔ (مکتوب ۱۰۸ دفتر اول)

مقام عبدیت کی بلندی:

جب اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوتا ہے، صراط معرفت پر چلنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے تو آفاق و انفسی مرحلوں کو طے کر کے بندہ اپنے مطلوب حقیقی کے وصال باکمال سے سرشار ہو جاتا ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود مطلوب حقیقی بن جاتا ہے، عبدیت و عابدیت سے باہر قدم رکھ کر معبودیت سے متصف ہو جاتا ہے، حادث میں قدیم کے اوصاف اور ممکن میں وجوب کے خصائص درآتے ہیں، شاید دوسرے بہت سے صوفیہ کے کلام سے اسکا اشتباہ پیدا ہوتا ہو کہ انہوں نے اپنے غلبہ حال کی وجہ سے ایسا تصور کر لیا ہو، مگر اپنے اس اشتباہ کو ختم کر دیا ہے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے تصوف و عرفان کے تین گروہوں کا ذکر کیا ہے۔

”اہل عبدیت، اہل ظلیت اور اہل وجودیت پھر اہل عبدیت کے متعلق فرماتے ہیں:

”اس عالی گروہ کو عبدیت کے مقام سے جو تمام مقامات ولایت کی انتہا ہے کامل حصہ مل چکا ہے اور ان بزرگوں کے حال کی صحت پر اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کے تمام کشف کتاب و سنت کے موافق اور ظاہر شریعت کے مطابق ہیں اور ان حضرات نے ظاہر شریعت سے سر مو مخالفت نہیں کی، (بحوالہ مکاتیب اقبال جلد ۱ ص ۳۹)

پھر آپ خود اپنے سفر عرفان کے متعلق لکھتے ہیں کہ پہلے پہل آپ توحید و جودیت کے قائل تھے بعد ازاں مقام ظلیت میں قدم رکھا اور سارے عالم کو ظل محسوس کیا، اس مقام پر بہت سے مشائخ کو اقامت پذیر ملاحظہ کیا، یہ مقام اس قدر رنگین تھا کہ وہاں سے باہر نہ جانے کی آرزو نے گھیر لیا کیونکہ اس دوران اس مقام کو منہجائے کمال تصور کرتے تھے، دوسرے مشائخ کی موجودگی بھی اس تصور پر دلیل تھی،

آخر حق تعالیٰ نے کمال مہربانی اور غریب نوازی سے اس مقام سے بھی عروج عطا فرمایا اور آپ کو مقام ”عبدیت“ پر پہنچا دیا، جب اس مقام کا کمال ظاہر ہوا اور اسکی بلندی ظاہر ہوئی تو گزشتہ مقامات سے تائب ہو کر استغفار کی، (ایضاً ص ۳۹) جناب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں، ”وہ مقام عبدیت پر فائز ہو جاتے ہیں جو اعلیٰ ترین مقام ہے، عبدیت پر پہنچ کر عالم اور خدا کی اثنینیت ان پر اظہر من الشمس ہو جاتی ہے، (نظریہ توحید ص ۸۹ مطبوعہ لاہور) گویا یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ رب رب ہے اور بندہ بندہ ہے، رب اور بندے میں کسی طرح بھی اتصال و اتحاد ثابت نہیں، یہ آپ کا آخری عرفان ہے لہذا پہلے راستے کے معارف کو آپ کا عقیدہ تصور نہ کیا جائے۔

آپ ارقام فرماتے ہیں:

جب سالک اس مقام سے بلند چلا جاتا ہے اور سکر کے افراط سے آنکھ کھولتا ہے تو حضرت محمد ﷺ جو کہ حق تعالیٰ کے کمالات کے مظہر ہیں کو بھی بندہ پاتا ہے اور اسکا رسول جانتا ہے جیسے کہ ابتدا میں جانتا تھا، النہایۃ ہی الرجوع الی البدیۃ، نہایت یہی بدایت کی طرف رجوع کرنا ہے آپ نے سنا ہوگا، (مکتوب ۸۵ دفتر ۲)

حضرت علامہ اقبال جیسے اسکا لرنے آپ کے نظریہ عبدیت پر ہی نظریہ خودی کی بنیاد رکھی ہے جناب ابوسعید نور الدین نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے اس نظریہ عبدیت سے انسانی خودی کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے، اقبال ان کے نظریے سے متاثر ہوئے، اس تاثر کی بنا پر وہ ان کی طرف اشارہ کر کے التجا کرتے ہیں۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

شیونات و اعتبارات:

فکر و عرفان کی دنیا میں شیونات و اعتبارات، کی اصطلاح بھی نہایت مشہور ہے، شیونات جمع الجمع کا صیغہ ہے یعنی اسکا مفرد شان ہے اور شیون اسکی جمع ہے، شان کا معنی حال اور امر ہے، مجمع بحار الانوار، ۳/۱۷۰ البینات ۱/۱۹۱) آیت مبارکہ کل یوم ہو فی شان اس مرتبے اور اصطلاح کی اصل ہے،

اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے پر تجلی فرماتا ہے تو اس تجلی کو حق کے اعتبار سے شان الہی کہا جاتا ہے اور بندے کے اعتبار سے حال کہتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ شیونات کی تعریف میں رقمطراز ہیں:

اللہ تعالیٰ کی شیونات اسکی ذات کی فرع ہیں اور اسکی صفات ان شیونات پر ہی متفرع ہیں اور اس کے اسما جیسے خالق و رازق صفات پر متفرع ہیں اور اسکے افعال ان اسما پر متفرع ہیں اور تمام موجودات افعال کے نتائج ہیں اور ان ہی پر متفرع ہیں، پس معلوم ہو گیا کہ شیونات اور چیز ہیں اور صفات اور چیز اور شیونات خارج میں عین ذات ہیں جبکہ صفات خارج میں ذات پر زائد ہیں۔

(معارف لدنیہ، معرفت ۲۰)

وہ فیض جو حق تعالیٰ کی طرف سے سالک کو پہنچتا ہے دو قسم کا ہے، ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق ایجاد (موجد کرنا) ابقا (باقی رکھنا) تخلیق (پیدا کرنا) ترزیق (رزق دینا) احیا (زندہ کرنا) امانت (مارنا) وغیرہا کے ساتھ ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو ایمان، معرفت اور مراتب ولایت و نبوت کے تمام کمالات سے متعلق ہے، پہلی قسم کا فیض سب کو صفات کے ذریعے سے آتا ہے اور دوسری قسم کا فیض بعض کو صفات کے ذریعے سے اور بعض کو شیونات کے ذریعے سے آتا ہے، صفات و شیونات کے درمیان بہت باریک فرق ہے جو محمدی المشرب اولیا کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہوا اور نہ ہی کسی اور نے اس کی نسبت کلام کیا، اس بیان کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں، مثلاً پانی بالطبع اوپر سے نیچے کو آتا ہے، یہ طبعی فعل اس میں حیات، علم، قدرت اور ارادہ کا اعتبار پیدا کرتا ہے کیونکہ صاحبان علم اپنے ثقل کے باعث بتقصائے علم اوپر سے نیچے کو آتے ہیں اور فوق کی طرف توجہ نہیں کرتے اور علم حیات کے تابع ہے اور ارادہ علم کے تابع ہے، اس طرح

قدرت بھی ثابت ہوگئی کیونکہ ارادہ میں احد المقدورین (دو مقدوروں میں سے ایک کو اختیار کرنا) کی تخصیص ہے پس یہ اعتبارات جو پانی کی ذات میں ثابت کیے جاتے ہیں بمنزلہ شیونات کے ہیں، اگر ان اعتبارات کے باوجود پانی کی ذات میں صفات زائدہ ثابت ہو جائیں تو وہ وجود زائد کے ساتھ صفات موجودہ کی طرح ہوں گی، پانی کو پہلے اعتبارات کے لحاظ سے حی، قائم، عالم، قادر اور مرید نہیں کہہ سکتے، ان اسموں کو ثابت کرنے کے لیے صفات زائدہ کا ثابت کرنا ضروری ہے، لہذا جو کچھ مشائخ کی عبارات میں پانی کے متعلق مندرجہ بالا اسموں کے ثبوت میں واقع ہوا ہے ان کی بنیاد شیونات و صفات میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہے اور اس طرح صفات کے وجود کی نفی کا حکم بھی اس فرق کے معلوم نہ ہونے پر محمول ہے، شیون و صفات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ مقام شیون صاحب شان کا مواجہہ ہے، اور مقام صفات ایسا نہیں ہے (مکتوب ۲۸۷ دفتر ۱)

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ کی نظر میں شیون و صفات کے درمیان فرق بنیاد یہ ہے کہ جو حضرات صرف شہود صفات تک پہنچے ہیں وہ ابھی مرتبہ ذات تک وصول کی سعادت سے مشرف نہیں ہوئے اور جو شہود شیونات کے مرتبے سے شاد کام ہیں، انہیں وصول ذات کا مرتبہ بھی حاصل ہے کیونکہ شیون ذات، حق تعالیٰ پر زائد نہیں اور نہ ہی ان کو وجود خارجی ثابت ہے لیکن صفات ذات پر زائد ہیں اور وجود (خارج) بھی رکھتی ہیں لہذا سیر صفات میں تعلقات صفات پیش نظر ہوتے ہیں اور وہ ممکنات ہیں، اس مرتبے میں عارف مرتبہ ذات سے دور رہتا ہے کیونکہ یہ مقام صفات کا ہے لیکن مقام شیون مرتبہ ذات تک وصول کا نام ہے لہذا مقام شیون کو مواجہہ ذات قرار دیا گیا ہے، واللہ اعلم۔ ذات کے لیے حکم ثابت جو ذات کے ساتھ قائم ہو ذات کا اعتبار کہلاتا ہے، حکم ثابت وہ حکم ہے جو پہلے سے ثابت ہے، اس میں بایں طور غور و فکر کرنا کہ اس حکم کی علت معلوم ہو جانے پر دوسری چیز میں وہی علت معلوم کر کے وہ حکم ثابت اس چیز میں بھی ثابت کیا جائے اس کا نام قیاس ہے (کتاب التصریفات ص ۱۳، الہینات ۱/۱۹۴) ذات کے ساتھ

صفات کے قیام سے مراد قیام بلا کیف ہے اور انضمام و انتزاع سے مستثنیٰ ہے، شیونات اور اعتبارات وجود خارجی نہیں رکھتے لہذا امور منترجہ سے ہیں، اس وجہ سے اعتبارات کا مقام شیونات کے مقام سے بلند ہے اور شیونات کا مقام صفات کے مقام سے بلند ہے یعنی صفات و شیونات کے مقامات سالک کے ادراک میں آسکتے ہیں لیکن اعتبارات کے مرتبے قرب ذات بحت کی وجہ سے ادراک سے وراء ہیں (الہینات ۱۹۴/۱) صوفیہ کرام کے نزدیک دائرہ اصل کی اصطلاح بھی موجود ہے جس سے مراد ذات کے اسماء و صفات اور شیونات و اعتبارات کے مراتب ہیں، اس دائرے کا تعلق عالم وجود سے ہے یہ مرتبہ کسی لفظ، عبارت، اشارے یا کنائے کے ذریعے بیان نہیں کیا جاسکتا، اس مرتبے میں سالک کو سیر علمی واقع ہوتی ہے اور اسی سیر کا نام سیر فی اللہ ہے جس کا تفصیلی ذکر گزر چکا ہے، مکتوب ۹ دفتر سوم میں آپ نے اس سے بھی بلند معرفت بیان کی ہے، سوال پیدا ہوا کہ حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ اور ان کے متبعین نے تعین اول کو تجلی ذات کہا ہے اور وہ تعین علمی جملی میں جو ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے، ذات کا ظہور ہے جو جامعیت رکھتا ہے، آپ نے جواب میں ارقام فرمایا:

”جو کچھ اس درویش کا معتقد ہے وہ یہ ہے کہ یہ ظہور علمی جملی بھی جسکو انہوں نے تعین اول سے تعبیر کیا ہے تجلی ذات نہیں بلکہ ذات کے شیونات میں سے ایک شان سے ماخوذ ہے، تجلی ذات تمام شیونات و اعتبارات کی جامع بلکہ ان سے برتر ہے، اس جگہ علم کا اعتبار بھی دوسرے ان ذاتی اعتبارات کی طرح ہے جن کے وصول کا ہاتھ اس مرتبہ مقدسہ کے دامن غنا سے کوتاہ ہے..... تجلی ذات کو تعین علم کے ساتھ مقید کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنا بلکہ پانی کو سراب میں ڈھونڈنا ہے، ایک شاعر کہتا ہے

کے در صحن کاچی قلیہ جوید
اصناع العمر فی طلب المحال

آپ کی شان استعداد کے کیا کہنے، کسی ایک مقام پر استقرار نہیں فرماتے کیونکہ معارف لامتناہی ہیں اور اسرار لامحدود ہیں تو پرواز کرنے والا کیسے ٹھہر سکتا ہے پہلے آپ نے شیونات و اعتبارات کو ذات حق کا

درجہ قرار دیا تھا، اب ذاتِ حق کو ان سے بھی بلند تر فرما رہے ہیں کیونکہ ذاتِ حق تمام جہانوں سے بے نیاز ہے، اللہ الصمد، اللہ بے نیاز ہے، کوئی اسکی کنہ کو نہیں پاسکتا، کوئی اسکی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا، معرفت کا حق یہی ہے کہ بندہ اسکے ادراک سے عاجز آجائے، فرماتے ہیں، ”اس مرتبہ میں جو کچھ ثابت کیا جائے وجوہ و اعتبارات میں داخل ہے، ذات ان سب سے ماورا ہے، اس مقام میں نفی اور سلب کے سوا کوئی اور امر مقصود نہیں، اگر علم بامتیاز ہے تو وہ بھی وہاں سلب ہے اور اگر تعبیر و تفسیر ہے تو وہ بھی مسلوب ہے، راقم نے عرض کیا ہے۔“

تو ہے وہم و فکر سے ماورا تیری ذاتِ جَلَّ جلالہ
تیرے حق میں سب نے یہی کہا تیری ذاتِ جَلَّ جلالہ
تیری جستجو میں میرا گماں، کیا بتاؤں پہنچا کہاں کہاں
سرِ منتہی بھی تھا مبتدا، تیری ذاتِ جَلَّ جلالہ
تیرا راز دل پہ کھلا نہیں، تیری شان برتر ہے بالیقین
یہ ہے میرے عشق کا فیصلہ تیری ذاتِ جَلَّ جلالہ
تو تصورات میں کیا جمے، تو تعینات میں کیوں چھپے
سب کو حرفِ ”لا“ نے اڑادیا، تیری ذاتِ جَلَّ جلالہ
ہاں یہی نشانِ حیات ہے، ہاں اسی میں میری نجات ہے
تیرے سامنے مرا سر جھکا تیری ذاتِ جَلَّ جلالہ

رُویت اخروی کی تحقیق:

اہل ایمان کا عقیدہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت و زیارت سے نگاہیں شاد کام ہوں گی، حدیث صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت اور اپنی ذات کے درمیان سے حجاب اٹھا دے گا اور جنتی اسکا دیدار کر لیں گے تو ان کو اس کے دیدار سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوگی (صحیح مسلم کتاب ایمان) اور فرمایا

جب آسمان پر مہر تاباں جلوہ افروز ہو تو اس کو دیکھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کا دیدار کرو گے، (ایضاً) حضرت امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رویت عقلاً ممکن ہے، محال نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے کہ رویت آخرت میں واقع ہوگی، مومن اسکو دیکھیں گے اور کافر نہیں دیکھ سکیں گے، مرجیہ کا قول ہے کہ اسکی رویت عقلاً محال ہے تو یہ قول خطائے صریح اور جہل قبیح ہے، اہل حق کا مذہب ہے کہ رویت ایک قوت ہے جسکو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں پیدا کرتا ہے اس کے لیے شعاع بصری کا احاطہ کرنا اور مرئی کا دیکھنے والے کے بالمقابل ہونا شرط نہیں، ہم جو ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں تو اس میں یہ چیز اتفاقاً پائی جاتی ہے، شرط نہیں ہے، جب مومن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا مقابل جہت میں ہونا لازم نہیں آئے گا جیسا کہ اب اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھتا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہمارے بالمقابل ہو، (شرح مسلم ۱/۹۹)

حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ نے آخرت کی رویت کو لطیفہ جامعہ مثالیہ کی صورت میں مقرر کیا ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اس کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں:

”صورت جامعہ مثالیہ کی رویت حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے بلکہ اس کے کمالات کے مظاہر میں سے ایک مظہر کی رویت ہے جس نے عالم مثال میں حصول پیدا کیا ہے جیسا کہ کسی کا قول ہے،

میراہ المومنون بغیر کیف
و ادراک و ضرب من مثال
یعنی مومن خدا تعالیٰ کو بے کیف، بے تصور، بے شبہ اور بے مثال دیکھیں گے، حق تعالیٰ کی رویت کو صورت کی رویت پر مقرر کرنا حق تعالیٰ کی رویت کی نفی کرنا ہے، نیز وہ صورت جو عالم مثال میں حاصل ہو اگرچہ جامع ہو لیکن عالم مثال ہی کے اندازہ پر ہوگی، عالم مثال اگرچہ وسعت رکھتا ہے لیکن اس کے عوالم مخلوقہ میں سے ہے وہ جامعیت صورت جو اس میں ہے کیا گنجائش رکھتی ہے کہ تمام کمالات و جویہ ذاتیہ کی جامع ہو سکے اور سب کو ضبط کر سکے تاکہ اس مرتبہ

مقدسہ کا آئینہ بن سکے اور اسکی رویت حق تعالیٰ کی رویت ہو سکے، جب صفت علم جو صفات و جوہیہ میں سے ہے اور تمام ذاتی صفات میں سے زیادہ جامع ہے، اس امر کی گنجائش نہیں رکھتی تو پھر عالم مثال جو ممکن و مخلوق ہے اس کی صورت تمام کمالات و جوہیہ کی جامع کس طرح ہو سکتی ہے، اگر فرضاً اور تقدیراً اس کو جامع کہیں بھی تو اس مرتبہ مقدسہ کے (کمالات کے) ظلال میں سے ایک ظل ہوگا اور ظل کی رویت درحقیقت اسکی رویت نہیں ہے، مگر صادق نے رویت آخرت کو چودھویں رات کے چاند کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور کوئی پوشیدگی نہیں چھوڑی، ظل کی رویت ایسی ہے جیسے طشت آب میں چاند کو دیکھیں جسکو بلند فطرت والے لوگ پسند نہیں کرتے..... لیکن حق تعالیٰ کی رویت وہ ہے جو ان ظہورات اور صور سے ماورا ہے اور بے کیف و بیچون کی قسم سے ہے، رویت آخرت پر ایمان لانا چاہیے اسکی کیفیت اور چند و چون میں مشغول نہ ہونا چاہیے، آخرت کے خلق اور وجود کو دنیا کے خلق اور وجود کے ساتھ کوئی نسبت نہیں تاکہ ایک کے احکام کو دوسرے پر قیاس کیا جائے، وہاں کی آنکھ جدا ہے اور فہم و ادراک الگ ہے، اس کے لیے دوام ابدی ہے اور اس کے لیے دوام ابدی ہے اور اس کے لیے زوال و فنا، اس کے لیے سراسر نظافت و لطافت ہے اور اس کے لیے خبث کثافت، شیخ اکبر قدس سرہ خانہ علم کے باہر حق تعالیٰ کا ظہور ثابت نہیں کرتے اور مجال و مظاہر کے ماسوا مشاہدہ، و رویت اور شہود تجویز نہیں کرتے۔ (مکتوب ۷۹ دفتر ۳)

گویا مسلمان دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے مگر آخرت میں دیکھ لیں گے، اس کا سبب یہ ہے کہ دنیا میں آنکھیں فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات باقی ہے، فنا ہونے والی آنکھوں سے باقی کا جلوہ نہیں دیکھا جاسکتا، آخرت میں مسلمان بھی باقی رہیں گے اور ان کی آنکھیں بھی باقی رہیں گی تو بقا کی آنکھوں سے باقی کا

جلوہ دیکھ لیں گے، حضور اکرم ﷺ نے آخرت سے پہلے اپنی آنکھوں سے باقی کا جلوہ دیکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام انسانوں کی آنکھیں فنا کی مظہر ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی آنکھیں بقا کی مظہر ہیں، (شرح مسلم سعیدی ۱/۹۴ مطبوعہ لاہور) علمائے شریعت سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے فکری اجتہاد کی تائید ہوگئی جو انہوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں فرمایا ہے۔

نظریہ قومیت کا اعلان:

حضور امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ سے پہلے کسی عارف کامل نے قومیت کا نظریہ پیش نہیں کیا بلکہ یہ وہ مرتبہ ہے جس کے ظہور کے لیے آپ کی شخصیت کو منتخب فرمایا گیا، نظریہ قومیت پر بہت سے ظاہرین حضرات کے اعتراض وارد ہوئے لیکن آپ کے فیضانِ نظر سے سرشار افراد نے ان کا شافی جواب عنایت کیا، اس سلسلے میں ماضی قریب کے عارف کامل حضرت شیخ زید ابوالحسن فاروقی مجددی علیہ الرحمۃ کا ”مکتوب در بیان قومیت“ نہایت جامع اور بصیرت افروز ہے، ہم اس موضوع پر اسی کا خلاصہ حرف آخر سمجھ کر درج کر رہے ہیں تاکہ اشکال باقی نہ رہے، وہ لکھتے ہیں، حضرت مجدد و حضور الف ثانی قدس سرہ الاقدس کے علوم مرتبہ اور آپ کے کلام قدسی نظام کو سمجھنے کے لیے کافی علم و دانش کی ضرورت ہے، جس شخص کا عمل عزیمت ہو، جو سنتِ مطہرہ کا دلدادہ ہو، جو دینِ مبین کا عاشق و شیدا ہو، جو بڑے سے بڑے ولی کے درجہ کو ادنیٰ صحابی کے خاک پا سے کمتر سمجھتا ہو، جس کی صحبت میں اکابر علما ہر وقت رہتے ہوں، جس کے انفاس قدسیہ سے ہزار بندگانِ خدا اعلیٰ مدارجِ قرب پر فائز ہوئے ہوں کیا ایسے شخص کے متعلق کوئی خیال کر سکتا ہے کہ العیاذ باللہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کے مرتبہ سے اپنے کو بالا سمجھتا ہے، ترجمہ حضرات القدس کے صفحہ ۶۲ پر لکھا ہے، حضرت قدس سرہ نے فرمایا، ”میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جو جمیع کمالات و فضائل سے متصف تھے اور خلفا پر فضیلت نہیں دیتا ہوں تو پھر اپنے آپ کو ان پر کیوں فضیلت دے سکتا ہوں، معرفتِ حق اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر رنگ سے بہتر جانتا ہو تو اکابر دین سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، ”افسوس صد افسوس ایسی نادراۃ المثل اور برگزیدہ ہستی کے متعلق بعض افراد غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں، اگر یہ لوگ ذرا بھی سنجیدگی اور انصاف سے کام لیں تو ان پر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ قرونِ اولیٰ مشہود لھا بالخیر والسعادة کے بعد شاید ہی اولیائے امت میں کوئی آپ جیسا عالی مرتبت والا منزلت پیدا ہوا ہو، تصوف اور طریقت کے متعلق جو غلط خیالات جاہل متصوف نے پیدا کر دیئے تھے آپ نے ان سب کو حرف

غلط کی طرح یہ فرما کر مٹا دیا کہ طریقت اور حقیقت شریعت کے خادم ہیں اور کھلے الفاظ میں فرما دیا کہ ہم کو فص سے کیا سروکار، ہم کو نص و رکار ہے، ہم کو فتوحاتِ مدینہ نے فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے، چلہ کشی اور ریاضتوں کے سلسلہ میں مسنون طریقوں سے جو بعد اور دوری پیدا ہوتی جا رہی ہے اس کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا، ”بیچ ریاضت و مجاہدہ برابر رعایت آدابِ نماز نیست“ جو لوگ اسرارِ شریعت اور حقائقِ علومِ دینیہ سے واقف نہیں ہیں ان سے بحث نہیں، بحث ان افراد سے ہے جو زمرہٴ علما میں داخل ہیں اور وہ بعض اسباب کی بنا پر آپ کے ارشادِ سراسر حق و سداد پر رد و قدح کرتے ہیں، چونکہ الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ ایک امر مسلم ہے لہذا اجلہ علمائے کرام نے ان اعتراضات کا یہ بہ وجہ اتم رد کیا ہے، منجملہ ان کے حضرت فرخ شاہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ ہیں، بلکہ بعض افراد نے خود اپنی غلط فہمی اور کوتاہ نظری کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ نے اواخر احوال میں تحریر فرمایا ہے کہ ”اصلاً پردہ بشریت و غشاوہ در میان نہ ماندہ“ اور آپ کی تعریف کی ہے اور اپنی سابقہ آرا سے رجوع کیا ہے، جناب شیخ رحمہ اللہ کے ان الفاظ پر جو تحریر کیے گئے ہیں حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں، ”ازیں قول معلوم می شود کہ اعتراضات سابقہ از بشریت و نفسانیت بود نہ از حقیقت، ایں احوال علما است وائے بریں صرفہ گویاں“ حضرت نے ”وائے بریں صرفہ گویاں“ لکھ کر کس انداز سے اظہارِ تاسف فرمایا ہے، حقیقت یہ ہے

گر سنگ ازیں حدیث بنالد عجب مدار

قیومیت ولایت کا ایک بلند مرتبہ ہے، قیوم کے سمجھنے کے لیے ضرورت ہے کہ پہلے ولی کو پہچانا جائے، ایک حدیث صحیح ہے جس کو امام بخاری علیہ الرحمۃ اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے، من عادل ولیاً فقد اذنتہ بالحرب..... جو میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے میں اسکے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہوں، وہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں پس جب محبت کرتا ہوں تو اسکی سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے..... جائے فکر ہے کہ جو شخص اللہ کے ولی سے عداوت کرتا ہے وہ فی الحقیقت اللہ سے لڑائی مول لے رہا ہے، جب ولی مدارج عالیہ طے کرتا ہے تو

ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کے افعال اللہ سے منسوب ہو جاتے ہیں، نہ اس کی اپنی سماعت رہتی ہے نہ دید، نہ اسکی اپنی گرفت رہتی ہے نہ حرکت، اس وقت و مارمیت اذرمیت ولكن الله رمى اور ان الذين يبایعونک انما يبایعون الله کے اسرار واضح ہوتے ہیں، جن کو پروردگار اعلیٰ درجات ولایت پر پہنچا کر خلعت قیومیت سے سرفراز کرتا ہے ان کی وہ شان ہوتی ہے جو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ نے بیان کی ہے اور صاحب زبدہ نے اس کو نقل کیا ہے، قیومیت کے لیے وہ مبارک ذات صلاحیت رکھتی ہے جو مظاہر عبدیت اور مراتب خشیت میں بدرجہ اتم جناب رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلے، سرورد و جہاں ﷺ کو اپنے پروردگار سے یہ مژدہ عالی مل چکا ہے، لیغفر لک الله ماتقدم من ذنبک و ماتاخر، لیکن آپ پروردگار جل شانہ کی اتنی عبادت کرتے تھے کہ آپ کے پائے نازنین پرورم آجاتا تھا، صحابہ کرام نے پوچھا، آپ اتنی محنت کیوں کرتے ہیں، آپ سے تو کسی بات کی پوچھ نہ ہوگی، آپ نے فرمایا، افلا اکون عبداً شکوراً، مراتب کمال اسی کو ملتے ہیں جو مظاہر عبدیت بہ درجہ اتم ظاہر کرتا ہو، جس کا رواں رواں کہتا ہو۔

بے تو جاناں قرار نہ تو انم کرد
 احسان ترا شمار نہ تو انم کرد
 گریستن من زباں شود ہر موی
 یک شکر تو از ہزار نہ تو انم کرد

جو ہر وقت اور ہر حال متوجہ الی اللہ رہے، جس کی بیداری مشاہدہ ہو اور خواب بیداری، جس پر تنام عینای ولاینام قلبی کی کیفیت بہ طفیل سرور عالم ﷺ طاری ہو، (رسائل معرفت افزا ص ۱۰ تا ۱۳)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نظریہ قیومیت کی تائید آیات واحادیث سے بھی ہوتی ہے، مندرجہ ذیل دلائل پر ذرا غور کرنا چاہیے:

اموالکم الی جعل اللہ لکم قیاماً، یعنی وہ تمہارے مال جن کو اللہ نے تمہارے لیے قیام (یعنی گزارا) بنایا ہے (سورۃ النساء آیت ۵) قرآن پاک کے اس ارشاد پر توجہ کرنی چاہیے کہ اگر دنیوی مال وجہ قیام ہیں تو مردانِ کامل دنیا کی بقا اور قیام کا سبب کیوں نہیں ہو سکتے۔

فالمذبرات امراً، قسم ہے ان فرشتوں کی کہ تمام کاروبار دنیا ان کی تدبیر سے ہے، (سورۃ النازعات آیت ۵) ایک تفسیر میں مراد فرشتے ہیں اور دوسری تفسیر میں مراد ارواح اولیا ہیں جنکو کائنات میں تدبیر کا اختیار دیا گیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے جسے چاہے ملک عطا فرمائے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس انعام پر اسکے خزانوں میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آتی، قومیت بھی اس کے خزانوں میں سے ایک گوہر شاداب ہے جس کے پاس آجاتا ہے اسکو کائنات میں تصرفات کی اجازت مل جاتی ہے، انہی تصرفات کی بدولت اللہ تعالیٰ کے باکمال بندے اولوالایدی والابصار ہوتے ہیں، خیر المنزلیں بنتے ہیں، حیرت ہے منصب غوثیت کے ضمن میں مانے جانے والے اختیار منصب قومیت کے ماتحت تسلیم کر لیے جائیں تو کونسا استحالہ وارد ہوتا ہے۔

حضرت امام حاکم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ستارے آسمان والوں کے لیے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری امت کے لیے امان ہیں، (المستدرک) ایک روایت میں ہے کہ میرے اصحاب امت کے لیے امان ہیں، اسکو حضرت امام احمد اور حضرت امام مسلم نے روایت کیا ہے، ان ارشادات نبویہ سے معلوم ہوا کہ وہ مقدس اور بزرگ ہستیاں بھی موجود ہیں جن کو کائنات والوں کے لیے وجہ امان، جائے قرار اور مقام پناہ قرار دیا گیا ہے، یہی اوصاف قومیت میں پائے جاتے ہیں کہ اس منصب جلیل پر فائز ہونے والا اصحاب و اہل بیت کا نائب کامل، ان کے صوری و معنوی کمالات کا وارث اکمل، اہل جہان کے

لیے قرار گاہ بن جاتا ہے اور چشمان ہستی کا مرکز نگاہ ٹھہرتا ہے حضرت امام طبرانی نے کبیر میں روایت نقل فرمائی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ کے کچھ بندے ہیں کہ اللہ نے انہیں خلق کی حاجت روائی کے لیے خاص فرمایا ہے، لوگ گھبرائے ہوئے اپنی حاجتیں ان کے پاس لاتے ہیں، یہ بندے عذاب الہی سے امان ہیں، (کنز العمال ۶/۳۵۰)

حضرت امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت میں تمیں ابدال ہیں، بہم تقوم الارض وبہم تمطرون وبہم تنصرون، انہیں سے زمین قائم ہے، انہی کے ذریعے تم پر بارش ہوتی ہے اور انہی کے سبب تمہیں امداد حاصل ہوتی ہے، (کنز العمال ۱۲/۱۸۶، مجمع الزوائد ۱۰/۶۶، مصنف عبدالرزاق ۱۱/۳۵۰)۔

گویا جن کے ذریعے زمین قائم ہے، ان کو ”قیوم“ کے لقب سے یاد کر لیا جائے تو کیا اشتباہ ہے، اس لقب کی اصل تو مخبر صادق ﷺ کے کلام مبارک سے مل گئی ہے، باقی یہ لقب اللہ تعالیٰ کے اسم قیوم کے مقابلے میں نہیں بولا جاتا، تفسیرات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قیوم ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ واحد و یکتا ہے، سارے عالم کا مدبر اور نگران ہے، اسکی بقا و قیام کا ضامن ہے، ہمیشہ سے قائم بالذات ہے، لازوال ہے، تغیر و تبدل، مکان و زمان اور جہت و تحیز سے پاک ہے، یہ مفہوم صرف ذات لایزال جل شانہ کے لیے مخصوص ہے، اگر مخلوق کے کسی فرد پر اس کا اطلاق کیا جائے تو مراد یہ ہوگا کہ وہ فرد دنیا کی بقا اور قیام کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اسکو اپنی شان قیومیت کے کمالات کا مظہر بنا کر دنیا کے قیام کا باعث

بنا دیتا ہے، جیسا کہ ہم نے ظلوماً جہولاً کی تفسیر میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا ارشاد حق بنیاد رقم کیا، جس میں قیومیت کے متعلق پوری وضاحت موجود ہے، مولانا عبدالعلی لکھنوی فرماتے ہیں:

”انسان کامل اللہ تعالیٰ کے تمام اسما و صفات کا مظہر ہے، اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنا خلیفہ بنایا ہے تاکہ وہ اپنے باطن کی مدد سے کائنات عالم کو باقی رکھے، اور کائنات میں سے ہر ایک کو اس کے لائق کمال اور نقصان عطا کرے، اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کائنات کو بقا دینے والا انسان کامل ہے، ایسا خیال کفر ہے، دینے والا اور باقی رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، انسان کامل صرف وسیلہ بنا ہے، (رسالہ وحدۃ الوجود)

تمام صوفیہ اور اہل حق علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس شان کمال کا مظہر کوئی نہ کوئی انسان کامل ضرور ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی اسے قطب الاقطاب کہتا ہے اور کوئی اسے غوث الاعیاض سمجھتا ہے، کوئی قطب مدار جانتا ہے اور کوئی قیوم دوراں تصور کرتا ہے، جب وہ فرد الافراد اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کے کمالات کا مظہر کامل ہوتا ہے تو قیوم بھی اسی ذات وحدۃ کا ایک اسم مبارک ہے، اس کے کمالات کا مظہر کوئی کیوں نہیں ہو سکتا، حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ غوث کے بارے میں فرماتے ہیں، بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے، (ملفوظات) باقی بہت سے اشکالات کا جواب حضرت زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ کی تحریر میں آچکا ہے، مولانا تعالیٰ حقائق اشیاء کو سمجھنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

تجدید الف ثانی کا تصور:

تمام ادیان عالم میں یہ امتیاز صرف دین اسلام کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر صدی کے سرے پر ایک ایسے عزیز الوجود انسان کو پیدا کیا جس نے اس کی تجدید اور حیاء کے لیے تاریخ ساز کام کیا اور اسے پھر سے تازہ کر دیا، اسی عزیز الوجود انسان کو ”مجدد“ کہا جاتا ہے جس کا ظہور حضور اقدس ﷺ کی حدیث پاک سے ثابت ہے۔

إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلِيًّا رَأْسَ كُلِّ مِائَةٍ مَنْ
يَجِدُ دَلِيلَهَا دِينَهَا،

اللہ تعالیٰ اس امت کے واسطے ہر صدی کے آغاز پر ایک مجدد بھیجتا رہے گا جو اس کے لیے اسکا دین تازہ کرے گا (سنن ابوداؤد)۔

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين
اس علم کو ہر پچھلی جماعت میں سے پرہیزگار لوگ اٹھاتے رہیں گے جو غلو والوں کی تبدیلیوں، باطل پرستوں کی کذب بیانیوں اور جاہلوں کی تاویل سے اسے محفوظ رکھیں گے، (بیہقی مشکوٰۃ)

چنانچہ صدر اول سے لے کر حضرت عمر بن العزیز، حضرت امام شافعی، حضرت امام طحاوی، حضرت امام غزالی، حضرت امام رازی، حضرت امام ابو بکر باقلانی اور حضرت امام سیوطی جیسے لوگ ہر صدی میں ظاہر ہوتے رہے اور اغیار کی چیرہ دستیوں سے دین برحق کا چہرہ نکھارتے رہے، جب ”الف ثانی“ یعنی دوسرے ہزار سال دور کا آغاز ہوا تو ”دین الہی“ جیسے فتنوں نے امت محمدیہ کو زبوں حال بنا رکھا تھا، اب ضرورت تھی کہ کوئی ایسا عزیز الوجود انسان پیدا ہو جو اولوالعزم پیغمبروں کا وارث ہو جو ہزار سال کے دورانیے میں تشریف لا کر قوموں کی نجات کا سامان پیدا کیا کرتے تھے، حضور اکرم ﷺ کی ذات والاصفات پر نبوت ختم ہو چکی تھی اس لیے کسی نبی اور رسول کا تشریف لانا ناممکن تھا لہذا کوئی ایسا فرد کامل آنا چاہیے تھا جو ان کی نبوت و رسالت کے کمالات کا مظہر اتم ہوتا اور ان تبعیت و وراثت کے فیض سے منور ہو کر سارے جہان کو منور کر دیتا، اس سعادت سرمدی کے لیے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا وجود مقدس ظاہر ہوا جو صورت اور سیرت میں سراپا مظہر کمالات اور پرتو تجلیات تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہزار سالہ دور کی تجدید و احیا کی توفیق ارزانی فرمائی اور آپ پر اس مرتبہ اولیٰ کا انکشاف فرمایا، آپ سے پہلے کسی شخص نے ہزار سالہ تجدید پر گفتگو نہیں کی، یہ آپ کے فکر و عرفان کا اجتہادی کارنامہ ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

”یہ علوم انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے اقتباس کیے گئے ہیں جو الف ثانی کی تجدید کے بعد تبعیت و وراثت سے تازہ ہوئے ہیں اور تروتازگی کے ساتھ ظہور میں آئے ہیں، ان علوم و معارف کا صاحب اس موجودہ الف کا مجدد ہے چنانچہ لوگ اس کے علوم و معارف دیکھتے

ہیں جو ذات و صفات و افعال او لو احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کے متعلق ہیں ان پر پوشیدہ نہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ علوم و معارف علما کے علوم اور اولیاء کے معارف سے پرے کے ہیں بلکہ علما اور اولیا کے علوم ان علوم کی نسبت پوست ہیں اور یہ معارف اسکا مغز ہیں، اللہ پاک بادی ہے اور معلوم رہے کہ ہر صدی کے سرے پر ایک مجدد گزرا ہے لیکن صدی کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور ہے، جتنا سو اور ہزار میں فرق ہے اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کے مجددوں میں بھی فرق ہے، مجدد وہ ہوتا ہے کہ اسکی مدت میں جو فیوض امتیوں کو پہنچتے ہیں اسی کی وساطت سے پہنچتے ہیں خواہ وہ اس وقت کے اقطاب اور اوتاد ہوں یا ابدال اور نجا ہوں۔ (مکتوب ۴ دفتر ۲)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اور بھی مقامات پر تجدید الف ثانی کا تصور کھل کر پیش فرمایا اور آپ کے زمان ظہور سے لے کر آج تک عالم اسلام کی جلیل القدر علمی اور روحانی شخصیات نے اسکی تائید اور تصدیق فرمائی۔ چونکہ یہ تصور اتنا بلند تھا کہ اس دور سے لے کر آج تک کوئی شخصیت بھی آپ کی شانِ جلالت اور کمال و جاہت کے برابر دکھائی نہیں دیتی اور ان علوم و معارف کے معیار پر کما حقہ پورا نہیں اترتی اس لیے اہل علم اور اہل نظر نے آپ ہی کو اس ہزار سالہ منصب تجدید دین کا اہل سمجھا، حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی جیسے نابغہ روزگار نے آپ کو ”مجدد الف ثانی“ کے لقب سے یاد کیا تو گویا دلوں کی لب بستہ کلیاں کھل اٹھیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مشرق و مغرب میں دہائی مچ گئی۔

اڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ بلبل نے کچھ گل نے

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی علیہ الرحمۃ ارقام فرماتے ہیں:

”میرے مخدوم! مجدد الف ہونا ایک کشفی اور الہامی امر ہے جو اس

معاملے والے کے وجدان سے تعلق رکھتا ہے، کسی ایسے امر کا التزام

نہیں کہ آثار و علامات کے ساتھ آشنا و بیگانہ کو قائل کیا جاسکے، جو شخص

آشنا اور ازلی سعادت سے بہرہ ور ہے وہ باطنی مناسبت کے ذریعے اہل اللہ کے اسرار قبول و برکات کا مورد ہو جاتا ہے، جو بیگانہ اور بے سعادت ہے، باطنی نامناسبت کی وجہ سے ان اسرار کی تک نہیں پہنچتا تو انکار کر دیتا ہے اور ان حضرات کے فیوض و برکات سے محروم رہتا ہے، اگرچہ وہ ظاہر نہ کرے، غیر لوگ خارج از بحث ہیں، ہمیں ان کے انکار و اقرار سے کوئی واسطہ نہیں، منکروں نے قرآن جیسا روشن معجزہ دیکھ کر بھی انکار کر دیا، اس کے باوجود جس شخص کو تیز نظری کی قوت عطا کی گئی ہے اگر وہ حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے اطوار و عادات میں اچھی طرح غور کرے اور جن فیوض و برکات، کمال و اکمال اور اعلام و اسرار سے وہ پیشوائے صالحین میں ممتاز ہیں، مشاہدہ کرے تو بلا تکلف ان کے (الف ثانی کے) مجدد ہونے کا اقرار کرے گا، (مکتوبات معصومیہ دفتر ۲ مکتوب ۲)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تجدید الف ثانی کے بہت سے دلائل ہیں جو ہر روشن نگاہ کو دکھائی دیتے ہیں، مثلاً:

حضور اکرم ﷺ، سید دو عالم ﷺ کی حدیثِ صلہ میں جس رجل کامل کی پیش گوئی موجود ہے، اس کے مصداق آپ ہیں جیسا کہ فرمایا، تمام تعریف اللہ کے لیے جس نے مجھے دو بحروں کے درمیان صلہ اور دو گروہوں میں مصلح بنا کر بھیجا، یہ دعویٰ آپ کے علاوہ کسی اور بزرگ نے نہیں فرمایا۔

ولایت کے بڑے بڑے شہسوار آپ کے ظہور مقدس کی بشارت سناتے رہے۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے اپنا جبہ مبارک پانچ سو سال پہلے سے اپنی نسلِ اطہر میں جاری فرما دیا کہ اس انعام کا

مستحق تاجدار سرہند ہوگا، یہ خاص اہتمام بھی آپ سے منصب تجدید کا گواہ ہے۔

آپ کے نام کو دیکھیں یا تریسٹھ سال کے کام کو، ایک ایک انداز میں رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع کا عکس ہے۔

اس وحشت اثر دور میں مسلمانوں کی گمراہی کے ذمہ دار تین قسم کے لوگ تھے، بادشاہ، صوفیہ جام اور علمائے سوء آپ نے چند سالوں میں ان تینوں گروہوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیا اور ہندوستان کے تشکیک زدہ علاقے میں اسلام کے پرچم لہرانے لگے، ایک بادشاہ جہانگیر ہی نہیں، عالم اسلام کے متعدد حکمرانوں نے آپ کے سلسلہ عالیہ میں بیعت ہو کر اسلام کی خدمت کی۔ حضور اکرم ﷺ کے چار خلفائے راشدین کے دور میں فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا، تو اس سنتِ عظیمہ کو بھی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے خلفانے تازہ کر دیا، مجددی فیضان کے بادل بھی برصغیر کی حدود سے نکل کر دور دور تک عوام و خواص کے دلوں پر برسنے لگے، حضور اکرم ﷺ کی خصوصی توجہات سے آپ کی عظمتِ شان اور وسعتِ فیض کا شہرہ اسلامی ممالک کی آخری حدود تک پہنچ گیا، بدخشاں سے حضرت خواجہ فرخ حسین، روم سے حضرت مولانا نصیر احمد رومی، شاہ ایران کے مقرب خاص شیخ طاہر، پھر مولانا صالح گولامی، مولانا یار محمد، مولانا عبدالحق شاہد مانی، شیخ احمد برکی جیسے حضور اکرم ﷺ کے خاص اشارات کی بدولت سرہند حاضر ہوئے اور انہوں نے فیضِ مجدد حاصل کر کے اپنے ممالک میں عام کیا۔ چنانچہ تجدید کا چھٹا سال ختم نہیں ہوا تھا کہ خراسان، بدخشاں اور توران کا شہر شہر فیضِ مجدد سے تابناک ہو چکا تھا، تجدید کے بارہویں سال جنات کا بادشاہ بھی مع لشکر مرید ہو گیا،

تجدید کے چودھویں سال آپ نے اپنے مزید خلفا بلاد اسلامی کی طرف روانہ ہوئے، دربار اکبری اور جہانگیری کے متعدد امراء آپ کی نگاہ کرم کے در یوزہ گر تھے، آپ کے وصال کے بعد آپ کے نائب کامل حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ نے آپ کا تجدیدی اور تبلیغی مشن نقطہ عروج پر پہنچا دیا۔ شاہجہان اور اورنگ زیب کے پر جلال درباروں میں بھی ان کی ہیبت و جلالت کا سایہ تھا۔

تجدید الف ثانی کا یہ بھی بہت بڑا ثبوت ہے کہ آپ کا سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ عالم اسلام کی غالب اکثریت کا سلسلہ طریقت ہے اور اس دور سے لے کر آج تک جب بھی امت کو کوئی پریشانی لاحق ہوئی ہے آپ کے سلسلہ مقدسہ کے عالی قدر افراد نے قیادت کا وسیادت کا فریضہ سرانجام دیا ہے، انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کا فتویٰ آپ کے خلفائے سلسلہ نے صادر فرمایا، روس کے سرداروں میں زاروں کے خلاف آپ کے خلفائے سلسلہ سرگرم عمل رہے، ترکی، شام، عراق، افغانستان اور ہندوستان کا کوئی علاقہ ان کے فیضان سے خالی نہیں رہا۔ تحریک پاکستان میں زیادہ تر انہی بزرگان سلسلہ نے کوشش کی گویا آج بھی آپ اپنے دور تجدید کی نگرانی فرما رہے ہیں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کو قدوة الاخیار، زبدۃ المقربین، قطب الاقطاب جہانیاں مآب، مظہر تجلیات الہی، مصدر برکات نامتناہی، امام ربانی، مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ:

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بعد اسلام کی نامور شخصیات آپ کے لافانی کردار سے از حد متاثر ہوئیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی،

حضرت امام محمود آلوسی، حضرت امام ابن عابدین شامی، حضرت مولانا محمد خالد کردی علیہم الرحمۃ جیسے عالمگیر افراد نے اپنی تحقیقی کتابوں میں آپ کے فیضان کے دریا بہا دیے ہیں، جنگ آزادی کے امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے باطل پرستوں کے خلاف قلمی جہاد شروع کیا تو اگرچہ ان پر قادریت کا غلبہ تھا مگر پھر بھی ان کا رنگ طبع اور طرز بیان آپ سے متاثر دکھائی دیتا ہے ”بلکہ بعض اوقات تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے حضرت مجدد الف ثانی ہی حضرت مجدد ماباۃ کی زبان پر بول رہے ہیں، بالخصوص وہ مقامات جہاں دونوں حضرات نے رد کفر و شرک و بدعت کیا ہے وہاں یہ حقیقت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے، برصغیر میں اعلیٰ حضرت بریلوی سے قبل سیکڑوں صوفیہ اور علماء نے کتابیں تصنیف کیں مگر زبان و بیان کی مماثلت جو فاضل بریلوی کو حضرت شیخ مجدد سے حاصل ہے غالباً اس حد تک اور کہیں نہیں“

(مجدد الف ثانی کی مجددیت و قیومیت ص ۸۷ مولفہ پروفیسر محمد حسین آسی)

برصغیر میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم آپ کے فیوضات سے معمور خانقاہوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، وہاں آج بھی شرعی قواعد کے مطابق اعراس منعقد کیئے جاتے ہیں جبکہ دوسری خانقاہوں پر میلوں کی صورت میں نجانے کون کون سی خرافات کا ارتکاب کیا جاتا ہے، یہ عام مشاہدے کی بات ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا، یورپ کے نامور مفکرین بھی آپ کے رطب اللسان دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت علامہ اقبال جیسے عالمی اسکالر کے نظریات میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا عکس جمیل ہے، ان کے کلام کا درد، خودی، زمان و مکان کی سرحدوں سے باہر پرواز کرنے کا جذبہ، مرغانِ سدرہ پر کمند پھینکنے کا دلولہ، پیغام فراق، فلسفہ موت و حیات، قوم کی تعمیر و اصلاح دو قومی نظریہ وغیرہ سب کچھ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ سے ماخوذ ہے، حضرت اقبال خود عرض گزار ہیں۔

تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تجدید الف ثانی اور کمالات ربانی کی تصدیق حضرت خواجہ محمد الباقی علیہ الرحمۃ نے فرمائی اور آپ کے متعلق فرمایا کہ وہ آفتاب ہیں جسکی روشنی میں ہمارے جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں، ایسی متفق علیہ شخصیت کا تصدیق کرنا، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت شیخ نورالحق دہلوی جیسے محققین کا خراج عقیدت پیش کرنا کوئی معمولی بات نہیں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کو قدوۃ الاخیار، زبدۃ المقربین، قطب الاقطاب جہانیاں مآب، مظہر تجلیات الہی، مصدر برکات نامتناہی، امام ربانی، مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ جیسے القاب سے یاد کیا نیز لکھا ہے کہ آپ کے معارف و حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سو سال کے نہیں ہزار سال کے مجدد ہیں، سو اور ہزار کے درمیان کوئی چھوٹا فرق نہیں، کاش تم جانتے، (اخبار الاخیار ص ۳۱۴) حضرت مظہر جانجاناں علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، ”حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نے نیا طریقہ بیان کیا ہے اور اسکے جو مقامات و کمالات تحریر فرمائے ہیں اور اس طریقہ کے برگزیدہ اصحاب جو ان مقامات و واردات پر پہنچ گئے ہیں ہزاروں سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں اور ان مقامات میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ ہزاروں علما اور عقلا کے اقرار سے وہ تواتر تک پہنچ گئے ہیں“ (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، از پروفیسر نور بخش توکلی)۔

آپ کا لقب ”مجدد الف ثانی، پورے عالم اسلام میں زبان زد عام ہے اور عوام اور خواص کے اجماع سے ثابت ہے، اور کسی مجدد اسلام کے ساتھ لفظ مجدد کا اس قدر اہتمام دکھائی نہیں دیتا، جس طرح غوث اعظم، غریب نواز اور امام اعظم جیسے مخصوص القاب سے مخصوص شخصیات کا تصور فوراً سامنے آجاتا ہے اسی طرح مجدد الف ثانی یا شیخ مجدد یا امام ربانی، یا قیوم دوران کے القاب سے آپ کی صورت و سیرت کے اجالے

نگاہوں میں سمٹ آتے ہیں، کسی کو پوچھنے کی ضرورت محسوس ہی نہیں ہوتی، گویا آپ کی تجدید الف ثانی پر اجماع امت ہے اور اسکا انکار محرومی اور بد نصیبی کا پیش خیمہ ہے۔

ہمارے بعض احباب اپنی عقیدت سے مغلوب ہو کر اپنی پسند کی شخصیت کو ”مجدد اعظم“ کے لقب سے مشہور کر رہے ہیں حالانکہ اس الف ثانی کے عرصے میں تجدیدی طور پر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ہی کا راج ہے، اس ہزار سال کے دورانے میں ان کے سوا کوئی شخصیت بھی ”مجدد اعظم“ کہلانے کی مستحق نہیں، حضرت قیوم زمانی، مجدد برحق، شیخ الاسلام شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”راہ ولایت کے کھلنے کا واسطہ جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا وجود باجود ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس توسط میں شریک ہیں، اس کے بعد بارہ میں سے باقی امام اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہم ولایت کی اس امانت کا بوجھ اٹھانے والے ہیں لیکن دوسرے ہزار میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ بھی اس امر میں شریک ہیں، یہ بات ثابت ہے کہ اس دوسرے ہزار میں جو شخص درجہ ولایت کو پہنچتا ہے خواہ وہ کسی خاندان میں مرید ہو، اس کے لیے بغیر ان کی وساطت کے ناممکن ہے، وہ ان کی توجہ اور امداد سے ان مرحلوں کو طے کرتا ہے اگرچہ قطب وابدال اور اوتاد و غوث ہوں، یہ ضروری نہیں کہ سالکین حضرت مجدد کی توجہ اور امداد کی خبر و آگاہی بھی رکھتے ہوں، (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۳۳۴)

یہ ہزار سال کا دور آپ کا دور تجدید تھا اس لیے آپ کو تمام سلاسل طریقت کے فیوضات کا مرکز بنایا گیا، مشائخ کبار کے اٹھارہ سلسلے

آپ کی ذات پر مجتمع ہوئے ہیں، اس لیے جو مجددی ہے وہ نقشبندی قادری، چشتی اور سہروردی بھی ہے، یہ آپ کا فیضان نظر ہے کہ مجددی حضرات نے ہر اچھی تحریک اور اعلیٰ شخصیت کے ساتھ محبت اور معاونت کا ثبوت دیا، مثلاً حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی تجدیدی کوششوں کو اجاگر کرنے میں آپ کے سلسلے کے حضرات سے زیادہ مجددی حضرات کا کارنامہ نظر آتا ہے، حضرت ڈاکٹر مسعود ملت ہوں یا حضرت علامہ اختر شاہ جہانپوری، حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی ہوں یا حضرت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، سب غلامانِ مجدد نے حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات اور فیوضات کو عام کرنے کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں، یہ راقم تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہے کہ اس نے بھی آپ کی شخصیت پر چار کتابیں رقم کی ہیں اور متعدد مضامین تحریر کیے ہیں، ان تمام افراد نے کوئی احسان نہیں کیا بلکہ اس ذمہ داری کو نبھایا ہے جو ان کے شیخ کریم کی بارگاہ سے ان پر عائد کی گئی تھی اور وہ ذمہ داری تھی ہر حق پرست کی تائید کرنی اور ہر باطل پرست کے سامنے ڈٹ جانے

سرخی خار مغیلاں سے پتہ چلتا ہے
تیرے دیوانے یہاں آئے یہاں تک پہنچے

کمالات مجددیہ پر ایک نظر:

اللہ تعالیٰ نے آپ کی شخصیت میں بہت سے کمالات جمع فرمادیئے اور یہ اس قادر کریم کے لیے کوئی مشکل نہیں کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، ان کمالات کی گواہی آپ کی تحریروں میں موجود ہے۔

(۱)

میں نے حضرت خواجہ قدس سرہ کی ایک نظر سے وہ کچھ پایا ہے جو

دوسرے چالیس روز کے چلے میں بھی نہیں پاسکتے اور ان کی توجہ سے وہ کچھ حاصل کیا ہے جو سالہا سال کی ریاضت سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ (مکتوب ۴۴ دفتر ۲)

(۲)

اس راہ کے بے نہایت ہونے پر آہ ہزار آہ، اتنی جلد سیر اور واردات و عنایات کا حصول نہایت ہی مقام حیرت ہے، یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ سیر الی اللہ پچاس ہزار سال کا راستہ ہے ذات باری نے کام بنا دیا، چند روز ہوئے اشیاء میں سیر واقع ہوئی۔ (مکتوب ۱۳ دفتر ۱)

(۳)

عجب بات ہے کہ اب اس فقیر کو حق الیقین سے مشرف فرما دیا گیا ہے، اس مقام میں علم اور عین ایک دوسرے کے لیے پردہ اور حجاب نہیں رہے ہیں، یہ ناچیز عین حیرت اور بے نشانی میں علم و شعور سے متصف ہے اور عین غیب، حضور کا حکم رکھتی ہے۔ (مکتوب ۱۸ دفتر ۱)

(۴)

جاننا چاہیے کہ ممکن جب قرب الہی کے مقامات میں دائرہ امکان سے باہر قدم رکھتا ہے (یعنی مشاہدہ کرتا ہے) تو ازل وابد کو متحرک پاتا ہے، حضور اقدس ﷺ نے معراج کی رات حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں دیکھا اور طوفان نوح بھی موجود تھا، اہل بہشت کو بہشت میں اہل دوزخ کو دوزخ میں دیکھا..... یہ سب کچھ ایک آن میں ہوا، گزشتہ اور آئندہ کی وہاں کوئی گنجائش نہیں، یہ حالات پیغمبر خدا ﷺ کے جسم وروح دونوں کو پیش آئے، آپ نے بصارت اور

بصیرت دونوں کے ساتھ مشاہدہ کیا، اگر تبعیت کے طور پر یہ حالت دوسروں کو مرحمت فرمائی جائے تو صرف روح کے ساتھ محدود ہوگی اور بصیرت کے ساتھ مخصوص ہوگی (مبدأ و معاد ص ۴۹ مطبوعہ کراچی) اس فقیر کو بھی حبیب خدا کے صدقے یہ حالت میسر آئی ہے کہ میں نے ملائکہ کو جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے تھے، عین سجدے کی حالت میں دیکھا، (ایضاً ص ۶۹)

(۵)

اگرچہ احوال پوشیدہ رکھنے کے لائق تھے لیکن ان کے ظاہر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے علم میں یہ بات آجائے کہ فقیر نے اگر وحدۃ الوجود کے نظریے کو قبول کیا تھا تو کشف کی بنا پر کیا تھا نہ کہ از روئے تقلید اور اگر اب انکار ہے تو یہ بھی الہام کے باعث ہے جو انکار کی گنجائش نہیں رکھتا اگرچہ دوسرے پر حجت نہیں (مکتوب ۳۱ دفتر ۱)

(۶)

اس معاملے کے باوجود جو میری پیدائش سے وابستہ ہے، میرے سپرد ایک عظیم کام ہے، مجھے نہ پیری مریدی کے لیے دنیا میں لایا گیا ہے اور نہ میری پیدائش سے تکمیل و ارشاد مقصود ہے بلکہ اور ہی معاملہ اور کام ہے، جو شخص مناسبت رکھتا ہوگا وہ فیض حاصل کر سکے گا، اس عظیم کام کے مقابلے میں تکمیل و ارشاد کا کام بالکل معمولی ہے جیسے راستے میں پھینکی ہوئی چیز، انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کو ان کے باطنی معاملات سے یہی نسبت ہے، اگرچہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن نبوت کے کمالات اور خصائص سے تبعیت و وراثت کے طور پر ان کے کامل تبعین کو حصہ میسر ہے۔ (مکتوب ۱۱ دفتر ۲)

(۷)

اس امت کی آخریت حضور اقدس ﷺ کے وصال باکمال کے ایک ہزار سال بعد یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتداء سے شروع ہوتی ہے، ہزار سال گزرنے میں یہ عظیم خاصیت ہے کہ امور میں تغیر آجاتا ہے اور اس کا اشیاء کے تبدیل میں قوی اثر ہوتا ہے چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیل نہیں ہے لہذا متقدمین کی نسبت اسی طراوت اور آبداری کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گرہ ہوئی ہے اور تائید شریعت اور تجدید ملت اس دوسرے ہزار سال میں ہو رہی ہے، اس امر کے دو معتبر گواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ہیں۔ (مکتوب ۲۶۱ دفتر ۱)

(۸)

ہر صدی کے سرے پر اس امت کے علماء سے مجدد کا تعین فرماتے ہیں کہ شریعت کا احیاء فرمائے، خاص طور پر ہزار سال گزرنے کے بعد کہ اگلی امتوں میں وہ اولوالعزم پیغمبر کی بعثت کا وقت ہوتا اور اس وقت دوسرے پیغمبروں پر اکتفا نہ کیا جاتا تھا۔ اس دستور کے مطابق فی زمانہ ایک ایسا عالم، عارف اور تام المعرفة درکار ہے جو امم سابقہ کے اولوالعزم پیغمبروں کا قائم مقام ہو، (مکتوب ۲۳۴ دفتر ۱)

(۹)

سبحان اللہ! وہ معارف جو اس فقیر حقیر سے بغیر ارادے اور تکلف کے ظاہر ہو رہے ہیں اگر بہت سے آدمی بھی جمع ہو کر انہیں مرتب کرنے کی کوشش کریں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ کر سکیں گے فقیر کا یقین ہے کہ ان معارف کا بہت سا حصہ حضرت مہدی علیہ الرضوان کو نصیب ہوگا۔ (مکتوب ۲۳۴ دفتر ۱)

(۱۰)

علوم و معارف موسلا دھار بارش کی طرف برسائے جا رہے ہیں، قوتِ مدرکہ جن کو اٹھانے سے عاجز ہے بلکہ قوتِ مدرکہ تو محض برائے تعبیر ہے ورنہ بادشاہوں کی عطاؤں کو بادشاہ کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں (مکتوب ۱۸ دفتر ۱)

(۱۱)

یہ علوم و معارف جن کے متعلق اہل اللہ میں سے کسی نے صراحتاً یا اشارتاً گفتگو نہیں کی بڑے اعلیٰ معارف اور اکمل علوم ہیں جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجبِ تعالیٰ اور ممکنات کو جس طرح ممکن اور لائق تھا بیان کیا ہے، یہ نہ کتاب و سنت کے خلاف ہیں اور نہ اہل حق کے اقوال سے متصادم۔ (مکتوب ۲۳۴ دفتر ۱)

(۱۲)

یہ معارف جو لکھے گئے ہیں امید ہے رحمانی الہامات سے ہوں گے جن میں ہرگز شیطانی وسوسوں کی آمیزش نہیں ہے، اس بیان کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ جب فقیرانِ علوم کے لکھنے کے درپے ہو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں التجا کی تو معزز فرشتوں کو دیکھا کہ اس مقام کے گرد و نواح تک سے شیطان کو بھگاتے تھے اور اس جگہ کے گرد نہ آنے دیا۔ (مکتوب ۲۳۴ دفتر ۱) کسی عقل نارسا میں یہ وہم نہ آجائے کہ وہاں فرشتے کیوں اور کیسے آگئے، اس امر کا خود قرآن شاہد ہے، ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکة، جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر جم جاتے ہیں تو ان پر (امداد و نصرت کے) فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

(۱۳)

یہ نقدِ وقت ہے کہ کیونکہ وہ (لا تعداد) اسرار ایسے نہیں ہیں کہ میں خود انہیں بیان نہیں کرتا، بلکہ وہ ایسے ہیں کہ بیان کیے نہیں جاسکتے۔

فریادِ حافظِ ایں ہمہ آخر بہرہ نیست
ہم قصہ غریب و حدیثِ عجیب است

نوٹ: آپ کا یہ فرمان بھی حدیثِ بخاری سے ثابت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے دو قسم کے علم حاصل ہوئے، ایک جو تمہارے درمیان بیان کرتا ہوں اور ایک اگر بیان کروں تو تم میرا حلقوم کاٹ دو، لہذا یہاں بھی اشکال وارد نہیں ہونا چاہیے۔

(۱۴)

اس فقیر کو عالم لدنی کی توفیق حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت سے حاصل ہوئی لیکن یہ صورتحال اس وقت تک رہی جب تک کہ میں مقامِ اقطاب سے نہیں گزر گیا تھا، اس مقام سے گزر جانے اور بلند تر مقامات میں ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد کا حصول خود اپنی حقیقت سے ہونے لگا، یعنی علوم اپنی ذات میں خود بخود اپنی ذات ہی سے حاصل ہونے لگے، کسی غیر کی مجال نہ رہی کہ درمیان میں آسکے۔

(مبداء و معاد ص ۹۷)

(۱۵)

آخر کار جب حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے تاویلاتِ متشابہات کا تھوڑا سا حصہ اس فقیر پر ظاہر فرمایا اور اس دریائے محیط سے ایک چھوٹی سی نہر اس مسکین کی زمین استعداد میں جاری فرمادی تو

معلوم ہوا کہ علمائے راہنہ کو بھی تاویلات متشابہات سے وافر حصہ نصیب ہوا ہے، (مکتوب ۲۷۶ دفتر ۱)

(۱۶)

اس فقیر کو مقام اقطاب پر پہنچانے کے بعد حضور سرور کون و مکان ﷺ کی جانب سے قطب ارشد کی خلعت عطا ہوئی اور مجھے اس منصب پر فائز فرمایا گیا، اس کے بعد عنایت خداوندی سے اس مقام سے مزید بلندی کی طرف متوجہ فرمایا گیا، چنانچہ ایک مرتبہ اصل ظل آمیز تک رسائی حاصل ہوئی اور مقام میں بھی گزشتہ مقامات کی طرح فنا اور بقا نصیب ہوئی اور پھر وہاں سے اصل کے مقام تک ترقی عطا فرمائی گئی، یہاں تک کہ مقام اصل الاصل تک پہنچا دیا گیا اس مقامات اصل کے عروج میں حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی روحانیت کی امداد حاصل رہی۔ ان کی قوت تصرف نے ان تمام مقامات سے گزار کر مقام اصل الاصل تک واصل فرمادیا، پھر وہاں سے مجھے دنیا کی طرف واپس کر دیا گیا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہر مقام سے واپس کرتے رہے تھے، اس فقیر کو اس نسبتِ فردیت کا سرمایہ جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے، اپنے والد محترم خواجہ عبدالاحد سرہندی علیہ الرحمۃ سے حاصل ہوا تھا۔ (مبداء و معاد ص ۹۶)

(۱۷)

اس کو فقیر کو نزول کے وقت جس کو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات پر بھی عبور حاصل ہوا اور ہر مقام سے میں نے کافی حصہ حاصل کیا، ہر مقام کے مشائخ میرے مددگار رہے اور انہوں نے اپنی اپنی نسبتوں کے بہترین انتخاب سے بڑا حصہ فقیر کو عطا فرمایا، سب سے پہلے اکابرِ چشتیہ قدس اللہ اسرارہم

کے مقام پر عبور حاصل ہوا اور اس مقام سے ایک بڑا حصہ مجھے نصیب ہوا، ان میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کی روحانیت نے دیگر مشائخ کی نسبت کہیں زیادہ میری امداد فرمائی اور حق یہ ہے کہ یہ حضرت قدس سرہ اس مقام میں بڑی شان کے مالک ہیں بلکہ اس مقام کے رئیس ہیں۔ (مبداء و معاد ص ۹۷)

(۱۸)

اللہ تعالیٰ کے واسطے تعریف اور سلام اس کے برگزیدہ بندوں پر، میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور مراد بھی، میرا سلسلہ ارادت بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جا ملتا ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے اور میری ارادت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت سے واسطوں سے ہے، طریقہ نقشبندیہ میں اکیس اور قادریہ میں پچیس اور چشتیہ میں ستائیس واسطے درمیان ہیں لیکن میری ارادت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ واسطے کو قبول نہیں کرتی جیسے کہ گزر چکا، پس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مرید بھی ہوں اور ان کا پس رو بھی، یعنی پیچھے چلنے والا خادم بھی، اگرچہ اس دسترخوان پر طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں، اگرچہ تابع ہوں لیکن اصالت سے محروم نہیں ہوں، اگرچہ امتی ہوں لیکن اس نعمت میں شریک ہوں، نہ وہ شرکت جس میں ہمسری کا دعویٰ ہو بلکہ وہ شرکت جو ایک خادم کو مخدوم سے ہوا کرتی ہے، جب تک بلا یا نہ گیا خوان نعمت پر حاضر نہ ہوا اور جب تک اجازت نہ ملی نعمت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا اگرچہ ایسی ہوں لیکن حاضر و ناظر مرئی رکھتا ہوں، اگرچہ طریقہ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقی ہیں لیکن میری تربیت کا متکفل اللہ الباقی ہیں، اسکے فضل نے میری تربیت کی ہے اور راہ اجتہاد پر چلا ہوں، میرا سلسلہ رحمانی ہے

اور میں عبدالرحمن ہوں، میرا رب رحمان ہے اور مر بی ارحم الراحمین ہے، میرا طریقہ طریقہ سبحانی ہے، جس تک راہ تزیہ سے پہنچا ہوں، نام اور صفت سے ذات اقدس تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں چاہا، یہ سبحانی وہ سبحانی نہیں ہے جو حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کیونکہ اس کو اس کے ساتھ کسی قسم کی مساوات نہیں ہے، وہ سبحانی دائرہ انفس سے باہر نہیں اور یہ انفس و آفاق سے ماورا ہے، وہ تشبیہ ہے جس نے تزیہ کا لباس پہنا ہے اور یہ تزیہ ہے جسکو تشبیہ کی گرد بھی نہیں لگی، اس سبحانی نے چشمہ سکر سے جوش مارا اور یہ عین صحو سے نکلا، ارحم الراحمین نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو معلم کے سوا نہ رکھا، علت فاعلی میری تربیت میں اپنے فضل کے سوا اور کچھ نہ بنائی، حق تعالیٰ کمال کرم سے اس اہتمام وغیرت کے باعث جو میرے حق میں رکھتا ہے پسند نہیں کرتا کہ میری تربیت میں کسی دوسرے کے فعل کا دخل ہو یا میں اس امر میں کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہوں، میں حق تعالیٰ کا تربیت یافتہ اور اس کے نامتناہی فضل و کرم کا مجتبیٰ اور برگزیدہ ہوں“

بر کریمیاں کارہا دشوار نیست

(مکتوب ۸۷ دفتر ۳)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اس مکتوب گرامی سے عوام تو کیا بہت سے خواص بھی خاصے پریشان ہو گئے یہاں تک کہ حضرات مجددیہ کو اسکی صحیح تشریح و تعبیر کا فریضہ سرانجام دینا پڑا، عارف کامل حضرت زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اس مبارک مکتوب کو جب میں پڑھتا ہوں تو ضمیر کہتا ہے کہ جس وقت حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اسکو لکھا ہے آپ کی ہیبت و حمدانی ریاض انس و حضوری میں سائر و دائر تھی، جو انعامات ہو رہے تھے اور جن اکرامات کو یاد دلایا جا رہا تھا، زبان قلم ان کا بیان کر رہی تھی، آپ کی کیفیت بزبان حال کہہ رہی تھی، لی مع اللہ وقت لا یسع فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل یعنی میری ایک گھڑی اللہ کے ساتھ ایسی بھی ہوتی ہے کہ اس میں کسی دوسرے کی گنجائش

نہیں ہوتی، نہ کسی مقرب فرشتہ کی اور نہ کسی مرسل نبی کی، (حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ۱۵۲) مذکورہ بالا حدیث کو حضرت امام علی القاری علیہ الرحمۃ نے موضوعات کبیر میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ صوفیہ اسکو بکثرت نقل کرتے ہیں اور ملک مقرب سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اور نبی مرسل سے خود آنحضرت ﷺ مراد ہیں اور اس میں اشارہ اس مقام استغراق کی طرف ہے جو حضوری کے وقت ہوتا ہے اور جس کو فنا کہتے ہیں یعنی اس وقت سالک روحاً اور خیالاً اپنے مولا تعالیٰ ہی میں مستغرق ہوتا ہے، اس مکتوب گرامی میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ وسیلہ مصطفیٰ کا انکار نہیں کر رہے بلکہ انتہائی عروج پر پہنچنے کے بعد ”وصل عریاں“ کا ذکر کر رہے ہیں جیسا کہ کسی صوفی کا شعر ہے۔

او شود عریاں ز تن من از خیال
تا خرامم در نہایات الوصال

حضور اکرم ﷺ کی تبعیت، طفیلیت اور وراثت کے سبب مومن کامل اور عارف اکمل پر ایک ایسا مقام بھی آتا ہے خود حضور اکرم ﷺ اسے حقیقت محمدی کے گزار کر خاص بارگاہ صدیت میں پہنچا دیتے ہیں اور معاملہ پردے سے بے پردگی تک جا پہنچتا ہے، اور رب ذوالجلال اس پر بلا واسطہ تجلیات و انعامات کی بارش نازل فرماتا ہے، اس کی مثال اس طرح سمجھنی چاہیے جیسے کوئی بادشاہ کا محرم خاص اپنے کسی غلام زار کے کام سے خوش ہو کر بادشاہ کے دربار میں پیش کر دے اور خود اس پر بادشاہ کے انعامات کا نظارہ کر کے خوشی کا اظہار کرے، اس سے اس غلام زار کا مقام اس محرم خاص سے کس طرح بلند ہو سکتا ہے اور وہ غلام زار کس طرح خود کو اس محرم خاص سے افضل تصور کر سکتا ہے، بعض حضرات نے مکتوب گرامی میں منقول ”ہم پرہ“ کے لفظ سے مغالطہ کھایا ہے، وہ اس کا معنی ہمسر اور ہم مرتبہ سمجھ بیٹھے ہیں حالانکہ اس کا معنی صف لشکر اور پرکاہ ہے، ان دونوں معانی سے عاجزی اور انکساری کا اظہار ہو رہا ہے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم میں وساطت مصطفیٰ کے متعلق لکھا ہے:

”اس مقام کی تحقیق اس طرح پر ہے کہ سروردو عالم ﷺ کی وساطت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ طالب اور مطلوب کے درمیان حائل اور حاجب ہیں اور دوسری یہ کہ آپ کے طفیل اور تبعیت اور متابعت کے طفیل طالب اپنے مطلوب سے واصل ہو گیا ہے،

سلوک کے راستے میں جب تک سالک حقیقتِ محمدی تک نہیں پہنچا ہے تو سبب بہ ہر دو صورت موجود ہے بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ تمام مشائخ جو کہ سلسلہ میں آئے ہیں سالک کے شہود میں حاجب ہیں (یہ حاجب دو بین کے شیشوں کی طرح ہیں کہ خود نظر نہیں آتے اور نظر پہنچانے کا ذریعہ بنے ہیں) افسوس ہے اگر جذبہ کا اواخر حال اس کا تدارک نہ کرے اور پردہ سے بے پردگی تک معاملہ نہ پہنچے کیونکہ راہ جذبہ میں حقیقت الحقائق (یعنی حقیقتِ محمدی) تک پہنچنے کے بعد تو سبب دوسری صورت اور درجہ کا ہوتا ہے جو بہ معنی طفیلیت اور تبعیت ہے نہ بہ معنی حیلولیت و حجاب جو کہ شہود و مشاہدہ اور ان جیسے دوسرے مقامات کے لیے بہ منزلہ پردہ و حجاب کے ہے“ (ایک اور مقام پر فرماتے ہیں) اس عدم تو سبب یعنی واسطہ کے نہ ہونے سے جو طریق جذبہ میں کہا گیا ہے، کوئی بیوقوف یہ گمان نہ کرے کہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی کچھ حاجت نہیں اور ان کی تبعیت و متابعت کی کچھ پروا نہیں کیونکہ یہ کفر و الحاد و زندقہ ہے اور شریعت حقہ کا انکار ہے حالانکہ اوپر گزر چکا ہے کہ جذبہ سلوک کے واسطے کے بغیر جو شریعت کے بجالانے سے مراد ہے ابتر و ناتمام ہے اور سراسر عذاب ہے جو نعمت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور جذبہ ناتمام کے صاحب پر حجت کو پورا کیا ہے، غرض کشف صریح اور الہام صریح سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ اس راہ کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ اور اس گروہ کے معارف میں سے کوئی معرفت آنحضرت ﷺ کی متابعت کے واسطے اور وسیلہ کے بغیر میسر نہیں ہوتی اور مبتدی اور متوسط کی طرح منتہی کو بھی اس راہ کے فیوضات و تبرکات آنحضرت ﷺ کی طفیل و تبعیت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے، (مکتوب ۱۲۱ دفتر ۳) آپ نے اس مکتوب

گرامی میں تمام شبہات کے جواب ارشاد فرمادیئے ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں۔

آپ ان عبارات میں برابر تسلیم کر رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی تبعیت و طفیلت کا توسط تو سل اور وسیلہ ہر حال میں برقرار رہتا ہے، نجانے ان لوگوں نے اس کو کیوں فراموش کر دیا ہے، آپ چونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں اس لیے ”مرادیت“ سے سرشار ہیں، لیکن ہر مقام پر اسی شرکت کا ذکر کرتے ہیں جو ایک خادم کو اپنے مخدوم سے ہوتی ہے، آپ کے یہ الفاظ کہ ”میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور مراد بھی، میرا سلسلہ ارادت سے بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جا ملتا ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے، لوگوں کے لیے غبارِ خاطر کا سبب ہیں حالانکہ انہیں صحیح بخاری شریف میں مرقوم اس حدیث قدسی کا مطالعہ کرنا چاہیے:

’جب نوافل کے ذریعے میرا بندہ میرے قریب ہو جاتا ہے تو میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں، جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور وہ جو کچھ بھی مجھ سے طلب کرتا ہے میں اسے ضرور بالفور عطا کرتا ہوں،

(بخاری کتاب الرقاق باب التواضع ۹۶۳/۲، مشکوٰۃ ص ۱۹۷)

حدیث قدسی کے الفاظ بھی مفہوم کو اجاگر کر دیتے ہیں مگر مزید تشریح کے لیے حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ کا فرمان دیکھیے، هذا الخبر يدل على انه لم يبق وسمعهم يفر الله ولا في بصرهم ولا في سائر اعضائهم اذ لو بقي هناك نصيب يفر الله لما قال انا

سمعہم و بصرہ یہ حدیث اس پر شاہد ہے کہ بندگانِ الہی کی آنکھوں کا نون بلکہ تمام اعضا میں اللہ کے سوا کسی کا کوئی حصہ نہیں رہتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی اور کا حصہ باقی ہوتا تو اللہ ہرگز نہ فرماتا کہ میں اسکی سمع اور بصر بن جاتا ہوں۔ (تفسیر کبیر ۶۸۶/۵)

مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: عبد متقرب بالنوافل میں اس کے جسم اور صورت کے سوا باقی کچھ نہیں رہتا، اس میں صرف اللہ متصرف ہو گیا، صوفیہ اسے فنا فی اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی تصرف کرنے والا نہیں ہوتا (فیض الباری ۴/۲۲۸) بقول اقبال

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین، کار کشا، کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اسکا دل بے نیاز

ویسے دیکھا جائے تو حضور اکرم ﷺ کی رسالت و نبوت کا مقصد کیا تھا، یہی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دور ہونے والے بندوں کو ہزاروں اصنام و اوثان سے بچا کر اسکی بارگاہِ قدس سے ملانے آئے تھے، وصل کی دولت سے سرفراز کرنے آئے تھے، اگر کوئی شخص آپ کے اس مقصدِ بعثت کی بدولت اور آپ کی متابعت کے طفیل حق تعالیٰ کے دربارِ اکرم سے واصل ہو جاتا ہے اور اسکا ہاتھ دست لم یزل کے کمالات کا مظہر بن جاتا ہے تو اعتراض نہیں ہونا چاہیے، کیا مولانا روم علیہ الرحمۃ نے نہیں کہا کہ پیر کامل صورت ظل الہ ہوتا ہے اور دید پیر، دید کبریا کی صورت بن جاتی ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ قول حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے قول سے زیادہ خطرناک ہے مگر کبھی کسی معترض نے اس طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور اسے سکر ہی سکر قرار نہیں دیا، پھر حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ، کے ان ارشادات کو دیکھا جائے تو کیا تبصرہ کیا جائے:

☆..... میں زمین میں تم پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہوں اور رسول اللہ ﷺ کا نائب ہوں:

(ہجرت الاسرار ص ۲۲ مطبوعہ مصر)

☆..... میں اللہ تعالیٰ کے علوم اور مشاہدات کے سمندروں میں تیرنے والا ہوں،

(ایضاً ص ۲۲، فلاندا الجواہر ص ۲۶)

☆..... ولی اللہ تو حید کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے پھر اس سے تمام حجابات دور کر دیے جاتے ہیں۔

(غنیۃ الطالبین ص ۸۳۱)

☆..... تمہیں کائنات کی تلوین اور تصرف پر اختیار حاصل ہو جائے گا، تم کو پوری قدرت حاصل ہوگی، تم

اللہ کے ساتھ سنو گے، اسی کے ساتھ دیکھو گے، اسی کے ساتھ بولو گے، اسی کے ساتھ پکڑو گے،

اسی کے ساتھ چلو گے اور اسی کے ساتھ سوچو گے، (فتوح الغیب مقالہ ۴۰ مطبوعہ لاہور)

☆..... اللہ نے مجھے اپنے راز قدیم پر مطلع کیا، مجھے عزت کا ہار پہنایا، جو کچھ میں نے مانگا عطا فرمایا

(قصیدہ غوثیہ)

☆..... میں قرب الہی میں یکتا اور یگانہ ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے پھیرتا ہے اور وہ مجھے کافی ہے، (ایضاً)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے متعلق فرمایا ہے کہ ”میرے

پیر عبد الباقی ہیں، لیکن میری تربیت کا متکفل اللہ الباقی ہے، اس کے فضل نے میری تربیت کی ہے، اس

مبارک جملے میں بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ متکفل حقیقی فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، فقل حسبی اللہ لا الہ

الا هو علیہ تو کلت وهو رب العرش العظیم، فرمائیے: مجھے اللہ ہی کافی ہے جس کے سوا کوئی

معبود نہیں، میں اسی پر بھروسا کرتا ہوں اور وہ عرش عظیم کا پروردگار ہے، (سورۃ التوبہ) پیر کامل کی کوشش

ہوتی ہے لیکن فضلِ خدا ہی کا فرما ہوتا تو منزل مقصود حاصل ہوتی ہے، کیا قرآن پاک نے آنکھ جھپکنے سے

بھی پہلے تختِ بلقیس لانے والے ولی کامل کے متعلق پیغمبر برحق حضرت سلیمان علیہ السلام کا عقیدہ بیان

نہیں فرمایا، ہذا من فضل ربی، یہ تو میرے رب کا فضل ہے، خود حضرت باقی باللہ علیہ الرحمۃ اس

فضل عظیم کا اقرار فرماتے ہیں:

☆..... شیخ احمد جیسی ہستی آج اس آسمان کے نیچے اور کوئی نہیں ہے۔

☆..... صحابہ و تابعین کے بعد شیخ احمد جیسی ہستیاں چند ہی گزری ہیں۔

☆..... شیخ احمد قطبیت ارشاد اور قطبیت کے مدار کے جامع ہیں۔

☆..... شیخ احمد مرید نہیں بلکہ مراد اور محبوب ہیں۔

☆..... شیخ احمد کی توجہ سے راہ سلوک میں ہمارا توقف دور ہوا۔

☆..... شیخ احمد کے ذریعے مجھے معلوم ہوا کہ توحید و جود کی تنگ کوچہ ہے۔

☆..... شیخ احمد کی ذات پر مجھے فخر ہے۔

☆..... شیخ احمد کے بچے اسرار الہی ہیں، شجرہ طییبہ ہیں، اللہ نے خوب کھیتی اگائی ہے۔

یہ تمام رشحاتِ طییبہ ان کے خطوط میں موجود ہیں، جب وہ خود شیخ کامل ہو کر ان کو اپنی مراد اور محبوب قرار دے رہے ہیں تو ایک بار تحدیثِ نعمت کے طور پر انہوں نے بھی اعلان کر دیا تو کیا غضب ہوا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا اظہار بھی کرنا چاہیے، تاکہ کمال شکر کا درجہ نصیب ہو جائے، بہر حال یہ مکتوب گرامی آپ کے خداداد کمالات اور اسرارِ گنجینہ ہے جسے لوگوں نے ناواقفیت کی بنا پر موردِ اعتراض ٹھہرا لیا ہے۔

اللہم اهدنا الصراط المستقیم، بحرمة رسولک الکریم

عرفانِ خدا کے دور راستے:

تصوف و عرفان کی دنیا میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ہی وہ بلند پایہ شخصیت ہیں جنہوں نے پہلی بار عرفانِ خدا کے حصول کے لیے دو راستوں کا انکشاف کیا ہے، ایک قربِ نبوت کا راستہ اور دوسرا قربِ ولایت کا راستہ، ان راستوں کا انکشاف آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کا بہت بڑا کارنامہ ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

”ایک راہ وہ ہے جو قربِ ولایت سے تعلق رکھتی ہے، اقطاب و اوتاد اور بدلاء و نجباء اور عام اولیاء اس راہ سے واصل ہیں اور راہ سلوک اسی راہ کا نام ہے بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اس راہ میں تو وسط و حیولیت ثابت ہے، اس راہ کے واصلین کے سردار اور منبع فیض حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، یہ عظیم الشان منصب انہی سے تعلق رکھتا ہے، اس راہ میں رسول اللہ ﷺ کے دونوں قدم ان کے سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہم بھی اس مقام میں ان کے شریک کار ہیں، (معارف لدنیہ ص ۶۶)

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے بلجا و ماویٰ تھے جیسا کہ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جسکو بھی فیض پہنچا ہے، ان کے ذریعے پہنچا ہے کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطے کے نزدیک ہیں، ان کے دور کے بعد حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما اس منصب عظیم پر فائز ہوئے، پھر باقی ائمہ اثنا عشر میں سے ہر بزرگ کا ترتیب وار تقرر ہوا یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچی، حضرات ائمہ اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی دوسرا اس مرکز پر معلوم نہیں ہوتا، اسی لیے آپ نے فرمایا۔

افلت شمس الاولین و شمنا
ابدأ علی افق العلوی لا تغرب

سورج سے مراد فیضانِ رشد و ہدایت کا آفتاب ہے اور اسکے غروب ہونے کا مطلب فیضانِ مذکورہ کا عدم ہے، پہلوں کی طرح حضرت شیخ ہی فیض و ہدایت کے وصول کا واسطہ قرار پائے تو جب تک فیض کے توسط کا معاملہ قائم ہے تو ان کے وسیلے سے ہی وابستہ ہے، دریں حالات افلت شمس الاولین فرمانا یقیناً درست ہے، (مکتوب ۱۲۳ دفتر ۳)

میں کہتا ہوں کہ مجدد الف ثانی بھی اس مقام (قرب ولایت) میں حضرت شیخ کا نائب مناب ہے اور ان کی نیابت کے باعث یہ معاملہ اس سے وابستہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے، نور القمر مستفاد من نور الشمس، چاند کا نور سورج کے نور سے استفادہ کرتا ہے، لہذا اب کوئی تضاد نہیں رہا (ایضاً)

جاننا چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے کامل تبعین جب تبعیت کے طور پر مقام نبوت کے کمالات کو پوری طرح حاصل کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب امامت پر فائز کر دیا جاتا ہے اور بعض کو ان کمالات

کے مجرد حصول پر کفایت فرماتے ہیں، یہ دونوں قسم کے بزرگ نفس کمال کے حصول میں برابر ہیں، فرق صرف منصب پر فائز کرنے اور نہ کرنے کا ہے یا ان امور کا جو اس منصب سے تعلق رکھتے ہیں، کامل متبعین جب ولایت نبوت و کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو مجرد حصول پر اکتفا کرتے ہیں، یہ دونوں منصب کمالاتِ اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں کامل متبعین جب ولایت نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو مجرد حصول پر اکتفا کرتے ہیں، یہ دونوں منصب کمالاتِ اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کمالاتِ ظلیہ میں منصب امامت کے مناسب قطب الارشاد کا منصب ہے، اور منصبِ خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب، یعنی یہ نیچے والے دونوں مقام اوپر والے دونوں مقام کے ظل ہیں، شیخ ابن عربی علیہ الرحمۃ کے نزدیک قطب مدار ہی غوث ہوتا ہے جبکہ فقیر کا عقیدہ ہے کہ غوث قطب مدار سے الگ ہوتا ہے اور وہ اس کے فرائض میں معاون ہوتا ہے، قطب مدار بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے، ابدال کے مناسب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے، قطب مدار کو اس کے اعوان و انصار کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی قطب حکمی ہیں۔ (مکتوب ۶۱ دفتر ۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اس اجتہادی فکر و عرفان سے معلوم ہوا کہ قرب ولایت کے کمالات کے حصول پر خلافت کا منصب ملتا ہے اور قطب الارشاد اس کا ظل ہے گویا منصب امامت منصب خلافت سے بھی افضل ہے اور قطب الارشاد قطب الاقطاب سے اعلیٰ ہے اور آپ کے ایک اور مکتوب گرامی کے مطابق کمالاتِ فردیہ کا جامع ہے، عزیز الوجود اور نایاب ہوتا ہے، قرنوں اور زمانوں کے بعد ایسا گوہر یکتا ہاتھ آتا ہے اور عالم تیرہ و تار یک اسکی نورانیت سے منور ہو جاتا ہے، جو شخص اس بزرگ کا منکر ہے تو

اگرچہ وہ ذکر الہی میں مشغول کیوں نہ رہے، رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم رہے گا اور جو اس بزرگ سے محبت کرتے ہیں اگرچہ ذکر و فکر سے خالی ہوں لیکن اسکی محبت کے سبب انہیں رشد و ہدایت کے نور سے حصہ مل جائے گا، (مکتوب ۲۶ دفتر ۱) اس مقام پر ایک اشکال بھی جنم لیتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ ”وہ ولایت محمدی کے (کمالات کے) سر حلقہ ہیں جو لطیفہ قلب کے راستے حاصل ہوئی ہے نہ کہ مطلق ولایت کے سر حلقہ کہ اس سے ان کی افضلیت لازم آئے علاوہ بریں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مطلق ولایت محمدی (کے کمالات کا) سر حلقہ ہونا بھی افضلیت کو مستلزم نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا تبعیت و وراثت کے طور پر نبوت محمدی کے کمالات میں پیش قدم ہو اور ان کمالات کے باعث افضلیت اس کے لیے ثابت ہو، (مکتوب ۹۳ دفتر ۱)۔

اشکال یہ ہے کہ چونکہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ خود کو نبوت محمدی کے کمالات میں پیش قدم سمجھتے ہیں لہذا لامحالہ وہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے افضل ہوئے، ہاں ولایت محمدی کے کمالات میں انہوں نے اپنے آپ کو غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے منور ہونے کا اعلان فرمایا ہے جس طرح کہ چاند سورج کی روشنی سے منور ہوتا ہے، جو اباً عرض ہے کہ مذکورہ بالا مکتوب گرامی میں نبوت محمدی کے کمالات میں پیش قدم افضل شخصیت سے مراد غالباً حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ بالا جماع حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے افضل ہوں گے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ بھی اگرچہ نبوت محمدی کے کمالات میں پیش قدم تھے لیکن اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو وہ کمالات نصیب نہیں ہوئے، آپ کے مکتوب ۱۲۳ دفتر سوم پر توجہ دی جائے:

”میں کہتا ہوں کہ توسط و وسیلہ کا معاملہ مذکورہ بالا راہوں میں سے دوسرے راستے پر موقوف ہے جو قرب ولایت سے مراد ہے، لیکن راہ اول میں جو قرب خلوت سے مراد ہے توسط و وسیلہ کا معاملہ مفقود ہے، اس راستے سے جو کوئی واصل ہوا ہے، کوئی حائل و متوسط درمیان نہیں آیا، دوسرے کے وسیلے کے بغیر اس کو (نبوت کے) فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں، توسط و حیلولہ فقط دوسرے راستے میں ہے اور اس مقام کا معاملہ علیحدہ ہے جیسے کہ گزر چکا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اور حضرت مہدی علیہ الرضوان راہ اول سے واصل ہیں جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما حضور اکرم ﷺ کی تبعیت کے ضمن میں راہ اول سے واصل ہوئے اور اپنے درجوں کے موافق شانِ خاص کے حقدار ٹھہرے تنبیہ واضح ہو کہ ممکن ہے کہ آدمی قربِ ولایت کے راستے سے قربِ نبوت تک پہنچ جائے اور ہر دو معاملہ میں شریک ہو اور انبیا کرام کی طفیل اسکو بھی جگہ دے دیں اور دونوں جگہوں کا معاملہ اس پر وابستہ کر دیں۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے کہیں بھی اپنے آپکو مقام ولایت میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ، سے افضل اور اعلیٰ قرار نہیں دیا، یہ تمام تروضاحتیں اور صراحتیں صرف اس لیے بیان فرمائیں کہ کوئی شخص حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو مطلق ولایت محمدی کا سر حلقہ سمجھتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی اور اسی طرح دیگر شخصیات جن کی بزرگی ان پر مسلم ہے، سے افضل اور اعلیٰ تصور نہ کر لے۔۔۔۔

عالم مثال کے متعلق اجتہادی رائے:

عالمین میں سے ایک عالم ایسا بھی ہے جسے عالم مثال کہا جاتا ہے اور وہ تمام عالمین سے زیادہ وسیع و عریض ہے، جو کچھ دیگر عالمین میں پایا جاتا ہے اسکی صورت عالم مثال میں موجود ہے، معقولات اور معانی سب وہاں ایک صورت رکھتے ہیں، بزرگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مثل نہیں مثال ہے، واللہ المثل الاعلیٰ، لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا، تزیہ صرف کے مرتبہ میں جس طرح مثل نہیں، مثال بھی نہیں، فلا تضربوا اللہ الامثال، اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مثال بیان نہ کرو، یہ عالم صغیر عالم مثال کا نمونہ خیال ہے کیونکہ تمام اشیاء کی صورت خیال میں متصور ہے، خیال ہی سالک کے احوال و مقامات کی کیفیات کو مختلف صورتوں میں ظاہر کرتا ہے اور صاحب علم بنا دیتا ہے، اگر خیال نہ ہو اور جس جگہ خیال پہنچ نہ سکتا ہو وہاں جہل لازم ہے، یہی وجہ ہے کہ مرتبہ ظلال کے اوپر جہل اور حسرت ہے کیونکہ خیال کی

دوڑ مراتب ظلال تک ہے، جہاں ظل نہیں وہاں خیال کی گنجائش نہیں، جب صورت تنزیہی عالم مثال میں نہیں آسکتی جیسے گزر چکا ہے تو خیال میں جو مثال کا پرتو ہے، صورت تنزیہی کس طرح متصور ہو سکتی ہے، وہاں جہل اور حیرت کے سوا کچھ نہیں ہوگا، جہاں علم نہیں وہاں گفتگو بھی نہیں، جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اسکی زبان گنگ ہوگئی، اس کا نشان ہے اور جہاں علم ہے وہاں گفتگو بھی ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اسکی زبان دراز ہوگئی، اس کا بیان ہے، پس زبان کی درازی ظلال میں ہوتی ہے اور زبان کی گنگی مراتب ظلال سے اوپر ہوتی ہے، خواہ فصل ہو یا صفت، خواہ اسم ہو یا مسمیٰ، پس جو کچھ خیالات کا بنایا ہوا ہے چونکہ وہ ظلال سے ہے اس لیے وہ معلول اور جعلی طور سے بنایا ہوا ہے لیکن چونکہ مطلوب کے علامات و آثار سے ہے اس لیے علم الیقین کا فائدہ دیتا ہے، عین الیقین اور حق الیقین ظلال و خیال سے وراء الوریٰ ہے، خیال کی لخت سے تب نجات ملتی ہے جب سیر نفسی کو بھی سیر آفاقی کی طرح پیچھے چھوڑ دیں اور ان دونوں سے آگے جو لان کریں یہ بات اکثر اولیا کرام کو مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے، جب تک وہ زندہ رہتے ہیں خیال دامنگیر رہتا ہے، چند بزرگ اولیا کو یہ دولت دنیا میں نصیب ہوتی ہے کہ وہ خیال سے تصرف سے نکل جاتے ہیں اور مطلوب کو خیال کی تراش کے بغیر حاصل کر لیتے ہیں اور تجلی ذاتی برقی ان کے حق میں دائمی ہو جاتی ہے اور وصل عریانی پر توڑالتا ہے، بعض اوقات لوگ واقعات اور منامات میں مثال و خیال میں دیکھتے ہیں کہ ہم بادشاہ بن گئے ہیں یا ہم قطب ہیں اور تمام جہان ہماری طرف متوجہ ہے، یہ رویت کچھ نہ کچھ صدق رکھتی ہے لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ بادشاہ اور قطب بننے کے معنی اور استعداد ان لوگوں میں پائی جاتی ہے لیکن ضعیف ہے، اس لائق نہیں کہ عالم شہادت میں ظہور پائے، یہ دو امر حال سے خالی نہیں، اگر یہ معنی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قوت پا جائیں تو اس بات کے لائق ہو جائیں گے کہ عالم شہادت میں ظہور پیدا کریں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بادشاہ اور قطب وقت بن جائیں، اگر ان معانی نے اس قدر قوت نہ پائی کہ عالم شہادت میں ظاہر ہوں تو وہی مثالی ظہور جو تمام ظہورات میں سے کمزور اور ضعیف ہے، کفایت کرتا ہے اور قوت کے بموجب ظہور پاتا ہے، اگر یہ معنی عالم شہادت میں ظہور پیدا کر لیں تو بڑی اعلیٰ دولت ہے، اور اگر ظہور مثالی پر ہی کفالت کر لیں تو لا حاصل ہے اور جائے مصیبت ہے، ہر جلاہا اور حجام خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھتا ہے لیکن کچھ حاصل نہیں، پس واقعات پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔۔۔۔۔ عالم شہادت میں جو کچھ حاصل ہو جائے اس کو اپنا سمجھنا چاہیے۔۔۔

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

نہ شیم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

عالم مثال کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد اس سوال کی طرف توجہ دیں جو خواجہ محمد تقی نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے پوچھا، حضرت شیخ اکبر ابن عربی علیہ الرحمۃ نے فتوحات مکیہ میں ایک حدیث لکھی ہے، ان اللہ تعالیٰ خلق مائة الف آدم، اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم کو پیدا کیا، اور انہوں نے عالم مثال کے بعض مشاہدات کے بارے میں ایک حکایت لکھی کہ کعبہ معظمہ کے طواف کے وقت ایسا ظاہر ہوا کہ ان کے ہمراہ انجان لوگوں کی جماعت طواف کر رہی ہے، طواف میں انہوں نے یہ عربی شعر پڑھا۔

لقد طفنا كما طفتم سنیناً

بهذا البيت طراً جميعنا

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب یہ شعر سنا، دل میں گزرا کہ یہ سب عالم مثال کے بدن ہیں، ان میں سے ایک نے میری طرف دیکھا اور کہا، میں تیرے اجداد میں سے ہوں میں نے پوچھا، تجھے فوت ہوئے کتنے سال ہوئے ہیں، فرمایا، مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزرا ہے، میں نے کہا، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کو تو سات ہزار سال ہوئے، اس نے فرمایا، تو کس آدم کا ذکر کر رہا ہے، کیا اس آدم کا ذکر کرتا ہے جو اس سات ہزار سال کے دورہ کے اول پیدا ہوا ہے، اس پر مذکورہ صدر حدیث دل میں گزری وہ اس قول کی تائید کرتی ہے، حضرت ابن عربی علیہ الرحمۃ کے اس قول پر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے تبصرہ فرمایا اور عالم مثال کے باکمال اسرار ظاہر کیے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

”میرے مخدوم! اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جو کچھ اس فقیر

پر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب آدم جو حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے پہلے گزرے ہیں، ان کا وجود عالم مثال میں ہوا ہے نہ عالم شہادت میں حضرت آدم علیہ السلام یہی ہیں جو عالم شہادت میں موجود ہوئے ہیں اور زمین میں خلافت پا کر مسجود ملائک ہوئے ہیں،

حاصل کلام یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام چونکہ جامعیت کی صفت پر مخلوق ہوئے ہیں، اپنی حقیقت میں بہت سے لطائف اور اوصاف رکھتے ہیں، ان کے وجود سے بیسٹار قرن پہلے ہر وقت ان کی صفات میں سے کوئی صفت یا ان کے لطائف میں سے کوئی لطیفہ حق تعالیٰ کی ایجاد سے عالم مثال میں موجود ہوا ہے اور آدم کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور اسی کے نام کا مسکئی ہوا ہے اور منتظر آدم کے کاروبار اس سے وقوع میں آئے ہیں حتیٰ کہ توالد و تناسل بھی جو اس عالم مثال کے مناسب ہے ظاہر ہوا ہے اور اس عالم کے مناسب ظاہری باطنی کمالات بھی حاصل ہوئے ہیں اور ثواب و عذاب کا مستحق ہو کر بلکہ اس کے حق میں قیامت قائم ہو کر بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں گئے ہیں، بعد ازاں پھر کسی وقت اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے کوئی صفت یا لطیفہ آدم علیہ السلام کا اس عالم میں ظاہر ہوا اور وہ کاروبار جو ظہور اول سے وجود میں آئے تھے، ظہور ثانی سے بھی وہی کاروبار ظاہر ہوئے، جب یہ دورہ بھی تمام ہو گیا، صفات و لطائف کا تیسرا ظہور حاصل ہوا، جب اس ظہور نے بھی اپنا دورہ ختم کیا تو چوتھا ظہور ثابت ہوا الی ماشاء اللہ، جب ان کے مثالیہ ظہورات کے دورے جو ان کے لطائف و صفات کے ساتھ تعلق رکھتے تھے تمام ہو گئے، آخر کار وہ نسخہ جامعہ عالم شہادت میں حق تعالیٰ کی ایجاد سے وجود میں آیا اور فضل خداوندی سے معزز و مکرم ہوا، اگر لاکھ آدم بھی ہوں تو سب اس آدم کے اجزا اور اس کے ہاتھ پاؤں اور اسی کے وجود کے مبادی و مقدمات ہیں، شیخ بزرگوار کا جس کوفوت ہوئے چالیس ہزار سال گزرے ہیں، عالم مثال میں شیخ کے اس جد کے لطائف میں سے ایک لطیفہ تھا جو عالم شہادت میں وجود رکھتا تھا اور یہ بیت اللہ کا طواف

جو انہوں نے کیا ہے عالم مثال میں کیا ہے کیونکہ کعبہ معظمہ کی بھی عالم مثال میں صورت و شبیہ ہے جو اس عالم والوں کا قبلہ ہے، اس فقیر نے اس بارے میں بہت دور تک نظر دوڑائی ہے اور بڑا غور کیا ہے لیکن عالم شہادت میں دوسرا آدم کوئی نظر نہیں آیا اور عالم مثال کے شعبدوں کے سوا کچھ نہ پایا اور یہ جو بدن مثالی نے کہا ہے کہ میں تیرا جد ہوں اور مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ گزرے ہیں، اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ پہلے آدم اس آدم کے صفات و لطائف کے ظہورات تھے نہ یہ کہ علیحدہ خلقت رکھتے تھے اور اس آدم کے برخلاف اور الگ تھے کیونکہ مخالف اور مبالغہ کو اس آدم سے کیا نسبت اور کیونکر جد ہو سکتے حالانکہ اس آدم کی پیدائش سے ابھی سات ہزار سال تمام نہیں ہوئے پھر چالیس ہزار سال کی کہاں گنجائش ہے، وہ لوگ جن کے دل بیمار ہیں ان حکایات سے تناخ سمجھتے ہیں اور عجب نہیں کہ قدم عالم کے قائل ہو جائیں اور قیامت کبریٰ کا انکار کر دیں، بعض ملحد لوگ جو باطل کے ساتھ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں، تناخ کے جواز کا حکم دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ نفس جب تک حد کمال تک نہ پہنچے، بدنوں کے تغلب یعنی بدلنے سے اس کو چارہ نہیں اور کہتے ہیں کہ جب نفس حد کمال تک پہنچ جائے بدنوں کی تبدیلی بلکہ بدنوں کے متعلق سے فارغ ہو جاتا ہے اور اسکی پیدائش سے مقصود یہی اسکا کمال ہے جو میسر ہو گیا، یہ بات صریح کفر ہے اور ان تمام باتوں کا انکار ہے جو دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں کیونکہ آخر کار جب تمام نفوس حد کمال کو پہنچ جائیں پھر دوزخ کس کے لیے ہوگی اور عذاب کس کو ہوگا، اسمیں دوزخ اور آخرت کے عذاب اور جسموں کے ساتھ اٹھنے کا انکار ہے کیونکہ ان کے خیال میں نفس کو اب جسم کی

جو اس کے کمال کا آلہ ہے کوئی حاجت نہیں رہی تا کہ جسم کے ساتھ اٹھایا جائے، ان لوگوں کا اعتقاد بعینہ فلاسفہ کے اعتقاد کے مطابق ہے جو حشر اجساد سے انکار کرتے ہیں اور عذاب و ثواب روحانی جانتے ہیں بلکہ ان کا اعتقاد فلاسفہ کے اعتقاد سے بھی بدتر ہے کیونکہ وہ تناخ کو رد کرتے ہیں اور روحانی عذاب و ثواب ثابت کرتے ہیں اور یہ لوگ تناخ کو بھی ثابت کرتے ہیں اور عذاب آخرت سے بھی انکار کرتے ہیں، عذاب ان کے نزدیک دنیا ہی کا عذاب ہے جو نفوس کی تہذیب کے لیے ثابت کرتے ہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور دیگر بعض اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے کہ ان کے وجود خاکی سے کئی زمانہ پہلے ان سے عجیب و غریب اعمال و افعال عالم شہادت میں واقع ہوئے ہیں، تناخ کے جواز کے بغیر یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے، جواب یہ ہے کہ وہ اعمال و افعال ان بزرگوں کے ارواح سے صادر ہوئے ہیں جو حق تعالیٰ کے ارادہ سے خود اجہاد کے ساتھ مجتہد ہو کر عجیب و غریب افعال کے مرتکب ہوئے، کوئی اور اجساد نہیں جس کے ساتھ ان کا تعلق ہو، تناخ کے یہ معنی ہیں کہ روح کا اس جسد کے تعلق سے پہلے کسی اور جسد کے ساتھ جو اس جسد کے مخالف اور متغائر ہے، تعلق ہو اور جب خود ہی جسد کے ساتھ مجتہد ہو جائے پھر تناخ کہاں ہوگا، جن جو مختلف شکلیں بن جاتے ہیں اور مختلف جسدوں میں مجتہد ہو جاتے ہیں اس وقت ان سے اعمال عجیبہ جو ان شکلوں اور جسدوں کے مناسب ہیں ظہور میں آتے ہیں، ان میں کوئی تناخ اور حلول نہیں، جب جنوں کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اس قسم کی طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہو کر عجیب و غریب کام کریں تو اگر کالمیلین کی ارواح کو یہ طاقت بخش

دیں تو کونسی تعجب کی بات ہے اور دوسرے بدن کی ان کو کیا حاجت ہے، اسی قسم کی ہیں وہ بعض حکایتیں جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں اور مختلف کام ان سے وقوع میں آتے ہیں، یہاں بھی ان کے لطائف مختلف جسدوں میں مجسم ہو کر اور مختلف شکلوں میں متشکل ہو جاتے ہیں، اسی طرح اس عزیز (مجدد الف ثانی) کا حال ہے جو ہندوستان میں وطن رکھتا ہے اور کبھی اپنے ملک سے باہر نہیں نکلا، بعض لوگ کعبہ معظمہ سے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اس عزیز کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے اور ہمارے اور اس عزیز کے درمیان ایسی ایسی باتیں ہوئی ہیں، بعض نقل کرتے ہیں کہ ہم نے اسکوروم میں دیکھا ہے اور بعض بغداد میں دیکھ کر آئے ہیں، یہ سب اس عزیز کے لطائف ہیں جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں اور اس عزیز کو ان شکلوں کی نسبت اطلاع نہیں ہوتی اسی واسطے لوگوں کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ سب مجھ پر تہمت ہے، میں اپنے گھر سے باہر نہیں گیا، نہ میں نے حرم کعبہ کو دیکھا ہے اور نہ میں روم و بغداد کو جانتا ہوں اور نہیں پہچانتا کہ تم کون ہو، اسی طرح حاجت مند لوگ اپنے زندہ یا وصال شدہ بزرگوں سے خوف و ہلاکت کے وقت مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتوں نے حاضر ہو کر ان کی بلا کو دفع کر دیا ہے، ان بزرگوں کو اس بلیہ کے دفع کرنے کی اطلاع کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔

از ما و شما بہانہ ساختہ اند

یہ بھی ان بزرگوں کے لطائف کی شکلیں ہیں، یہ شکلیں کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہیں کبھی عالم مثال میں، جس طرح ایک ہی رات میں ہزار آدمی رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں، یہ سب رسول اللہ ﷺ کی صفات

اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور مشکلات کو حل کرتے ہیں، کمون و بروز جو بعض مشائخ نے کہا ہے، تناخ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا کیونکہ تناخ میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ اس غرض کے لیے تعلق ہوتا ہے تاکہ اس کے لیے حیات و زندگی ثابت ہو اور اس کو حس و حرکت حاصل ہو اور بروز میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ تعلق اس غرض کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس بدن کو کمالات حاصل ہوں اور اپنے درجات تک واصل ہو جائے جس طرح کہ جن انسان کے ساتھ تعلق پیدا کر لے اور اس کے وجود میں بروز کرے، یہ تعلق بھی انسان کی زندگی کے واسطے نہیں ہے کیونکہ آدمی اس تعلق سے پہلے حس و حرکت والا ہے، وہ چیز جو اس تعلق سے اس میں پیدا ہوگئی ہے وہ اس جن کے صفات و حرکات و سکنات کا ظہور ہے لیکن مشائخ مستقیمۃ الاحوال کمون و بروز کا ہرگز بیان نہیں کرتے اور ناقصوں کو بلا وقتہ میں نہیں ڈالتے، فقیر کے نزدیک کمون و بروز کی کچھ ضرورت نہیں، کامل اگر کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہے تو بغیر اس بات کے کہ اسمیں بروز کرے، اللہ تعالیٰ کے اقتدار سے اپنی صفاتِ کاملہ کو مرید ناقص میں منعکس کر دیتا ہے اور توجہ و التفات سے اس انعکاس کو ثابت و برقرار رکھتا ہے تاکہ مرید ناقص، نقص سے کمال تک آجائے اور صفاتِ رذیلہ کو چھوڑ کر صفاتِ حمیدہ کو اختیار کرے اور کچھ کمون و بروز درمیان نہ ہو، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم، بعض لوگ نقل ارواح کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ روح کو کمال کے بعد اس قسم کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ اپنے بدن کو چھوڑ کر دوسرے بدن میں داخل ہو سکتا ہے..... فقیر کے نزدیک نقل روح کا قول تناخ کے قول سے بھی گیا گزرا ہے کیونکہ تناخ کا نفس کی تکمیل کے لیے اعتبار کرتے ہیں اگرچہ یہ اعتبار باطل ہے اور نقل روح کمال کے حاصل ہونے کے بعد خیال کرتے ہیں حالانکہ کچھ کمال نہیں، جب بدنوں کا تبدل کمالات کے حاصل ہونے کے لیے مقرر کیا ہو تو پھر کمال حاصل ہونے کے بعد دوسرے بدن میں نقل کرنا کس لیے ہے، اہل کمال تماشائی نہیں ہیں، ان کا مقصود کمال کے حاصل ہونے کے بعد بدنوں سے الگ ہونا ہے نہ کہ بدنوں کے ساتھ تعلق اختیار کرنا، کیونکہ بدنوں کے تعلق سے جو کچھ مقصود تھا وہ حاصل ہو چکا ہے، نیز نقل روح میں بدن اول کا مارنا اور دوسرے بدن کا زندہ کرنا ہے، پس بدن اول کو احکام برزخ کے حاصل ہونے سے چارہ نہیں اور قبر کے عذاب و ثواب سے خلاصی نہیں اور دوسرے بدن کے لیے جب دوسری حیات ثابت کرتے ہیں، اس کے لیے گویا دنیا میں حشر ثابت ہو گیا، یا شاید نقل روح کا قائل قبر کے عذاب و ثواب کا قائل نہیں اور حشر و نشر کا معتقد نہیں، افسوس

صدافسوس اس قسم کے مکار اور کذاب لوگ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوئے ہیں، یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں، اوروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ (مکتوب ۵۸ دفتر ۲)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے اس مکتوب گرامی میں اپنے اجتہادی فکر و عرفان کے ساتھ ان علوم اور اسرار کو اجاگر کیا ہے:

☆..... حضرت آدم علیہ السلام ایک ہی ہیں، عالم مثال میں ان کے لطائف کا فرما ہوئے، یہ فکر صحیح اسلامی تعلیمات سے ماخوذ ہے، لاکھوں آدم تصور کر لینے سے قرآن پاک کی تکذیب لازم آتی ہے (معاذ اللہ)

☆..... عالم مثال کی ایک اپنی دنیا ہے جس میں تمام عالمین کے نمونے پائے جاتے ہیں۔

☆..... آپ نے تناخ اور نقل ارواح کے نظریات کی تردید کی اور اس پر عقلی دلائل قائم فرمائے ہیں۔

☆..... کمون و بروز کی جگہ 'انعکاس' کی اصطلاح متعارف کروائی ہے جس پر کوئی شرعی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

☆..... اولیا کرام کا ایک ہی وقت میں مختلف مکانات میں حاضر و ناظر ہونے کا فلسفہ بیان کیا ہے۔

☆..... بزرگان دین کی روحانی امداد اور استمداد کی تائید فرمائی ہے اور اسکی عقلی توجیہ ذکر کی ہے۔

☆..... عالم مثال سے علم الیقین کا کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے جو عین الیقین اور حق الیقین کے لیے مہمیز کا کام دیتا ہے۔

☆..... عالم مثال کی نسبت عالم شہادت کے واقعات پر اعتبار کرنا چاہیے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ، کی اجتہادی تشریح:

صوفیہ کرام کی اصطلاحات میں "نفس" بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، نفس کا لغوی معنی "وجود شے" ہے یعنی کسی چیز کی ذات یا اسکے وجود کو نفس کہا جاتا ہے، لفظ نفس کے دو مادے مذکور ہیں، اگر یہ نفاست سے مشتق ہو اسکا معنی ہے نفس اور لطیف اور اگر تنفس سے مشتق ہو تو اسکا معنی ہے سانس کی آمد و رفت، اصطلاحی طور پر نفس سے مراد اخلاق ذمیرہ کی وہ کیفیات ہیں جو فطری اور خلقی ہیں مثلاً حسد، بخل، تکبر، غیبت اور کذب وغیرہا گویا نفس سے مراد ایک ایسا لطیف وجود ہے جو اخلاق ذمیرہ کا مورد و مصدر ہے جیسا کہ کان سننے کا،

ناک سونگھنے کا اور زبان چکھنے کا مرکز و مصدر ہے، اسی طرح نفس اخلاق ذمیرہ اور عاداتِ رذیلہ کا لطیف فعل اتصاف ہے، نفس کا یہ مفہوم قرآن پاک سے ثابت ہے، إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ، یعنی نفس برائیوں کا حکم دینے والا ہے، (سورہ یوسف آیت ۵۳) نفس کی تشریح سے روح کے متعلق بھی یہ نظریہ قائم کیا جاسکتا ہے کہ وہ اخلاق حمیدہ اور اعمالِ صالحہ کا نورانی محل اتصاف ہے اور ان کا مورد و مصدر ہے، اس استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن پاک میں کسی جگہ بھی کسی بدی اور گناہ کو روح کی جانب منسوب نہیں کیا گیا، صوفیہ کرام کے نزدیک نفس عالم خلق کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جس کا مقام جسم انسانی میں وسط پیشانی یا ناف کے متصل ہے، جو نفس عاداتِ سفلیہ سے مغلوب ہوا سکونفس امارہ کہتے ہیں، جو نفس ریاضت کے نور کی برکت سے معصیت پر ملامت کرتا ہوا سکونفس لوامہ کہتے ہیں، قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے، وَلَا قَسَمَ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے (سورۃ القیامہ آیت ۲) جو نفس پاک ہو کر اعلیٰ مراتب پر فائز ہو جائے اسکو نفس مطمئنہ کہتے ہیں، اس آیت میں مذکور ہے، يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، اے اطمینان والی جان تو اپنے رب کی طرف لوٹ آ (اس حال میں) کہ تو اپنے رب پر راضی ہے اور وہ تجھ پر راضی ہے (سورۃ الفجر آیت ۲۷) صوفیہ کے نزدیک ابلیس بھی نفس کی جہالت کی جہت کا مظہر ہے اور اسے انسانوں پر نفس ہی کی وجہ سے کامیابی نصیب ہوتی ہے گویا یہ انسانی جسم کے اندر اس کا بہت بڑا جاسوس ہے، زیادہ علماء کرام کے نزدیک چونکہ نفس کی اصل خراب نہیں اس لیے ہدایت کی معمولی سی تحریک سے اسکی اصلاح بھی ہو جاتی ہے، نفس کی یہ خاصیت ابلیس کو حاصل نہیں، چنانچہ اس بنا پر زیادہ علماء کرام روح اور نفس کے اتحاد کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ روح اور نفس حقیقت واحدہ ہیں، ان میں تغائر صفات کے اعتبار سے ہے نہ کہ ذات کے اعتبار سے، ماں کے پیٹ میں جب فرشتہ روح پھونکتا ہے تو اس وقت وہ روح ہے لیکن معصیت کے کسب اور ارتکاب کے وقت اس پر نفس کا اطلاق ہوتا ہے، جیسا کہ الروض الانف میں حضرت امام ابو القاسم سہیلی نے بحث فرمائی ہے، علامہ ابن قیم الجوزیہ نے بھی لکھا ہے کہ روح اور نفس کا مصداق اور مسمی واحد ہے اور یہ جمہور علماء کا مسلک ہے۔ (کتاب الروح ص ۴۸۸) حضرت امام ربانی قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں:

”پاک ہے وہ ذات جس نے نور (روح) کو ظلمت (نفس) کے

ساتھ جمع کیا اور لامکانی (روح) جو کہ جہت سے بری ہے،

کو مکانی (نفس) جسکو جہت حاصل ہے، کا ساتھی بنایا ہے اور ظلمت کو نور کی نظر میں محبوب کر دیا اور وہ نور اس ظلمت پر فریفتہ ہو گیا اور کمالِ محبت سے اسکے ساتھ مل گیا تاکہ اس تعلق سے اسکی روشنی زیادہ ہو جائے اور ظلمت کی ہمسائیگی سے اسکی صفائی کامل ہو جائے جس طرح کہ آئینہ کو جب صیقل کرنا اور اسکی لطافت کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اسکو مٹی سے آلودہ کرتے ہیں تاکہ مٹی کی ظلمت کی ہمسائیگی سے اسکی صفائی ظاہر ہو جائے اور مٹی کی کثافت کی وجہ سے اسکی روشنی زیادہ ہو جائے پس اس نور (روح) نے ظلمانی معشوق کے مشاہدہ میں غرق ہونے اور عنصری جسم سے تعلق ہونے کے باعث جو کچھ اسکو پہلے قدسی شہود سے حاصل تھا فراموش کر دیا بلکہ اپنی ذات اور وجود کے متعلقات سے بھی بے خبر ہو گیا، پس وہ اسکی ہمنشین سے اصحابِ مشئمہ یعنی بائیں ہاتھ والوں میں سے ہو گیا، اور اسکی صحبت میں اصحابِ میمنہ یعنی دائیں ہاتھ والوں کے فضائل کو ضائع کر دیا، پس اگر اسی استغراق کے تنگ کوچہ میں پڑا رہا اور اطلاق و آزادی کے میدان میں نہ پہنچا تو اس پر ہزار افسوس ہے کیونکہ اس کے وجود سے جو مقصود تھا حاصل نہ ہوا۔ (مکتوب ۲۲ دفتر ۱)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے فرمان سے معلوم ہوا کہ روح اور نفس دو الگ حقیقتوں کے نام ہیں، یہی وجہ ہے کہ انسانی جسم میں ان کے لطائف بھی الگ ہیں اور ان کے احکام بھی الگ ہیں، ایک کا مبداء نور ہے، تو دوسری کا مبداء ظلمت ہے، لہذا من عرف نفسه، فقد عرف ربه کا معنی بھی دوسرے مفکرین تصوف سے جداگانہ ہو جائے گا، حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ نے اپنے نفس کی معرفت کو خدا تعالیٰ کی معرفت قرار دیا ہے تو اس کا یہ معنی نہیں کہ انسان اور خدا تعالیٰ عین یکدیگر ہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی حقیقت کو شرارت و نقص کے ساتھ پہچان لیا اور اس نے جان لیا کہ ہر خیر و کمال جو اس میں پوشیدہ کیا گیا ہے وہ حضرت واجب الوجود کی طرف عاریت کے طور پر ہے پس وہ

ضرور ہی حق تعالیٰ کو خیر و کمال اور حسن و جمال سے پہچان لے گا، (مکتوب ۲۳۴ دفتر ۱)

اللہم ارنا حقائق الاشياء كما هي

روح لامکانی ہے لیکن اپنے معشوقِ ظلمانی کے عشق اور استغراق میں ہلاکت اور بربادی کے راستے پر گامزن ہو گئی ہے اور اپنے وطن اصلی سے دور رہ کر اپنی استعداد کے جوہر کو ضائع کر رہی ہے، روح کو اپنے وطن اصلی سے ہمکنار کرنے کے لیے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو دعوت و تبلیغ کا فریضہ سونپا گیا۔

ہر کسے کہ دور ماند از اصل خویش

باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

سعادت مند روحمیں ان کی دعوت پر عمل کر کے صالحین کا لقب اختیار کرتی ہیں اور ساتھ اپنے ”معشوقِ ظلمانی“ کو بھی سیر عروجی کے ذریعے مطمئن بنا دیتی ہیں جبکہ بد نصیب روحمیں اعراض و افکار کا راستہ اپنا کر ہمیشہ کے لیے نفس کی ظلمات کا شکار ہو جاتی ہیں اور فاسق و کافر کا خطاب پاتی ہیں، مسن عرفِ نفسہ سے مراد نفسِ امارہ کی انہی شرارتوں کا عرفان حاصل کرنا ہے تاکہ مقصودِ حقیقی کی طرف پرواز کرنے کے لیے جملہ رکاوٹوں کو عبور کیا جائے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے موقف کی تائید کتاب و سنت سے بھی ہوتی ہے، روح کو عالم بالا (امر) سے تصور کرنا، ”قل الروح من امر ربي!“ فرمادیتے ہیں، روح میرے رب کے حکم سے ہے، (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۵) کی نصِ قطعی سے ثابت ہے، زیادہ علماء کرام نے نفس اور روح کو حقیقتِ واحدہ تصور کیا ہے، ان کی یہ دلیل ہے، اللہ یتوفی الانفس حین موتھا، اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت، (سورۃ الزمر آیت ۴۲) شاید یہاں ”الانفس“ سے مراد مطلق انسان ہیں جو روحانی اور جسمانی اوصاف کا مرکب ہوتے ہیں، اگر انفس سے مراد صرف ارواح ہوں تو اس پر اجماع امت ہے کہ ارواح کو وفات نہیں، وہ غیر فانی ہیں۔ لفظ ”انفس“ مطلق انسان کے لیے مستعمل ہے، قرآن پاک میں ہے: تعالو اندع ابنائونا و ابناءکم و نساءکم و نساءکم و انفسنا و انفسکم، آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، (سورۃ آل عمران آیت ۶۱) اگر انفس سے مراد صرف ارواح ہوں تو کیا صرف ارواح کو مبادلے کے لیے بلایا جا رہا تھا یا ارواح اور اجسام دونوں کے مجموعوں یعنی انسانوں کو بلایا جا رہا تھا ایک اور آیت ہے، وفي انفسکم افلا تبصرون، یہاں بھی

ارواح اور اجسام دونوں کے مرکب انسانوں سے خطاب ہے کہ تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کی نشانیاں موجود ہیں، تم دیکھنے کی زحمت کیوں گوارا نہیں کرتے، ایک اور آیت میں ہے، ویو ثرون علیٰ انفسہم، انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، (سورۃ الحشر آیت ۹) ایک اور آیت میں ہے، ربنا ظلمنا انفسنا، اے پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا، یہاں بھی ”انفس“ مطلق انسان کے لیے مستعمل ہے، ورنہ ترجمہ یہ ہوگا کہ ہم نے اپنی روحوں پر ظلم کیا، جسم تو بالکل بری ہو گئے جو ظاہر ہے کہ خلاف مقصود ہے، ویسے نفس اور روح ایک دوسرے سے بہت زیادہ مستفید ہوتے ہیں، نفس روح سے بیشمار کمالات حاصل کرتا ہے اور روح جسم سے لا تعداد فوائد حاصل کرتی ہے، اس سے کمال کا ارتباط اور اتصال ثابت ہوتا ہے یہاں تک کہ دونوں کو فنا اور بقا کی لذتیں حاصل ہوتی ہیں۔

من تو شدم تو من شدی

اس کمال ارتباط کی وجہ سے اگر روح کو نفس اور نفس کو روح کہہ دیا گیا ہو اور اس کمال اتصال کو حقیقت واحدہ کی صورت میں تصور کر لیا گیا ہو تو الگ بات ہے، جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ بھی فرماتے ہیں روح اور جسم کے قریبی رابطے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روح جسم بن گئی ہے اور جسم روح بن گیا ہے، دیگر مشائخ نے بھی فرمایا ہے، اجسادنا ارواحنا، ارواحنا اجسادنا ہمارے جسم ہماری روحوں ہیں اور ہماری روحوں ہمارے جسم ہیں، مکتوب ۲۳۹ دفتر اول میں ہے کہ روح کو اجسام کے افعال کے مناسب افعال کا اختیار کرنا مثلاً دشمنوں کو ہلاک کرنا اور دوستوں کی امداد کرنا اسی قسم سے ہے، پس اگر جسم اور روح باہمی ارتباط سے ایک ہی حکم اختیار کر لیتی ہیں تو اسی باہمی ارتباط سے نفس اور روح ایک ہی حکم میں داخل کیوں نہیں ہو سکتے، البتہ یہ علیحدہ معاملہ ہے کہ جس طرح باہمی ارتباط سے جسم اور روح کی حقیقت جدا جدا ہے اس طرح نفس اور روح کی حقیقت بھی جدا جدا ہے۔ حضرت امام عینی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ روح اور نفس الگ الگ حقیقتیں ہیں، کیونکہ نفس انسانی وہ حقیقت ہے جسکو ہر شخص ’میں‘ سے تعبیر کرتا ہے (عمدۃ القاری ۲/۲۵۱ مطبوعہ مصر)

تشبیہ اور تنزیہ:

صوفیہ کرام کے بیانات میں تشبیہ اور تنزیہ کی اصطلاحات پر بڑی طویل گفتگو کی گئی ہے تشبیہ کیا ہے، حقیقت مطلقہ یعنی ذات حق تعالیٰ کو مظاہر کونیہ کی صورتوں میں ملاحظہ کرنے کو تشبیہ کہتے ہیں، تشبیہ کا معنی ہے

مشابہت دینا، علم الکلام کی اصطلاح میں خالق کو مخلوق کی صفات سے متصف کرنے کا نام تشبیہ ہے، جبکہ حقیقتِ مطلقہ کو نقائص امرکانیہ سے بری جاننا اور خالق کو مخلوق کی صفات سے متصف ہونے سے پاک جاننا تنزیہ ہے، حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ ذات حق تعالیٰ میں تشبیہ اور تنزیہ کو جمع کرتے ہیں، اور ان کے متبعین نے مندرجہ ذیل آیات سے ان کا موقف ثابت کیا ہے۔

☆..... ومارمیت اذرمیت ولكن الله رمی، وہ کنکریاں آپ نے نہیں ماریں (جب آپ نے ماریں) بلکہ اللہ نے ماری تھیں، (الانفال/ ۱۷)

☆..... یدالله فوق ایدیہم، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (الفتح/ ۱۰)

☆..... هو الاول والاخر والظاهر والباطن، وہی اول اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے۔ (الحدید/ ۳)

☆..... ونحن اقرب الیہ من حبل الوریث، اور ہم تمہاری شہرگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (ق/ ۱۶)

☆..... وهو معکم اینما کنتم، اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو۔ (الحدید/ ۴)

وجودی صوفیہ مذکورہ بالا آیات سے احاطہ، سریان، قرب و معیت ذاتیہ اور عینیت وغیرہ جیسے عنوانات اخذ کرتے ہیں علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ احاطہ و سریان ذاتی نہیں بلکہ عملی ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ان باتوں کو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، ہمیں ان کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے، ہاں کشف و شہود سے علمائے اہل سنت کا موقف درست ثابت ہوتا ہے اور اس پر علمی دلائل قائم ہیں، آپ کے نزدیک ذات کو کائنات کے ساتھ وہی نسبت ہے جو خالق کو مخلوق کے ساتھ ہوتی ہے، اتصال، اتحاد، عینیت، تشبیہ اور مشابہت کی نسبت آپ گوارا نہیں کرتے بلکہ آپ کے ہاں ذات حق ایسی ہر نسبت سے وراء الورا ہے۔ اس ذات واجب کے لیے سمندر کی لہروں، --- اور گوہروں کی مثالیں اور تشبیہیں دینا اسکی شان کے خلاف ہے جیسا کہ بعض صوفیہ کی کتابوں میں مرقوم ہیں، ان آیات کو ظاہر معنوں پر محمول کرنا اور تشبیہ در تنزیہ اور تنزیہ در تشبیہ کا قائل ہونا علمائے راہنما کے عقائد اور تفاسیر کے خلاف ہے اور محکم آیات کے متضاد ہے، ارشاد باری ہے:

☆..... لیس کمثلہ شی، اس کی مثل کوئی شے نہیں۔

☆..... سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، پاک ہے تمہارے رب کو عزت والے رب کو

ان کی باتوں سے (افات/ ۱۸۰)

☆..... ان الله لغنى عن الصالحين بے شک اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے (عنکبوت/۴)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”طریقہ من سبحانی است کہ از راہ تنزیہ رفتہ ام“ میرا طریقہ سبحانی ہے کیونکہ میں تنزیہ کے راستے سے خدا تک پہنچا ہوں، (مکتوب ۸۷ دفتر ۳)

آپ ارقام فرماتے ہیں:

”حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں بالکل یگانہ ہے، اس کی ذات و صفات مخلوقات کی ذات و صفات سے قطعاً مختلف ہیں اور کسی طرح بھی ان سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں، لہذا حق سبحانہ مثل سے یعنی مماثل موافق سے بھی منزہ اور پاک ہے اور نہ یعنی مماثل مخالف سے بھی، حق تعالیٰ کے معبود ہونے، صالح ہونے اور واجب ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں، لیس کمثلہ شی و هو السميع البصير (شوریٰ/۱۱) اس کی مثل کی طرح بھی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے، حق تعالیٰ نے بلوغ ترین انداز پر اپنی ذات سے مماثلت کی نفی فرمادی ہے کیونکہ اس آیت میں اپنے مثل مثل (یعنی مثل جیسی چیز) کی نفی فرمائی گئی ہے حالانکہ مقصود اپنے مثل کی نفی کرنا تھا، مطلب یہ ہے کہ جب اس کی مثل کا بھی مثل نہیں ہو سکتا تو اس کا مثل تو بطریق اولیٰ نہیں ہوگا لہذا کنایہ اصل مثل کی نفی ہوگئی کیونکہ یہ کناہ صریح کے مقابلے میں زیادہ بلوغ ہے جیسا کہ علمائے بیان نے اس کو ثابت کیا ہی، اور اس کے متصل ہی و هو السميع البصير فرمایا ہے جس سے مقصود صفاتی مماثلت کی بھی نفی ہے جیسا کہ پہلے حصے میں ذاتی مماثلت کی نفی کی گئی۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی سمیع اور بصیر ہے کسی

دوسرے کو سمع اور بصر حاصل نہیں ہے، یہی حال باقی صفات یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ اور کلام وغیرہ کا ہے، پس مخلوقات میں صفات کی (کمالی) صورت پائی جاتی ہے، ان کی حقیقت نہیں پائی جاتی ہے (معارف لدنیہ ۲۱)

گویا آپ کے نزدیک کائنات تجلیاتِ اسماء و صفات کے کمالاتِ ظلال کا ظہور ہے کیونکہ مخلوق میں براہِ راست اللہ تعالیٰ کی تجلی برداشت کرنے کی ہمت نہیں، تجلیِ ظلال کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پردوں کے پیچھے سے تجلی فرماتا ہے جیسا کہ آیت قرآنی ہے، وما کان بشر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً او من وراء حجاب (شوریٰ/ ۵۱) اس آیت میں لفظ ورائے حجاب آیا ہے، صوفیہ کرام کے نزدیک حجاب کو ظلال کہا جاتا ہے (سعادت العباد شرح مبداء و معاد ص ۱۴۴ مطبوعہ گوجرانوالہ) حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کے نزدیک تنزیہ محض یا تشبیہ مطلق سے خدا کی ذات میں تقید پیدا ہو جاتا ہی، حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر کا یہ فرمانا کہ اعیان خارجی نے وجود کی بوتل نہیں سونگھی تو پھر تنزیہ کرنے میں تحد و تقید کیوں پیدا ہو سکتا ہے۔ خدا تو موجود ہے اور عالم موہوم اور متخیل محض اور نفس الامر میں غیر موجود، ایسی صورت میں اگر تحد و تقید کا واقع ہونا تسلیم کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ موجود کی تحدید موہوم سے ہو سکتی ہے، یہ کہنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ خدا کا واحد لا شریک ہونا اس سے باطل ہو جاتا ہے کہ اس کے شریک کا تخیل کیا جاسکتا ہے (مکتوب ۷، دفتر ۳) دوسرا یہ کہ اگر تنزیہ اور تشبیہ کو ملایا جائے تو ماسوی اللہ باقی نہیں رہتا، ارشاد قرآنی قل یا اهل الكتاب تعالوا الی کاتبہ سوا..... سے ثابت ہوا کہ ماسوی اللہ وجود رکھتا ہے اور ماسوی اللہ کی عبادت شرک ہے، تیسرا یہ کہ جو لوگ تنزیہ کے ساتھ تشبیہ کو ملاتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ ذات ہماری عقل و ادراک سے بالاتر ہے اور جسے وہ تشبیہ خیال کرتے ہیں وہ ان کے وہم و تخیل کے ترستے ہوئے بت ہیں جنہیں ان لوگوں نے غلطی سے خدا تصور کر لیا ہے، وہ ذات اس سے بالاتر ہے کہ ہمارے کشف و شہود میں آسکے۔ (مکتوب ۹، دفتر ۳)

حضرت امام ربانی قدس سرہ کے اس اجتہادی فکر و عرفان کی تائید علمائے شریعت سے بھی حاصل ہو رہی ہے، خود حضرت امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

لا يشبه شيئاً من الاشياء من خلقه ولا يشبهه شيء من خلقه، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی کوئی چیز اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔

(بحوالہ البنات شرح مکتوبات جلد ۲ ص ۲۷۰۔ مطبوعہ گوجرانوالہ)

صفاتہ تعالیٰ فی الازل بلا کیف، اللہ تعالیٰ کی صفات ازل سے ہی بے کیف ہیں یعنی ان کی کیفیت مجہول ہے، بس ان پر ایمان لانا واجب ہے اور ان کے بارے میں بحث کرنا بدعت ہے لہذا کف لسان ہی اسلم اور بہتر ہے۔ (ایضاً ص ۴۱۷)

اس کے برخلاف عقیدہ رکھنا علمائے شریعت کے نزدیک کفر صریح ہے، شرح فقہ اکبر میں حضرت امام علی القاری فرماتے ہیں، حضرت امام نعیم بن حماد علیہ الرحمۃ کا قول ہے، من شبه اللہ بشی من خلقه فقد کفرو من انکر ما وصف اللہ بہ نفسه فقد کفر جس نے کسی شے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دی تو اس نے کفر کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی کسی وصف کا انکار کیا تو اس نے بھی کفر کیا (ایضاً ص ۴۸۰) حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے، اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنا انعام فرمایا اور ان لوگوں کے راستے سے بچا جن پر تیرا غضب نازل ہوا، آمین۔

تذرات کیا ہیں:

تذرات، تنزل کی جمع ہے جس کا لغوی معنی ہے نیچے اترنا، اصطلاحی معنی میں ذات کے ظہور کو تنزل کہا جاتا ہے، صوفیہ کرام کے نزدیک لغوی معنی مراد نہیں بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہے، یعنی وجود مطلق نے اپنی ذات و صفات کو قائم رکھتے ہوئے ظہور فرمایا ہے مگر وہ جیسا تھا ویسا ہی ہے، اس تنزل اور ظہور کی وجہ سے اس میں کوئی تغیر و تبدل پیدا نہیں ہوا، حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کے نزدیک وجود مطلق ہے اور مراتب وحدت میں لائیں ہے۔ پھر اس نے جن مرتبوں سے علی الترتیب نزول فرما کر کائنات میں ظہور فرمایا ہے ان مرتبوں کو تذرات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حسب موقع ان مرتبوں کو تعینات، تجلیات، اعتبارات اور

تقیدات کے ناموں سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، یہ جملہ تنزلات شہود میں واقع ہوئے ہیں ناکہ وجود میں، تنزلات و تعینات کے پانچ مرتبے ہیں، پہلے دو مرتبے علمی ہیں اور بعد کے تین مرتبے یعنی یا خارجی ہیں۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ پہلے تنزل میں ذات کو اپنا شعور بحیثیت وجود محض حاصل ہوتا ہے اور شعور صفات اجمالی رہتا ہے۔ دوسرے تنزل میں ذات کو اپنا شعور بحیثیت متصف بہ صفات ہوتا ہے۔ یہ صفات تفصیلی کا مرتبہ ہے (یعنی صفات کے بالتفصیل واضح ہونے کا) یہ دونوں تنزلات بجائے واقع ہونے کے ذہنی یا محض منطقی تنزلات کے طور پر تصور کیے جاتے ہیں کیونکہ وہ غیر زمانی ہیں اور خود ذات و صفات کا امتیاز بھی صرف ذہنی ہے، اس کے بعد تنزلات یعنی (یا تعینات خارجی) شروع ہوتے ہیں، تیسرا تعین (تنزل) روحی ہے یعنی وحدت بصورت روح یا ارواح نزول کرتی ہے اور وہ اپنے آپ کو بہت سی ارواح میں تقسیم کر دیتی ہے مثلاً فرشتے وغیرہا، چوتھا تنزل تعین مثالی ہے جس سے عالم مثال وجود میں آتا ہے، پانچواں تنزل تعین جسدی ہے، اس سے مظاہر یا اشیاء طبعی ظاہر ہوتی ہیں (تحقیق الحق فی کلمۃ الحق مترجم ص ۸۲) ان تنزلات کو حضراتِ خمسہ بھی کہا جاتا ہے، گویا پہلے مرتبے میں خود حق تعالیٰ نے اپنا آپ علم اجمالی کی صورت میں اور دوسرے مرتبے میں علم تفصیلی کی صورت میں ظاہر فرمایا ہے۔ اسی طرح تیسرے مرتبے میں عالم ارواح، چوتھے مرتبے میں عالم مثال اور پانچویں مرتبے میں عالم اجسام کی صورتوں میں ظاہر فرمایا ہے۔ آخری تین تنزلات کو تعینات خارجیہ بھی کہتے ہیں اور ان کو مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔ وجودی صوفیہ کے نزدیک تنزلات و تعینات کی بنیاد یہ ہے کہ وجود تو فقط ایک ہے، ہر دوسری چیز اس کا مظہر ہے لہذا خالق اور مخلوق، عالم اور معبود، ذات اور صفات میں اتحاد و عینیت پائی جاتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے مکمل تحقیق فرمانے کے بعد یہ نتیجہ رقم فرمایا ہے:

”پس عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہیں، ان اللہ لغنی

عن عن العالمین، بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز

ہے، حق تعالیٰ کو عالم عین کہنا اور اس کے ساتھ متحد جاننا بلکہ نسبت دینا

بھی اس فقیر پر بہت گراں اور دشوار ہے۔ (مکتوب دفتر ۲)

”کلمہ طیبہ کا پہلا حصہ تمام ماسوائے حق یعنی آسمانوں، زمینوں، عرش و

کرسی، لوح و قلم اور عالم و آدم کی نفی کرتا ہے اور دوسرا حصہ معبود برحق کا

اثبات کرتا ہے جو زمینوں اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے، حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ آفاق و انفس میں ہے سب چونی و چندی کے داغ سے داغدار ہے۔ پس جو کچھ آفاق و انفس کے آئینوں میں جلدہ گر ہو بطریق اولیٰ چند و چون ہوگا جو نفی کے لائق ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ہمارے علم و وہم میں آسکے اور جو ہمارا مشہود و محسوس ہو سب چونی اور چگونگی سے متصف اور حدوث و امکان کے عیب سے عیب ناک ہے کیونکہ ہمارا معلوم اور محسوس ہمارا تراشا ہوا ہے، وہ تنزیہ جس کا تعلق ہمارے علم سے ہے عین تشبیہ ہے اور وہ کمال جو ہمارے فہم میں اس کے عین نقص ہے۔ پس جو کچھ ہم پر متجلی اور مکشوف اور مشہود ہو وہ سب حق تعالیٰ کا غیر ہے۔ حق تعالیٰ اس سے وراء الوراہ ہے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو تم اپنے ہاتھ سے بناتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا ہے، ہمارا اپنا تراشا ہوا اور بنایا ہوا خواہ ہاتھ کے ذریعے ہو خواہ عقل و وہم کے ساتھ، سب حق تعالیٰ کا مخلوق ہے جو عبادت کے لائق نہیں، عبادت کے لائق وہی خدائے بیچون و بیچگون ہے جس کے دامن ادراک سے ہماری عقل و وہم کا ہاتھ کوتاہ ہے اور کشف و شہود کی آنکھ اس کی عظمت و جلال کے مشاہدے سے خیرہ و تباہ ہے۔ ایسے خدائے بیچون و بیچگون کے ساتھ غیب کے طریق کے سوا ایمان میسر نہیں ہوتا کیونکہ ایمان شہود حق تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں ہے بلکہ تراشیدہ چیز کے ساتھ ہے کہ وہ بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ میرے خیال میں جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا (کی حیات) میں دولتِ رویت سے مشرف ہوئے تو ان کے حق میں اگر ایمان شہودی ثابت کریں تو زیبا اور محمود ہے اور اپنی طرف سے بنانے اور

تراشنے سے صاف آزاد ہے کیونکہ جس چیز کا اوروں کے لیے قیامت کا وعدہ ہے ان کو اسی جگہ میسر ہے۔ (مکتوبات ۹ دفتر ۲)

اس طرح کی اور بھی عبارات مکتوبات شریفہ میں بہت زیادہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نزدیک تنزلات، تعینات، تقیدات اور اس قسم کی اصطلاحات کی کوئی گنجائش نہیں، حق تعالیٰ وراء الوراء ہے، اس کے ماسواء جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق ہے جسے اس نے اپنی حکمتوں کے تحت پیدا فرمایا ہے۔ یہی تصویر صحیح اسلامی تصوف کو اجاگر کر سکتا ہے۔

بعض محققین کرام کے مطابق تحقیق یہ ہے کہ حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ نے خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی باہمی عینیت کے نظریے سے رجوع فرمایا تھا اور غیریت کلی کے قائل ہو گئے تھے۔ حضرت امام قصرانی کا قول ہے کہ ان کے کلام میں جس قدر ظاہر شریعت اور طریق جمہور کے خلاف مواد ہے وہ الحاق ہے (الیواقیت والجوہر فصل اول ص ۲۳، مطبوعہ بیروت) یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر متنازعہ عبارتیں الحاقی ہیں تو تاویل کی بجائے تردید کرنی چاہیے، ہمارے نزدیک ہو سکتا ہے کہ ان کے اس قسم کے اقوال ان کے احوال کے مطابق رونما ہوئے ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نزدیک بھی یہ ثابت ہے کہ بزرگان دین کو ایک ہی مقام میں منحصر نہیں مانا جاسکتا، ہو سکتا ہے ان کو عروج نصیب ہو چکا ہو اور وہ حقیقت حال سے آگاہ ہو چکے ہوں۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں بار بار اس معاملے کو کیوں بیان کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے دور میں وحدۃ الوجود کے انتہائی غلط اثرات عام ہو چکے تھے۔ گمراہی اور آزاد خیالی کی انتہا ہو چکی تھی۔ لوگ کثرت کے ساتھ آپ سے یہی سوالات پوچھتے تھے پھر حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کے پیروکاروں کا اسی نظریے پر شدید اصرار جو کہ آج تک جاری و ساری ہے۔ ان سوالات کو اور تقویت دے رہا تھا۔ حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کی مروجہ کتابوں میں بھی ایسے بہت سے مقامات موجود تھے جن میں ایسی ہی اصطلاحات کو استعمال کیا گیا تھا۔ پھر ان کے شارحین کرام کی تشریحات اور تعبیرات سے معاملہ اور گھمبیر ہو گیا تھا۔ ان حالات میں آپ کا فرض تھا کہ اس صدیوں پرانے نظریے پر غور و فکر سے کام لیتے اور اپنی خدا داد قابلیتوں کو بروئے کار لا کر عرفان حقیقت کا وہ راستہ اجاگر کرتے جو قرآن و سنت اور صوفیہ متقدمین کے مزاج کے عین مطابق تھا آپ کا یہ اجتہادی کارنامہ ہے کہ بعد میں آنے

والے لاکھوں متلاشیانِ حق کو بہت سی الجھنوں سے محفوظ فرمائے اور دقیق مسئلوں میں سرکھپانے کی بجائے شریعتِ مطہرہ پر عمل کرنے کا درس دے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین اجر و ثواب عطا فرمائے۔

عالم کون و مکان کی حقیقت

جناب سید نصیر الدین شاہ گولڑوی صاحب ذات اور عالم ششچہات کے متعلق لکھتے ہیں کہ ہر دو جہاں میں ذات واجب الوجود کے سوا کسی کا وجود نہیں اور غیر اللہ کے معنی بھی یہی ہیں کہ وہ غیر جو تصور اتی طور پر موجود ذہنی ہو اس کا تصور بھی غیریت پر دلالت کرتا ہے گویا اس کے غیر کا تصور بھی ذہن میں نہیں لانا چاہیے چہ جائے کہ اسے خارج میں محسوس و مبصر تسلیم کیا جائے، کائنات میں وجود حقیقی صرف اور صرف اسی ایک ذات کا ہے ماسوا کا وجود، وجود حقیقی کے مقابلے میں وجود وہمی کی حیثیت رکھتا ہے اور وجود وہمی کی تعریف یہ ہے کہ لفظی اور اعتباری حد تک تو وہ موجود ہوتا ہے مگر حقیقت میں موجود نہیں ہوتا جیسے سراب آب تو نظر آتا ہے مگر ہوتا نہیں بلکہ دھوکا ہی ہوتا ہے۔ بہر حال کسی شے جیسا نظر آنا اور بات ہے اور اس کا وہ شے ہونا اور بات ہے۔ بقول شاعر۔

آئینہ پھینک دے کہ تماشا نہ چاہیے
تو چاہیے جسے اسے تجھ سا نہ چاہیے
سید امجد حیدر آبادی نے بے ثباتی عالم کا مسئلہ اپنی ایک اردو رباعی میں یوں حل کیا ہے۔
دنیا والو! ثبات دنیا میں نہیں
ایک لحظہ قرار موجود دریا میں نہیں
عالم کا وجود صورتِ لا سمجھو
لفظاً موجود اور معنی میں نہیں

گویا جیسے لفظ ”لا“ لفظاً موجود ہے مگر بہ اعتبار معنی موجود نہیں اس لیے کہ اس کے معنی (نہیں) ہیں اور نہیں خود اپنے معنی کے وجود کی نفی کر رہا ہے۔ اسی طرح عالم کا وجود لفظی و اعتباری ہے جو ہمیں نظر آتا ہے اور محسوس تو ہوتا ہے مگر حقیقت میں اس کا وجود وہمی ہے۔۔۔۔۔ جب اپنی ہستی موہومہ کا پردہ اٹھایا جس کے

نتیجے میں غیریت کا تصور ختم ہوا تو پھر تعینات کے ہر رنگ میں اس کے جلوؤں کو پایا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ کائنات میں سارے مظاہر میں اسی ایک ذات کی جلوہ گری ہے (راہ و رسم منزل ہا ص ۵۲، مطبوعہ گولڑہ شریف) جناب سید نصیر الدین شاہ گولڑوی صاحب نے بڑے اختصار کے ساتھ وحدۃ الوجود کے نظریے میں عالم کون و مکان کے متعلق بیان کر دیا کہ وہ وہی، لفظی اور اعتباری طور پر موجود ہے ورنہ سراب کی طرح دھوکا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے یہ ثابت کیا ہے کہ خدا غیر ہے عالم کا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو احکام اور اعمال بے معنی ہو جاتے کیونکہ احکام اور اعمال جب ہی کوئی معنی رکھتے ہیں کہ عالم واقعہ میں موجود ہو ورنہ ان پر جزا اور سزا مترتب نہیں ہو سکتی اور عالم آخرت بے معنی ہو جاتا ہے (مکتوب ۶۷، دفتر ۳) آپ کے نزدیک اس عالم کو معدوم اور موہوم کہنے اور اس کے نفس الامر میں موجودی الخارج ہونے کا انکار سفسطائیت ہے اور یہ انکار ہے اللہ تعالیٰ کی صفت ابداع سے کہ اس نے عالم کو نفس الامر میں پیدا کیا ہے (مکتوب ۴۴، دفتر ۲) عالم کو موہوم کہنا بھی کافی نہیں کیونکہ موہوم کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو موہوم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ عالم اختراع ہے ہمارے وہم و تخیل کا۔ اندریں صورت وہم و تخیل کے مرتفع ہونے کے ساتھ وہ بھی مرتفع ہو جائے گا جو سفسطائیت ہے اور صفت ابداع سے انکار جیسا کہ ابھی مذکور ہوا دوسری صورت یہ ہے کہ عالم نفس الامر میں موجود ہے مگر اس کے وجود کی حیثیت ایسی ادنیٰ ہے جیسے کسی وہمی و خیالی چیز کی، اندریں صورت عینیت کا حکم کرنا صحیح نہ ہوگا۔ (مکتوب ۵۸، دفتر ۳) عالم ممکن ہے اور خدا واجب، وہ ایک دوسرے کے عین نہیں ہو سکتے۔ ایک کا عدم جائز ہے اور دوسرے کا ممتنع، ایک حادث ہے اور دوسرا قدیم، ایک داغ چون و چگون سے داغدار ہے اور دوسرا بے چون و چگون ہے۔ پس عقلاً اور شرعاً ان کو عین یک دگر یا عالم کو معدوم کہنا محال ہے اور اس کے معدوم ہونے پر دلیل قائم نہیں کی جاسکتی۔ (مکتوب ۳۱، دفتر ۳) ممکن کے کہ اپنے وجود کی حقیقت عدم ہے۔ ممکن میں جو جو بات حیات و علم وغیرہ پائے جاتے ہیں وہ محض عطیات ہیں خدا کے۔ یہ ہے وہ اصول جس پر عالم وجود میں آیا ہے یعنی عالم عدم محض سے وجود میں آیا ہے اور اس نے وجود خارجی حاصل کر لیا ہے یہی حال عالم اور اشیائے عالم کی دوسری صفات کا بھی ہے۔ (مکتوب ۵۸، دفتر ۳) خارج میں حقیقی وجود دراصل فقط خدا کی ذات کو حاصل ہے اور عالم کو وجود خارجی محض عطاء الہی ہے اور یہ وجود نمود بے بود سے زیادہ نہیں تاہم یہ نمود ایسی نہیں جو ہمارے وہم و تخیل پر منحصر ہو بلکہ وہ اپنے آپ (میں) موجود ہے۔ اس کی مثال شعلہ جو الہ

کی سی ہے جیسے ایک لکڑی کولیں اور اس کے ایک سرے کو آگ لگا دیں اور جل دہکنے لگے اور پھر لکڑی کے دوسرے سرے کو پکڑ کر تیزی سے گھمائیں تو آگ کا ایک دائرہ نظر آنے لگے گا، اب اس نمود کو کسی طرح مستقل اور فی نفسہ قائم کر دیا جائے تو عالم کا وجود اس دائرہ جیسا ہوگا۔ (مکتوب ۵۸، دفتر ۳) اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ شعبدہ بازوں نے ایک بادشاہ کے سامنے اپنے شعبے سے ایک باغ پیدا کر دیا تھا اور اس میں پھل آگئے تھے۔ بادشاہ نے یہ سنا تھا کہ اگر شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا جائے تو شعبدہ حق تعالیٰ کی قدرت سے اپنے حال پر قائم رہتا ہے۔ چنانچہ شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا گیا اور باغ قائم رہا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ باغ اب تک موجود ہے اور اس میں پھل آتے ہیں۔ گویا یہی حال اس عالم کا ہے کہ عدم محض سے وجود میں آیا ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز اور اللہ تعالیٰ پر یہ بات مشکل نہیں ہے۔ (ملخصاً مکتوب ۴۴، دفتر ۲) مزید فرماتے ہیں۔ عالم سب کا سب حق تعالیٰ کے اسماء و صفات (کمالات) کا مظہر ہے۔ اگر ممکن میں حیات ہے تو اس واجب تعالیٰ کی حیات کا آئینہ ہے اور اگر علم ہے تو اسی کے علم کا آئینہ ہے اور اگر قدرت ہے تو اسی کی قدرت کا آئینہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، لیکن اس کی ذات کا عالم میں نہ کوئی آئینہ ہے۔ نہ کوئی مظہر بلکہ حق تعالیٰ کی ذات کو عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں اور کسی چیز میں شراکت نہیں اگرچہ وہ مناسبت اسم میں ہو یا وہ مشارکت صورت میں ہو۔ ان اللہ لغنی عن العالمین، برخلاف اسماء و صفات کے کہ عالم کے ساتھ اسی مناسبت رکھتے ہیں اور صوری مشارکت ان کے درمیان ثابت ہے۔ یعنی جس طرح واجب تعالیٰ میں علم ہے ممکن میں بھی اس علم کی صورت ثابت ہے اور جس طرح وہاں قدرت ہے یہاں بھی اس قدرت کی صورت ہے۔ برخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اس کو اپنے حق میں قیام بذات خود حاصل نہیں، بلکہ ممکن چونکہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی صورتوں پر مخلوق ہے اس لیے سب کا سب عرض ہے اور اس میں جوہریت کی بونہیں۔ اس کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور معقول والوں نے جو ممکن جوہر و عرض میں تقسیم کیا ہے۔ ظاہر بنی کے سبب ہے اور بعض ممکن کا بعض کے ساتھ جو قیام ثابت ہے وہ عرض کا عرض کے ساتھ قائم ہونے کی قسم سے ہے۔ نہ عرض کا جوہر کے ساتھ قائم ہونے کی قسم سے بلکہ درحقیقت وہ دونوں عرض حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی جوہریت ثابت نہیں۔ تمام ممکنات کا قیوم حق تعالیٰ ہی ہے۔۔۔ کوتاہ نظر ان پوشیدہ معارف کو تو حید و جودی کے معارف سے نہ ملائیں اور ایک دوسرے کا دست و گریبان نہ جانیں کیونکہ تو حید و جودی والے ایک ذات کے سوا کچھ

موجود نہیں جانتے اور حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کو بھی اعتبارات علمی خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حقائق ممکنات کو وجود کی بوجہ نہیں پہنچی۔ یہ فقیر حق تعالیٰ کی صفات کو بھی وجود زائد کے ساتھ موجود جانتا ہے جیسے کہ علمائے اہل حق نے فرمایا ہے اور ممکنات کے لیے بھی جو حق تعالیٰ کے اسماء و صفات (کمالات) کے مظہر ہیں وجود ثابت کرتا ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن کی ذات واجب تعالیٰ کی عین ذات ہے اور ممکن واجب کے ساتھ متحد ہے اور یہ محال ہے کیونکہ اس سے قلب حقائق لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ممکن کی ذات یعنی اس کی ماہیت و حقیقت انہی اعراض متعددہ مخصوصہ میں سے ہے جو حق تعالیٰ کے اسماء و صفات (کمالات) کا مظہر ہیں۔ ان اعراض کو حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کوئی عینیت نہیں اور کسی قسم کا اتحاد نہیں تاکہ قلب حقائق لازم آئے۔ صرف اس قدر تعلق ہے کہ ان اعراض کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور وہی تمام اشیاء کا قیام ہے (مکتوب ۴۵، دفتر ۲) سوال پیدا ہوتا ہے کہ واجب تعالیٰ کی ذات سے ممکن کا قیام واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث کے قیام کو مستلزم ہے اور یہ ممتنع اور محال ہے۔ جواب یہ ہے کہ حوادث کا قیام اس صورت میں ممتنع ہے جب کہ حق تعالیٰ کی ذات میں حوادث کا حلول سمجھا جائے جو محال ہے لیکن اس جگہ قیام کے معنی حلول نہیں بلکہ اس کے معنی ثبوت اور تقرر کے ہیں یعنی ممکن کا ثبوت اور تقرر واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔ (ایضاً)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نظریہ تخلیق عالم کی اہل قرآن پاک کی یہ نص قطعی ہے۔ فرمایا: صنع الله الذي اتقن كل شيء اس الله کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو مضبوط کر دیا ہے۔ حضرت شیخ اکبر اور حضرت شیخ مجدد میں فرق یہ ہے کہ وہ ممکنات کے حقائق و جودات متزلزلہ کو تصور کرتے ہیں اور یہ عدما ت کو تصور کرتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا فرق ہے جو ارباب بصیرت پر ہرگز پوشیدہ نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

”جو کچھ فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ممکنات کی ماہیتیں مع ان کے کمالات و جود یہ کے جو ان میں منعکس ہو کر ان سے مل گئی ہیں، عدما ت ہیں جیسے کہ مفصل گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق ظاہر کرتا ہے اور وہی راہ راست کی ہدایت دیتا ہے۔ یہ علوم و معارف جن کی نسبت کسی اہل اللہ نے نہ ہی صراحت سے اور نہ ہی اشارہ سے گفتگو کی ہے

بڑے اعلیٰ معارف ہیں اور اکمل علوم ہیں جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ اور ممکنات کی حقیقت کو جیسے کہ ممکن اور لائق ہے بیان کیا ہے۔ جو نہ کتاب و سنت کی مخالفت رکھتے ہیں اور نہ ہی اہل حق کے اقوال کے مخالف ہیں۔ (مکتوب ۲۳۴، دفتر اول)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ممکنات عالم کی حقیقت عدم ہے لیکن وہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے کمالات و ظہورات کا مظہر ہیں اور ان کے ساتھ ان کا قیام ہے اس لیے ان میں اتقان واقع ہوا ہے جبکہ حضرت ذات کو عالم سے ذاتی استغنا ہے۔ اس درجہ بلند کے ساتھ عالم کا قیام کیسے ہو سکتا ہے اگرچہ اسماء و صفات کا قیام حضرت ذات کے ساتھ ہے۔

ما تماشا کنان کوتاہ دست
تو درخت بلند بالائی

لیکن آپ کے نزدیک عارف اکمل کا معاملہ باقی ممکنات عالم سے جدا ہے اور اس کا حکم ممکنات عالم کے احکام سے الگ ہے۔ وہ محبت ذاتی کے ذریعے المزمع من احب کے موافق اپنے اصل سے گزر کر اصل الاصل کے ساتھ معیت پیدا کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو اصل الاصول میں فانی کر دیتا ہے۔ سب سے بڑا مہربان آیت کریمہ هل جزاء الاحسان الا الاحسان کے موافق فنا کے عوض اس کو بقاء عطا فرماتا ہے اور جس چیز کے ساتھ وہ فانی ہوا تھا اس کے ساتھ اس کو بقاء بخش کر اپنی ذات و صفات اور اسماء کا مظہر اور جامع آئینہ بنا دیتا ہے۔ پس تمام افراد عالم اس عارف اکمل کی جامعیت کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے قطرہ دریائے محیط کے مقابلے میں کیونکہ حضرت ذات تعالیٰ کے مقابلے میں اسماء و صفات کا کچھ قدر و مقدار نہیں۔ قطرہ کا بھی دریا کے مقابلے میں کچھ نہ کچھ قدر و مقدار ہے لیکن ان کا اس کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں۔ اس بیان سے اس عارف کے علم و معرفت اور درک و ادراک کو دوسروں کی نسبت قیاس کرنا چاہیے اور اس کی عظمت و بلندی کو سمجھنا چاہیے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے بخشا ہے۔ (مکتوب ۷۹، دفتر ۳) آپ کے معارف کے مطابق ایسا عارف اکمل بہت قرون اور زمانوں کے بعد جلوہ گر ہوتا ہے جسے

فنائے اتم کے بعد بقائے اکمل نصیب ہوتی ہے۔ پھر تمام افراد عالم جو اعراضِ مجتمعه ہیں۔ جس طرح پہلے اسماء و صفات کے ساتھ قیام رکھتے تھے۔ اسی طرح اب ان کا قیام اس عارفِ اکمل پر وابستہ کیا ہے۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را

پھر انسان کی خلافت کا راز جو آیت انسی جاعل فی الارض خلیفہ میں آیا ہے اس جگہ متحقق ہوتا ہے اور حدیث ان اللہ خلق آدم علی صورۃ کی حقیقت اس مقام میں واضح ہوتی ہے۔ اب آپ تصور کیجیے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے معارف میں عارفِ اکمل کا کیا مقام ہے۔ یعنی وہ ذات و صفات کا مظہر ہوتا ہے تو حضور سید المرسلین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہ ذات و صفات کا مظہر کامل ہوں گے اور کیوں نہ ان کے دم قدم سے کائناتِ ارضی و سماوی کا وجود قائم ہوگا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”مرادوں کے سردار اور محبوبوں کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ اس دعوت سے مقصود ذاتی اور مدعو اولیٰ آپ ہی ہیں اور دوسروں کو خواہ مراد ہوں یا مرید آپ ہی کی طفیل بلایا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت کو ظاہر کرتا چونکہ دوسرے سب ان کے طفلی ہیں اور وہ اس دعوت کے مقصود اصلی ہیں اس لیے سب ان کے محتاج ہیں اور انہی کے ذریعے فیوض و برکات اخذ کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر سب کو ان کی آل کہیں تو بجا ہے کیونکہ سب ان کے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کے وسیلے کے بغیر کمال حاصل نہیں کر سکتے۔ جب ان سب کا وجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کے وسیلے کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا تو دوسرے کمالات جو وجود کے تابع ہیں۔ ان کے وسیلے کے بغیر کس طرح متصور ہو سکتے ہیں۔ ہاں رب العالمین کا محبوب ایسا ہی ہونا چاہیے (مکتوب ۱۲۱، دفتر ۳)

نسخہ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

ولایت کے تین درجے:

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ عروج کی دو قسمیں ہیں۔ عروج مجازی اور عروج حقیقی، عارف کے لیے عالم وجوب میں عروج کا اطلاق مجازی معنوں اور عالم امکان میں حقیقی معنوں میں پایا جاتا ہے کیونکہ عالم امکان میں درجات ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں جبکہ عالم وجوب میں درجات اپنی لامکانیت کی وجہ سے فوق و تحت اور شمال و جنوب سے مبرا ہیں۔ عروج کے طریقے پر سیر روحانی واقع ہوتی ہے جو سیر عالمی ہے نا کہ سیر جسمی کیونکہ عالم وجوب میں جسم اور جسمانیات، مکان اور مکانیت کا کیا دخل ہے۔ عروج کے دوران ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ کی سیروں کا ذکر اکثر صوفیہ نے کیا ہے۔ جب عارف اسماء و صفات کے ظلال (یعنی ظہورات) کی سیر کرتا ہے اور ترقی و عروج کی منزلوں کو طے کرتے کرتے اپنی اصل کو پہنچ کر اپنے آپ کو اس میں فانی پاتا ہے حتیٰ کہ اپنا کوئی اثر اور اصلیت نہیں پاتا بلکہ صرف وجود میں اصل ہی کا مشاہدہ کرتا ہے، اس دائرہ ظلال کو سیر الی اللہ کہا جاتا ہے اور یہی دائرہ ولایت صغریٰ سے موسوم ہے جسے اولیاء کی ولایت کا دائرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس دائرے کی تفصیلی سیر ابدالآباد تک بھی ختم نہیں ہو سکتی۔ اس میں ہر عارف اپنے حق کے مطابق سیر کرتا ہے یہاں تک کہ فنائے تام نصیب ہو جاتی ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

یعنی میں نے ظلال و ظہورات کے سات سوستر پردے مشاہدہ کیے اور ان میں فنا ہو کر سبزے کی طرح ظاہر ہوا ہوں۔ اس دائرے سے اپنا حصہ وصول کرنے کے بعد خالص فضل خداوندی سے عارف ظلال کے دائرے کی اصل یعنی اسماء و صفات اور شیونات و اعتبارات کے دائرے میں سیر کرتا ہے۔ اسماء و صفات کے مرتبے وجوب سے متعلق ہیں اور ان میں سیر علمی کو سیر فی اللہ کہا جاتا ہے۔ اسے ہی ولایت کبریٰ کی سیر قرار دیا گیا ہے جو انبیاء کرام کی ولایت ہے۔ عالم امر کے پانچوں لطیفے اس دائرہ

ولایت کی انتہا ہیں اور اس مرتبے کی سیر کو کسی عبارت و اشارت سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ آفاقی اور انفسی سیر سے وراء الوراہ ہے جیسا کہ بعض صوفیہ نے سیر آفاقی کو سیر الی اللہ اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کا نام دیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک انفس و آفاق دائرہ امکان میں داخل ہیں تو اس طرح دائرہ امکان کو قطع کرنا ہی ناممکن ہو جائے گا جس کا حاصل ہمیشہ کی ناامیدی کی صورت میں ظاہر ہوگا کیونکہ نہ کبھی فنا حاصل ہوگی اور نہ بقا مقدر بنے گی، مختصر یہ ہے کہ ولایت صغریٰ کا تعلق اسماء و صفات کے ظلال و ظہورات کے دائرے سے ہے اور ولایت کبریٰ کا تعلق اسماء و صفات کے دائرے سے ہے۔ ولایت کبریٰ یعنی سیر فی اللہ کے دوران سیر کرنے والوں کے دو گروہ بن جاتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو ذات باری کی محبت میں ہمیشہ کے لیے فانی ہو گئے اور حسن صفات کے مشاہدے میں غرق ہو گئے۔ ان کو مستہلکین کا گروہ کہا جاتا ہے۔ پھر کچھ وہ لوگ ہیں جن کو واپس مقام قلب میں لایا جاتا ہے اور ان کو حکم ہوتا ہے کہ بندگان حق کو بھی اسی راستے سے حق تعالیٰ کی طرف گامزن کرو، وہ مخلوق کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں لیکن ان کا مشاہدہ ایک لمحے کے لیے بھی بند نہیں ہوتا۔ وہ بحسبکم اللہ کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کو راجعین الی الدعوت کا گروہ کہا جاتا ہے۔ اس رجعت کو سیر عن اللہ باللہ کہا جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ولایت کا ایک تیسرا درجہ بھی متعارف کروایا ہے جو آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کا شہکار ہے۔ آپ ولایت کبریٰ کے بیان کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

”عالم امر کے پنجگانہ لطائف و مراتب کا عروج اس دائرہ اسما و شیونات کے نہایت تک ہے، اس کے بعد اگر محض فصل خداوندی سے صفات و شیونات کے مقام سے زیادہ تر واقع ہو تو ان کے اصول کے دائرے میں سیر واقع ہوگی اور اس دائرہ اصول سے آگے ان کے اصول کا دائرہ ہے اور اس دائرے کے طے کرنے کے بعد دائرہ فوق کی ایک قوس ظاہر ہوگی۔ اس کو بھی قطع کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ دائرہ فوق سے ایک قوس کے سوا کچھ اور ظاہر نہ ہو اس لیے اسی قوس پر بس کی گئی۔ شاید یہاں کوئی سر ہوگا جس پر اطلاع نہیں بخشی گئی۔ اسماء و صفات کے یہ

اصول سے گانہ جو مذکور ہوئے۔ جو حضرت ذات تعالیٰ میں محض اعتباری ہی اعتبار ہیں۔ جو صفات و شیونایت کے مبادی ہیں۔ ان اصول سے گانہ کے کمالات کا حاصل ہونا نفس مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کو اس مقام میں اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اسی مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک اسلام حقیقی سے مشرف ہوتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں نفس مطمئنہ تختِ صدر پر جلوس فرماتا ہے اور مقام رضا و ارتضا پر ترقی کرتا ہے۔ ولایتِ کبریٰ یعنی ولایتِ انبیاء کا انتہا یہی مقام ہے۔ جب سیر یہاں تک ہو چکی تو وہم و خیال میں آیا کہ اب کام سب ختم ہو چکا، اتنے میں آواز آئی کہ یہ سب کچھ ابھی اسم ظاہر کی تفصیل تھی اور ابھی پرواز کے لیے ایک ہی بازو میسر ہوا ہے اور اسم باطن جو عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے کے لیے دوسرا بازو ہے ابھی درپیش ہے۔ جب تو اس کو بھی مفصل طور پر سرانجام کرے گا تو پرواز کے لیے دونوں بازو تجھے حاصل ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اسم باطن کا سیر بھی سرانجام پا چکا تو دونوں بازو میسر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت بخشی اگر وہ ہدایت نہ بخشا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔ اے فرزند! اسم باطن کے سیر کی نسبت کیا لکھا جائے۔ اس کا حال در پردہ رہنے کے مناسب ہے۔ البتہ اس قدر بیان ضروری ہے کہ اسم ظاہر کی سیر صفات میں ہے بغیر اس بات کے کہ ان کے ضمن میں ذاتِ ملحوظ ہو اور اسم باطن کی سیر بھی اگرچہ اسماء میں ہے لیکن ان کے ضمن میں ذاتِ ملحوظ ہے۔ یہ اسما ڈھالوں کی طرح ہیں جو حضرت کے روپوش ہیں۔ مثلاً صفتِ علم پر ہرگز ذاتِ ملحوظ نہیں ہے لیکن اس کے اسمِ علیم میں پردہ صفت کے پیچھے ذاتِ ملحوظ ہے، کیونکہ علیم ایک ذات ہے جس کی صفتِ علم ہے پس علم کی سیر اسم ظاہر کی سیر ہے اور علیم کی سیر

اسم باطن کی سیر ہے۔ باقی تمام صفات و اسماء کا حال اسی قیاس پر ہے۔ یہ اسماء جو اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ ملائے اعلیٰ کے تعینات کے مبادی ہیں اور ان اسماء میں سیر کا آغاز ولایتِ علیا میں جو ملائے اعلیٰ کی ولایت ہے قدم رکھتا ہے (یہاں قدم سے مراد علم و نظر کے اعتبار سے ہے جیسا کہ ابتداء میں گزر چکا ہے۔) اب علم اور علیم اور اسم ظاہر اور اسم باطن کے درمیان فرق بیان کیا جاتا ہے تاکہ تو اس فرق کو تھوڑا خیال نہ کرے اور نہ کہے کہ علم سے علیم تک تھوڑا راستہ ہے۔ نہیں بلکہ وہ فرق جو مرکزِ خاک اور محذبِ عرش کے درمیان ہے اس فرق کی نسبت ایسا ہے جیسے دریائے محیط کی نسبت قطرہ، کہنے کو نزدیک ہے پر حاصل ہونے میں دور ہے اور مقامات کا ذکر جو مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ پنجگانہ عالم امر کو طے کر کے ان کے اصول کی سیر کرے تاکہ دائرہ امکان تمام ہو جائے۔ اس تھوڑی سی عبارت میں سیر الی اللہ کا پورا ذکر آچکا ہے لیکن اس سیر کے حاصل ہونے میں پچاس ہزار سال کی راہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ آیت کریمہ فرشتے اور روح چڑھتے ہیں اس دن میں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال کا ہے۔ اسی مطلب کو بیان کرتی ہے۔ (یہ بعض دوسرے صوفیہ کا خیال ہے کہ وہ آفاقی سیر کو سیر الی اللہ کہتے ہیں جو دائرہ امکان میں داخل ہے، ورنہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے نزدیک سیر الی اللہ اسماء و صفات کے ظلال و ظہورات کے دائرے میں واقع ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ یہاں صرف سمجھانے کے لیے ان صوفیہ کا حوالہ دیا گیا ہے کہ راستے کی مسافت کا اندازہ ہو جائے۔ حاصل کلام یہ کہ حق تعالیٰ کے جذبہ عنایت کے آگے کچھ دور نہیں کہ اس قدر مدت دراز کے کام کو ایک لحظہ میں میسر کر دے۔ ع

بر کریمیاں کارہا دشوار نیست

اور اسی طرح جو کہا گیا ہے کہ اسماء و صفات اور شیونات و اعتبارات کے دائرے کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے۔ تمام اسماء و صفات کا طے کرنا کہنے کو آسان ہے لیکن طے کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ اس لمحے کی نسبت مشائخ نے فرمایا ہے۔ وصول کی منزلیں کبھی ختم نہیں ہوتیں اور ان مراتب کی تمام سیر سے منع کیا ہے۔

نہ حُسن غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنه مستقی و دریا ہم چناں باقی

تو یہ گمان نہ کرے کہ مراتب کا منقطع نہ ہونا تجلیات ذاتیہ کے اعتبار سے کہا ہونہ کہ تجلیات صفاتیہ کے اعتبار سے اور حسن سے مراد حسن ذاتی ہو نہ حسن صفاتی کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ تجلیات ذاتیہ شیونات و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہیں اور وہ حسن ذاتی صفات جمالی کے روپوش کے بغیر نہیں ہے کیونکہ اس مقام میں ان روپوشوں کے بغیر گفتگو کی مجال نہیں ہے۔ من عرف الله کل لسانہ جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہو گئی اور تجلی ایک قسم کی ظلیت (یعنی ظہوریت) چاہتی ہے اس لیے اس مقام میں شیونات کے ملاحظہ سے چارہ نہیں پس یہ منازل وصول اور مراتب حسن دائرہ اسماء و شیونات میں داخل ہیں جن کا منقطع ہونا ان کے نزدیک بہت ہی مشکل ہے لیکن وہ امر جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ تجلیات و ظہورات سے ماورا ہے خواہ وہ تجلیات ذاتی ہوں خواہ صفاتی اور حسن و جمال کے ماورا ہے خواہ وہ حسن ذاتی ہو خواہ صفاتی، غرض مطالب بلند اور مقاصد ارجمند کے موتیوں کو مختصر طور پر چھوٹی چھوٹی عبارتوں کی لڑی میں پرودیا ہے اور بے نہایت دریاؤں کو چند کوزوں میں بند کر دیا ہے۔ فلا تکتن من القاصرین پس کوتاہ ہمت نہ ہو جانا۔ اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسم ظاہر اور اسم باطن کے دونوں پروں کے حاصل ہونے کے بعد جب پرواز میسر ہو اور عروج واقع ہو تو معلوم ہوا کہ یہ ترقیات اصالت کے طور پر عنصر ناری، عنصر ہوائی اور عنصر آبی کے نصیب ہیں۔ بلکہ ملائکہ کرام کو بھی ان عناصر سے گانہ سے نصیب حاصل ہے (مکتوب ۲۶۰، دفتر ۱) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ کے بعد ولایت علیا متعارف کروائی ہے اس مکتوب گرامی میں کمال درجے کے اسرار اور معارف بیان کیے گئے ہیں جو آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ چند ایک کا مطالعہ ذوق سلیم کو حرارت عطا کرے گا۔ فرماتے ہیں:

(۱)

اس سیر کی اثناء میں حالتِ واقع میں ظاہر ہوا کہ میں ایک راستہ میں جا رہا ہوں اور بہت چلنے کے باعث تھک گیا ہوں اور لٹھی اور عصا کی خواہش رکھتا ہوں کہ شاید اس کی مدد سے چل سکوں لیکن نہیں ملتی اور ہر خس و خاشاک کی طرف ہاتھ ڈالتا ہوں تاکہ راستہ پر چلنے کی طاقت حاصل ہو، کیونکہ راہ طے کرنے سے چارہ نہ تھا۔ کچھ مدت اسی طرح چلتا رہا۔ ایک شہر کی فنا (گردونواح کا میدان) ظاہر ہوئی۔ اس فنا کی مسافت طے کرنے کے بعد اس شہر میں داخل ہوا۔ میں نے معلوم کیا کہ یہ شہر تعین اول سے مراد ہے جو تمام مراتبِ اسماء و صفات اور شیونات و اعتبارات کا جامع ہے اور نیز ان مراتب کے اصول اور ان کے اصول کے اصول کا جامع ہے اور اعتباراتِ ذاتیہ کا منتہا ہے جن کے درمیان تمیز کرنا علمِ حصولی کے مناسب ہے۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو علمِ حضوری کے مناسب ہوگا۔

(۲)

”اے فرزند! آنحضرت جل سلطانہ، میں علمِ حصولی اور علمِ حضوری کا اطلاق مثال اور نظیر کے اعتبار سے ہے کیونکہ صفات جن کا وجود ذاتِ تعالیٰ کے وجود پر زائد ہے ان کا علمِ حصولی کے مناسب ہے اور اعتباراتِ ذاتیہ جن کا ذاتِ تعالیٰ پر زائد ہونا ہرگز متصور نہیں ان کا علمِ حصولی کے مناسب ہے۔ ورنہ وہاں تو سوائے اس تعلق کے جو علم کو اپنے معلوم سے ہے بغیر اس امر کے کہ معلوم کی نسبت کچھ اس میں حاصل ہو اور کچھ نہیں ہے۔ پس سمجھ لو اور یہ تعین اول جس سے وہ شہری جامع مراد ہے انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کی ولایات کا جامع ہے اور ولایتِ علیا کا منتہا ہے۔ جو اصلی طور ملائع اعلیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس مقام میں ملاحظہ کیا گیا کہ آیا یہ تعین اول حقیقتِ محمدی ہے یا نہیں تو معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدی وہی ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے اور اس کو تعین اول اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ اسماء و صفات و شیونات و اعتبارات کی جامعیت کے اعتبار سے تعین اول کے ظل (ظہور) کا مرکز ہے اور وہ سیر جو اس شہر کے اوپر واقع ہو وہ کمالاتِ نبوت کا شروع ہے۔ ان کمالات کا حاصل ہونا انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ کمالات مقامِ نبوت سے ناشی اور پیدا ہوئے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے کامل تابعداروں کو بھی ان کی تابعداری کے سبب ان کمالات سے کچھ حصہ مل جاتا ہے اور لطائفِ انسانی کے درمیان عنصرِ خاک کو اصالت کے طور پر ان کمالات کا بہت سا حصہ حاصل ہے۔ باقی تمام اجزائے انسانی خواہ وہ

عالم امر سے ہوں خواہ عالم خلق سے سب اس مقام میں اسی عنصر پاک کے تابع ہیں اور اسی کے طفیل اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہو گئے کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو حاصل ہے اور کسی کو میسر نہیں ہوا۔ دونوں کے بعد تالی کی حقیقت اس مقام پر ظاہر ہوتی ہے اور قاب قوسین او ادنیٰ کابیر اسی جگہ منکشف ہوتا ہے اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں یعنی صغریٰ، کبریٰ اور علیا کے کمالات سب مقام نبوت کے کمالات کے ظلال (ظہورات) ہیں اور وہ کمالات ان کمالات کی حقیقت کے لیے شیخ و مثال کی طرح ہیں اور روشن ہوتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطے کا طے کرنا مقام ولایت کے تمام کمالات کے طے کرنے سے زیادہ ہے پھر قیاس کرنا چاہیے کہ ان سب کمالات کو تمام گزشتہ کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ دریائے محیط کو بھی قطرے کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت ہوتی ہے۔ لیکن یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود ہے۔ ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ مقام نبوت کو مقام ولایت سے وہ نسبت ہے جو غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے (ایضاً)

(۳)

سبحان اللہ! اس طرز سے نا آشنا کہتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور دوسرا معاملہ سے ناواقف ہونے کے باعث اس کی توجیہ میں کہتا ہے کہ نبی کی ولایت، نبوت سے افضل ہے۔ یہ بڑے کلمے ان کے منہوں سے نکل رہے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب کے صدقے سے اس سیر کو بھی انجام تک پہنچایا تو مشہود ہوا کہ اگر ایک قدم اور سفر میں زیادہ کرے گا تو عدم محض میں جا پڑے گا کیونکہ اس کے آگے عدم محض کے سوا کچھ نہیں۔ اے فرزند! اس ماجرا سے تو یہ وہم نہ کرے کہ عنقا شکار ہو گیا اور یسمرغ جال میں پھنس گیا۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں

کا بیجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

کیونکہ وہ حق سبحانہ تعالیٰ وراء الوراہ ثم وراء الوراہ ہے۔

ہنوز ایوان استغنا بلند است

مرا فکر رسیدن ناپسند است

وہ وراثتِ حُجْب کے وجود کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ حجب سب کے سب مرتفع ہو گئے ہیں بلکہ عظمت و کبریا کے ثبوت کے اعتبار سے ہے جو ادراک کے مانع اور وجدان کے منافی ہے کیونکہ وہ حق سبحانہ وجود میں اقرب ہے اور وجدان و ادراک میں البعد ہے۔ ہاں بعض کامل مراد مندوں کو انبیاء کرام علیہم السلام کی طفیل عظمت کو کبریا کے ان پردوں میں جگہ دیتے ہیں فِعْمَل مَعْمَل مَعْمَل اور جیسے کہ چاہیے ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں (ایضاً)

(۴)

”اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیبت و جدانی سے مخصوص ہے جو عالمِ خلق اور عالمِ امر کے مجموعہ سے ناشی ہوئی ہے۔ باوجود اس کے اس مقام میں بھی سب کارئیسِ عنصرِ خاک ہے اور یہ جو کہا ہے کہ لیس و راء ؤ الا العدم، اس کے آگے سوائے عدم محض کے کچھ نہیں۔ وہ اس لیے کہ وجود خارجی اور وجود علمی کے تمام ہونے کے بعد عدم کا حاصل ہونا ہے جو اس کے نقیض ہے اور حق سبحانہ کی ذات اس وجود و عدم سے ماوراء ہے۔ جس طرح عدم کو وہاں راہ نہیں وجود کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ وہ وجود جس کی نقیض عدم ہو اس بارگاہِ جل شانہ کے لائق نہیں ہے اور اگر عبارت کی تنگی کے باعث اس مرتبہ میں وجود کا اطلاق کریں تو اس سے وہ وجود مراد مراد ہوگا جس کی نقیض بننے کی عدم کو مجال نہیں ہے۔“

(۵)

اس فقیر نے جو اپنے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ حضرت حق کی حقیقت وجود محض ہے، اس معاملہ کی حقیقت کو نہ پانے کے باعث لکھا ہے اور وہ بعض معارف جو توحید و جودی وغیرہ میں لکھے ہیں وہ بھی اسی قسم سے ہیں۔ ان کا سر بھی یہی عدمِ اطلاع ہے۔ جب معاملہ کی اصل حقیقت سے فقیر کو آگاہ کیا جو کچھ ابتداء اور وسط میں لکھا اور کہا ہے اس سے نادم ہوا اور استغفار کیا۔ میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں ان تمام باتوں سے جو اس کو ناپسند ہیں۔ (مکتوب ۲۶۰، دفتر ۱)

(۶)

وہ سالکانِ طریقِ مشکل سے مشکل ریاضتوں اور سخت سے سخت مجاہدوں اور تزکیہ کے قدم کے ساتھ عالمِ خلق کی صورت کے جنگلوں کو قطع کر کے جب عالمِ امر کا سیر شروع کرتے ہیں اور انجذابِ قلبی اور التذاز

روحی میں پڑتے ہیں تو بسا اوقات ایسا ہوا کرتا ہے کہ اکثر اسی انجذاب پر قناعت کرتے اور اسی التذاذ پر کفایت کرتے ہیں اور اسی عالم کے لامکان ہونے کا گمان ان کو دامنگیر ہو جاتا ہے اور اسی عالم کی بیچونی کی آمیزش ان کو بیچون حقیقی سے ہٹا رکھتی ہے۔ شاید اسی مقام پر کسی سالک نے کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا اور دوسرے نے کہا کہ استوائی کاسر اور عرش پر تزیہ کا ظہور معارفِ عامضہ سے ہے اور بیانِ سابقہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ تزیہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہے۔ ہاں تزیہ نما ہے اور حقیقت میں تشبیہ ہے برخلاف اس طریقہ علیہ (نقشبندیہ) کے بزرگوں کے کہ مقام جذبہ سے شروع کرتے ہیں اور اس التذاذ کی مدد سے ترقی کرتے ہیں۔ یہ انجذاب و التذاذ ان بزرگوں کے حق میں ایسا ہے جیسے دوسروں کے حق میں ریاضتیں اور مجاہدے۔ پس جو کچھ دوسروں کے لیے وصول کا مانع ہے وہ ان بزرگوں کے مدد و معاون ہے اور عالم امر کی لامکانیت کو عین مکانیت تصور کر کے حقیقی لامکانی کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اس عالم کی بیچونی کو عین چون جان کر بیچون حقیقی کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ اسی واسطے دوسروں کی طرح وجد و حال کے غرور پر مفتون نہیں ہوتے اور بچوں کی طرح اس راہ کے جوز و مویز پر فریفتہ نہیں ہوتے اور ترہاتِ صوفیہ پر خوش نہیں ہوتے اور شطیحاتِ مشائخ پر فخر نہیں کرتے اور احدیتِ صرف کی طرف متوجہ ہیں اور اسم و صفت سے ذاتِ مقدس کے سوا کچھ نہیں چاہتے (ایضاً)

(۷)

ولایت کا درجہ اول حضرت آدم علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے۔ اس کا رب صفت التکوین ہے جو افعال کے صدر ہونے کا منشاء ہے اور درجہ دوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی اس مقام میں مشارکت رکھتے ہیں۔ اس کا رب صفت العلم ہے جو صفاتِ ذاتیہ میں سے جمع ہے اور درجہ سوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا رب مقام شیونات سے شان الکلام ہے اور درجہ چہارم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے، اس کا رب صفاتِ سلبیہ سے ہے جو مقام تقدیس و تزیہ ہے۔ نہ ثبوتیہ سے اور اکثر ملائکہ کرام اس مقام میں ان کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں اور ان کو اس مقام میں شانِ عظیم حاصل ہے اور درجہ پنجم حضور خاتم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قدم ہے۔ اس کا رب الارباب ہے جو صفات و شیونات، تقدیسات و تزیہات کا جامع اور کمالات کے دائرہ کامرکز ہے اور مرتبہ شیونات و صفات میں اس رب جامع کی تعبیر شان العلم کے ساتھ مناسب ہے کیونکہ یہ شانِ عظیم تمام کمالات کا جامع ہے۔ اسی مناسبت کے سبب سے

حضور اقدس کی ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہوئی اور ان کا قبلہ ان کا قبلہ بنا۔ جاننا چاہیے کہ اقدام ولایت کا ایک دوسرے سے افضل ہونا درجوں کے مقدم و موخر ہونے اور درجاتِ ظلال کی منزلوں کو زیادہ اور کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ صاحبِ قلب اصل سے زیادہ قریب ہونے کے اعتبار سے صاحبِ انہی سے جس کو یہ قرب حاصل نہیں افضل ہو اور کیونکر نہ ہو جب نبی کی وہ ولایت جو ولایت کے درجہ اول میں ہے اس ولی کی ولایت سے قطعی طور پر افضل ہے جو اخیر درجے میں ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ لطائف کا مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ سلوک کرنا یعنی قلب سے روح، روح سے سر، سر سے خفی، خفی سے انہی تک پہنچنا بھی محمدی المشرق کے ساتھ مخصوص ہے۔ (مکتوب ۲۶۰، دفتر ۱)

(۸)

طریقت اور حقیقت کا حاصل ہونا شریعت کی حقیقت حاصل ہونے کے لیے مقدمہ ہے۔ پس اولیائے کامل کی ہدایت اور انبیاء مرسل کی ہدایت حقیقت ہے اور دونوں کی نہایت شریعت تو جس نے کہا کہ اولیاء کی ہدایت انبیاء کی نہایت ہے اور اولیاء کی ہدایت انبیاء کی نہایت سے شریعت مراد رکھی ہے۔ اس کے کچھ معنی نہیں ہیں چونکہ وہ بے چارہ اصل حقیقت سے واقفیت نہ رکھتا تھا اس لیے اس کی سطحی کلام کہہ دی، ان معارف نے اگرچہ کسی نے نہیں کہا بلکہ اکثر نے ان کے برخلاف کہا ہے اور ادراک سے بعید معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ منصب جو انبیاء کرام کی بزرگی کی طرف نظر کرے اور شریعت کی عظمت اس پر غالب ہو۔ امید ہے کہ ان اسرارِ غامضہ کو قبول کرے گا اور اس قبول کو اپنے ایمان کی زیادت کا وسیلہ بنا دے گا۔ (ایضاً)

(۹)

اے فرزند! سن لے کر انبیاء کرام علیہم السلام نے دعوت کو عالمِ خلق پر منحصر رکھا ہے۔ بنی الاسلام علی خمس اسلام کی بناء پانچ ہیں اور چونکہ قلب کو عالمِ خلق سے بہت زیادہ مناسبت تھی اس لیے اس کی تصدیق کی بھی دعوت فرمائی اور قلب کے ماسوا کی نسبت کچھ نہ فرمایا بلکہ اس کو مطروح فی الطریق کی طرح سمجھا اور بے مطلب جانا۔ ہاں بہشت کی نعمتیں، دوزخ کے رنج، دیدار کی دولت اور حرمان کی بدبختی سب عالمِ خلق سے وابستہ ہے۔ عالم امر کے ساتھ ان کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ دوسرے وہ عمل جو فرض و واجب و سنت ہیں ان کا بجالانا قالب سے تعلق رکھتا ہے جو عالمِ خلق سے ہے اور اعمالِ نافلہ عالم امر کا نصیب ہیں۔ پس وہ

قرب جو ان اعمال کے ادا کرنے کا ثمر ہے۔ اعمال کے اندازہ کے موافق ہوگا۔ پس ناچار وہ قرب جو فرائض کے ادا کرنے کا ثمر ہے عالم خلق کا نصیب اور وہ قرب جو ادائے نوافل کا ثمر ہے۔ عالم امر کے نصیب ہے اور شک نہیں کہ نفل فرض کے مقابلے میں کسی گنتی میں نہیں ہیں۔ کاشکے ان کے درمیان قطرے اور دریائے محیط کی نسبت ہوگی۔ بلکہ نفل کی سنت کے مقابلے میں یہی نسبت ہے۔ اگرچہ سنت و فرض کے درمیان بھی قطرہ و دریا کی نسبت ہے۔ پس دونوں قربوں کے درمیان تفاوت اس سے قیاس کرنا چاہیے اور عالم خلق کی زیادت عالم امر پر تفاوت سے سمجھ لینی چاہیے۔ اکثر لوگ چونکہ اس معنی سے بے نصیب ہیں فرائض کو خراب کر کے نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔ صوفیہ خام ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کے بجا لانے میں سستی کرتے ہیں اور چلہ اور ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے ہاں آداب شرعیہ کو مد نظر رکھ کر ذکر و فکر میں مشغول ہونا بہت ہی بہتر اور ضروری ہے۔ (مکتوب ۲۶۰، دفتر ۱)

(۱۰)

نوافل کا ادا کرنا ظنی قرب بخشتا ہے اور فرائض کا ادا کرنا قرب اصلی، جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے ہاں وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کے لیے کیے جائیں وہ بھی قرب اصلی کے مدد و معاون ہیں اور فرائض کے ملحقات میں سے ہیں۔ فرائض اگرچہ سب کے سب اصلی قرب بخشتے ہیں لیکن ان میں افضل و اکمل نماز ہے۔

(۱۱)

حدیث ”الصلوة معراج المؤمنین“ اور ”اقرب ما یكون العبد من الرب فی الصلوة“ کے متعلق تو نے سنا ہوگا وہ وقت خاص جو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا جس کی تعبیر ”لسی مع اللہ وقت“ سے کی ہے۔ فقیر کے نزدیک نماز ہی میں ہوا ہے۔ نماز ہی گناہوں کا کفارہ ہے اور نماز ہی بخشش اور منکر سے روکتی ہے۔ وہ نماز ہی ہے جس میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی راحت ڈھونڈتے تھے جیسا کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ ارحنی یا بلال، اے بلال مجھے آرام دے۔ اور نماز ہی دین کا ستون ہے اور نماز ہی کفر اور اسلام کے درمیان فرق ہے۔

(۱۲)

جان لے کہ مشاہدہ ولایت کا ثمرہ ہے اور رویت نبوت کا ثمرہ ہے جو انبیاء کرام کی تابعداری کے باعث عام تابعداروں کو بھی میسر ہوگی۔ اس بات سے ولایت و نبوت کے درمیان بھی فرق معلوم کرے۔ جس عارف کو عالم امر کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی اس کا قدم کمالاتِ ولایت میں زیادہ تر ہوگا اور جس کو عالم خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی اس کا قدم کمالاتِ نبوت میں بڑھ کر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ولایت میں قدم آگے رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قدم نبوت میں زیادہ تر ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں عالم امر کی نسبت بلند ہے جس کے باعث وہ روحانیوں سے مل گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں عالم خلق کی جانب غالب ہے جس کے باعث انہوں نے مشاہدے پر کفایت نہ کر کے رویت بصر طلب فرمائی۔ کمالاتِ نبوت میں انبیاء کرام کے اقدام کے متفاوت ہونے کا سبب جس کے بیان کرنے کا پہلے وعدہ کیا گیا تھا یہی ہے۔ نہ کہ بعض لطائف کی بلندی اور بعض کی پستی جو کہ کمالاتِ ولایت کے تفاوت میں معتبر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتری کا الہام فرمانے والا ہے۔ (ایضاً)

(۱۳)

جاننا چاہیے کہ منصبِ نبوت حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے لیکن اس منصب کے کمالات سے تابعداری کے باعث آپ کے تابعداروں کو بھی کامل حصہ حاصل ہوا ہے۔ یہ کمالات طبقہ صحابہ میں زیادہ ہیں اور تابعین اور تبع تابعین میں بھی اس دولت نے کچھ کچھ اثر کیا ہے۔ اس کے بعد یہ کمالات پوشیدہ ہو گئے ہیں اور ولایت ظلی کے کمالات جلوہ گر ہوئے ہیں لیکن امید ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد یہ دولت از سر نو تازہ ہو اور غلبہ اور شیوع پیدا کرے اور کمالاتِ اصلیہ ظاہر ہوں اور ظلیہ پوشیدہ ہو جائیں اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ظاہر و باطن میں اسی نسبت علیہ کو رواج دیں گے۔ (ایضاً)

(۱۴)

جس طریقہ کے ساتھ حق تعالیٰ نے اس حقیر کو ممتاز کیا ہے اس کی بنیاد نسبتِ نقشبندیہ ہے جس کی ابتداء میں دوسروں کی انتہا مندرج ہے۔ اسی بنیاد پر بہت سی عمارتیں اور کئی قسم کے محل بنائے گئے ہیں۔ اگر بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا۔ یعنی بخارا و سمرقند سے اس بیج کو لا کر زمین ہند میں جس کا خمیر شرب و بطحا

کی خاک سے ہے بویا اور فضل کے پانی سے کئی سالوں تک اس کو سیراب کیا اور احسان کی تربیت سے اس کی تربیت کی۔ جب کھیتی کمال تک پہنچ گئی تو ان علوم و معارف کا ثمرہ اس سے حاصل ہوا۔ الحمد للہ الذی ہدانا لهذا۔ (ایضاً)

جہادِ اکبر کا مفہوم:

صوفیہ کرام کے کلام میں ایک حدیث مبارک کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ رجعنا من الجہاد الا صغر الی الجہاد الا کبر۔ ہم نے جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف رجوع کیا۔ صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اپنے نفس کے ساتھ جہاد ہے جو ہر وقت احکامِ شرعیہ کے خلاف انسان کو اکساتا رہتا ہے۔ لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی علم و عرفان سے ثابت کیا ہے کہ نفس مطمئنہ شرح صدر حاصل ہونے کے بعد جو ولایت کبریٰ کے لوازم سے ہے۔ اپنے مقام سے عروج فرما کر تختِ صدر پر چڑھ جاتا ہے اور وہاں تمکین و سلطنت حاصل کر لیتا ہے اور ممالکِ قرب پر غلبہ پالتا ہے۔ یہ تختِ صدر حقیقت میں ولایت کبریٰ عروج کے تمام مقامات سے برتر ہے۔ اس تخت پر چڑھنے والے کی نظرِ باطن بطون کی طرف نفوذ کرتی ہے اور غیبِ الغیب میں سرایت کر جاتی ہے۔ ہاں جو شخص بہت اونچے مقام پر چڑھ جائے اس کی نظر بھی بہت دور تک نفوذ کر جاتی ہے۔ اس مطمئنہ کو تمکین کے بعد عقل بھی اپنے مقام سے نکل کر اس سے مل جاتی ہے اور عقلِ معاد کا نام پاتی ہے اور دونوں اتفاق بلکہ اتحاد سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس مطمئنہ کے لیے اب مخالفت کی گنجائش اور سرکشی کی مجال نہیں رہی اور وہ پورے طور پر مقصود کے حاصل کرنے کے درپے ہے۔ رضائے حق کے سوا اس کا کوئی ارادہ نہیں۔ اس کی عبادت و اطاعت کے سوا اس کا کچھ مطلب نہیں۔ سبحان اللہ وہ امارہ جو اول بدترینِ خلایق تھا۔ اطمینان اور حضرت سبحان کی رضا حاصل ہونے کے بعد عالمِ امر کے لطائف کا رئیس ہو گیا اور اپنے ہمسروں کا سردار بن گیا۔ مخبر صادق نے کیا سچ فرمایا ہے۔ خیار کم فی الجاہلیۃ خیار کم فی الاسلام اذا فقہوا، جو لوگ جاہلیت میں تم سے اچھے تھے وہ اسلام میں بھی تم سے اچھے ہیں جب انہوں نے دین سمجھ لیا اس کے بعد اگر خلاف اور سرکشی کی صورت ہے تو اس کا منشاء اربع عناصر کی مختلف طبائع ہیں۔ جو قالب کے اجزاء ہیں یعنی اگر قوتِ غصبیہ ہے تو وہیں سے پیدا ہے۔ اگر شہویہ ہے تو وہیں سے ظاہر ہے۔ اگر خست و کمینہ پن ہے

تو بھی وہیں سے ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ تمام حیوانات جن میں نفس امارہ نہیں ہے ان کو یہ اوصافِ رذیلہ پورے اور کامل طور پر حاصل ہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ مراد اس جہادِ اکبر سے جہادِ بالقلب ہو نہ کہ جہادِ بالنفس، جیسے کہ کہا گیا ہے کیونکہ نفسِ اطمینان تک پہنچ چکا ہے اور راضی و مرضی ہو گیا ہے۔ پس خلافِ سرکشی کی صورت اس سے متصور نہ ہوگی۔ اجزائے قالب سے خلافِ سرکشی صورت سے مراد ترکِ اولیٰ امور مرفوعہ کے ارتکاب اور ترکِ عزیمت کا ارادہ ہے نہ کہ اشیائے محرمہ کے ارتکاب اور ترکِ فرائض و واجبات کا ارادہ کہ یہ اس کے حق میں نصیبِ اعدا ہو چکا ہے۔ (مکتوب ۲۶۰، دفتر ۱) پھر آپ نے ثابت کیا ہے کہ عناصرِ اربعہ کے کمالاتِ نفسِ مطمئنہ کے کمالات سے برتر ہیں کیونکہ نفسِ مطمئنہ مقامِ ولایت سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ عالمِ امر سے ملحق ہونے کی وجہ سے صاحبِ سر کہے اور مقامِ استغراق میں ہے۔ اسی وجہ سے آئینِ مخالفت کی کوئی مجال نہیں رہی۔ جبکہ عناصرِ اربعہ کی مناسبت مقامِ نبوت کے ساتھ زیادہ ہے اس لیے ان میں صحو غالب ہے۔ اسی وجہ سے بعض منافعوں اور فائدوں کے لیے جو ان سے متعلق ہیں۔ مخالفت کی صورت ان میں باقی ہے۔ لہذا اس مخالفت کو روکنے اور ان منافعوں اور فائدوں کو حاصل کرنے کے لیے قالب کے خلاف جہادِ کرنا سب سے بڑا جہاد قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام کمالاتِ نبوت کے وارث تھے اس لیے انہوں نے ہمیشہ عزیمت پر عمل کیا اور اپنے اوپر ہوا کی سرکشی، پانی کی سرد مزاجی، آگ کی غضب افروزی اور مٹی کی کاہلی غالب نہ ہونے دی۔ جہاں تک ان کے نفس کا تعلق تھا تو دیدارِ مصطفیٰ اور اتباعِ رسولِ خدا کی برکت سے وہ تو ایک نظر اور ایک قدم کے فاصلے میں ہی مقامِ اطمینان پر فائز ہو گیا تھا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ گواہ ہے۔ پہلی نظر دیکھا تو پکار اٹھے یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ یہ اطمینان تھا جو آپ کی پہلی نظر کا ثمرہ تھا۔ اب نفسِ مطمئنہ کے خلاف جہاد کی کیا ضرورت تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا اجتہادی موقف دلائل کے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے کہ پھر انہوں نے عناصرِ اربعہ کے اثرات کے خلاف کمر ہمت باندھ لی اور ساری زندگی اس جہادِ اکبر میں مشغول رہے۔ ان کے بعد بھی جو لوگ کمالِ اتباع کے باعث ان اثرات کے خلاف جہاد کرتے رہے وہ صحو کو ترجیح دیتے ہیں۔ عزیمت پر عمل کرتے ہیں۔ ترکِ اولیٰ کا پوری طرح خیال رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک عمل مستحب نہیں اپنی جان سے زیادہ پیارا ہے اور پھر وہ کمالاتِ نبوت سے فیضانِ کامل حاصل کر کے امانت، خلافت، قومیت اور ارشاد کی قطبیت جیسے اعلیٰ منصبوں پر فائز ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہے۔

تخلیق آدم اور فلسفہ روح

روح ایک ایسی عجیب و لطیف مخلوق ہے جس کے متعلق فرمایا گیا۔ وما او تیتیم من العلم الا قلیلا اس فرمان کے مطابق بہت ہی تھوڑے افراد کو اس کا صحیح علم عطا کیا گیا ہے اور انہی افراد کو اس سخن فسی العلم کہا جاتا ہے۔ روح عالم امر سے متعلق ہے۔ قاضی ابوبکر فرماتے ہیں کہ روح سانس اور حیات کے درمیان ایک امر متردد ہے۔ امام اشعری فرماتے ہیں۔ روح وہ سانس ہے جو آ اور جارہی ہے (عمدة القاری ۲/۲۰۱ مطبوعہ مصر) حضرت امام نووی فرماتے ہیں۔ ہمارے اصحاب کے نزدیک روح ایک جسم لطیف ہے جو بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے اور اس کے الگ ہونے سے انسان مر جاتا ہے۔ (شرح مسلم ۲/۱۳۶، مطبوعہ کراچی) امام غزالی فرماتے ہیں کہ روح نفس مجرد ہے یعنی جسم اور جسمانیت سے نہیں ہے اور وہ جوہر ہے جو بنفسہ قائم ہے۔ غیر متحیز ہے جسم میں داخل ہے نہ خارج ہے۔ متصل ہے نہ منفصل ہے۔ (عمدة القاری ۲/۲۰۱) فلاسفہ نے روح کو قدیم کہا ہے جو از حد غلو کی علامت ہے۔ حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کا موقف ہے کہ روح واحد ہے اور وہ روح محمدی ہے۔ روح کی اقسام سے مراد روح کے تعینات ہیں، جیسے درخت کا بیج ایک ہوتا ہے اور درخت کا پھیلاؤ اسی ایک بیج کے تعینات میں سے ہے لہذا شاخ، تنا، پتہ، پھول، پھل اور کانٹے سب اس بیج کے تعینات ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اور دیگر متکلمین کے مطابق روح واحد نہیں بلکہ لاتعداد ارواح ہیں جیسا کہ جہد بیث نبوی ہے۔ ان الارواح جنود مجندہ یعنی روحم لشکروں کی صورت میں ہیں۔ اس فرمان رسول سے ارواح کے متعدد ہونے کی دلیل حاصل ہوتی ہے اور یہ دلیل شرعی ہے نہ کہ کشفی لہذا اس کا یقینی ہونا روز روشن سے بھی زیادہ تابناک ہے۔ البتہ روح محمدی کو روح اعظم کہا جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی روح کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

”روح بھی چونکہ عالم بیچونی سے ہے اس واسطے اس کے لیے بھی لامکان ہونا متحقق ہے لیکن اس کی بیچونی بمقابلہ وجوب ذات حق عین چون ہے اور اس کا لامکان ہونا حقیقی لامکان کی لامکانیت کے سامنے عین مکانیت ہے گویا عالم ارواح اس عالم اور مرتبہ بیچونی کے مابین برزخ ہے۔ چونکہ روح میں دونوں رنگ پائے جاتے ہیں اس لیے عالم بیچون اسے بے چون جانتے ہیں لیکن اصلی بیچون کے مقابلہ میں عین

چون ہے۔ یہ برزخ ہونے کی نسبت اسے اس کی اصلی فطرت کے اعتبار سے حاصل ہے لیکن جب اس کا تعلق ایک ہیکل اور قفسِ عنصری سے ہو جاتا ہے تو عام برزخیت سے نکل کر بالہام عالم چون میں اتر آتا ہے اس واسطے بیچونی کا رنگ اس سے جاتا رہتا ہے۔ اس کی مثال ہاروت و ماروت کی سی ہے۔“ (مبدء و معاد منھا ۱۳، مطبوعہ لاہور)

جب وجودِ آدم کو تخلیق فرمایا گیا تو اس میں روح پھونکی گئی۔ اب یہ جاننا ضروری ہے کہ جس طرح جسم کو روح سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں اسی طرح روح کو بھی جسم سے بڑے فوائد پہنچے ہیں۔ چنانچہ جسم ہی کی برکت سے اسے سننے، دیکھنے، بات کرنے، مجسم ہونے، مختلف افعال سرانجام دینے اور عالمِ اجہاد سے مناسب ہونے کی طاقت نصیب ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ثواب اور عذاب روح اور جسم دونوں کے لیے متحقق ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے رسالہ مبدء و معاد میں فلسفہ روح کے بارے میں کھل کر لکھا ہے اور فرمایا ہے ”روح کے بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے کشفِ صریح اور علمِ صحیح حاصل ہوا ہے اور ساتھ ہی مجھ سے وہ شبہ دور کر دیا گیا ہے جو بیان کرنے سے روکتا ہے۔ مشہور حدیث پاک میں ہے ان اللہ خلق آدم علی صورۃ، بے شک اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق فرمایا۔ تخلیقِ آدم اور فلسفہ روح کے متعلق آپ نے کمال درجے کا اجتہادی فکر پیش کیا جس سے اس حدیث پاک کی تشریح بھی ہو گئی اور روح کی کیفیت بھی نکھر کر سامنے آ گئی۔ آپ ارقام فرماتے ہیں:

”ان اللہ خلق آدم علی صورۃ، اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بیچون و بیچگون ہے۔ آدم علیہ السلام کی روح کو جو اس کا خلاصہ ہے ”بیچونی اور بیچگونی کی صورت پر پیدا کیا۔ پس جس طرح حق سبحانہ لامکانی ہے، روح بھی لامکانی ہے اور روح کو بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ہے۔ نہ داخل ہے نہ خارج ہے نہ متصل ہے نہ منفصل ہے اور قیومیت سے زیادہ اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی اور بدن کے ذرات میں سے ہر ذرہ کا

قیوم روح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ عالم کا قیوم ہے۔ بدن کے لیے حق تعالیٰ کی قیومیت روح کی قیومیت کے سبب سے ہے جو فیض وارد ہوتا ہے اس فیض کے وارد ہونے کا محل پہلے روح ہے اور پھر روح کے ذریعے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے اور چونکہ روح بیچونی اور بیچگونی کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے اس لیے حقیقی بیچون و بیچگون کی اس میں گنجائش ہوگی۔

لا یسعنی ارضی ولا سمانی ولكن یسعنی قلب عبد مومن ، میں اپنی زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا لیکن مومن آدمی کے دل میں سما سکتا ہوں کیونکہ زمین و آسمان باوجود وسعت و فراخی کے چونکہ دائرہ امکان میں داخل ہیں اور چونی اور چگونی کے نشان سے داغدار ہیں۔ اس لیے لامکانی کی جو چندی اور چونی سے مقدس و پاک ہے گنجائش نہیں رکھتے۔ کیونکہ لامکانی مکان میں گنجائش نہیں رکھتا اور بیچون چون میں آرام نہیں لیتا پس ناچار مومن آدمی کے دل میں جو لامکانی ہے اور چندی اور چونی سے مبرا ہے گنجائش ثابت ہوگی۔ مومن آدمی کے دل کی تخصیص اس لیے ہے کہ غیر مومن آدمی کا دل لامکانی کی بلندی سے نیچے اتر اہوا ہوتا ہے اور چندی و چونی میں گرفتار ہو کر اسی کا حکم حاصل کیے ہوتا ہے۔ پس نزول اور گرفتاری کے باعث چونکہ دائرہ امکان میں داخل ہو گیا ہے اور چونی کا حکم حاصل کر لیا ہے اس لیے اس نے قابلیت کو ضائع کر دیا ہے۔ اولیک کا لانعام بل ہم اضل ، یہ لوگ چار پاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور مشائخ میں سے جس نے اپنے دل کی وسعت کی نسبت خبر دی ہے اس کی مراد قلب کی لامکانیت ہے کیونکہ مکان خواہ کتنا ہی وسیع ہو پھر بھی تنگ ہی ہے۔ عرش اپنی فراخی و عظمت کے باوجود چونکہ مکانی ہے اس لیے لامکانی کے مقابلے میں جو روح ہے دانہ رائی کا حکم رکھتا ہے بلکہ اس

سے بھی کم معلوم ہوتا ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ جب یہ قلب انوار قدس کی تجلی کا محل ہے اور قدیم کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے تو عرش و ما فیہا کو اگر اس میں ڈال دیں تو محو و متلاشی ہو جائیں اور ان میں سے کچھ باقی نہ رہے جیسے کہ سید الطائفہ (حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ) نے اس مقام کے بارے میں فرمایا ہے۔ ان المحدث اذا قورن بالقدیم لم یبق لہ اثر کہ جب حادث قدیم کے ساتھ مل جائے تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ ایسا یکتا لباس ہے جو خاص روح کے قد پر سیا ہوا ہے۔ ملائکہ کو بھی یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہیں اور چون کے داغ سے موسوم ہیں۔ اسی واسطے انسان خلفیہ رحمٰن بن گیا۔ ہاں شے کی صورت اس شے کا خلیفہ ہوتی ہے اور جب تک شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو شے کی خلافت کے لائق نہیں ہوتا۔ اپنے اصلی امانت کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا۔ بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔۔۔۔ اگر کسی عبارت میں ایسا لفظ واقع ہو جائے جس سے حق تعالیٰ کی شان میں طرف یا مظروف ہونے کا وہم گزرتا ہو تو اس کو میدان عبارت کی تنگی پر محمول کرنا چاہیے اور کلام کی مراد کو اہل سنت و جماعت کی آراء کے موافق سمجھنا چاہیے“

(مکتوب ۲۸۷، دفتر ۱)

قلب صنوبری مور و الہام ہے:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی یہ عادت مبارکہ ہے کہ آپ صوفیہ کرام کے مکشوفات کو قرآن و حدیث کی روشنی میں پرکھتے ہیں۔ اگر قرآن و حدیث سے ان کی تائید مل جائے تو قبول کرتے ہیں ورنہ انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ آپ کی عظمت شان ہے کہ آپ کے مکشوفات کی تائید قرآن و حدیث سے مل جاتی ہے۔ یہاں قلب صنوبری یعنی انسانی جسم کے اندر گوشت کے ٹوٹھڑے کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ کے نزدیک جب نفس مطمئنہ کو مقام قلب تک رسائی

نصیب ہو جائے تو الہامات و تلوینات اس پر وارد ہوتی ہیں۔ گویا وہ نفس مطمئنہ کو الہامات کا مورد قرار دیتے ہیں جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ الہامات کا مورد قلب صنوبری یعنی وہی گوشت کا لوتھڑا ہے جسے مضغہ کہا جاتا ہے۔ آپ ارقام فرماتے ہیں:

”جب بدن عنصری اپنی جائے قرار میں آجاتا ہے تو لطائف ستہ کی جدائی اور ان کے عالم امر میں چلے جانے کے بعد اس جہان میں ان کا خلیفہ بلاشک و شبہ یہی بدن رہ جاتا ہے اور یہی ان سب کے کام کرتا ہے۔ بعد ازاں اگر الہام ہوتا ہے تو گوشت کے اسی ٹکڑے کو جو حقیقت جامعہ قلبیہ کا خلیفہ ہے اور اس حدیث نبوی ”من اخلص لله اربعین صباحاً ظہرت منابع الحكمة من قلبه علی السانہ“ یعنی جو شخص چالیس دن اللہ تعالیٰ کی عبادت اخلاص سے کرتا ہے۔ حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ میں قلب سے مراد واللہ اعلم یہی گوشت کا ٹکڑا ہے اور دوسری حدیثوں میں بھی یہی مراد مقرر ہے.... جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دل کے واسطے اطمینان کی درخواست کی تو اس وقت آپ کی مراد اسی گوشت کے ٹکڑے سے تھی نہ کہ کسی اور چیز سے کیونکہ آپ کا حقیقی دل تو بلاشک و شبہ مطمئن تھا بلکہ آپ کا نفس بھی آپ کے حقیقی دل کی سیاست کی وجہ سے مطمئن تھا۔ (مبدء ومعاد منھا ۱۳)

یہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان کے لیے اور بھی احادیث نبویہ کو پیش کیا ہے، مثلاً

☆..... ان فی جسد بنی ادم لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسدت الجسد کلہ، الا وہی القلب، بے شک بنی آدم کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے۔ جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا جسم خراب ہوتا ہے۔ خبردار وہ دل ہے (مبدء ومعاد منھا ۱۳)

☆..... قلب المومن بين اصبعين من اصابع الرحمن، مومن كادل رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہے (جو اس کی شان کے لائق ہے) (ایضاً)

☆..... قلب المومن کریشه فی ارض فلاة، مومن کا دل بیابان کے گھاس کی طرح ہے (ایضاً)

☆..... اللهم ثبت قلبي على طاعتك اے اللہ! میرے دل کو اپنی اطاعت پر ثابت رکھنا۔ (ایضاً)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ عقل معاد پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جو نفس مطمئنہ کی ہمسائیگی کے شوق کا باعث ہوتا ہے یہاں تک کہ نفس مطمئنہ کو اس کے مقام تک پہنچاتا ہے اور جسم کو خالی چھوڑتا ہے۔ اس وقت تعلق تذکر و تعقل بھی قلبی ٹکڑے میں فرار پکڑ لیتا ہے۔ ”ان فسی ذلک لذکری لمن کان له قلب ورح یعنی صاحب قلب ورح کے لیے اس میں ذکر ہے۔ وہی قلب خود آپ ہی اپنا ترجمان ہو جاتا ہے۔ اس وقت عارف کو قالب سے پالا پڑتا ہے۔ ناری جزو جس کے وجود سے ”اناخیر منہ“ میں اس سے اچھا ہوں کی آواز نکلتی تھی۔ فرمانبردار ہونے لگتا ہے اور ہوتے ہوتے اسلام حقیقی کے شرف سے مشرف ہو جاتا ہے۔ تب ابلیسی جامہ اس سے اتار کر نفس مطمئنہ کے اصلی مقام میں پہنچاتے ہیں اور اس کا نائب مناسب بنا دیتے ہیں پس قالب میں قلب حقیقی کا خلیفہ یہی گوشت کا ٹکڑا ہے اور نفس مطمئنہ کا نائب مناسب جزو ناری ہے۔

زر شد مس وجود من ازہ کیمیائے عش

چھ آئینوں کی اجتہادی توجیہ

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہ کا فرمان ہے کہ ہر شیخ کے آئینے کے دُورخ ہیں لیکن میرے آئینے کے چھ رخ ہیں۔ یہ فرمان بہت دقیق ہے جس کے متعلق کسی بزرگ نے کلام نہیں کیا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں:

”اس میں کلام نہیں کہ آج تک اس بزرگ خانوادہ کے کسی خلیفہ نے اس کلمہ قدسیہ کی شرح بیان نہیں کی بلکہ اشارتا اور کنایتاً بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کی، مجھ حقیر اور قلیل البھاعتہ کی کیا حیثیت کہ اس کی شرح کی جرأت کر سکے اور اس کے کشف کے لیے زبان کھولے لیکن چونکہ حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس معما کا بھید مجھ پر

منکشف فرمایا ہے اور کما حقہ اس کی حقیقت مجھ پر ظاہر فرمائی ہے اس واسطے اس پوشیدہ بھید کو بیان کی انگلیوں سے رشتہ تحریر میں پروتا ہوں اور زبان ترجمان سے بھی تقریر میں لاتا ہوں۔ استخارہ کے بعد اسے اور اللہ تعالیٰ سے غلطی سے بچنے کی توفیق کی دعا کر کے شروع کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ آئینہ سے مراد عارف کا دل ہے جو روح اور نفس کے مابین برزخ ہے۔ آئینے کے دونوں رخوں سے مراد ایک رخ روح کا اور دوسرا رخ نفس کا لیا ہے۔ جس وقت مشائخ مقام قلب پر پہنچتے ہیں تو ان دونوں رخوں سے وہ علوم و معارف جو قلب کے مناسب ہوتے ہیں منکشف ہونے لگتے ہیں۔ برخلاف اس کے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے طریقہ میں ہدایت ہی میں نہایت مندرج ہے۔ اس طریقہ میں آئینے کے چہ رخ ہو جاتے ہیں۔ اس کی مفصل حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ علیہ کے بزرگوں پر منکشف ہو رہے ہیں کہ جو کچھ تمام افراد انسانی میں ثابت ہے وہ چھ لطیفوں سے اکیلے دل میں متحقق ہے، ان چھ طرفوں سے مراد نفس، قلب، روح، سر، خفی، انھی لیے ہیں۔ باقی تمام مشائخ کی سیر قلب کے ظاہر تک محدود ہے لیکن نقشبندیہ بزرگوں کی سیر قلب کے باطن تک بلکہ اس سیر کے ذریعے اس کے اندرونی سے اندرونی نقطے تک ہے اور انہیں ان چھ لطیفوں کے علوم و معارف مقام قلب میں منکشف ہوتے ہیں لیکن وہ علوم منکشف ہوتے ہیں جو مقام قلب کے مناسب ہیں۔ یہ ہے حضرت خواجہ قدس سرہ کے کلمہ قدسیہ کا بیان۔ مجھ حقیر کو ان بزرگوں کی برکت سے اور زیادہ تحقیق و تدقیق معلوم ہوئی۔ سو میں اس تحقیق و تدقیق میں سے کچھ اشارتا اس آیت کریمہ و اما بنعمة ربك فحدثك بما وجب بيانك کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ قلب قلب میں بھی قلب کی طرح لطائف پائے جاتے ہیں لیکن قلب قلب

میں یا دائرہ کی تنگی یا کسی اور بھید کی وجہ سے مذکورہ بالا چھ لطیفوں میں سے دو لطیفے بطریق جزو یعنی لطیفہ نفس اور لطیفہ انھی ظاہر نہیں ہوتے اور یہی حالت اس دل کی ہے جو تیسرے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا اور یہی حالت اس دل کی ہے جو چوتھے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں صرف قلب و روح کا ظہور ہوتا ہے۔ سر کا نہیں ہوتا۔ پانچویں مرتبے میں لطیفہ روح کا بھی ظہور نہیں ہوتا۔ صرف قلب ہی قلب رہ جاتا ہے جو بسیط محض اور ناقابل اعتبار ہے۔ اس موقع پر بعض معارف عالیہ کا معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ ان کے ذریعے واضح ہو جائے کہ نہایت نہایت اور غایت الغایت سے کیا مراد ہے۔ میں ان معارف کو بتوفیق الہی بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ جو کچھ عالم کبیر میں مفصل طور پر ظاہر کیا گیا ہے وہ عالم صغیر میں مجمل طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ عالم صغیر سے میری مراد انسان ہے۔ پس جب عالم صغیر کو صیقل کر کے منور کر لیا جاتا ہے تو اس میں آئینے کی طرح عالم کبیر کی تمام چیزیں مفصل طور پر دکھائی دینے لگتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس دل تیسرے، چوتھے اور پانچویں مرتبے میں بہ سبب صقالت و نورانیت سابقہ مراتب کی تمام چیزوں کو مفصلاً دکھانے لگتا ہے۔ اسی طرح جو دل پانچویں مرتبے میں بسیط محض اور ناقابل اعتبار ہوتا ہے جب اسے پورے طور پر صیقل کیا گیا ہے تو اس میں عالم کبیر، عالم صغیر اور صغیر اور بعد کے باقی تمام عوالم کی چیزیں مفصلاً دکھائی دینے لگتی ہیں، سو وہ تنگ لیکن سب سے فراخ اور بسیط سے بسیط، نہایت چھوٹا لیکن سب سے بڑا ہے۔ اس وصف کی کوئی اور چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کی۔ اس لطیفہ بدیعہ سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مناسبت نہیں رکھتی۔ اس واسطے فرمایا، لا یسعی ارضی ولا سمائی و لکن یسعی قلب عبدی المؤمن، عالم کبیر اگرچہ

بلحاظ ظہور نہایت وسیع ہے اور اس کی کثرت و تفصیل کی وجہ سے اسے اس چیز کے ساتھ جس میں کثرت و تفصیل بالکل نہ ہو، کوئی مناسبت نہیں۔ وہ تنگ لیکن بہت وسیع ہے اور بسیط الالبسط ہے۔ بہت ہی تھوڑا ہے لیکن ساتھ بہت ہی کثیر بھی ہے۔ جب وہ عارف جو بلحاظ معرفت مکمل اور از روئے شہود اکمل ہو اس مقام پر پہنچتا ہے جو عزیز الوجود اور شریف رتبہ ہے تو وہ عارف تمام جہان اور اس کے ظہورات کے لیے بمنزلہ دل ہو جاتا ہے، تب اسے ولایت محمدیہ حاصل ہوتی ہے۔۔۔۔۔ یہ معارف پوشیدہ اسرار اور مخفی رموز سے ہیں، بڑے اولیاءوں میں سے کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا اور بڑے بڑے اصفیاء میں سے کسی نے بھی ان کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اسرار اپنے اس بندے کو اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے عطا فرمائے اور ان کے ظاہر کرنے کا حکم دیا۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

اگر بادشاہ برادر پیرزن
بیاید تو اے خواجہ سہلت مکن

اللہ تعالیٰ کی قبولیت کسی شے یا سبب پر منحصر نہیں، جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر لیتا ہے اور وہ فضل عظیم کا مالک ہے (مبداء معاد منھا ۱۲)

شاہق الجبل اور اطفال اہل شرک:

انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت و رحمت ہے جس کے ذریعے مخلوق کو خالق کا عرفان نصیب ہوتا ہے۔ یونان کے قدیم فلسفیوں نے دانا و بینا ہونے کے باوجود وجودِ صانع کی طرف ہدایت نہ پائی اور وجود کائنات کو دہر یعنی زمانے کی طرف منسوب کیا۔ جب انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت و بعثت کے انوار کا سورج طلوع ہوا تو متاخر فلسفیوں نے اپنے متقدمین کے مذہب کو رد کر دیا اور وہ وجودِ صانع کے قائل ہو گئے اور انہوں نے حق تعالیٰ کی وحدت کو ثابت کیا کائنات میں کچھ ایسے انسان بھی

رہتے تھے جن کو اپنی دور افتادگی کی وجہ سے انبیائے کرام کی دعوت نصیب نہ ہوئی۔ وہ پہاڑوں کی بلند یوں اور غاروں میں رہنے کی وجہ سے توحید و رسالت کے انوار سے منور نہ ہو سکے ایسے لوگوں کو ”شاہق الجبل“ کی اصطلاح سے یاد کیا گیا ہے۔ پھر اہل شرک کے اطفال تک بھی توحید و رسالت کا فیضان نہیں پہنچا تو اب مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ کیا شاہق الجبل اور اطفال اہل شرک بھی خلود فی النار کے حکم میں داخل ہیں یا نہیں۔ اس مسئلے میں امت کا بہت اختلاف ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اہل شرک کے اطفال کا حشر اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اطفال اپنے آبا و اجداد کے تابع ہوں گے یعنی مسلمانوں کے بچے جنت میں اور مشرکوں کے بچے جہنم میں ہوں گے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ وہ جنت اور دوزخ کے درمیان برزخ میں ہوں گے کیونکہ انہوں نے کوئی نیکی نہیں کی جو کہ جنت میں جائیں اور کوئی گناہ نہیں کیا جو دوزخ میں جائیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ یہ ایک ضعیف روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اہل شرک کے اطفال کا قیامت کے دن امتحان لیا جائے گا۔ ان کو ایک آگ دکھائی جائے گی۔ جو اس میں داخل ہوگا وہ بچ جائے گا اور جو داخل ہونے سے انکار کرے گا وہ عذاب سے دوچار ہوگا، امام بزار نے اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ جو شخص ایام فترت میں فوت ہو گیا اس کو پاگل کو اور چھوٹے بچے کو بلایا جائے گا وہ تینوں اپنے عذر پیش کریں گے پھر ان کا آگ سے امتحان لیا جائے گا امام بزار نے فرمایا ہے کہ ہم اس روایت کو صرف فضیل سے پہچانتے ہیں۔ امام طبرانی نے اس روایت کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ فترت میں مرنے والے (جن تک انبیاء کرام کی دعوت نہیں پہنچی) اور مجنون کا امتحان صحیح اسناد سے ثابت ہے۔ فترت میں مرنے والا شخص کہے گا کہ اے پروردگار! میرے پاس تیرا کوئی رسول نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پختہ عہد لے گا پھر اس کے پاس ایک پیغام اکبر بھیجے گا اور وہ کہے گا کہ دوزخ میں داخل ہو جاؤ، اگر وہ دوزخ میں داخل ہو جائے گا تو وہ اس کے لیے سلامتی والی بن جائے گی۔ حضرت امام بیہقی نے بھی کتاب الاعتقاد میں یہی لکھا ہے کہ فترت میں مرنے والے اور مجنون کے لیے امتحان منعقد ہوگا۔ یہ مذہب صحیح ہے، بعض علماء کا قول ہے کہ اہل شرک کے اطفال مٹی ہو جائیں گے۔ امام احمد کے اصحاب کا مذہب ہے کہ وہ دوزخ میں ہوں گے، بعض علماء کا قول ہے کہ ان کے متعلق توقف کرنا چاہیے، حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ مذہب صحیح اور مختار یہی ہے کہ وہ جنت میں

ہوں گے۔ (ملخصاً عمدۃ القاری ۲۱۳/۸، مطبوعہ مصر، فتح الباری ۲۳۶/۳ مطبوعہ لاہور)
 اصحاب ماتریدیہ کا موقف ہے کہ شاہق الجبل وغیرہ کافر اور داخل جہنم ہیں، حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمۃ کا
 موقف ہے کہ ان کے لیے قیامت کے دن ایک پیغمبر مبعوث ہوگا اور اس کی دعوت کے انکار و اقرار کے
 موجب ان کو دوزخ و جنت کا حکم سنایا جائے گا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے کشفِ صریح سے
 اس مسئلے کا یہ حل بیان فرمایا ہے!

”بہت مدت کے بعد خداوند تعالیٰ کی عنایت نے راہنمائی کی اور اس
 معما کو حل کر دیا اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں رہیں گے نہ
 دوزخ میں بلکہ آخرت کے بعث و احیاء کے بعد ان کو مقام حساب
 میں کھڑا رکھ کر گناہوں کے اندازہ کے موافق ان کو عتاب و عذاب
 دیں گے اور حقوق پورے کر کے غیر مکلف حیوانوں کی طرح ان کو
 معدوم مطلق اور لاشے محض کر دیں گے۔ پس خلود کس کے لیے اور مخلد
 کون ہوگا۔ اس معرفتِ غریبہ کو جب انبیائے کرام علیہم السلام کے
 حضور پیش کیا گیا تو سب نے اس کی تصدیق فرمائی اور اس کو مقبول
 فرمایا۔ والعکم عند اللہ سبحانہ فقیر پر یہ بات بہت ناگوار
 گزرتی ہے کہ حق تعالیٰ باوجود اپنی کمال رافت و رحمت کے بغیر اس
 بات کے کہ انبیاء کرام کے ذریعے ابلاغِ مبین فرمائے، صرف عقل
 کے اعتبار پر جس میں غلطی اور خطا کی مجال ہے اپنے بندے کو ہمیشہ
 کے لیے دوزخ میں ڈال دے اور ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار کرے
 جس طرح کی باوجود شرک کے اس کے لیے جنت میں ہمیشہ رہنے کا
 حکم کرنا ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کہ جنت و دوزخ کے درمیان
 واسطہ کے قائل نہ ہونے کے باعث امام اشعری کے مذہب سے
 لازم آتا ہے۔ پس حق وہی ہے جو مجھے الہام ہوا کہ قیامت کے دن
 محاسبہ کے بعد ان کو معدوم کیا جائے گا اور فقیر کے نزدیک دار الحرب

کے مشرکین کے اطفال کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ بہشت میں داخل ہونا ایمان پر وابستہ ہے۔ خواہ ایمان اصالت کے طور پر ہو یا تبعیت کے طور پر، اگرچہ تبعیت دارالاسلام میں ہوتی ہے جیسے کہ اہل ذمہ کے لڑکوں کے لیے لیکن ان کے حق میں ایمان مطلق طور پر مفقود ہے پس بہشت میں ان کا داخل ہونا متصور نہیں ہوتا اور دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا تکلیف کے ثابت ہوتے کے بعد مشرک پر منحصر ہے اور یہ بھی ان کے حق میں مفقود ہے، پس ان کا حکم حیوانوں کا سا حکم ہے کہ بعث و نشور کے بعد حساب کے لیے کھڑا کریں گے اور ان سے حقوق پورے کر کے ان کو معدوم اور نیست و نابود کر دیں گے اور ان مشرکوں کے حق میں بھی جو پیغمبروں کی فترت کے زمانہ میں ہوئے ہیں اور جن کو کسی پیغمبر کو دعوت نصیب نہیں ہوئی۔ (مکتوب ۲۵۹، دفتر ۱)

اگر کوئی شخص یہ روایت بیان کرے جو حضرت امام احمد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی اولاد کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا، جنت میں ہوگی اور مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا، جہنم میں ہوگی، اگر تم چاہو تو میں تمہیں جہنم میں ان کے چلانے کی آوازیں سنوادوں اور کہے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا اجتہاد اس روایت سے ٹکرا رہا ہے لہذا غیر معتبر ہے، جو ابنا عرض ہے کہ حضرت امام عینی علیہ الرحمۃ نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں نہیہ کے مولیٰ ابو عقیل جیسا متروک راوی موجود ہے۔ (عمدة القاری ۲۱۲/۸ مطبوعہ مصر) باقی جن روایات میں امتحان لینے اور قیامت کے دن کسی پیغمبر کے مبعوث کرنے کا ذکر ہے وہ بھی اضطراب سے دوچار ہیں اور مضامین میں متعارض ہیں۔ حدیث مضطرب سے استدلال نہیں کیا جاتا جیسا کہ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے جنگلی گدھے کے گوشت کے بارے میں تصریح فرمائی ہے (شرح مسلم ۳۱۸/۳، مطبوعہ لاہور) اہل فترت، شاہق الجبل اور دار الحرب کے مشرکین کے اطفال دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ یہ قرآن پاک

کی اس آیت سے ثابت ہے۔ وما کننا معذبین حتیٰ نبعث رسولاً جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیجیں عذاب دینے والے نہیں (سورۃ الاسراء، آیت ۱۵) پھر ان سے شرک اور کفر کی رسومات بھی ثابت ہیں تو ان کا جنت میں داخلہ بھی عجیب ہے کیونکہ نص قطعی ہے من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ، جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی۔ اگر ان کو اصحابِ اعراف میں تصور کیا جائے تو بھی مناسب نہیں کیونکہ اصحابِ اعراف بھی بالآخر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قیامت کے دن ان کے لیے کوئی پیغمبر مبعوث ہوگا تو یہ بھی یومِ قیامت کے مقصد کے خلاف ہے کیونکہ وہ دارالکلیف نہیں ہے۔ اب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا اجتہاد ہی مناسب دکھائی دیتا ہے کہ ان کو بعث و نشور کے بعد حیوانوں کی طرح معدوم کر دیا جائے گا۔ (واللہ اعلم ورسولہ بالصواب)

حضرت خضر علیہ السلام کی حقیقت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا ذکر قرآن پاک اور صحیح احادیث میں مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلیل القدر رسول ہونے میں کوئی اختلاف نہیں جبکہ حضرت خضر علیہ السلام کا معاملہ نہایت پر اسرار ہے۔ علمائے امت ان کے متعلق شدید قسم کے اختلاف کا شکار ہیں۔ پہلے ہم علمائے امت کی آراء اور پھر آخر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی رائے پیش کرتے ہیں۔ حضرت وہب بن منبہ کی روایت میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا نام ”بلیا“ ہے، حضرت ابو حاتم جستانی کے مطابق ان کا نام ”خضرون“ ہے، ایک قول ہے کہ ان کا نام ”ارمیاہ“ ہے، حضرت مقاتل کے مطابق ان کا نام ”الیسع“ ہے۔ ان کو خضر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جب زمین پر بیٹھتے تو وہاں سبزہ پیدا ہو جاتا، ان کی کنیت ابو العباس ہے، ایک قول کے مطابق ان کا شجرہ نسب بھی مذکور ہے۔ بلیا بن ملکان بن فائع بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام، حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ، ان کو ”اسرائیلی“ قرار دیتے ہیں جیسا کہ ان کے ایک خطبہ سے ثابت ہے۔ اے اسرائیلی آج محمدی کا کلام بھی سنتا جا، ان کی نبوت کے بارے میں بھی خاصا اختلاف ہے۔ امام قشیری کا قول ہے کہ وہ ولی ہیں، ایک جماعت علماء کے نزدیک وہ نبی ہیں۔ امام ثعلبی اور محدث ابن جوزی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے متعلق بھی علماء کرام میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک وہ قیامت تک زندہ رہیں گے۔

علامہ ابن الصلاح فرماتے ہیں۔ جمہور علماء اور صالحین اور عام لوگوں کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور بعض محدثین نے ان کی حیات کا انکار کیا ہے اور یہ قول شاذ ہے۔ امام بخاری، امام ابن مناوی اور امام ابن جوزی نے ان کی حیات کا انکار کیا ہے (عمدة القاری ۲/۶۰، مطبوعہ مصر) علامہ ابن تیمیہ نے بھی حیات خضر کا انکار کیا ہے۔ حضرت امام نووی نے بھی لکھا ہے کہ جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ہمارے ہاں موجود ہیں۔ یہ امر صوفیہ کرام کے درمیان متفق علیہ ہے۔ صوفیہ کرام سے ان کو دیکھنے، ملاقات کرنے اور ان سے علم حاصل کرنے کی متعدد حکایات مشہور ہیں۔ مقدس مقامات میں ان کے موجود ہونے کے بے شمار واقعات منقول ہیں۔ (شرح مسلم ۲/۲۶۹ مطبوعہ کراچی) حضرت امام ابی مالکی نے بھی لکھا ہے کہ لمبی عمر ممکن ہے اور حضرت خضر کی حیات کے متعلق بہت سی حکایات موجود ہیں، (اکمال المعلم ۶/۱۷۲، مطبوعہ بیروت) حضرت امام محمود آلوسی نے حیات خضر کے دلائل اور وفات خضر کے دلائل جمع کر کے اپنا فیصلہ صادر کیا ہے کہ نبی اکرم کی احادیث صحیحہ اور دلائل عقلیہ سے ان علماء کے نظریے کی تائید ہوتی ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں اور ان احادیث کے ظاہر سے عدول کرنے کا کوئی مقتضی نہیں ہے ماسواء ان حکایات کے جو بعض صالحین سے منقول ہیں اور ان کی صحت کے بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے (روح المعانی ۱۵/۳۲۸، مطبوعہ بیروت) حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اس مسئلے پر منفرد طریقے سے روشنی ڈالی ہے اور اپنے کشفِ صریح سے حضرت خضر علیہ السلام کی حقیقت اور حیات سے پردہ اٹھایا ہے۔ آپ ارقام فرماتے ہیں!

”یاریت سے حضرت خضر علیہ السلام کے احوال کی نسبت دریافت کیا کرتے تھے چونکہ فقیر کو ان کے حال پر پوری پوری اطلاع نہ دی گئی تھی اس لیے جواب میں توقف کیا کرتا تھا۔ آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس و خضر علیہما السلام روحانیوں کی صورت میں حاضر ہوئے اور روحانی ملاقات سے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں، حق سبحانہ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام جو جسموں سے وقوع میں آئیں یعنی جسمانی حرکات و سکنات اور جسدی اطاعات

وعبادت ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں۔ اسی اثناء میں پوچھا کہ آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب فقہی کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ ہم شراعیع کے مکلف نہیں ہیں لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اور قطب مدار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ہے اس لیے ہم بھی اس کے پیچھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔ اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی اطاعت پر کوئی جزا مرتب نہیں ہے۔ صرف اطاعت کے ادا کرنے میں اہل اطاعت کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور عبادت کی صورت کو مد نظر رکھتے ہیں۔ (مکتوب ۲۷، دفتر ۱)

یاد رہے کہ احادیث صحیحہ میں کہیں بھی حضرت خضر علیہ السلام کا شجرہ نسب موجود نہیں ان کے حسب و نسب کے متعلق کوئی اشارہ مذکور نہیں، علماء اور صوفیہ کے متعارض اقوال اور حیات پر دلالت کرنے والے آثار حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے کشف صریح کی روشنی میں اپنے حقیقی مفہوم کے ساتھ نکھر جاتے ہیں، نیز جن لوگوں نے ان کی وفات پر اپنے عقلی نتائج کا سہارا لیا ہے ان کا شافی جواب بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ عصر حاضر کے مفسر اور اسکالر حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے اس موقف کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کو اپنے انوار کا مہبط بنائے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ایک ایسی بات رقم کی ہے جس سے دلائل کا تضاد بھی رفع ہو جاتا ہے اور انسان کے دل میں اطمینان بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں یہاں فریقین کے دلائل نقل کرنا تطویل کا باعث ہوگا صرف تفسیر مظہری کی وہ عبارت لکھنا کافی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی تحقیق سے جس طرح میری تشویش دور ہوئی، اس کے مطالعہ سے آپ کی پریشانی بھی ختم ہو جائے گی۔ فریقین کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس اشکال کا حل حضرت مجدد الف ثانی کے کلام

کے بغیر ناممکن ہے۔ حضرت مجدد سے حضرت خضر کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں تو وہ بارگاہِ الہی میں حقیقتِ حال کے انکشاف کے لیے متوجہ ہوئے حضرت مجدد الف ثانی نے دیکھا کہ حضرت خضر ان کے پاس کھڑے ہیں آپ نے ان سے ان کی حقیقتِ حال دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں اور الیاس زندوں میں سے نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت بخشی ہے جس سے ہم مجسم ہو جاتے ہیں اور زندوں کے کام کرتے ہیں..... (ضیاء القرآن، جلد ۳ ص ۳۸، مطبوعہ لاہور)

اقوال اولیاء کی توجیہات:

انسوس صدانسوس بعض صوفیہ کرام نے اپنے مخصوص احوال کی وجہ سے ایسے اقوال بیان کیے ہیں جن کی تشریح اور توجیح کی اشد ضرورت تھی اور ان کو ظاہر شریعت کے مطابق پھیرنا بہت لازمی تھا تا کہ عوام الناس کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا فرما کر سالکین تصوف پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے۔ آپ سے جب بھی صوفیہ کرام کے اقوال اور احوال کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ان کی صحیح توجیح بیان کر دی یا قرآن و سنت کی روشنی میں ان کا اصل حکم ظاہر فرما دیا۔ صدیوں سے تشریح طلب اقوال کا صحیح رخ پیش کرنا بھی آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کا عظیم الشان کارنامہ ہے، ذیل میں اس کارنامہ کا تفصیلی جائزہ حاضر خدمت ہے۔

(۱)

ایک دفعہ میں چند درویشوں سمیت بیٹھا تھا، میں نے اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے جو مجھے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مجھ پر اس طرح غالب ہے کہ میں حق تعالیٰ کو صرف اس واسطے پیار کرتا ہوں کہ وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے۔ حاضرین یہ سن کر حیران رہ گئے لیکن مخالفت نہ کر سکتے تھے۔ یہ باپ حضرت رابعہ بصری علیہا الرحمۃ کی بات کا بالکل نقیض ہے وہ فرماتی ہیں۔ میں نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خواب میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھ پر اس درجہ غالب ہے کہ آپ کی محبت کی گنجائش نہیں رہی، یہ دونوں باتیں سکر سے ہیں لیکن

میری بات اصلیت رکھتی ہے۔ رابعہ بصری علیہا الرحمۃ نے محض مستی کی حالت میں کہی ہے اور میں نے ہوش کے آغاز میں، ان کی بات صفات کے مرتبے کے متعلق ہے اور میری بات مرتبہ ذات سے رجوع کرنے کے بعد کی، اس واسطے کہ مرتبہ ذات میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں۔ تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہی رہ جاتی ہیں۔ وہاں پر سر بسریا حیرت ہے یا جہل بلکہ اس مرتبہ میں بڑے ذوق سے محبت کی نفی کرتا ہے اور کسی طرح سے بھی اپنے آپ کو اس کی محبت کے لائق نہیں جانتا، محبت اور معرفت صرف صفات میں ہوتی ہے جسے محبت ذاتی کہتے ہیں، اس سے مراد ذاتِ احدیث نہیں بلکہ ذات مع اعتباراتِ ذات ہے، پس حضرت رابعہ علیہا الرحمۃ کی محبت مرتبہ صفات میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (مبدء و معاد منھا ۳۷)

(۲)

حضرت رابعہ بصری علیہا الرحمۃ کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کے ایک ہاتھ میں آگ تھی اور ایک ہاتھ میں پانی، فرمایا میں آگ سے جنت کو جلانے اور پانی سے دوزخ کو بجھانے جا رہی ہوں تاکہ لوگ صرف خداوند تعالیٰ کی رضا کے لیے عبادت کریں نہ کہ جنت کے شوق اور دوزخ کے خوف سے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں ”ہاں احوال کے درمیان مقام فنا میں دنیا و آخرت کا نسیان میسر ہو جاتا ہے اور آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح سمجھتے ہیں۔ لیکن جب بقا سے مشرف ہو جائیں اور کام انجام تک پہنچائیں اور کمالاتِ نبوت اپنا پر تو ڈالیں تو پھر دردِ آخرت اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگنا لاحق حال ہوتا ہے۔ بہشت اور اس کے درختوں اور نہروں اور حور و غلمان کی دنیا کی اشیاء کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے نقیض ہیں جیسے کہ غضب و رضا ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ اشجار و انہار وغیرہ جو بہشت میں ہیں سب اعمالِ صالحہ کے نتائج و ثمرات ہیں۔ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں کوئی درخت نہیں ہے۔ اس میں خود درخت لگاؤ۔ یاروں نے عرض کیا کہ ہم کس طرح درخت لگائیں۔ فرمایا کہ تسبیح اور تحمید و تہلیل کے ساتھ۔ یعنی سبحان اللہ کہوتا کہ بہشت میں ایک درخت تمہارے لیے لگ جائے۔ پس بہشت کا درخت تسبیح کا نتیجہ ہے اور جس طرح اس کلمہ میں حروف اصوات کے لباس میں کمال تزیین ہے علیٰ هذا القیاس جو کچھ بہشت میں ہے عمل صالح کا نتیجہ ہے اور جو کمالات و خوبی کہ نہایت تقید میں ہے اور قول و عمل صالح کے لباس میں مندرج ہے بہشت میں وہی کمالات لذتوں اور نعمتوں کے پردہ میں ظہور کریں گے۔ پس وہ لذت و نعمت ضرور حق تعالیٰ کی پسندیدہ،

مقبول اور بقا و وصول کے لیے وسیلہ ہوگی۔ حضرت رابعہ علیہا الرحمۃ (غلبہ حال کی وجہ سے) بیچاری اگر اس راز سے آگاہ ہوتی تو ہرگز بہشت کے جلانے کا فکر نہ کرتی اور اس کی گرفتاری کو حق تعالیٰ کی گرفتاری کے ماسوا نہ جانتی برخلاف دنیاوی لذتوں اور نعمتوں کے جن کا منشاء خبث و شرارت ہے اور ان کا انجام آخرت میں مایوسی اور ناامیدی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ، یہ لذت و نعمت اگر مصباح شرعی ہے تو محاسبہ درپیش ہے اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نے دستگیری نہ کی۔ افسوس صد افسوس اور اگر مصباح شرعی نہیں تو وعید کا مستحق ہے۔ یا اللہ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم پر مہربانی اور بخشش نہ فرمائے تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔ پس یہ لذت اس لذت کے ساتھ کیا نسبت رکھتی ہے۔ یہ لذت (دنیا) زہر قاتل ہے اور لذت (آخرت) تریاقِ نافع، پس آخرت کا درد یا عام مومنوں کو نصیب ہے یا اخص الخواص کے نصیب، خواص اس درد سے پرہیز کرتے ہیں اور کرامت و بزرگی کے خلاف سمجھتے ہیں۔

آن ایشا نند و من چنیم یا رب
یہ ایسے ہیں، میں ایسا ہوں خدایا
(مکتوب ۳۰۲، دفتر ۱)

(۳)

حضرت خواجہ داؤد طائی علیہ الرحمۃ کا فرمان ہے۔ ”اگر تو بچاؤ چاہتا ہے تو دنیا کو سلام کہہ دے اور اگر تو کرامت چاہتا ہے تو آخرت پر تکبیر کہہ دے۔“ ایک اور بزرگ اس آیت کے موافق فرماتے ہیں کہ بعض تم میں سے دنیا چاہتے ہیں اور بعض تم میں سے آخرت پسند کرتے ہیں۔ گویا دونوں فریقوں سے شکایت ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے انوکھا نکتہ بیان فرمایا۔ غرض فنا جو ماسوائے حق کے نسیان سے مراد ہے۔ دنیا و آخرت کو شامل ہے اور فنا و بقاء دونوں ولایت کے اجزاء ہیں۔ پس ولایت میں آخرت کا نسیان ضرور ہے اور کمالاتِ نبوت کے مرتبہ میں آخرت کی گرفتاری بہتر اور محمود ہے اور دارِ آخرت کا درد پسندیدہ اور مقبول ہے بلکہ اس مقام میں آخرت کا درد اور آخرت کی گرفتاری ہے۔ آیت کریمہ ہے، یدعون ربہم خوفاً و طمعاً، اپنے رب کو خوف اور طمع سے پکارتے ہیں اور آیت کریمہ ہے۔ ویخشون ربہم ویخافون عذابہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس کے عذاب

سے خوف کھاتے ہیں۔ اور آیت کریمہ ہے۔ الذین یخشون ربہم بالغیب ومن الساعة مشفقون، اپنے رب تعالیٰ سے غیب کے ساتھ ڈرتے ہیں اور قیامت کے ڈر سے کانپتے ہیں۔ اس مقام والوں کے لیے نقد وقت ہے۔ ان کا نالہ و گریہ احوال آخرت کے یاد کرنے سے ہے اور ان کا الم و اندوہ احوال قیامت کے ڈر سے ہے۔ ہمیشہ قبر کے فتنے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں اور زاری کرتے ہیں، حق تعالیٰ کا درد ان کے نزدیک درد آخرت ہے اور ان کا شوق و محبت آخرت کا شوق و محبت ہے۔ اگر لقا ہے تو اس کا وعدہ بھی آخرت پر ہے اور اگر رضا ہے تو اس کا کمال بھی آخرت پر موقوف ہے۔ دنیا حق تعالیٰ کی مبعوضہ اور آخرت حق تعالیٰ کی مرضیہ اور پسندیدہ ہے۔ مبعوضہ کو مرضیہ کے ساتھ کسی امر میں برابر نہیں کر سکتے کیونکہ مبعوضہ کی طرف سے منہ پھر لینا چاہیے اور مرضیہ کی طرف شوق سے بڑھنا چاہئے۔ مرضیہ کی طرف سے منہ پھیرنا عین سکر ہے اور حق تعالیٰ کی مرضی موعود کے برخلاف ہے۔ آیت کریمہ ہے واللہ یدعوا الی دار السلام، اللہ تعالیٰ دار السلام کی طرف بلاتا ہے۔ ان معنوں پر شاہد ہے۔ پس آخرت سے منہ پھیرنا درحقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ معارضہ ہے اور اس کی مرضی کے رفع کرنے میں کوشش کرنا ہے۔ حضرت امام داؤد طائی علیہ الرحمۃ نے باوجود اس بزرگی کے کہ ولایت میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ ترک آخرت کو کرامت کہا مگر نہ جانا کہ اصحاب کرام علیہم الرضوان سب کے سب درد آخرت میں مبتلا تھے اور آخرت کے عذاب سے ڈرتے تھے۔ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار ہوئے ایک کوچہ میں سے گزر رہے تھے کہ کسی قاری نے اس آیت کریمہ کو پڑھا ان عذاب ربک لواقع مالہ من دافع بے شک میرے رب کا عذاب آنے والا ہے۔ اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔ اس کو سنتے ہی آپ کے ہوش جاتے رہے اور اونٹ سے بے خود ہو کر زمین پر گر پڑے۔ وہاں سے ان کو اٹھا کر گھر لے گئے اور مدت تک اسی درد سے بیمار رہے اور لوگ ان کی بیمار پرسی کو آتے رہے۔ (مکتوب ۳۰۳، دفتر ۱)

(۴)

حضرت شیخ بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر عرش اور جو کچھ عرش میں ہے سب عارف کے دل کے گوشے میں رکھ دیں تو عارف کے قلب کی فراخی کے باعث کچھ محسوس نہ ہو، حضرت شیخ جنید بغدادی علیہ الرحمۃ اس بات کی تائید کرتے ہیں اور دلیل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حادث

قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کا اپنا اثر کچھ باقی نہیں رہتا، یعنی عرش و ما فیہا حادث ہے اور عارف کا قلب جو انوارِ قدم کے ظہور کا محل ہے۔ جب اس حادث کو اس قلب کے ساتھ ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو مضمحل اور متلاشی یعنی فانی اور ناچیز ہو جاتے ہیں۔ پھر کس طرح محسوس ہو سکے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اس مقام پر فرماتے ہیں بڑے تعجب کی بات ہے کہ جب صوفیہ کرام کے رئیس یعنی سلطان العارفین اور سید الطائفہ اس طرح فرمائیں اور عرش مجید کا قلب عارف کے مقابلہ میں کچھ اعتبار نہ کریں اور عرش کو انوارِ قدم کے ظہورات سے خالی جان کر حادث کہہ دیں اور قلب کو انوارِ قدم کے ظہورات کے باعث قدیم بیان کریں تو پھر اوروں کا کیا ذکر ہے۔ اس فقیر کے نزدیک جو جذباتِ الہی سے تربیت یافتہ ہے۔ یہ ہے کہ عارف کا قلب جب اپنی خاص استعداد کے موافق نہایت نہایت تک پہنچ جاتا ہے اور وہ کمال حاصل کر لیتا ہے جس سے بڑھ کر اور کمال متصور نہیں تو اس بات کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے کہ انوارِ عرش کے ظہور کے لیے بے نہایت لمعات میں سے ایک لمعہ اس پر فائز ہو، اس لمعہ کو ان لمعات کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے جو قطرے کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی کم ہوتی ہے۔ عرش وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ عظیم فرماتا ہے اور جس پر اسواء کا سر ثابت کرتا ہے، قلب عارف کو جامعیت کے باعث تشبیہ اور تمثیل کے طور پر عرش اللہ کہتے ہیں یعنی جس طرح عرش مجید عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور خلق و امر کی دونوں طرفوں کا جامع ہے۔ اسی طرح قلب بھی عالم صغیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور اس عالم کے خلق و امر کے دونوں طرفوں کا جامع ہے۔ پس قلب کو بھی تشبیہ کے طور پر عرش کہہ سکتے ہیں۔ جاننا چاہیے اور غور سے سننا چاہیے کہ انوارِ قدم کے ظہور کی قابلیت جو ظلیت کی ملاوٹ سے منزہ اور مبرا ہے وہ عرش مجید کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ قابلیت عرش مجید کے سوانہ عالم خلق رکھتا ہے۔ نہ عالم امر، عالم کبیر رکھتا ہے نہ عالم صغیر، عارف کامل کا قلب بھی جامعیت اور برزخیت کے تعلق کے باعث ان انوار سے نور اقتباس کر لیتا ہے اور سمندر سے ایک چلو بھر لیتا ہے۔ عرش اور کامل معرفت والے عارف کے دل کے سوا اور جس قدر ظہور ہیں سب پر ظلیت کا داغ ہے اور کسی میں اصل کی بو نہیں۔ حضرت بایزید علیہ الرحمۃ اگر سکر کے باعث اس طرح فرمادیں تو مناسب ہے لیکن حضرت جنید علیہ الرحمۃ تو صحو کے مدعی ہیں، ان سے اس قسم کے کلام کا صادر ہونا نہایت ہی ناخوش اور نامناسب ہے کیا کریں وہ (اس وقت تک) حقیقت معاملہ سے واقف نہیں ہوئے اور دریائے ظلیت کے بھنور سے کنارے تک نہیں پہنچے تھے۔ یہ

بات اگرچہ اکثر خلق کی نظر میں آج بعید اور عجیب دکھائی دیتی ہے لیکن آج کے آگے کل نزدیک ہے۔ جلدی نہ کریں (مکتوب ۱۰، دفتر ۲)

(۵)

منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی اپنی بادشاہت کے زمانے میں خرقان کے نزدیک فروکش ہوا۔ اس نے اپنے وکیلوں کو حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ کی خدمت عالی میں بھیجا اور ملاقات کی التماس کی۔ ساتھ کہہ دیا کہ اگر حضرت شیخ توقف کریں تو تم آیت کریمہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کی تلاوت کر دینا جب وکیلوں نے شیخ کی طرف سے توقف معلوم کیا تو آیت مذکورہ پڑھ دی، حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا میں اطیعوا اللہ میں اس قدر گرفتار ہوں کہ اطیعوا الرسول سے شرمندہ ہوں۔ پھر اولی الامر کی اطاعت کا کیا ذکر۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے حق تعالیٰ کی اطاعت کو رسول اللہ کی اطاعت کے سوا سمجھا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے اجتہادی فکر و عرفان کے ساتھ ارقام فرماتے ہیں۔ یہ بات استقامت سے دور ہے۔ مشائخ مستقیم الاحوال اس قسم کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور شریعت و طریقت و حقیقت کے تمام مراتب میں حق تعالیٰ کی اطاعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں جانتے ہیں اور اس اطاعت کو جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سوا ہے۔ عین گمراہی خیال کرتے ہیں۔ (مکتوب ۱۵۲، دفتر ۱)

(۶)

منقول ہے حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر علیہ الرحمۃ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اور خراسان کے بزرگ سادات میں سے ایک سید اجل بھی اسی مجلس میں رونق افروز تھے۔ اتفاقاً اسی اثناء میں ایک مجذوب مغلوب الحال آنکلا، حضرت شیخ نے اس سید اجل پر اس مجذوب کو مقدم کیا تو سیر اجل کو یہ بات ناپسند معلوم ہوئی۔ حضرت شیخ نے اس سید اجل کو فرمایا کہ تمہاری تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے باعث ہے اور اس مجذوب کی تعظیم حق تعالیٰ کی محبت کے باعث ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے یہاں بھی کمال درجے کا علم و عرفان پیش کرتے ہوئے ارقام فرمایا۔ مستقیم الاحوال بزرگوار اس قسم کے تفرقہ کو بھی جائز نہیں سمجھتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر حق تعالیٰ کی محبت کے غلبے کو سکر حال سے جانتے ہیں

اور فضول اور بے ہودہ تصور کرتے ہیں لیکن اس قدر ضرور ہے کہ مرتبہ کمال میں جو مرتبہ ولایت ہے۔ حق تعالیٰ کی محبت غالب ہے اور مقام تکمیل میں جہاں مقام نبوت سے نصیب و حصہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب ہے۔ (مکتوب ۱۵۲، دفتر ۱)

(۷)

بعض فقہا کرام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ”جوڈ“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں۔ اس ”جوڈ“ سے مراد یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں وہ خلافت کے حقدار نہیں تھے نہ کہ وہ جو جس کا انجام فسق و ضلالت ہے تاکہ اہلسنت کے اقوال کے موافق ہو اور استقامت والے لوگ ایسے الفاظ بولنے سے جن سے مقصود کے برخلاف وہم پیدا ہو پرہیز کرتے ہیں اور خطا سے زیادہ کہنا پسند نہیں کرتے اور کس طرح جائز ہو سکے جب کہ صحیح تحقیق سے معلوم ہو چکا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے جیسے کہ صواعق محرقة میں ہے اور مولانا جامی علیہ الرحمۃ نے جو خطائے منکر کہا ہے تو زیادتی کی ہے۔ خطا پر جو کچھ زیادہ کریں خطا ہے اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ اگر وہ (امیر معاویہ) لعنت کے مستحق ہیں الخ تو یہ بھی نامناسب کہا ہے۔ اس کی تردید کی کیا حاجت ہے اور اس میں کون سا اشتباہ ہے۔ اگر یہ بات مولانا جامی علیہ الرحمۃ یزید کے حق میں کہتے تو بیشک جائز تھا لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کہنا برا ہے..... بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات مولانا جامی علیہ الرحمۃ سے سہو و نسیان کے طور پر سرزد ہوئی ہے نیز انہوں نے انہی بیانات میں نام کی تصریح نہ کر کے کہا ہے کہ وہ صحابی اور ہے یہ عبارت بھی ناخوشی سے خبر دیتی ہے۔ یا اللہ ہم سے بھول چوک پر مواخذہ نہ فرما (مکتوب ۲۵۱، دفتر ۱)

(۸)

حضرت مخدوم فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ کے بارے میں حکایت منقول ہے کہ جب ان کا کوئی صاحبزادہ فوت ہو جاتا اور اس کے فوت ہونے کی خبر ان کو پہنچتی تو ان کی طبیعت میں کچھ تغیر و تبدل نہ آتا اور وہ اس طرح فرمادیتے کہ ”سگ بچہ“ مر گیا ہے، جاؤ اس کو باہر پھینک دو، حضرت امام ربانی الف ثانی قدس سرہ اپنے اجتہادی فکر و عرفان کی روشنی میں فرماتے ہیں جب حضور سید البشر کے شہزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ نے

انتقال فرمایا تو آپ ان کے انتقال پر رو پڑے اور نہایت غمناک ہو کر فرمایا انا بفر افاک یا ابراہیم لمحزونون، اے ابراہیم تری جدائی سے ہم بہت غمزدہ ہیں۔ یعنی بڑے مبالغے اور تاکید کے ساتھ اپنے غم کا بیان فرمایا۔ پس حضرت گنج شکر (کا قول) بہتر ہے یا حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم (کا قول بہتر ہے) عوام کا لانعام کے نزدیک معاملہ اول بہتر ہے اور وہ اس کو بے تعلق جانتے ہیں اور دوسرے کو عین تعلق اور گرفتاری سمجھتے ہیں۔ (دفتر، مکتوب ۲۷۲)

(۹)

حضرت شیخ بابا آبریز علیہ الرحمۃ کی نسبت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا جب حق تعالیٰ نے روز اول میں حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی تو میں اس مٹی میں پانی گراتا تھا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے اس قول کی یہ تاویل بیان فرمائی کہ آپ کو جاننا چاہیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ظلیہ خدمات میں جس طرح ملائکہ کرام کو دخل دیا ہوا تھا شاید ان کی روح کو بھی دخل دیا ہو اور ان کی عنصری پیدائش اور اس کے کمال کے بغیر اس امر سے ان کو اطلاع دی گئی ہو۔ جائز ہے کہ حق تعالیٰ ارواح مجردہ کو وہ طاقت اور قدرت دے کہ ان سے اجسام کے سے افعال صادر ہوں اور اسی قسم کی ہیں وہ باتیں بھی جو بعض کبراء نے اپنے افعال شاقہ سے خبر دی ہے جو ان سے ان کے وجود عنصری سے کسی قرن پہلے صادر ہوئے تھے۔ وہ افعال ان کے ارواح مجردہ سے صادر ہوئے تھے اور وجود عنصری کے بعد ان کو ان افعال پر اطلاع دی گئی۔ بعض لوگ اس قسم کے افعال صادر ہونے سے تناخ کے وہم میں پڑ جاتے ہیں۔ حاشا وکلا کہ کسی دوسرے، بدن کا اس سے تعلق ہوا ہو۔ روح مجرد ہے جو حق تعالیٰ کی طاقت بخشنے سے بدن کا کام کرتا ہے۔ اور ارباب زلیغ یعنی کجروؤں کو خلاف میں ڈالتا ہے۔ (مکتوب ۲۸، دفتر ۲)

(۱۰)

حضرت شیخ شرف الدین منیری علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ ارشاد الطالبین میں عجیب و غریب قسم کا کلام رقم فرمایا کہ جب تک آدمی کافر نہ ہو اور بھائی کا سر نہ کاٹے اور اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو تب تک مسلمان نہیں ہوتا۔ اس کلام کا ظاہر انتہائی خوفناک ہے لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے اس کلام کی ایسی تشریح اور توجیح بیان کی ہے کہ اہل تصوف بھی عیش عیش کراٹھیں گے اور علمائے ظاہر کو روحانی تسکین نصیب ہوگی۔ آپ ارقام فرماتے ہیں کہ۔ ”واضح ہو کہ کفر سے مراد کفر

طریقت ہے جو مرتبہ جمع سے مراد ہے کہ استتار یعنی پوشیدگی کا مقام ہے۔ اس مقام میں سالک اسلام کی خوبی اور کفر کی برائی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جس طرح اسلام کو پسندیدہ جانتا ہے کفر کو بھی ویسا ہی اچھا جانتا ہے اور دونوں کو اسم ہادی اور اسم مضل کے مظہر جان کر دونوں سے حظ حاصل کرتا ہے اور لذت پاتا ہے یہ وہی کفر ہے جس کی خبر حضرت منصور نے دی ہے اور وہ اسی میں رہے ہیں اور اسی میں فوت ہوئے ہیں۔ انہوں نے خود کہا ہے

کفرٌ بدین الله والكفر واجب

لدى وعند المسلمين قبیح

(ترجمہ) ہوا کافر میں دین حق سے مجھ کو کفر بہتر ہے

اگرچہ سب مسلمانوں کے ہاں وہ کفر بدتر ہے

قول انا الحق اور قول سبحانی اور قول لیس فی جبتی سوی اللہ وغیرہ شطیحات سب اسی مرتبہ جمع کے درخت کے پھل ہیں۔ اس قسم کی باتوں کے باعث محبوب حقیقی کی محبت کا غلبہ ہے یعنی سالک کی نظر سے محبوب کے سوا سب کچھ پوشیدہ ہو جاتا ہے اور محبوب کے سوا اس کو کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ اسی مقام کو مقام جہل اور مقام حیرت بھی کہتے ہیں لیکن یہ وہ جہل ہے جو محمود ہے اور یہ وہ حیرت ہے ممدوح ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس مرتبہ جمع سے بلند تر سیر واقع ہو جائے اور علم اس جہل کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس حیرت کے ساتھ معرفت مل جائے اور فرق و تمیز حاصل ہو جائے اور سکر سے صحو میں آ جائے تو اس وقت اسلام حقیقی کی دولت ظاہر ہوتی ہے اور ایمان کی حقیقت میسر ہوتی ہے۔ یہ اسلام و ایمان زوال سے محفوظ ہے اور کفر کے عارض ہونے سے بچا ہوا ہے۔ ماثورہ دعاؤں میں آیا ہے: اللہم انی اسلک ایماناً لیس بعدہ کفر، یہ وہی ایمان ہے جو زوال سے محفوظ ہے۔ آیت کریمہ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون، اسی ایمان والوں کے حال کا نشان ہے کیونکہ ولایت اس ایمان کے بغیر متصور نہیں اگرچہ مرتبہ جمع میں بھی اسم ولایت کا اطلاق کر سکتے ہیں لیکن نقص و قصور اس مرتبہ کا دامن گیر ہے کیونکہ کمال ایمان اور معرفت میں ہے نہ کہ کفر اور جہل میں۔ خواہ کوئی کفر و جہل ہو۔ پس جو کچھ شیخ نے کہا ہے درست ہے کہ جب تک کفر طریقت سے متحقق نہ ہوں، اسلام حقیقی سے مشرف نہیں ہوتے اور یہ جو شیخ نے کہا ہے کہ جب تک اپنے بھائی کو نہ مارے تب تک مسلمان نہیں ہوتا مراد بھائی سے ہمزاد شیطان ہے جو

انسان کا ساتھی ہے اور ہر وقت اس کو شر و فساد کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ کوئی بنی آدم نہیں جس کا ساتھی ایک جن نہ ہو۔ یاروں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کا ساتھی بھی جن ہے۔ فرمایا! ہاں لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے اس پر طاقت دی ہے کہ میں اس کے شر سے سالم اور بچا ہوا ہوں۔ یہ معنی اس صورت میں ہے کہ لفظ فاسلم جو حدیث میں واقع ہے اس کا صیغہ متکلم سے روایت کیا جائے اور اگر صیغہ ماضی سے روایت کیا جائے تو اس کے معنی اس طرح ہوں گے کہ میرا ساتھی مسلمان ہو گیا ہے۔ یہ اخیر کے معنی مشہور ہیں اور اس کے مسلمان ہونے یا مارنے سے مراد اس کی تابعداری نہ کرنا اور اس کو ذلیل و خوار رکھنا ہے..... دوسرا جواب یہ ہے کہ شیطان انسان کی خواہشات کی راہ سے آتا ہے اور اس کو مشتبہات کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نفسِ امارہ کی مدد سے جو گھر کا دشمن ہے۔ آدمی پر غلبہ پا جاتا ہے اور اس کو اپنا فرمانبرار بنا لیتا ہے۔ شیطان کا مکر فی حد ذاتہ ضعیف ہے لیکن خانگی دشمن کی مدد سے اپنا کام کر جاتا ہے۔ درحقیقت ہماری بلا ہمارا نفسِ امارہ ہی ہے جو ہمارا جانی دشمن ہے۔ اس کمینے کے سوا کوئی بھی اپنے آپ کا دشمن نہیں۔ باہر کا دشمن اسی کی مدد سے اپنا کام کرتا ہے۔ پس اول اپنے نفس کا سر کاٹنا چاہیے اور اس کی تابعداری کو چھوڑنا چاہیے اور اس کو ذلیل و خوار کرنا چاہیے۔ اس جہاد کے ضمن میں بھائی کا سر بھی کٹ جائے گا اور وہ بھی ذلیل و خوار ہو جائے گا۔ اس راستے کے چلنے والے انسان کا حجاب اس کا اپنا ہی نفس ہے اور بھائی بحث سے خارج ہے جو دور سے شرارتوں کی طرف دعوت دیتا ہے اور سیدھے راستے سے ٹیڑھے راستے کی طرف بلاتا ہے۔ جب نفس تابع ہو جائے تو پھر وہ بیرونی دشمن، اللہ تعالیٰ کی مدد سے آسانی دفع ہو جاتا ہے۔ ان عبادی لیس بک علیہم سلطان، میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں۔ ان بندوں کے لیے بشارت ہے جو نفس کی غلامی سے آزاد ہو کر معبود حقیقی کی عبادت میں مشغول ہیں، واللہ سبحان الموفق اور یہ جو کہا ہے کہ جب تک اپنی ماں سے جفت نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا، ہو سکتا ہے کہ ماں سے مراد عین ثابت ہو جو خارج میں وجود کے ظہور کا سبب ہے، اس طائفہ کی اصطلاح میں عین ثابت کو مادر سے تعبیر کرتے ہیں۔ کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔

ولدت اُمی اباہا

ان ذامن اعجبا

(ترجمہ) نرالا کام یہ کیا ہی ہوا ہے

مری ماں نے پدر اپنا جنا ہے

مادر سے مراد عین ثابت ہے اور اس مادر کا پدر اس اسمِ الہی سے مراد ہے جس اسم کا ظل اور عکس اور پر تو

عین ثابت ہے۔ چونکہ خارج میں اس اسم کا ظہور عین ثابت کے ذریعے ہوا ہے اس لیے اس ظہور سے مراد ولادت کی تعبیر کر کے مادر کہتے ہیں اور عین ثابت مراد رکھتے ہیں۔ اس عین ثابت کو تعین و جوہی بھی کہتے ہیں کیونکہ اس طائفہ کے نزدیک تعینات پانچ ہیں جن کو تزیلاتِ خمسہ اور حضراتِ خمس بھی کہتے ہیں۔ ان میں سے دو تعین مرتبہ و جوہ میں ثابت کرتے ہیں اور تین تعین مرتبہ امکان میں کہتے ہیں۔ وہ دو تعین جو مرتبہ و جوہ میں ہیں۔ ایک تعین وحدت ہے۔ دوسرا تعین واحدیت ہے۔ یہ دونوں مرتبہ علم میں ہیں۔ ان میں فرق صرف علمی اجمال و تفصیل کا ہے اور تین تعین جو مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں وہ تعین روحی، تعین مثالی اور تعین جسدی ہے۔ چونکہ عین ثابت مرتبہ واحدیت میں ہے اس لیے اس کا تعین و جوہی ہوگا اور جب اس شخص ممکن کی حقیقت بھی عین ثابت ہے جو تعین و جوہی رکھتا ہے اور یہ شخص اس عین کے ظل کی طرح ہے پس اس شخص کی ماں عالم و جوہ سے ہوگی جس نے اس کو عالم امکان میں ظاہر کیا ہے اور ماں کے ساتھ جفت ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس شخص کا یہ تعین امکانی اس تعین و جوہی کے ساتھ جو اس کی حقیقت ہے متحد ہو جاتا ہے۔

چو ممکن گرد امکان برفشاند
بجز واجب درو چیزے نماوند

یعنی اس کا تعین امکانی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اپنی انا کو تعین و جوہی پر اطلاق دیتا ہے۔ نہ اس طرح پر کہ تعین امکانی واقعی تعین و جوہی کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ محال ہے اور اس سے الحاد و زندقہ لازم آتا ہے۔ اس لیے اس جگہ کا معاملہ شہود پر ہے۔ اگر تعین کا زوال ہے تو شہود سے تعلق رکھتا ہے اور اگر اتحاد ہے تو وہ بھی شہود سے متعلق ہے۔

نہ آں این گردد نے این شہود آں
ہمہ اشکال گردد بر تو آساں

جب اس شخص نے اپنے اس تعین کو اس تعین کے ساتھ متحد پایا تو اس بات کا امیدوار ہو گیا کہ امکان کی آلودگیوں سے صاف ہو جائے گا اور مرتبہ و جوہ کے اسلام اور انقیاد کی دولت سے مشرف ہو جائے گا۔ جاننا چاہیے کہ تزیلاتِ خمسہ جو صوفیہ نے بیان کیے ہیں، وجود میں صرف اعتبارات ہی ہیں اور کشف و شہود

سے تعلق رکھتے ہیں نہ یہ کہ درحقیقت تنزل اور تغیر و تبدل ہے۔ فسبحان الله من لا يتغير بذاته ولا بصفاته ولا في اسماء بحدوث لالوان، پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو کون و مکان کے حدوث سے اپنی ذات و صفات و اسماء میں متغیر نہیں ہوتا، صوفیہ اپنی دید کے اندازے کے موافق سکر اور غلبہ حال کے وقت اس قسم کی بہت سی باتیں زبان سے نکالتے ہیں۔ ان کو ظاہر پر محمول نہ جاننا چاہیے بلکہ اس کی توجیح میں مشغول ہو جانا چاہیے کیونکہ مستوں کا کلام ظاہر سے پھیر کر توجیح پر معلوم کیا جاتا ہے۔ تمام امور کی حقیقتوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ چونکہ آپ نے یہ بیقرار کرنے والی باتیں ایک بزرگ سے نقل کی تھیں اس لیے ان کے حل میں کچھ لکھا گیا ورنہ یہ فقیر اس قسم کی مخالف باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا اور ان کے رد بدل میں زبان نہیں کھولتا۔ (دفتر ۳، مکتوب ۳۳)

(۱۱)

بعض عارفوں نے فرمایا کہ ہم حق تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور ہم اس کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میں ایک آیت کو بار بار پڑھتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کو اس کے متکلم سے سن لیا اور رسالہ غوثیہ سے بھی جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی طرف منسوب ہے، اسی طرح مفہوم ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے اس مغلط عبارت کا معنی اور مفہوم بیان فرمایا۔ جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کا کلام بھی اس کی ذات و صفات کی طرح بیچگون ہے اور اس کلام بیچون کا سننا بھی بیچون ہے کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راستہ نہیں۔ وہ سنا سمع کی حس پر وابستہ نہیں ہے کیونکہ وہ سراسر چون ہے، وہاں اگر بندہ سے استماع ہے تو تلقی روحانی سے ہے جو بیچونی کا حصہ رکھتا ہے اور حروف و کلمات کے واسطے کے بغیر ہے اور اگر بندہ سے کلام ہو تو وہ بھی القائے روحانی کے طور پر ہے جو بغیر حروف و کلمات کے ہے اور یہ کلام بیچونی سے حصہ رکھتا ہے جو بیچون سنائی دیتا ہے یا ہم یہ کہتے ہیں کہ کلام لفظی جو بندہ سے صادر ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کو بھی حروف و کلمات کے واسطے کے بغیر بیچونی سماع سے استماع فرماتا ہے اور تقدیم و تاخیر کے بغیر سن لیتا ہے۔ اذلا بجرى عليه تعالى زمان يسع فيه التقديم والتاخير کیونکہ حق تعالیٰ پر زمانہ کے احکام جاری نہیں ہو سکتے تا کہ تقدیم و تاخیر کی گنجائش ہو اور اس مقام میں اگر بندہ سے سماع ہے تو کلی طور پر سماع ہے اور اگر کلام ہے تو کلی طور پر متکلم ہے یعنی ہمہ تن کان اور ہمہ تن زبان ہے۔ روز میثاق ذات محزبہ نے قول

الست بر بکم کو بلا واسطہ اپنی اپنی کلیت کے طور پر سن لیا اور اپنی کلیت کے طور پر جواب میں بلی کہا، یعنی ہمہ تن کان اور ہمہ تن زبان تھے کیونکہ اگر کام زبان سے متمیز ہوتے تو سماع و کلام بیچونی حاصل نہ ہوتے اور بیچونی ارتباط کے لائق نہ ہوتے، بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وہ معنی متلقی جو روحانیت کے طور پر اخذ کیے جاتے ہیں دوبارہ عالم خیال میں جو انسان میں عالم مثال کی تصویر ہے۔ حروف و کلمات مترتبہ کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں اور وہ تلقی و القاء سماع و کلام لفظی کی صورت میں مرتسم و منتقش ہو جاتا ہے کیونکہ اس عالم میں ہر ایک معنی کی ایک صورت ہے اگرچہ وہ معنی بیچون ہیں لیکن وہاں بیچون کا ارتسام اور انتقاش چون کی صورت پر ہے جس پر فہم و افہام وابستہ ہے جو اس ارتسام و انتقاش کا اصلی مقصود ہے۔ جب سا لک متوسط اپنے آپ میں حروف و کلمات مترتبہ پاتا ہے اور کلام لفظی و سماع محسوس کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ ان حروف و کلمات کو اصل سے سنا ہے اور بلا تفاوت وہاں سے اخذ کیا ہے۔ نہیں جانتا کہ یہ حروف و کلمات اس معنی متلقی کی خیالی صورتیں ہیں اور یہ لفظی سماع و کلام بیچونی سماع و کلام کی تصویر ہے۔ عارف تمام المعرفت ہوں چاہیے تاکہ ہر مرتبہ کے حکم کو جدا کر دے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ نہ ملائے۔ پس ان بزرگواروں (حضرت امام جعفر صادق اور حضرت شیخ جیلانی) کا سماع و کلام جو مرتبہ بیچونی پر وابستہ ہے تلقی اور القاء روحانی کا قسم سے ہے اور یہ کلمات و حروف جن کے ساتھ اس معنی متلقی کی تعبیر کرتے ہیں، مثالی صورتوں کی قسم سے ہیں (مکتوب ۹۲، دفتر ۳) اور وہ لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اس بارگاہ جل شانہ سے حروف و کلمات کے ساتھ استماع کرتے ہیں۔ دو فریق ہیں جن میں ایک گروہ کے لوگ جن کا حال بہتر اور اچھا ہے کہتے ہیں کہ یہ حروف و کلمات حادثہ سموعہ اس کلام نفسی قدیم پر دلالت کرنے والے ہیں اور دوسرے گروہ کے لوگ حق تعالیٰ کے کلام کے سماع پر قول کا اطلاق کرتے ہیں اور انہی حروف و کلمات مترتبہ کو حق تعالیٰ کا کلام جانتے ہیں اور اس بات میں کچھ فرق نہیں کرتے کہ کون سا کلام حق تعالیٰ کے شان کے لائق ہے اور کون سا نہیں، یہ لوگ جاہل مکار ہیں، نہیں جانتے کہ کون سی چیز کا اطلاق اس پر جائز ہے اور کون سی چیز کا ناجائز ہے۔ (ایضاً)

(۱۲)

حضرت ملا حسن کشمیری علیہ الرحمۃ نے خط لکھا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ "عالم الغیب" نہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے نہایت سختی سے اس کا رد بیان فرمایا۔ فقیر ایسی باتوں

کے سننے کی قطعاً تاب نہیں رکھتا اور بے اختیار میری فاروقی رگ حرکت میں آ جاتی ہے اور تاویل و توجیہ کی فرصت بھی نہیں دیتی، ایسی باتوں کا قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا اکبر شامی، یہاں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین ابن عربی، صدر الدین قونوی اور عبدالرزاق کاشی کا ہمیں نص سے کام ہے نہ کہ فص سے، فتوحاتِ مدنیہ نے ہمیں ”فتوحاتِ مکہ“ سے بے نیاز کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے خود کلام مجید میں علم غیب کے ساتھ اپنی تعریف فرمائی ہے اور اپنے لیے عالم الغیب فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ سے علم غیب کی نفی کرنا بہت ہی بری بات ہے بلکہ حقیقت میں حق تعالیٰ کی تکذیب ہے، غیب کا کوئی اور معنی بتانا بھی اس برائی سے نہیں بچاتا، کبرت کلمة تخرج من افواہہم، کاش، میں جانتا کہ انہیں شریعتِ مطہرہ کے اس درجہ صریح خلاف بات کہنے پر کیا چیز ابھار رہی ہے۔ (مکتوب ۱۰۰، دفتر اول)

(۱۳)

شہر سامانہ میں ایک خطیب نے خطبہ جمعہ سے حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اسماء خارج کر دیئے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان اور غیرتِ ایمان کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہل سامانہ کی طرف مکتوب لکھا آپ نے ارقام فرمایا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر پاک اگرچہ شرائطِ خطبہ سے نہیں لیکن شاکر اللہ سعیم سے ضرور ہے۔ ان کے مبارک ذکر کو دانستہ یا سرکشی کے ساتھ وہی ترک کرے گا جس کا دل مریض اور باطن خبیث ہے، اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ اس نے تعصب یا عناد سے ایسا نہیں کیا تو بھی من تشبہ بقوم فہو منہم کی وعید کا جواب کیا ہوگا۔ مقامِ تہمت سے خلاصی کس طرح ملے گی جبکہ فرمانِ رسالت ہے۔ اتقوا مواضع التہم، تہمت کی جگہوں سے بچو۔ اگر حضراتِ شیخین کی تقدیم و تفضیل میں یہ شخص توقف کرتا ہے تو طریقِ اہلسنت کا تارک ہے اور حضراتِ ختنین کی محبت میں شک رکھتا ہے تو بھی اہل حق سے خارج اور دور ہے..... معلوم نہیں کہ ایسا بد بودار پھول ہندوستان میں آج تک کہیں کھلا ہو، بعید نہیں کہ یہ معاملہ پورے شہر سامانہ کو بدنام کر دے بلکہ سرزمینِ ہند سے اعتماد اٹھ جائے (مکتوب ۱۵، دفتر ۲)

حضرتِ امام ربانی قدس سرہ نے ایسے مستحب مسائل میں بھی بہت زیادہ مستعدی سے کام لیا کیونکہ آپ سرمایہ ملت کے نگہبان تھے اور نگہبان کا فرض ہے کہ کسی معمولی سے معمولی چیز کو بھی ضائع نہ ہونے دے، گائے کی قربانی کا مسئلہ بھی اس نہج پر ہے۔ کسی فقیہ نے نہیں کہا کہ گائے کی قربانی ہی واجب ہے۔

ایک مسلمان اونٹ، بکری، مینڈھے وغیرہ کی قربانی بھی کر سکتا ہے لیکن حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے گائے کی قربانی کو شعائر اسلامی قرار دیا اور مسلمانوں کو بہت زیادہ تاکید فرمائی کہ وہ جگہ جگہ گائے کو قربان کر کے شعائر اسلامی کو رواج دیں، نیز آپ کے اجتہاد سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کسی امر مباح کو روکا جائے تو اس کو ادا کرنا اور اسلامی معاشرے میں رواج دینا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

(۱۴)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق مرقوم ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر گرویدہ تھے اور ان کے ہجر و فراق میں گریہ زن رہے، حضرت شیخ نورالحق محدث دہلوی جیسے بلند پایہ عالم دین بھی اس عجیب معاملے کی عقدہ کشائی میں بیقرار تھے کہ کیا ماسوی اللہ کی محبت میں اس قدر مبالغہ ایک پیغمبر برحق کی شان کے مطابق ہے۔ حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان کی روشنی میں اس معاملے کا ایسا حل ارقام فرمایا کہ ہر دانشور عیش عیش کراٹھتا ہے، آپ فرماتے ہیں! فقیر کو بھی مدت سے اس امر کے انکشاف کا شوق تھا۔ جب آپ کا شوق اس شوق کے ساتھ مل گیا تو بے اختیار ہو کر ہمہ تن اس دقیقہ کے کشف کی طرف متوجہ ہوا اور سرسری نظر میں ظاہر ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خلقت اور ان کا حسن و جمال اس عالم دنیا کی خلقت اور حسن و جمال کی قسم سے نہیں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان کا جمال بہشتیوں کے جمال کی قسم سے ہے اور مشہود: را کہ با وجود اس جہان کے ان کا حسن صباحت حور و علمان کے حسن کی مانند ہے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند

آنچه استاد ازل گفت ہماں میگویم

آخرت کا حسن و جمال اور وہاں کی لذتیں اور نعمتیں دنیا کے حسن و جمال اور یہاں کی لذتوں اور نعمتوں کی مانند نہیں ہیں کیونکہ وہ حسن و جمال خیر در خیر ہے اور وہ لذت و نعمت حق تعالیٰ کو مقبول اور پسندیدہ ہے اور یہ حسن و جمال سراسر نقص و شر ہے اور یہ لذت و نعمت نامقبول و ناپسند ہے۔ اس واسطے دار آخرت دار رضا ہے اور دار دنیا مولیٰ جل شانہ کے غضب کا مقام ہے..... حضرت یوسف علیہ السلام کا وجود اگرچہ اس جہان میں پیدا ہوا ہے لیکن اس جہان کے تمام موجودات کے برخلاف ان کا وجود عالم آخرت سے ہے اور ان کے وجود

کی جانب کو ترجیح دے کر اس حسن و جمال کا مظہر بنایا ہے جو اسماء و صفات کے وجود سے تعلق رکھتا ہے اور عدمیت کی آمیزش کو جو ان کے نفس یا اصل سے تعلق رکھتی ہے منثی کیا ہے اور عدم کی علت سے کہ ہر قبح و نقص کا منشاء ہے، ان کو اور ان کے اصل کو پاک کیا ہے اور نور و وجود کے غلبہ کے سوا جو بہشتیوں کے نصیب ہے، ان میں کچھ نہیں چھوڑا اسی واسطے ان کے حسن و جمال کی گرفتاری بہشت و اہل بہشت کے حسن و جمال کی طرح محمود اور پسندیدہ ہے اور کاملوں کے نصیب ہوئی ہے اور محبت جس قدر زیادہ کامل ہوگا اسی قدر آخرت کے حسن و جمال کا زیادہ گرفتار ہوگا اور اسی قدر حق تعالیٰ کی رضامندی میں اس کا قدم بڑھ کر ہوگا کیونکہ آخرت کی گرفتاری آخرت کے صاحب یعنی حق تعالیٰ کی عین گرفتاری ہے۔ اس لیے کہ عالم آخرت حق تعالیٰ کی حکمت کا طلسم ہے اور ردائے کبریا کی طرح پردگی کا روپوش نہیں ہے، واللہ یدعوا الی دار السلام، اللہ تعالیٰ دار السلام کی طرف بلاتا ہے۔ اس مسئلے میں نص قاطع ہے اور اللہ یرید الاخرة، اللہ تعالیٰ آخرت کو پسند کرتا ہے۔ اس مطلب پر حجت واضح ہے۔ جن لوگوں نے آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح مزموم جانا ہے اور اس کو حق تعالیٰ کی گرفتاری کے سوا سمجھا ہے انہوں نے آخرت کی حقیقت کو پورے طور پر نہیں جانا۔ (مکتوب ۱۰۰، دفتر ۳)

(۱۵)

بعض صوفیہ کرام نے تو حید و اتحاد کے اسرار و دقائق بیان کرتے ہوئے اس جہان کے مظاہر جمیلہ کو سامنے رکھ کر عشق کی باتیں کی ہیں اور ان کے ضمن میں مشہود و مشاہدہ ثابت کیا ہے اور ان کے حسن و جمال کو مولا جل شانہ کا حسن و جمال سمجھا ہے، چنانچہ کسی نے فرمایا ہے

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است
در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست
کسی نے فرمایا ہے، ذقتک فی کل طعام لذید، میں نے تجھے ہر طعام لذیذ میں چکھا ہے۔
اور کسی نے فرمایا ہے

عاطشاں گر در قدح آبے خورند
در درون آب حق راناظر اند

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے اجتہادی فکر و عرفان کی روشنی میں ارقام فرماتے ہیں:

اس جہان میں اس قسم کی باتوں کا صادق آنا اس فقیر کے فہم و دریافت سے دور ہے۔ فقیر اس جہان میں اس قسم کی نازک باتوں کے اٹھانے کی طاقت معلوم نہیں کرتا اور اس کو اس قسم کی دولت کے قبول کرنے کے قابل نہیں جانتا۔ اگر اس جہان میں یہ طاقت و قابلیت ہوتی تو مولیٰ جل شانہ کے غضب کا محل نہ ہوتا اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام، الدنیا ملعونۃ دنیا ملعون ہے نہ فرماتے۔ وہ بہشت ہی سے جو ان کرامات کے لائق ہے اور ان مقامات کے مقابل ہے اور ذقتک فی کل طعام لذیذ، طعام بہشتی میں صادق آتا ہے، نہ طعام دنیوی میں کہ جس کے ساتھ عدم کا زہر آب ملا ہوا ہے۔ اس واسطے اس کا اختیار کرنا پسندیدہ نہیں، فقیر کے نزدیک ہر شخص کا بہشت اس اسم الہی کے ظہور سے مراد ہے جو اس شخص کا مبداء تعین ہے اور اس اسم نے اشجار و انہار اور حور و قصور اور ولدان، و غلمان کی صورت اور لباس میں ظہور فرمایا ہے۔ جس طرح اسماء الہی میں بلندی اور پستی اور جامعیت و عدم جامعیت کے اعتبار سے فرق ہے اسی طرح جنتوں میں بھی ان کے اندازہ کے موافق فرق ہے۔ اگر ظہور کے ضمن میں شہود و مشاہدہ ثابت کیا جائے تو بہتر اور زیبا ہے اور شے کا اپنی مناسب جگہ میں استعمال کرنا ہے لیکن اس موضع کے سوا اس قسم کی باتوں کا اطلاق کرنا جرات ہے اور شے کو نامناسب جگہ پر استعمال کرنا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ صوفیہ علیہ نے فرطِ محبت اور کمالِ اشتیاق سے جو مطلوب کے ساتھ رکھتے ہیں، جس قدر مطلوب کی خوشبو ان کی جان کے دماغ میں پہنچتی ہے غنیمت جانا ہے اور اس سکر اور غلبہ محبت کو عین مطلوب و مقصود سمجھا ہے اور اس قسم کی عشق بازیاں جو نفس مطلوب کے ساتھ ہونی چاہئیں اختیار کر کے حظ و لذت حاصل کی ہے اور مشاہدہ و مکاشفہ ثابت کیا ہے، چنانچہ ایک بزرگ کہتے ہیں۔

کہیں سے پاؤں کی آہٹ کو میں جس وقت پاتا ہوں

تو بیخود مست دیوانہ تری جانب کو آتا ہوں

ہاں اس قسم کے معاملات عاشقی اور محبت کی بے آرامی میں جائز و پسندیدہ ہیں، چونکہ یہ سب باتیں خدا تعالیٰ کے واسطے اور بے مثل مطلوب کے شوق دیدار کے لیے ہیں، اس لیے ان کی خطا صواب کا حکم رکھتی ہے اور ان کا سکر صحو کا حکم رکھتا ہے، حدیث میں آیا ہے سین بلال عند اللہ نشین بلال کاسین اللہ تعالیٰ کی

نزدیک شین ہے۔ ع

براشہد تو خندہ زند اسہد بلال

(۱۶)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے حضور اقدس، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر بہت زیادہ زور دیا ہے، آپ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان کی روشنی میں اس کے سات درجے بیان فرمائے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

○ پہلا درجہ: عوام اہل اسلام کے لیے ہے یعنی تصدیق قلبی کے بعد اطمینان نفس سے پہلے جو درجہ ولایت سے وابستہ ہے، احکام شرعیہ کا بجالا اور سنیت سنیہ متابعت ہے اور علمائے ظاہر اور عابد و زاہد جن کا معاملہ ابھی تک اطمینان نفس تک نہیں پہنچا سب متابعت کے اس درجہ میں شریک ہیں اور اتباع کی صورت کے حاصل ہونے میں برابر ہیں، چونکہ اس مقام میں نفس ابھی کفر و انکار ہی پراڑا ہوا ہوتا ہے اس لیے یہ درجہ متابعت کی صورت پر مخصوص ہے، متابعت کی یہ صورت متابعت کی حقیقت کی طرح آخرت کی نجات اور خلاصی کا موجب ہے اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والی اور جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دینے والی ہے، اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کر کے تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق پر وابستہ کیا ہے۔

مے توانی کہ وہی اشکِ مرا حسن قبول

اے کہ دُر ساختہ قطرہ بارانی را

☆..... دوسرا درجہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور اعمال کا اتباع ہے جو باطن سے تعلق رکھتا ہے، مثلاً تہذیب اخلاق کہ بری صفات کا دور کرنا اور باطنی اور اندرونی امراض کا رفع کرنا وغیرہ جو مقام طریقت کے متعلق ہیں، اتباع کا یہ درجہ ارباب سلوک کے ساتھ مخصوص ہے جو طریقہ صوفیہ کو شیخ مقتدا سے اخذ کر کے سیرالی اللہ کی وادیوں اور جنگلوں کو قطع کرتے ہیں۔

☆..... تیسرا درجہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احوال و اذواق و مواجیہ کی اتباع ہے جو مقام ولایت خاصہ سے تعلق رکھتے ہیں، یہ درجہ ان ارباب ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا

سالک مجذوب ہیں، جب مرتبہ ولایت ختم ہو جاتا ہے اور طغیان و سرکشی سے ہٹ جاتا ہے تو اس وقت جو کچھ متابعت کرتا ہے وہ متابعت کی حقیقت ہوتی ہے اگر نماز ادا کرتا ہے تو متابعت کی حقیقت بجالاتا ہے اور اگر روزہ ہے یا زکوٰۃ ہے تو اس کا بھی یہی حال ہے، غرض تمام احکام شریعت کے بجالانے میں متابعت کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔

☆..... چوتھا درجہ: نفس کے مطمئن ہونے اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت کے بجالانے کا درجہ متابعت کا چوتھا درجہ ہے، پہلے درجے میں اس متابعت کی صورت تھی اور یہاں اتباع کی صورت ہے، اتباع کا یہ چوتھا درجہ علمائے راسخین کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینانِ نفس کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں اگرچہ اولیاء اللہ کو بھی قلب کی متابعت کے بعد تھوڑا سا اطمینانِ نفس حاصل ہوتا ہے لیکن کمالِ اطمینانِ نفس کمالاتِ نبوت کے حاصل کرنے میں ہوتا ہے۔ جن کمالات سے علمائے راسخین کو وراثت کے طور پر حصہ حاصل ہوتا ہے۔ پس علمائے راسخین نفس کے کمالِ اطمینان کے باعث شریعت کی حقیقت سے جو اتباع کی حقیقت ہے، مستحق ہوتے ہیں اور دوسروں کو چونکہ یہ کمالات حاصل نہیں ہوتے اس لیے کبھی شریعت کی صورت سے اور کبھی اس کی حقیقت سے متحقق ہوتے ہیں۔ علمائے راسخین کا میں ایک نشان بتاتا ہوں تاکہ کوئی ظاہر دان رسوخ کا دعویٰ نہ کرے اور اپنے نفسِ امارہ کو مطمئنہ خیال نہ کرے، عالمِ راسخ وہ شخص ہے جس کو کتاب و سنت کی تشابہات کی تاویلات سے بہت سا حصہ حاصل ہو اور حروفِ مقطعات کے اسرار کو جو قرآنی سورتوں کے اول ہیں بخوبی جانتا ہو، تشابہات کی تاویل پوشیدہ اسرار میں سے ہے تو خیال نہ کرے کہ یہ تاویل بھی اسی طرح ہے جس طرح ید کی تاویل قدرت سے اور وجہ کی تاویل ذات سے کرتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق علم ظاہر سے ہے، اسرار کے ساتھ اس کا کچھ واسطہ نہیں، ان اسرار کے مالک انبیاء کرام ہیں اور ان رموز و اشارات سے انہی بزرگوں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے یا وہ لوگ جن کو وراثت و جمعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

☆..... پانچواں درجہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل ہونے میں علم و عمل کا دخل نہیں بلکہ ان کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم پر موقوف ہے، یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے، اس درجہ کے مقابلے میں پہلے درجوں کی کچھ حقیقت نہیں، یہ کمالات اصل میں اولوالعزم

پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہیں یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

☆..... چھٹا درجہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آپ کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں جس طرح پانچویں درجے میں کمالات کا فیضان محض فضل و احسان پر تھا اس چھٹے درجے میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو تفضل و احسان سے برتر ہے۔ متابعت کا یہ درجہ بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ پہلے درجے کے سوا متابعت کے یہ پانچ درجے مقاماتِ عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا حاصل ہونا صعود پر وابستہ ہے۔

☆..... ساتواں درجہ: متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے، یہ درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے کیونکہ مقام نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے۔ تمکین قلبی بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی ہے اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے جو طغیان و سرکشی سے باز آگئے ہوتے ہیں۔ پہلے درجے گویا اس درجے کے اجزاء ہیں اور یہ درجہ ان اجزاء کا کل ہے۔ اس مقام میں تابع اپنے متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ تبعیت کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور تابع و متبوع کی تمیز دور ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تابع متبوع کی طرح جو کچھ لیتا ہے اصل سے لیتا ہے۔ دونوں ایک چشمے سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے ہم آغوش، ہمکنار اور ایک بستر پر ہیں اور شیر و شکر کی طرح ہیں، معلوم نہیں ہوتا کہ تابع کون ہے اور متبوع کون اور تبعیت کس کے لیے ہے، نسبت کے اتحاد میں تغائر کی نسبت کچھ گنجائش نہیں۔ عجب معاملہ ہے کہ اس مقام میں جہاں تک غور کی نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے، تبعیت کی نسبت کچھ نظر نہیں آتی اور متابعت و متبوعیت کا امتیاز ہرگز مشہود نہیں ہوتا البتہ اس قدر فرق ہے کہ اپنے آپ کو اپنے نبی کا طفیلی اور وارث جانتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ تابع اور ہوتا ہے اور طفیلی اور وارث اور، اگرچہ تبعیت کی قطار میں سب برابر ہیں لیکن تابع میں بظاہر متبوع کا پردہ درکار ہے، طفیلی اور وارث میں کوئی پردہ درکار نہیں، تابع پس خوردہ کھانے والا ہے اور طفیلی (اور وارث) ضمنی ہمنشین ہے، غرض جو دولت آئی ہے انبیاء کرام کے واسطے سے آئی ہے اور یہ امتوں کی سعادت ہے کہ انبیاء کرام کے طفیل اس دولت سے حصہ پاتے ہیں اور ان کا پس خوردہ تناول کرتے ہیں۔

در قافلہ کہ اوست دامنم زسم

ایں بس کہ رسد نہ دور بانگِ جرم

کامل تابعدار وہ شخص ہوتا ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو اور وہ شخص جس میں متابعت کے بعض درجے ہیں اور بعض نہیں، درجوں کے اختلاف کے بموجب مجمل طور پر تابع ہے (ملخصاً مکتوب ۵۴، دفتر دوم)

(۱۷)

ایمان کے زیادہ ہونے یا کم ہونے میں علما کرام کا اختلاف ہے، حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ، کافرمان ہے، ”الایمان لایزید ولا ینقص، ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم“ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کافرمان ہے! ”یزید و ینقص، ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان کی روشنی میں یہ مسئلہ بخوبی حل فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: اس میں کچھ شک نہیں کہ ایمان قلبی تصدیق اور یقین سے مراد ہے جس میں زیادت و نقصان کی گنجائش نہیں اور وہ جو زیادت و نقصان کو قبول کرے، دائرہ ظن میں داخل ہے نہ یقین میں، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اعمال صالحہ کا بجالانا اس یقین کو روشن کر دیتا ہے اور برے اعمال کا بجالانا اس یقین کو مگر اور سیاہ کر دیتا ہے، پس زیادت و نقصان اعمال کے اعتبار سے اس یقین کے روشن ہونے میں ثابت ہوئی نہ کہ نفس یقین میں، بعض نے اس یقین کو جب منجلی اور روشن معلوم کیا تو اس یقین کی نسبت جو انجلا اور روشنی نہیں رکھتا زیادہ نہیں کہہ دیا، گویا بعض نے غیر منجلی یقین کو یقین نہ جانا اور انہی بعض نے منجلی کو یقین جان کر ناقص کہہ دیا اور بعض دوسروں نے جو زیادہ تیز نظر رکھتے تھے جب دیکھا کہ یہ زیادت اور نقصان صفات یقین کی طرف راجع ہے نہ کہ نفس یقین کی طرف تو اس سبب سے یقین کو غیر زائد و ناقص کہہ دیا جس طرح کہ دو آئینے جو باہم برابر ہوں لیکن انجلا اور نورانیت میں تفاوت رکھتے ہوں تو ایک شخص اس آئینہ کو جو زیادہ روشن ہے اور زیادہ نمائندگی رکھتا ہے کہہ دے کہ یہ آئینہ بہ نسبت اس آئینہ کے جس میں ویسی روشنی اور انجلا نہیں ہے، زیادہ ہے اور دوسرا شخص کہہ دے کہ یہ دونوں آئینے برابر ہیں اور ان میں کسی قسم کی زیادت اور نقصان نہیں ہے، فرق صرف انجلا اور نمائندگی میں ہے جو ان دونوں آئینوں کی صفات ہیں، پس دوسرے شخص کی نظر صائب ہے

اور حقیقتِ شے تک نافذ ہے اور شخصِ اول کی نظر کوتاہ ہے اور صفت سے بڑھ کر ذات تک نہیں پہنچی، اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو بلند کرتا ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ لوگ بلند درجات کے مالک ہیں، اس تحقیق سے کہ جس کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کو توفیق بخشی مخالفوں کے وہ سب اعتراض جو انہوں نے ایمان کے کم و بیش نہ ہونے پر کیے ہیں زائل ہو گئے اور عام مومنوں کا ایمان تمام وجود میں انبیاء کرام کے ایمان کے طرح نہ ہوا کیونکہ انبیاء کرام کا ایمان جو کامل طور پر منجلی اور نورانی ہے عام مومنوں کے ایمان سے جو مومنوں کے درجات کے اختلاف کے بموجب بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں رکھتا ہے اور اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان جو وزن میں اس امت کے ایمان سے زیادہ ہے، انجلاء اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیے اور زیادت کو صفاتِ کاملہ کی طرف راجع کرنا چاہیے، کیا نہیں دیکھتے کہ انبیاء کرام نفسِ انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور حقیقت اور ذات میں سب متحد ہیں، تفاضل یعنی ایک کا دوسرے سے افضل ہونا صفاتِ کاملہ کے اعتبار سے ہے اور جس میں یہ صفاتِ کاملہ نہیں ہیں گویا وہ اس نوع سے خارج ہے اور اس نوع کے فضائل و خواص سے محروم ہے لیکن باوجود اس تفاوت کے نفسِ انسانیت میں زیادت اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ انسانیتِ زیادت اور نقصان کے قابل ہے، واللہ سبحانہ، الملہم للصواب۔ (مکتوب ۲۶۶، دفتر اول)

(۱۸)

حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کا فرمان ہے کہ لوالی ارفع من لواء محمد، میرا جھنڈا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے۔ حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے اس انتہائی نازک کلام کی توجیح بیان فرمائی ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

”جب سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہوتی ہے جو اس کے یقین کا مبداء ہے اور وہ اسم مجمل طور پر تمام اسماء کا جامع ہے، کیونکہ انسان کی جامعیت اسی قسم کی جامعیت کے باعث ہے پس ناچار اس ضمن میں وہ اسم بھی جو دوسرے مشائخ کے تعینات کے مبداء ہیں، مجمل طور پر اس سیر میں قطع کرے گا اور ہر ایک سے گزر کر اس اسم کے منتہا تک پہنچ جائے گا اور اپنی فوقیت کا وہم پیدا کرے گا اور نہیں جانتا کہ

مقامات مشائخ سے جو کچھ اس نے دیکھا ہے اور ان سے گزر گیا ہے ان کے مقامات کا نمونہ ہے نہ کہ ان مقامات کی حقیقت، اور جب اس مقام میں اپنے آپ کو جامع معلوم کرتا ہے اور دوسروں کو اپنے اجزا خیال کرتا ہے تو اپنے اولیٰ ہونے کا وہم پیدا کرتا ہے، اسی مقام میں شیخ بسطام علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ میرا جھنڈا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے۔ وہ غلبہ سکر کے باعث نہیں جانتے کہ ان کے جھنڈے کی بلندی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے نہیں بلکہ ان کے جھنڈے کے نمونے سے ہے جو ان کے اسم کی حقیقت کے ضمن میں مشہور ہوا ہے۔ (مکتوب ۲۴۰، دفتر اول) آپ ایک اور مقام پر ارقام فرماتے ہیں، جب سالک کی سیر اس اسم میں جو اس کا رب ہے، واقع ہوتی ہے تو بسا اوقات خیال کرتا ہے کہ بعض بزرگوار جو یقیناً اس سے افضل ہیں، اس کے وسیلے سے بلند مقامات میں پہنچے ہیں اور انہوں نے اس کے وسیلے سے ترقی کی ہے، یہاں بھی سالکوں کے قدم پھسلنے کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ پناہ دے اس کمال سے کہ کوئی اپنے آپ کو افضل جانے اور ہمیشہ خسارہ حاصل کرے، اچھا اگر بادشاہ عظیم الشان کسی زمین دار کی مدد سے جو اس کی سلطنت میں داخل ہے، جائے اور اس زمین دار کے وسیلے سے بعض مقامات میں پہنچے اور اس کے ذریعے سے بعض جگہوں کو فتح کرے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے اور اس میں کیا فضیلت ہے۔ (ایضاً)..... اس درویش کو بھی اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوئے تھے اور اس قسم کی خیالی باتیں بہت پیدا ہوتی تھیں اور مدتوں تک یہ حالت رہی لیکن باوجود اس کے فضل خداوندی شامل حال رہا کہ دائمی یقین میں تذبذب پیدا نہ ہوا اور متفق علیہ اعتقاد میں فتور واقع نہ ہوا، تمام نعمتوں

پر اللہ کی حمد اور احسان سے اور جو کچھ مجمع علیہ کے خلاف ظاہر ہوتا تھا، اس کا کچھ اعتبار نہ کرتا تھا اور اس کو نیک توجیح کی طرف پھیرتا تھا۔ (ایضاً)

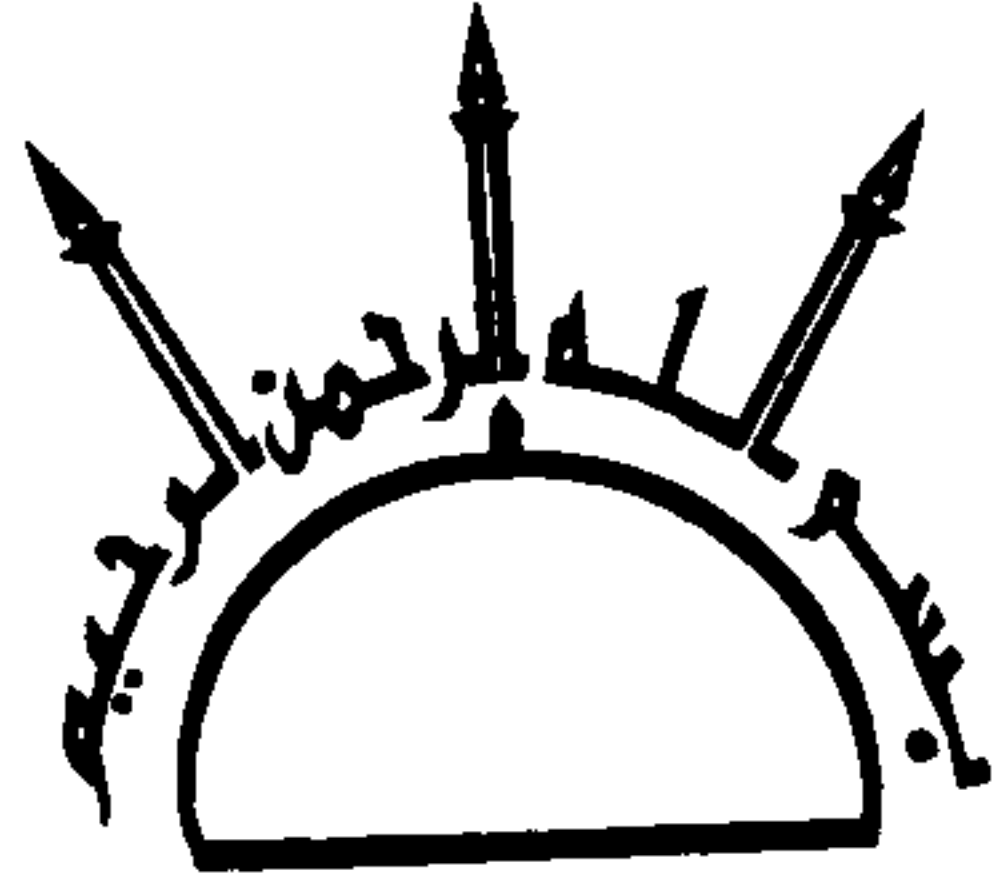
محترم قارئین! حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات اور رسائل علوم و معارف کا بحرِ اخار ہیں، چند جواہر پارے آپ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیئے جن کی چمک دمک سے آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کی کرنیں ظاہر ہو رہی ہیں۔ مولا کریم آپ کے فیوضات کو عام فرمائے اور آپ کے مزار پر انوار پر کھربوں رحمتوں کا نزول فرمائے آپ کی توجیہات سے ہم جیسے تشنہ کاموں کو سیراب فرمائے

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

☆.....☆.....☆

فَدَا اللہ بِرَبِّهِ
بِصِرِّهِ وَوَجْهِهِ
بِجَبْرِهِ وَوَجْهِهِ
بِجَبْرِهِ وَوَجْهِهِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ
 خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
 وَجَعَلَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ
 فِی الْاَشْجَارِ ذُرِّیَّاتًا
 مِّنْ نَّوْعِهَا یُرْسِلُ
 فِيْهَا الرِّیْحَ لِنُفِثَ
 مِنْهَا بِالسَّجُوٰتِ
 وَیَسْفِیْ اَنْفُسَ الْاَشْجَارِ
 وَلَیْسَ لَهَا مِنْ رَّبِّهَا
 حِسَابٌ



باقیاتِ جهانِ امام ربانی

جلد دوم.....باب دوم





خط کوئی تیار ضربی

تاریخ ۱۰۰۰ھ

جمعہ ۱۰۰۰ھ

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عہد اکبری مکتوبات امام ربانی کے آئینہ میں

پروفیسر پیرنثار احمد جان سرہندی مجددی

(میرپور خاص، سندھ)



وہ کیسا نازک دور اسلام پر آیا تھا جب چاروں طرف سے کفر کی کالی گھٹا آفتاب اسلام پر اُٹھ آئی تھی، ہر طرف کفر و شرک کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا رہا تھا۔ لگتا تھا کہ یہ تاریکی، یہ ظلمت اس آفتاب اسلام کو نعوذ باللہ ڈھانپ لے گی۔ مگر اچانک امید کا ستارہ طلوع ہوا۔ ایک مرد مومن جلوہ آرا ہوا۔ اس کے نفس گرم سے ایک ایسی بادِ ضرر چلی جو کفر کی اس کالی گھٹا کو اڑا کر لے گئی اور اسلام کا تاباں اور منور آفتاب ایک مرتبہ پھر افق ہند پر جگمگانے لگا۔ یعنی وہ مرد مومن اندھیرے میں امید کا چراغ بن کر نمودار ہوا۔ دنیا جس کو امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے لقب سے مفتخر کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اکبر بادشاہ نے خواب دیکھا کہ ایک تیز آندھی چلی، جس نے اس کو اس کے تخت سمیت زور سے زمین پر دے مارا۔ لاریب! یہ اللہ کی بھیجی ہوئی آندھی آپ کی ذات گرامی تھی۔ جن کو خلعتِ مجدد الف ثانی پورے ایک ہزار برس تک کے لیے عطا فرمائی گئی۔ آپ کے والد ماجد خواجہ عبدالاحد نے خواب میں دیکھا کہ تمام جہان اندھیرے میں گھرا ہوا ہے۔ بندر، ریچھ اور سوراہیوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ آپ کے سینہ مبارک سے نور کا ایک شعلہ نکلا۔ اس میں ایک تخت ظاہر ہوا اس تخت پر ایک بزرگ تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ ان کے سامنے تمام ظالم، بے دین اور ملحد ہلاک ہو گئے۔ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے یہ خواب حضرت شاہ کمال کیسٹھلی علیہ الرحمۃ سے بیان کیا۔ حضرت شاہ کمال علیہ الرحمۃ بزرگ کامل اور قطب زمانہ تھے۔ آپ نے فرمایا:

”تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا، جس سے تمام بدعتوں کا خاتمہ

ہوگا“ ۲

اکبر ۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء میں تخت نشین ہوا^۳۔ وہ قطعی ان پڑھ تھا۔ وہ ایک صحیح العقیدہ مخلص مسلمان تھا۔ مگر علماء سوء کی کج بحشی اور زراں دوزی نے اس کو اسلام سے برگشتہ کر دیا۔ ابوالفضل، فیضی اور ان کے والد ملا مبارک اور دیگر ملحدوں کے زیر اثر وہ رفتہ رفتہ اسلام سے ہی بغاوت کر بیٹھا۔ مکار برہمنوں^۴ اور علماء سوء نے اسے یقین دلایا کہ نعوذ باللہ اسلام کے ہزار سال پورے ہو چکے ہیں۔ اب ایک نئے دین کی حاجت ہے^۵۔ اس نے اپنے جلوس کے اٹھائیسویں سال ۹۹۰ھ میں اپنے نئے دین ”دین الہی“ کو نافذ کیا۔ پھر اس نے اسلام کے نام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی حتی الامکان کوشش کی۔ اقبال نے بجا طور پر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بارے میں یہ فرمایا ہے۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبر دار کے

یہ حقیقت ہے کہ اگر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی نہ ہوتی تو اسلام کا ہندوستان سے خدا نخواستہ نام و نشان تک مٹ جاتا^۸۔ استاذ محترم حضرت مسعود ملت فرماتے ہیں:

”ایسے پُر آشوب دور کی ایک تصویر غیر مسلم مورخوں نے پیش کی ہے۔ جنہوں نے اکبر بادشاہ کو اکبر اعظم کا خطاب دیا اور اس کو اس قدر بڑھایا چڑھایا کہ (تاریخ میں) شاہجہاں اور اورنگ زیب کے چراغ ٹٹھمانے لگے۔۔۔ تاریخی اور مذہبی حیثیت سے جب دور اکبری کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس دور حکومت میں الحاد اور بے دینی کو بہت فروغ ہوا جو شاید کسی مسلم بادشاہ کے عہد میں نہ ہوا ہوگا، غالباً اسی لیے یہ مسلمان بادشاہ غیر مسلموں کا محبوب ترین مسلم حکمران ہے“^۹

علاوہ ازیں چونکہ شخصی حکومت میں تمام اختیارات کا منبع ایک ذات ہو جاتی ہے اس پر نکتہ چینی کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ لہذا سرکاری، درباری مورخ اور واقع نگار بالعموم کا سہ لیس اور ناقابل اعتبار ہوتے ہیں۔ چنانچہ دور اکبری کے واقع نگار ابوالفضل وغیرہم نے خوشامد، جھوٹ اور چاپلوسی کے سارے

پچھلے ریکارڈ توڑ دیے۔

عہد اکبری کی ایک سچی اور حقیقی تصویر اس عہد کے ناقد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات شریف کے آئینے میں اور ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تالیف ”منتخب التواریخ“ میں پیش کی ہے۔ جو پہلی تصویر کے سراسر برعکس ہے۔ خبر وہی قابل اعتبار کہی جاسکتی ہے جو دیانت دار اور آزاد ذرائع سے حاصل ہوئی ہو۔ لہذا ایک ولی کامل کے مکتوبات شریفہ کسی بادشاہ کے عہد کو جانچنے کا ایک انتہائی قابل اعتماد ذریعہ ہیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی تو صرف اکبری دور کے چالیس سال کے واقعات بیان کر کے رہ گئے۔ مگر آپ نے اکبری دور کے الحاد اور گمراہی کا ہر سطح پر مقابلہ کیا۔ آپ نے معاشرے کا کوئی ایسا طبقہ نہیں چھوڑا جس تک اسلام کا حقیقی پیغام نہ پہنچا دیا ہو۔

آپ کے مکتوبات شریفہ تقریباً دو سو مختلف اکابر امت و اراکین سلطنت کے نام ہیں۔ پانچ سو چھتیس مکتوبات پر مشتمل اور فل اسکیپ سائز کے تیرہ سو صفحات کے تین دفاتر (در المعرفت، نور الخلاق اور معرفت الحقائق) پر مشتمل ہیں۔ آپ کی تجدید و احیائے دین کا اعلیٰ ترین کارنامہ اور عظیم ترین شاہکار ہیں۔ جو ان شاء اللہ رہتی دنیا تک آپ کی یادگار رہیں گے۔

ان مکتوبات شریفہ کے انتخاب میں آپ کی زبردست انشاء پردازی کی وجہ سے میری عاجزی اور بیچارگی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی میں آپ کے کسی مکتوب گرامی کو مختصر کرنے کی کوشش کرتا تو اس کے تحریر کردہ الفاظ اور جملے جو موتیوں کی مالا کی طرح اپنی جگہ پر چمک رہے ہیں وہ میرا دامن پکڑ کر روک لیتے اور مجھے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا کہ میں کس مکتوب شریف کولوں اور کس کو چھوڑ دوں۔ اور پھر منتخب کردہ مکتوب شریف کا ہر لفظ میرا سدا رہا ہو جاتا۔ ایک ایک جملہ میرے قلم کا دامن پکڑ لیتا تھا کہ۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است!

ہر مکتوب اپنی اپنی جگہ عہد اکبری اور اس کے تتمہ دور جہانگیری کی ناقابل تردید داستان بیان کرتا ہے۔ اب ہم اسلام کے اس مایہ ناز عالم و عارف ”مجدد الف ثانی“ کے مکتوبات کے آئینہ میں عہد اکبری اور اس کے تتمہ دور جہانگیری کو دیکھنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

ایک مکتوب گرامی میں خان اعظم کو تحریر فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ آپ کو شرعی احکام کے بلند کرنے میں دشمنانِ اسلام پر مدد و نصرت عطا فرمائے۔ مُخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰۃ افضلھا ومن التسلیمات اکملھا نے فرمایا ہے کہ ”اسلام غریب (بے وطن و بے کس) ہی ظاہر ہوا اور عنقریب ایسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ شروع میں تھا پس غریبوں کے لیے خوشخبری ہے“ اسلام کی غربت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کافر کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں۔ بے خوف و خطر ہر کوچہ و بازار میں کفر کے احکام جاری اور اہل کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے روک دیے گئے ہیں اور شریعت کے احکام بجالانے کی صورت میں ان کی مذمت اور ان پر طعنہ زنی کی جاتی ہے۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بواجبی است
(ترجمہ: پری تو رخ کو چھپائے ہے دیو ناز کرے
یہ حال دیکھ کے حیرت سے ہوش جاتے رہے)
سبحان اللہ و بجمہ (اللہ پاک ہے اور اس کی تعریف ہے) عقلمندوں
نے کہا شریعت تلوار کے نیچے ہے اور شرع شریف کی رونق بادشاہوں
کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اب قضیہ برعکس ہو گیا ہے اور معاملہ بدل
گیا ہے۔ ہائے افسوس صد افسوس! آج ہم آپ کے وجود شریف کو
غنیمت جانتے ہیں اور اس ضعیف اور شکست خوردہ معرکہ میں آپ
کے سوا کسی کو دشمن کے مقابلہ میں آنے والا بہادر اور لڑاکا نہیں
جانتے۔

حق تعالیٰ اپنے نبی مکرم (ﷺ) اور آپ کی بزرگ آل علیہم الصلوٰۃ

والتسليمات والتحيات والبركات کے طفیل آپ کا مددگار و ناصر ہو، ۱۱
لالہ بیگ کو ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

”تقریباً ایک صدی سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھا گئی ہے کہ کفار، اسلامی شہروں میں کھلم کھلا کفر کے احکام کے اجراء پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل ہی ختم ہو جائیں، اور اسلام اور اہل اسلام کا کوئی نشان ہی نظر نہ آئے اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی اسلامی شعار کا اظہار کرتا ہے تو قتل کیا جاتا ہے۔ ذبیحہ گاؤ جو کہ ہندوستان میں اسلام کا ایک بہت بڑا شعار ہے (ختم ہو چکا ہے) کفار جز یہ دینے پر تو شاید راضی ہو جائیں لیکن گائے کے ذبح کرنے پر راضی نہ ہوں گے (اب چونکہ جہانگیر کی سلطنت کا آغاز ہے) اگر آغاز سلطنت میں اسلامی عقائد نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے کچھ حیثیت اختیار حاصل کر لی تو بہتر ہے ورنہ نعوذ باللہ یہ کام توقف میں جا پڑا تو مسلمانوں پر کام بہت مشکل ہو جائے گا۔ الغیث الغیث! ثم الغیث الغیث! فریاد ہے فریاد ہے! اور پھر فریاد ہے فریاد ہے! دیکھیں کون سعادت مند اس سعادت کو حاصل کرتا ہے اور کون سا شاہین اس دولت کو پہنچتا ہے“ ۱۲

اپنے خلیفہ میر محمد نعمان بدخشی کو تحریر فرماتے ہیں:

”تو لازماً اسلام کمزور ہو چکا ہے، کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد و مندر تعمیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ تھانیسیر میں حوض کرکھیت کے اندر ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا اس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا ہے۔ نیز کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجا

لا رہے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کے جاری کرنے میں عاجز ہیں ایک اوشی کے دن، ہندو کھانا ترک کر دیتے ہیں، بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں کوئی مسلمان روٹی نہ کھائے اور نہ بیچے اور وہ کفار ماہ مبارکہ رمضان میں برملا طعام پکاتے اور بیچتے ہیں۔ مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے باعث کوئی روک نہیں سکتا۔ ہائے افسوس! بادشاہ وقت ہم میں سے ہو اور پھر ہم فقیروں کا اس طرح خستہ و خراب حال ہو،^{۱۳}

شیخ فرید بخاری کو تحریر فرماتے ہیں:

”آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ صدی میں اہل اسلام کے سر پر کیا کیا مصیبتیں گزری ہیں۔ گزشتہ صدیوں (یعنی ابتدائے اسلام) میں نہایت قلت و غربت کے باوجود اہل اسلام کی خرابی و تباہی بھی اس سے زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر اور کفار اپنے طریقہ پر قائم تھے۔ آیہ کریمہ لکم دینکم ولی دین (سورہ کافرون: ۱۰۹/۶) (تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین) میں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اور گزشتہ صدی میں کفار غلبہ پا کر دارالسلام میں کھلم کھلا کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے عاجز تھے اگر وہ کرتے تھے تو قتل کر دیے جاتے تھے۔ ہائے ہلاکت! ہائے مصیبت! ہائے افسوس اور غم! حق تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے ذلیل و خوار تھے اور آپ کے منکر لوگ عزت والے اور معتبر تھے۔ مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی ماتم پرسی کرتے تھے اور مخالف دشمن ہنسی مذاق کے ساتھ ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے

تھے۔ ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردے میں چھپا ہوا تھا اور حقانیت نور باطل کے پردوں میں گوشہ گیر ہو گیا تھا۔ گزشتہ صدی میں جو بھی مصیبت اسلام اور اہل اسلام کے سر پر آئی وہ اسی جماعت (علماء سوء) کی بدبختی و بے باکی کی وجہ سے تھی۔ یہی لوگ (علماء سوء) بادشاہوں کو راہ راست سے بھٹکاتے تھے۔ بہتر فرقے حنہوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے ان سب کے مقتداء و پیشوا یہی برے علماء ہوتے ہیں۔ بہت کم لوگ ہیں جو علماء کے بغیر گمراہ ہوئے ہوں اور ان کی گمراہی کا اثر دوسرے لوگوں تک پہنچا ہوا اور اس زمانے کے اکثر صوفی نما جاہل لوگ علماء سوء (برے علماء) کا حکم رکھتے ہیں، ان کا فساد بھی متعدی ہے (یعنی اس کی برائی بھی دوسروں تک پہنچتی ہے) اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص امداد کی طاقت کے باوجود کسی قسم کی مدد میں بھی کمی کرے اور اسلام کے کارخانے میں خلل واقع ہو جائے تو وہ امداد میں کوتاہی کرنے والا شخص معتبوب (سزا کا مستحق) ہوگا۔ اسی لیے یہ کم سرمایہ حقیر فقیر بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو اسلام مددگاروں کے گروہ میں داخل کرے اور اس بارے میں کوشش کرے۔

من کثر سواد قوم فہو منہم (جس نے کسی قوم کی جمعیت زیادہ کیا وہ ان ہی میں سے ہے) کے موافق امید ہے کہ اس استطاعت کو بھی اس بزرگ جماعت (مددگار ان اسلام) میں داخل کر لیں، یہ فقیر اپنے آپ کو اس بڑھیا کی مانند خیال کرتا ہے جس نے اپنا تھوڑا سا سوت لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں کے سلسلے میں شامل کر لیا تھا۔ آنجناب کی بزرگ ذات سے توقع ہے کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو ذاتی قوت و طاقت اور بادشاہ کا

قرب پورے طور پر عطا فرمایا ہے تو حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ
من الصلوٰۃ افضلھا ومن التسلیمات کی شریعت کے رواج دینے میں
خلوت اور جلوت اور ظاہر و باطن میں کوشش کرتے رہیں گے
اور مسلمانوں کو ذلت و پستی سے نکالیں گے“ ۱۴

ان ہی شیخ فرید بخاری کو تحریر فرماتے ہیں:

”میرے سیادت پناہ مکرم! آج اسلام بہت غریب اور بے کس ہو رہا
ہے۔ آج اس کی تقویت میں ایک جیتل کا صرف کرنا
کروڑوں روپیوں کے بدلے قبول کرتے ہیں۔ دیکھیے کس شہباز
بہادر کو (دین کی) اس دولت عظمیٰ سے مشرف فرماتے ہیں۔۔۔“ ۱۵

اکبر کے دور میں لوگ نبوت کا انکار کر رہے تھے ان کے رد میں آپ نے رسالہ ”اثبات النبوة“ لکھا جس
کا ملحدین اور منکرین کوئی جواب نہیں دے سکے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں:

”جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے اعتقاد میں اصل نبوت
کے متعلق (فتور دیکھا) پھر ایک شخص مُعین (اکبر) کی نبوت کے
ثبوت اور تحقیق میں اور نبوت کے مشروع کردہ امور میں (فتور دیکھا)
اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا متحقق ہو گیا یہاں تک کہ شرایع کی
پیروی اور رسولوں پر یقین میں پختہ ہونے کی وجہ سے ہمارے زمانے
کے بعض جابروں نے بہت سے علماء کو مختلف سختیاں اور ایذا میں
پہنچائیں۔۔۔ بہت سے علماء اہل اسلام قتل کر دیے گئے اور نبوت
یہاں تک پہنچی کہ اس مجلس میں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
نام کی تصریح ترک کر دی گئی۔ اور جس کا یہ اسم شریف رکھا گیا تھا
اسے بدل کر دوسرا نام رکھا گیا۔ گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا
گیا۔۔۔ مساجد اور مسلمانوں کے مقابر ویران کر دیے گئے۔ کفار کی
عبادت گا ہوں اور ان کی رسوم و عبادات کے دنوں کی تعظیم کی گئی۔

مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اس کی علامتیں باطل قرار دی گئیں۔ اور کفار کی رسوم اور ان کے ادیان باطلہ رائج کیے گئے۔ حتیٰ کہ کفار ہند کے احکام ظاہر کیے گئے اور انہیں ان کی زبان سے فارسی میں منتقل کیا گیا تاکہ اسلام کے سارے آثار مٹا دیں۔ اور میں نے جان لیا کہ شک و انکار کا مرض وسیع ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ اطباء (علماء سوء) خود بیمار ہو چکے ہیں اور مخلوق ہلاکت کے قریب ہو گئی ہے۔۔۔ میں نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا جنہوں نے فلسفہ اور کافروں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور جن کو فضل کی فضیلت کا دعویٰ بھی ہے (یعنی ابو الفضل) ان لوگوں نے خلق خدا کو گمراہ کیا ہے اور اصل نبوت کے تحقق اور ایک خاص شخص (اکبر) کے لیے اس کے ثبوت کے سلسلے میں خود بھی بھٹکتے اور دوسروں کو بھی بھٹکایا ہے۔۔۔ ۱۶

شیخ فرید بخاری کو ایک اور مکتوب شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

”سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ شریعت کو رواج دینے میں اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کے زندہ کرنے میں کوشش کی جائے، خاص کر ایسے زمانہ میں جبکہ اسلامی شعائر (نشانات) بالکل مٹ گئے۔ کروڑہا روپیہ خدا تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا شرعی مسائل میں سے ایک مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے۔۔۔“ ۱۷

اپنے مرشد زادہ خواجہ عبداللہ علیہ الرحمۃ کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

”اس وقت تمام جہان بدعتوں کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث بحر ظلمات کی طرح نظر آ رہا ہے، اور سنت کا نور اپنی غربت اور قلت کے باعث اس بحر ظلمانی میں کرہائے شب افروز (جگنوؤں کی طرح) محسوس ہو رہا ہے۔ اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ

کر رہا ہے اور سنت کے نور کو کم کرتا جاتا ہے۔۔۔ ۱۸

ایک اور مکتوب میں رقم طراز ہیں:

”ایک دنیا بدعت کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام کر رہی ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعات کو ختم کرنے کے لیے دم مارے اور احیائے سنت کے لیے لب کھولے؟ اس زمانے کے اکثر علماء نے بدعات کو رواج دیا ہے اور سنت کو مٹایا ہے“ ۱۹

اپنے فرزند گرامی کو ایک مکتوب شریف میں تحریر فرماتے ہیں:

”اے فرزند! یہ وقت اس وقت جیسا ہے کہ جب سابقہ امتوں میں ان حالات میں کہ ظلمت سے پُر ہیں اولوالعزم پیغمبر کو مبعوث کیا جاتا تھا اور نئی شریعت کی بنیاد رکھی جاتی تھی، یہ امت جو خیر الامم ہے اور پیغمبر اس کا خاتم الرسل ہے، علماء کو انبیاء کا مرتبہ دیا گیا اور علماء کے وجود سے انبیاء کی کمی پوری فرمادی گئی ہے، اس وقت (ایسا) عالم و عارف جو معرفت میں انتہا کو پہنچا ہو اس امت کو درکار ہے جو انبیاء اولوالعزم کا قائم مقام ہو“ ۲۰

ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

”کچھ شک نہیں کہ توفیق الہی نے حضرت ممدوح (حضرت امام ربانی) کے وجود گرامی ہی کے لیے یہ مرتبہ خاص کر دیا تھا، انبیاء اولوالعزم کی نیابت قائم مقامی یعنی مقام عزیمت و دعوت کا خلعت صرف ان ہی کے جسم پر پُخت آیا“ ۲۱

اپنے فرزند ان گرامی حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم کو ایک مکتوب میں ان لوگوں کے

بارے میں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا خیال کرتے ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

”جن محروموں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا اور

دوسرے انسانوں کی طرح ان کو تصور کیا تو لازمی طور پر وہ آپ کے

منکر ہو گئے اور سعادت مندوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسالت و رحمت عالمیان کے عنوان سے جانا اور باقی تمام لوگوں سے ممتاز دیکھا وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہو گئے اور نجات پا گئے“ ۲۲

دورا کبری کے صوفیہ کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

”صوفیان خام اور ملحدان ناعاقبت اندیش اس کے درپے ہیں کہ حلقہ شریعت سے اپنی گردن چھڑالیں اور احکام شرعیہ کو صرف عوام کے لیے مخصوص کر دیں، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خواص تو صرف معرفت کے مکلف ہیں اور بس۔ جب معرفت حاصل ہو گئی تو پھر تکلیفات شرعیہ ساقط ہو گئیں“ ۲۳

ایک اور مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں:

”اور بعض لوگ تو حید و جودی کی غلط تاویل سے الحاد و زندقہ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ ہر شے (خیر و شر) کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں۔ بلکہ سب کو خدا سمجھتے ہیں“ ۲۴

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

”بعض گمراہ خواہ مخواہ مسند مشیخت پر بیٹھ گئے ہیں اور تباہ اور آواگون کا حکم دیتے ہیں اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے نماز کو ذورازکار سمجھ کر اس کی بنیاد کو ”غیر اور غیریت“ پر محمول کیا ہے“ ۲۵

ایک اور مکتوب میں شیخ نظام تھانیسری کو تحریر فرماتے ہیں:

”متعدد لوگوں سے سنا ہے کہ تمہارے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں“ ۲۶

حضرت مرزا بدیع الزمان نے اپنے کسی مراسلہ میں حضرت امام ربانی کی شان والا میں فرط عقیدت سے ”خدیونشاً تین“ کا لفظ استعمال کر لیا۔ آپ نے فوراً ان کی گرفت کی اور فرمایا:

”اے میرے سعادت مند! آپ کے مکتوب میں یہ فقرہ لکھا ہوا تھا
 ”خد یونشاً تین“ یعنی دونوں جہانوں کا بادشاہ! یہ ایسی نعمت و تعریف
 ہے جو حضرت واجب الوجود جل شانہ کے لیے مخصوص ہے۔ بندہ
 مملوک کو جو کسی شے پر قادر نہیں ہے کیا لائق ہے کہ کسی وجہ سے
 خدائے تعالیٰ کے ساتھ شرکت کرے“ ۲۷

اکبر کے دور میں الحاد و کفر کی ایسی گرم بازاری ہوئی کہ لوگ اپنے آپ کو فخریہ کافر کہلانے لگے۔ مرزا
 عبدالرحیم خان خاناں کے ایک ہم نشین نے ”کفری“ کا لقب اختیار کیا۔ آپ نے خان خاناں کو تحریر فرمایا:
 ”بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ کے ہم نشین فاضل شاعروں میں
 ایک شخص شعر میں اپنے آپ کو ”کفری“ کے لقب سے ملقب کرتا
 ہے۔ حالانکہ وہ بزرگ سادات اور شریف خاندان سے ہے۔ ہائے
 افسوس! اس کو اس برے اسم پر جس کی برائی ظاہر ہے کس چیز نے
 برا بیچتہ کیا۔۔۔؟“ ۲۸

عہد اکبری میں عورتوں میں رانج بعض برائیوں کی نشاندہی میں ایک صالحہ (خاتون) کو یہ مکتوب تحریر
 فرمایا:

”دکھ درد اور بیماریوں کے دور کرنے کے لیے اصنام اور طاغوت یعنی
 بتوں اور شیطانوں سے مدد مانگنا جو جاہل مسلمانوں میں شائع ہے۔
 عین شرک و گمراہی ہے اور تراشیدہ اور ناتراشیدہ پتھروں سے
 حاجتوں کا طلب کرنا واجب الوجود جل شانہ کا محض کفر و انکار
 ہے۔۔۔ عورتیں شرک اور اہل شرک کے رسموں کے ادا کرنے میں
 گرفتار ہیں۔ خاص کر جُد ری مرض کے وقت جس کو ہندی زبان میں
 سینٹلا (ماتا) اور چیچک کہتے ہیں، اکثر عورتوں سے یہ بات
 مشہود و محسوس ہوتی ہے شاید ہی کوئی عورت ہوگی جو اس شرک سے
 خالی ہو۔۔۔ ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور ان کی مشہور

رسموں کو بجالانا سراسر کفر و شرک ہے۔ جیسے کہ کافروں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خاص کر ان کی عورتیں کافروں کی رسموں کو بجالاتی اور اپنی عید مناتی ہیں اور کافروں اور مشرکوں کی طرح ہدیہ اور تحفہ بیٹیوں اور بہنوں کو بھیجتی ہیں۔ اور اس موسم میں اپنے برتنوں کو رنگ کر کے سرخ چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا بڑا اعتبار اور شان بتاتی ہیں۔ سب شرک اور دین اسلام کا کفر ہے، ۲۹۰

خواجہ شرف الدین حسین کے نام ایک مکتوب میں کافروں کی چیرہ دستی کو یوں ارقام فرماتے ہیں: ”آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ حال ہی میں دارالہرب کے کافروں نے نگرکوٹ کے مسلمانوں اور ان کے شہروں پر کس قدر ظلم و ستم ڈھائے ہیں۔ اور ان کی کتنی اہانت کی ہے۔ اللہ سبحانہ ان کو ذلیل و خوار کرے۔ آخری زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اس قسم کے بدبودار پھول بہت کھلیں گے۔۔۔“ ۳۰۰

ایسی صورت حال میں آپ نے نیک نفس امیر شیخ فرید بخاری کو تحریر فرمایا:

”ذرا خیال تو کریں کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے، مسلمانی کی بو بھی باقی نہ رہی۔ ایک دوست نے کہا ہے کہ تم لوگوں میں جب تک کوئی دیوانہ نہ ہوگا مسلمانی تک پہنچنا مشکل ہے۔ اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے نفع و نقصان کا بھی خیال نہ کرنا۔ یہ ہے دیوانگی۔ اسلام رہے تو کچھ بھی ہو (کوئی پروا نہیں) اور نہ رہے تو پھر کچھ بھی نہ رہے۔ اگر مسلمانی ہے تو پھر خدا کی رضا اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی بھی ہے اور آقا کی رضا سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں“ ۳۱۰

اکبر ۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۵ء میں بے نیل مرام فوت ہوا اور اس کا بیٹا جہانگیر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مخلص مریدوں کی مدد سے سریر آرائے سلطنت ہوا۔ استاذ محترم حضرت مسعود ملت لکھتے ہیں:

”غالباً حضرت مجدد کی اس قسم کی ترغیبات سے متاثر ہو کر تخت نشینی کی جدوجہد میں شیخ فرید بخاری نے جہانگیر کا ساتھ دیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

اکبر بادشاہ کی زندگی ہی میں جہانگیر کا بیٹا خسرو اپنی جانشینی کے لیے سرکشانہ کوشاں تھا۔ بیشتر امراء اس کے طرف دار تھے مگر حضرت مجدد کے معتقد خاص اور جہانگیر کے معتمد خاص شیخ فرید بخاری اور ان کے ساتھیوں نے اس شرط پر جہانگیر کی حمایت کا وعدہ کیا کہ وہ حصول اقتدار کے بعد اسلام کا پورا پورا تحفظ کرے گا“ ۳۲

آپ شیخ فرید بخاری کو اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”آج بے چارے اسلام کے لیے اس طرح کی گمراہی کے بھنور میں نجات کی امید بھی خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات اکملہا کے اہل بیت کی کشتی ہے۔ آپ اپنی بلند ہمتی کو پوری طرح سے اس بات (ترویج شریعت) پر لگا دیں تاکہ یہ بہت بڑی سعادت حاصل ہو جائے“

جہانگیر نے شیخ فرید بخاری کو علماء کی ایک کونسل قائم کرنے کے لیے کہا جس کے چار ممبر ہوں۔ حضرت مجدد انہیں خبردار کرتے ہیں کہ ایسے علماء کی تعداد بہت قلیل ہے جو دین دار ہوں۔ اور چاہ یا حسب ریاست سے علیحدہ ہوں۔

زمانہ گزشتہ (عہد اکبری) میں علمائے سوء کے اختلاف نے ہی دنیا کو ہلا دیا تھا۔ میرے نزدیک صرف ایک عالم کو اس غرض کے لیے منتخب کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ علمائے آخرت میں سے کوئی عالم میسر ہو تو اس سے اچھی کیا بات ہے۔ اس کی صحبت کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے“ (ملخصاً)

برے علماء (علماء سوء) کی مذمت میں ملا حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا:

”اکابرین میں سے ایک بزرگ نے شیطان ملعون کو دیکھا کہ فارغ (بیکار) بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے بے فکر ہو چکا ہے۔ اس بزرگ نے اس سے اس فراغت کی وجہ دریافت کی۔ اس نے جواب دیا کہ اس زمانے کے برے علماء نے خود ہی اس کام میں میری بہت بڑی مدد کی ہے اور انہوں نے مجھے اس اہم کام سے فارغ کر دیا ہے“

جہانگیر کے استاد مفتی صدر جہاں کو اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرتے ہیں:

”احکام شرعیہ کے جاری کرنے اور مذہب مصطفوی علیہ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کی ذلت و خواری کی باتیں سن کر ماتم زدہ مسلمانوں کے دل کو خوشی اور روح کو تازگی حاصل ہوئی۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ زمانہء سابق (دور اکبری) میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماء سوء کی بدبختی کی وجہ سے ظہور میں آیا تھا اس لیے امید ہے کہ پورے پورے تتبع (چھان بین کو) مد نظر رکھ کر دیندار علماء کا انتخاب کر کے پیش قدمی کریں گے۔ علماء سوء جو دین کے چور اور ڈاکو ہیں ان کا مقصود حب جاہ اور ریاست اور مخلوق کے نزدیک قدر و منزلت حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے۔۔۔“

ان ہی مفتی صدر جہاں کو ایک مکتوب صادر فرمایا:

”اب جبکہ سلطنتوں میں انقلاب واقع ہوا ہے اور اہل مذاہب کی عداوت کی تیزی درہم برہم ہو گئی ہے۔ اسلام کے پیشواؤں یعنی بڑے بڑے وزیروں اور امیروں اور بزرگ عالموں پر لازم ہے اپنی تمام ہمت کو روشن شریعت کی ترویج میں لگائیں۔ اور سب سے اول اسلام کے گرے ہوئے ارکان کو قائم کرائیں۔ کیونکہ تاخیر میں

خیریت ظاہر نہیں ہوتی، اور غریبوں کے دل اس تاخیر سے نہایت بے قرار ہیں۔ گزشتہ زمانہ کی سختیاں ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ پھر ان کا تدارک نہ ہو سکے۔ اور اسلام کی غربت اس سے بھی زیادہ ہو جائے۔ جب بادشاہ سنت سنیہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترقی میں سرگرم نہ ہوں اور بادشاہوں کے مقرب بھی اس بارے میں (اپنے) آپ کو الگ رکھیں اور چند روزہ زندگانی کو عزیز سمجھیں تو پھر اہل اسلام بیچاروں پر زمانہ بہت ہی تنگ ہو جائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

آں چہ از من گم شدہ گر از سلیمان گم شدے
ہم سلیمان ، ہم پری، ہم اہرمن بگریستے
(ترجمہ: جو میں نے کھودیا اس کو سلیمان بھی اگر کھوتے
وہ خود روتے، پری بھی جن بھی بلکہ اہرمن روتے)
صبت علی مصائب لو انہا
صبت علی الایمان صرن لیالیا
(مصائب نے مجھے اس طرح گھیرا، اگر گردوں پہ ہوں ہو جائے
تاریک)“

مگر افسوس جہانگیر اپنے سارے قول و قرار بھول گیا، عہد اکبری کی بہت سی برائیاں برقرار رہیں۔ حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ خان جہاں، جن کو جہانگیر کے دربار میں بہت اثر و رسوخ حاصل تھا ان کو ایک مکتوب گرامی میں ہندی بت پرستوں اور شیعوں کے عقائد باطلہ پر ایک مختصر تبصرہ فرمانے کے بعد (کہ حکومت کو اس وقت یہی روگ لگے ہوئے تھے) آخر مکتوب میں پھر اپنے مطلب پر آجاتے ہیں:

”وہ دولت جس کے ساتھ حق تعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے اور لوگ اس دولت سے غافل ہیں بلکہ قریب ہے کہ آپ بھی اس دولت کو

محسوس نہ کریں۔ وہ یہ ہے کہ بادشاہ وقت سات پشت سے مسلمان چلا آتا ہے اور اہل سنت و جماعت میں سے اور حنفی مذہب پر ہے۔ اگرچہ چند سال ہوئے ہیں کہ اس زمانہ میں جو قرب قیامت اور عہد نبوت کے بعد کا زمانہ ہے بعض طالب علموں نے اپنی طمع کی کم بختی و ذلت سے جو کہ باطن کی خباثت سے پیدا ہوئی ہے، بادشاہوں کے امراء کے ساتھ تقرب حاصل کیا۔ اور خوشامدی بن گئے اور دین متعین میں تشکیکات اور اعتراضات کیے ہیں اور شبہے نکالے ہیں۔ اور سادہ لوح اور بے وقوفوں کو بہکا رہے ہیں۔ جب ایسا عظیم الشان بادشاہ آپ کی باتوں کو اچھی طرح سن لیتا اور قبول فرماتا ہے تو یہ کس قدر بھاری دولت ہے کہ آپ تصریح یا اشارہ کے طور پر کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام کو اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے موافق اس کے گوش گزار کر دیں۔ اور جہاں تک ہو سکے اہل حق کی باتیں پیش کریں، بلکہ ہمیشہ امیدوار اور منتظر رہیں کہ کوئی ایسا موقع مل جائے جس میں مذہب و ملت کی نسبت گفتگو کی جائے تاکہ اسلام کی حقیقت ظاہر ہو جائے اور کفر و کافر کی بطلان و برائی کا بیان کیا جائے۔۔۔۔۔“

اسی مکتوب میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

”اب ہم اصل بات کا بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ روح کے مانند ہے اور تمام انسان جسم کی طرح۔ اگر روح درست ہے تو بدن بھی درست ہے اگر روح بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے۔ پس بادشاہ کی اصلاح میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے۔۔۔۔۔“

ان ہی خان جہاں کو ایک اور مکتوب میں رقم طراز ہیں:

”یہی خدمت جو آپ اب کر رہے ہیں اگر اس کو شریعت کی بجا آوری

کے ساتھ جمع کریں تو گویا انبیاء علیہم السلام کا سا کام کریں گے“

لیکن بالآخر دشمنان اسلام اپنی ریشہ دوانیوں میں کامیاب رہے اور جہانگیر آپ کی اصلاحی تحریک کو زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا کیونکہ اسلام کی اصلاحی تحریک سے ہر فرعون اور جابر لرزتا ہے۔ اس کو اپنا تخت و تاج خطرے میں پڑتا نظر آتا ہے۔ جہانگیر نے چند جھوٹے مقدمے قائم کر کے آپ سے جواب طلبی کی۔ آپ نے نہایت معقول جواب دے کر اس کا منہ بند کر دیا۔ پھر اس نے مطالبہ کیا کہ آپ سجدہ کریں۔ آپ نے نہایت سختی سے انکار کر دیا۔ ہر طرح سے کوشش کی گئی کہ آپ صرف ذرا سی گردن جھکا دیں۔ آپ نے نہایت سختی سے انکار فرمایا اور ارشاد فرمایا:

”یہ گردن صرف اللہ تعالیٰ کے آگے جھکتی اور جھکے گی کسی انسان کے

آگے ہرگز نہیں“

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

جہانگیر نے غضبناک ہو کر آپ کو گوالیار کے قلعہ میں مقید کیا۔ جہاں پورے ہندوستان کے نامی گرامی مجرم مقید تھے۔ اور آپ کے دولت خانے کو لوٹنے کو حکم دیا۔ آپ کے قدم کی برکت سے قید خانہ کا پورا ماحول تبدیل ہو گیا۔ پانچ سو قیدی مسلمان ہو گئے۔ قید خانہ سے آپ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو تحریر فرمایا:

”مصائب و شدائد میں اگرچہ تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، تاہم اللہ تعالیٰ

کی کرم فرمائیاں سے بہرہ ور ہونے کی امید ہوتی ہے۔ اس دنیا کی

عظیم دولت غم و اندوہ اور اس کے دسترخوان کی بہترین خوش ذائقہ

نعمت درد و الم ہے۔ ان شکر پاروں کو اللہ تعالیٰ نے تلخ دوا کے باریک

خول میں لپیٹ دیا ہے۔ اور اس طریقہ سے آزمائش کا راستہ کھول دیا

ہے۔ سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر رکھتے ہیں اور ان کی تلخی

سے شیرینی کی طرح شاد کام ہوتے ہیں“

اپنے فرزند ان گرامی حضرت خواجہ محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمۃ کے نام جو مکتوب صادر فرمایا وہ بھی عزیمت کا شاہکار ہے۔

”فرزند ان گرامی! اگرچہ ابتلا و مصیبت کا وقت تلخ و بے مزہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر (اس میں) فرصت دے دیں تو غنیمت ہے۔ چونکہ تم کو اس وقت فرصت مل گئی ہے۔ لہذا اللہ جل شانہ کی حمد بجالائیں۔۔۔ اور چاہیے کہ تین چیزوں میں سے کسی ایک میں مشغول رہیں۔ (۱) قرآن مجید کی تلاوت (۲) طویل قرأت کے ساتھ نماز (۳) کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی تکرار

چاہیے کہ کلمہ لا سے اپنے نفس کی خواہشوں کے الہ (معبود) کی نفی کریں۔ اور اپنی مرادوں اور مقاصد کو دور کریں۔ کیونکہ اپنی مراد کو طلب کرنا اپنی خدائی کا دعویٰ کرنا ہے۔۔۔ اطلاع دینا ضروری ہے، شاید ملاقات ہو یا نہ ہو۔ بس یہی نصیحت ہے کہ کوئی مراد و ہوس باقی نہ رہے۔۔۔ حتیٰ کہ میری (قید سے) رہائی بھی تم لوگوں کے اہم مقاصد میں سے ہے وہ بھی تمہاری مراد نہ ہو۔۔۔ حویلی، سرائے، کنواں، باغ، کتابیں اور دوسری تمام اشیاء کا غم بیکار ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی تمہارے وقت میں مزاحم نہ ہونی چاہیے اور حق جل و علا کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی مراد و مرضی نہ ہو۔ اگر ہم مرجائیں تو یہ چیزیں بھی ہم سے چھوٹ جائیں گی۔ اگر ہماری زندگی میں چلی گئیں تو کوئی فکر کی بات نہیں۔۔۔ اگر حق سبحانہ و تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے کی ملاقات ہو جائے، ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہیں اور دعا کریں کہ دارالسلام (جنت) میں ہم سب جمع ہوں، اور حق تعالیٰ کے کرم سے دنیا کی ملاقات کی تلافی کو آخرت کے حوالے کریں۔ الحمد للہ! علیٰ کل حال“

ایک سال کے بعد جہانگیر آپ کو رہا کرنے پر مجبور ہوا۔ مگر آنجناب کو پابند کیا کہ لشکر کے ساتھ رہیں کیونکہ وہ آپ کی ذات قدسی صفات سے خطرہ محسوس کرتا تھا۔ آپ نے لشکر گاہ میں رہنا پسند فرمایا۔ تاکہ آپ کی اصلاحی تحریک لشکر و دربار میں چلتی رہے۔ اپنے فرزند ان گرامی کو ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

”بادشاہ کی طرف سے جو تکلیف ہے اسے اپنے بزرگ و برتر آقا کی کمال مہربانی اور رضا مندی کا دروازہ سمجھتا ہوں اور اس قید کو اپنے لیے باعث سعادت گردانتا ہوں۔۔۔“

اس قیام کے دوران بادشاہ کے ساتھ صحبتیں بھی رہیں اور گفتگوئیں اور مذاکرات بھی ہوئے۔ اس کی اصلاح کو ہر وقت مد نظر رکھا گیا۔ اپنے فرزند ان عالی قدر کو ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

”اس جگہ کے حالات بہت اچھے اور شکر کے قابل ہیں۔ شب و روز عجیب و غریب صحبتوں میں گزر رہے ہیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے دینی امور اور اسلامی اصولوں کے سلسلے میں جو مذاکرات اور گفتگوئیں ہوتی ہیں ان میں ذرہ بھر غفلت و مدہانت راہ نہیں پاتی۔ وہی باتیں جو خلوتوں اور خصوصی مجلسوں میں ہوتی ہیں اللہ پاک کی توفیق سے ان معرکوں میں بیان ہو رہی ہیں۔ ایک مجلس کا ذکر بھی کروں تو دفتر درکار ہے۔ خصوصاً آج رات رمضان المبارک کی سترہویں رات تھی۔ بادشاہ کے سامنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقصد بیعت، بعثت، عقل کی ناپختگی، ایمان بالآخرت، اس کے عذاب و ثواب، اللہ تعالیٰ کے دیدار، ختم نبوت، ہر صدی کے مجدد، خلفائے راشدین کی پیروی، تراویح کی سنتوں، تناسخ کا باطل ہونے، جن اور جنیوں کا ذکر اور ان کے عذاب و ثواب کا مسئلہ اور اسی نوعیت کے مسائل کا ذکر رہا۔۔۔ الحمد للہ! کہ بادشاہ دلجمعی سے سنتے رہے اور کسی قسم کا کوئی تغیر ان کی حالت میں رونمانہ ہوا۔۔۔“

جہانگیر اس کے امراء اور اعیان سلطنت کو بالآخر آپ کا فیض صحبت دین اسلام کی طرف لے آیا۔

چنانچہ جب آپ کی دعا سے کانگڑہ کا قلعہ فتح ہوا تو بقول خواجہ بدرالدین سرہندی (مجمع الاولیاء) جہانگیر وہاں گیا اور (چلتے وقت) آپ سے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں تو اس قلعے میں گائے ذبح کریں گے، بت گرائیں گے، مسجدیں بنائیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے۔ آپ بادشاہ کے ساتھ قلعہ میں آئے بادشاہ نے جو کچھ کہا تھا کر دکھایا۔

فتح کانگڑہ کا واقعہ بھی جہانگیر نے حیرت و استعجاب کے عالم میں بیان کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے:

”جمعات یکم محرم الحرام ۱۰۳۰ھ کو یہ فتح حاصل ہوئی جو کسی سطوت و شوکت رکھنے والے بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی تھی، جسے ظاہری اسباب پر نظر رکھنے والے کم فہم لوگ بہت مشکل سمجھتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہے“

آگے وہ لکھتا ہے:

”میں نے قاضی اور میر عدل کو حکم دیا کہ جو اسلامی اور شرعی امور ضروری سمجھیں بجالائیں۔۔۔ بتوفیق ایزدی اذان دلو اور نماز اور خطبہ پڑھوایا اور اپنے سامنے گائے ذبح کرائی۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکرانہ بجالا کر اس قلعہ کے اندر ایک عالیشان مسجد تعمیر کیے جانے کا حکم دیا“

آگے لکھتا ہے:

”یہاں ایک دنیا کو گمراہی کے بیاباں میں سرٹپتے دیکھا۔۔۔“

ہم نے اسلام کے حوالے سے مکتوبات امام ربانی کی روشنی میں اکبر بادشاہ کے آخری دور حکومت کی تصویر پیش کی اور ساتھ ہی ساتھ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی اصلاحی تحریک اور اس کے اثرات کا بھی جائزہ لیا جس سے آپ کی مجددانہ اور مصلحانہ عظمت و شوکت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں آپ نے مغلیہ سلطنت کو دوبارہ صراط مستقیم پر ڈال دیا۔ جہانگیر، شاہجہاں اور اس کے بعد اورنگ زیب عالمگیر سب آپ کی فکر عالی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

وقت آ گیا ہے کہ کوئی ایسا مرد انا پیدا ہو جو اسلام کے اس عظیم مدبر و مفکر، متکلم، منطقی، مفسر و محدث اور عالم و عارف کے فلسفہء حیات کو سمجھے اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں ہم کو صراطِ مستقیم پر لگا دے۔ اقبال نے کس درد و سوز سے التجا کی تھی:

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی!

☆.....☆.....☆

حواشی:

۱.....روضۃ القیومیہ، ص ۵۲ تا ۵۸، بحوالہ حضرت مجدد الف ثانی

۲.....مجدد اعظم، ص ۱۹/۲۰

۳.....سیرت مجدد الف ثانی از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۱۱۹

۴.....منتخب التواریخ: ملا عبدالقادر بدایونی، ص ۵۱۲

۵.....ایضاً، ص ۲۹۶

۶.....ایضاً

۷.....بال جبریل: علامہ اقبال، ص ۲۱۱

۸.....بیاض قلمی: محمد ہاشم جان مجددی سرہندی

۹.....سیرت مجدد الف ثانی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۱۱۸

۱۰.....حضرت مجدد الف ثانی: مولانا سید زوار حسین شاہ، ص ۲۶۴

۱۱.....مکتوبات امام ربانی: دفتر اول، مکتوب ۶۵

۱۲.....ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۸۱

۱۳.....ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۹۲

۱۴.....ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۴۷

۱۵.....ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۱۹۳

- ۱۶..... اثبات النبوة، حضرت مجدد الف ثانی، ص ۵۰-۵۱، مطبوعہ کراچی
- ۱۷..... مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۸
- ۱۸..... ایضاً، دفتر دوم، مکتوب ۲۳
- ۱۹..... تذکرہ مجدد الف ثانی، منظور نعمانی، ص ۱۲۷، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۵۲
- ۲۰..... تذکرہ، ابوالکلام آزاد، ص ۵۷-۲۵۶، بحوالہ مجدد الف ثانی، حالات، افکار و خدمات، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۷۸
- ۲۱..... ایضاً، ص: ۱۵۳
- ۲۲..... مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۶۳
- ۲۳..... تذکرہ مجدد الف ثانی، منظور نعمانی، ص ۷۰، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۵۰، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
- ۲۴..... تذکرہ مجدد الف ثانی، منظور نعمانی، ص ۱۱۱، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۵۰، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
- ۲۵..... تذکرہ مجدد الف ثانی، منظور نعمانی، ص ۱۱۲، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۵۰، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
- ۲۶..... تذکرہ مجدد الف ثانی، منظور نعمانی، ص ۱۱۳، بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۵۰، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
- ۲۷..... مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۷۳
- ۲۸..... ایضاً، مکتوب ۲۳
- ۲۹..... ایضاً، دفتر سوم، مکتوب ۴۱
- ۳۰..... ایضاً، دفتر دوم، مکتوب ۶۸
- ۳۱..... ایضاً، دفتر سوم، مکتوب ۱۶۳
- ۳۲..... سیرت مجدد الف ثانی: از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۱۹۰

☆.....☆.....☆

وَمَا مِنْ دِينٍ إِلَّا يَخْتَلِفُ فِيهِ
الْأَقْوَامُ يَخْتَلِفُونَ فِيهِ
الْأَقْوَامُ يَخْتَلِفُونَ فِيهِ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ
 وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
 وَاجْعَلْ لَهُمْ جَنَّاتٍ
 وَعَنْقُورًا
 وَزُجُجًا
 وَكُورًا
 وَغُرَابًا مَبْرُورًا
 وَفُورًا
 وَغُرَابًا مَبْرُورًا
 وَفُورًا
 وَغُرَابًا مَبْرُورًا
 وَفُورًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

نفاذِ شریعت، مکتوباتِ امام ربانی کے آئینہ میں

پروفیسر محمد عامر بیگ

المركز الاسلامی، کراچی



نظام شریعت اور اس کے نفاذ کی ضرورت:

نظام شریعت وہ ضابطہء حیات ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرزند ان اسلام کے لیے متعین فرمایا ہے۔ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی کامیابی اسی ضابطہء حیات کی پابندی میں مضمر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نظام شریعت کے نفاذ کو اسلامی ریاست یا مسلم ریاست کی اولین ذمہ داری قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ اِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ

وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (سورہ حج: ۴۱)

”وہ لوگ جنہیں اگر ہم زمین پر اقتدار بخشیں تو وہ قائم کرتے ہیں نماز

کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو نیکی کا اور روکتے

ہیں انہیں برائی سے“

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے فوری بعد ہی نفاذ شریعت کا آغاز کر دیا اور عبادات و معاملات، سیاست و معیشت، معاشرت و اخلاقیات اور حدود الہی سے متعلق جو احکامات نازل ہوتے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فوری نافذ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دست مبارک سے اسلام کی پہلی آئیڈیل ریاست وجود میں آئی۔ آپ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی ریاست مزید مستحکم اور مضبوط ہوئی اور اسلام

کے تمام احکامات اپنی پوری روح کے ساتھ نافذ العمل رہے۔ خلافت راشدہ کے بعد اگرچہ اسلام کا سیاسی نظام اپنی اصل روح کے ساتھ نہ رہ سکا لیکن اسلام کے وہ احکام جن کا تعلق عبادات و معاملات، معیشت و معاشرت اور حدود اللہ سے تھا وہ بڑی حد تک ہر دور حکومت میں نافذ العمل رہے۔ کسی بڑے سے بڑے فاسق و فاجر حکمران کو بھی اسلام کے بنیادی احکامات یا حدود اللہ میں تبدیلی و ترمیم کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ لیکن اسلامی تاریخ کے ایک ہزار سال مکمل ہونے پر ہندوستان کی مسلم ریاست میں ایسا حکمران مسلط ہوا جو نہ صرف خود گمراہ ہوا بلکہ اس نے دنیا دار مفاد پرست نام نہاد درباری علماء کی ایما پر اور ہندو راجاؤں مہاراجاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نہ صرف دین اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے کی ناپاک کوشش کی بلکہ وحدت ادیان کے پُر فریب نعرے اور پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ایک نئے دین یعنی دین الہی کی بنیاد ڈالی۔ جس کا مقصد دین اسلام کے تشخص کا خاتمہ کر کے تمام ادیان باطلہ کو اسلام کے مساوی مقام دلانا تھا۔ اس مقصد کے لیے اکبر بادشاہ نے نہ صرف شعائر اسلامی اور اسلامی اقدار کا خاتمہ کرنا چاہا بلکہ مساجد و مدارس کو بھی منہدم کیا گیا اور اس کی جگہ مندر قائم کیے گئے۔ کافروں کی رسوم کو جاری کیا گیا اور علماء حق کو قتل کیا گیا اور برملا اسلامی احکامات پر طعن کیا گیا۔ ان حالات سے متاثر ہو کر بہت سے مسلمان بھی بدعات و منکرات میں گرفتار ہو کر مشرکانہ رسوم کا ارتکاب کرنے لگے جبکہ علماء حق و مشائخ عظام نے گوشہ نشینی میں عافیت جانی۔

ان نامساعد حالات میں اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے سرہند کی زمین پر ایک ایسی بزرگ ہستی کو تیار کیا جس نے نہ صرف ہندوستان میں اسلام کی اس ڈوبتی کشتی کو سہارا دیا بلکہ اسے بھنور سے نکال کر پار بھی لگا دیا۔ اس بزرگ ہستی کو امت آج حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

اکبری دور میں اسلام کی بیخ کنی کا کام جس قوت اور منصوبہ بندی سے کیا گیا تھا وہ آپ کے درد مند دل اور غیور اسلامی طبیعت کو مضطرب کرنے کے لیے کافی تھا لیکن اپنی تکمیل حال اور باطنی تیاریوں میں مشغولیت کی بنا پر اور کچھ اس لیے کہ وہ فتنہ اپنے پورے شباب پر تھا اور ابھی وہ سراہا تھا نہیں آیا تھا جس کے ذریعہ آپ سلطنت کے رجحان اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس کی سیاست پر اثر انداز ہو سکیں جس کے باعث اکبری دور میں آپ نے اپنا تجدیدی و اصلاحی کام پوری قوت کے ساتھ شروع نہیں فرمایا اگر

کچھ فرمایا بھی تو تاریخ میں یا آپ کے مکتوبات میں اس کی زیادہ تفصیل نہیں ملتی البتہ آپ نے خان خانان سید صدر جہاں اور شیخ فرید بخاری کے ذریعہ بادشاہ کو نصیحت آمیز پیغامات بھیجے جنہیں بادشاہ کا قرب اور اعتماد حاصل تھا۔ جبکہ اکبر کے مقابلہ میں جہانگیر بادشاہ کو نہ تو اسلام سے کوئی عناد تھا اور نہ ہی وہ کسی نئے دین و آئین کو جاری رکھنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ حضرت مجدد نے بادشاہ کی اس طبیعت سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان سے ان اثرات کو ختم کرنے کا ارادہ کیا جو سابقہ سلطنت میں پیدا ہوئے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے پیش نظر صرف ان بدعات و منکرات کا خاتمہ کرنا تھا جو عام المسلمین میں عام ہو چکی تھیں بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین و شریعت کا نفاذ، دین الہی کا خاتمہ کر کے اسلام کو اس کی حقیقی بنیادوں اور اصل روح پر جاری و ساری کرنا، بادشاہ اور رعایا کے تعلقات کو اسلامی اصولوں کی بنیاد پر استوار کرنا تھا۔

اس مقصد کے حصول کے لیے حضرت مجدد کے پاس دو راستے تھے ایک یہ کہ بادشاہ کو اسلام کا مخالف اور دشمن دین قرار دے کر اس کے خلاف ایک دینی محاذ قائم کر لیتے اور اس کی مستقل مخالفت کرتے ہوئے اس کے خلاف صف آرائی کر لیتے اور تخت سلطنت پر کسی دین دار اور صالح شخص کو بٹھانے کی کوشش کرتے۔ دوسرا یہ کہ امراء دربار اور ارکان سلطنت سے تعلقات استوار کرتے ان کی دینی حمیت کو ابھار کر ان کے دلوں میں ایمان کی جو چنگاریاں دبی ہوئی تھیں ان کو فروزاں کر کے بادشاہ کو نیک شورہ دینے پر آمادہ کرتے تاکہ وہ بادشاہ کو اسلام کی حمایت اور گزشتہ دور کی تلافی پر آمادہ کرتے اور خود ہر طرح کے جاہ و منصب سے دور رہتے اور مکمل زہد و استغناء کا ثبوت دیتے۔

جہاں تک پہلے راستے کا تعلق ہے وہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی حکمت دعوت اور جذبہ خیر خواہی و نصیحت سے مناسبت نہیں رکھتا تھا اس لیے آپ نے اس طرف بالکل التفات نہیں فرمایا اور بادشاہ سے براہ راست تصادم سے مکمل گریز کیا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے سلطنت کو فکری و نظری الحاد اور بدعات و منکرات سے پاک کرنے کے لیے جو راستہ اختیار کیا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہ صرف ممتاز ہے بلکہ آنے والے ہر دور کے داعیان اسلام کے لیے مشعل راہ ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ جو خود علوم و دینیہ اور علوم باطنیہ سے سرشار تھے آپ کی نگاہ ولایت دیکھ رہی تھی

کہ اکبری دربار کے امراء میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو اگرچہ اکبر کے خلاف اسلامی منصوبوں میں شریک نہیں تھے مگر وہ اکبر کے ان اقدامات کو ناپسند کیا کرتے تھے لیکن مجبوری کی وجہ سے وہ کچھ نہ کر سکتے تھے ان امراء میں نواب سید مرتضیٰ عرف شیخ فرید بخاری، خان اعظم، صدر جہاں، لالہ بیگ اور مہابت خان وغیرہ سرفہرست تھے۔

آپ نے ان امراء اور ارکان سلطنت سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا یہ مکتوبات اپنے درد و اخلاص، جوش و تاثیر اور زور و قلم کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ سیکڑوں برس گزر جانے کے باوجود ان میں آج بھی وہی اثر پذیری ہے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے مخاطب کے دلوں پر کیا اثر ڈالا ہوگا۔ آپ نے جہانگیری دور کے اوائل میں اپنے اس عظیم مشن کا آغاز کیا اس وقت ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی کسمپرسی کا جو عالم تھا اس کا اظہار آپ اپنے ایک مکتوب بنام شیخ فرید بخاری میں جو اکبر و جہانگیر کے درویش صفت امراء میں سے تھے یوں فرماتے ہیں:

”آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ صدی میں اہل اسلام کے سر پر کیا کیا مصیبتیں گزری ہیں اس سے قبل جو صدیاں گزری ہیں اس میں نہایت قلت و غربت کے باوجود اہل اسلام کی خرابی و تباہی اس سے زیادہ نہیں ہوئی حتیٰ کہ مسلمان اپنے دین پر اور کفار اپنے طریقے پر قائم تھے۔ آیہ کریمہ لکم دینکم ولی دین میں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ جبکہ گزشتہ صدی یعنی اکبری دور میں کفار غلبہ پا کر اسلام میں کھلم کھلا کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلامی احکام کے جاری رکھنے سے عاجز تھے اور وہ ایسا کرتے تو قتل کر دیے جاتے تھے۔ ہائے ہلاکت! ہائے مصیبت، ہائے افسوس و غم! حق تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے تو ذلیل و خوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر لوگ عزت والے اور معتبر تھے۔ مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی ماتم پُرسی کرتے تھے اور مخالف دشمن ہنسی اور مذاق کے ساتھ ان زخموں پر نمک چھڑکتے

تھے۔ ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردے میں چھپا ہوا تھا اور حقانیت کا نور باطل کے پردوں میں چھپا ہوا تھا“ (مکتوب: ۴۷، دفتر اول) اسی مکتوب میں آپ شیخ فرید بخاری کی توجہ جہانگیر بادشاہ کے سلیم الطبع ہونے کی طرف دلاتے ہیں اور انہیں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بادشاہ کو دین کی حمایت کے لیے آمادہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں:

”آج جبکہ دولت اسلام کی رکاوٹوں کے زوال کی خوش خبری اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی بشارت خاص و عام کے کانوں تک پہنچی ہے تو اہل اسلام نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ بادشاہ کے معاون و مددگار ہوں اور شریعت کو رواج دینے اور مذہب کو قوت پہنچانے میں اس کی رہنمائی کریں۔ خواہ یہ امداد دینا اور قوت پہنچانا زبان سے ہو سکے یا ہاتھوں سے میسر ہو۔ سب سے بڑی امداد یہ ہے کہ کتاب و سنت اور اجماع امت کے مطابق مسائل شرعیہ کو بیان کیا جائے اور صحیح عقائد کو ظاہر کیا جائے تاکہ گمراہ و بدعتی شخص درمیان میں آکر بادشاہ کو راستے سے نہ ہٹا دے اور کام خراب نہ کر دے۔ اس طرح کی امداد علمائے حقانی کے ساتھ مخصوص ہے جو آخرت کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ دنیا دار علماء جن کا مقصد کمینی دنیا حاصل کرنا ہے ان کی صحبت زہر قاتل ہے اور ان کا فساد متعدی ہے“ (ایضاً)

اسی مکتوب میں آپ مزید فرماتے ہیں:

”اگر کوئی شخص امداد کی طاقت کے باوجود کسی قسم کی مدد میں کمی کرے جس سے اسلام کے کارخانے میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو وہ امداد میں کوتاہی کرنے والا شخص معتوب ہے اسی لیے یہ بے مایہ حقیر فقیر بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دولت اسلام کے مددگاروں کے گروہ میں داخل کرے اور اس بارے میں کوشش کرے“ (ایضاً)

اسی مقصد کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے لالہ بیگ کے نام ایک مکتوب میں آپ فرماتے ہیں:

”تقریباً نصف صدی سے مسلمانوں پر وہ غربت چھا گئی ہے کہ کفار اسلامی شہروں میں کھلم کھلا کفر کے احکام جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل ہی ختم ہو جائیں اور اسلام و اہل اسلام کا کوئی نشان نظر نہ آئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی اسلامی شعار کا اظہار کرتا ہے تو قتل کر دیا جاتا ہے۔ گائے کا ذبیحہ تو اسلام کا ایک بڑا شعار ہے ختم ہو چکا ہے کفار جزیہ دینے پر شاید راضی ہو جائیں لیکن گائے کے ذبح کرنے پر ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔ اب چونکہ ابتدائے سلطنت کا زمانہ ہے اگر اس وقت اسلامی عقائد نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے کچھ خشیت حاصل کر لی تو بہتر ہے ورنہ نعوذ باللہ یہ کام توقف میں جا پڑا تو مسلمانوں پر یہ کام بہت مشکل ہو جائے گا۔ فریاد ہے! پھر فریاد ہے! دیکھیے کون صاحب نصیب اس سعادت کو حاصل کرتا ہے“

(مکتوب: ۸۲، جلد اول)

اس مکتوب میں بھی حضرت مجدد نے لالہ بیگ جیسے بادشاہ کے مقررین کو متحرک کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اور موقع کی مناسبت سے احیائے دین کے لیے اپنی ذمہ داری ادا کریں اس سے پہلے کہ ایک بار پھر بہت دیر ہو جائے اور دشمنان اسلام جہانگیر بادشاہ کو بھی دین سے برگشتہ نہ کر دیں۔

دربار جہانگیری کی ایک اور بااثر شخصیت امیر کبیر خان جہاں جو بادشاہ کے معتمد خاص تھے اور ان سے بڑی محبت کرتے تھے ان کے نام اپنے ایک مکتوب میں آپ لکھتے ہیں:

”آپ جس خدمت پر فائز ہیں اگر اس کو شریعت مصطفوی پر عمل کرنے کے لیے جمع کر لیں تو انبیاء والا کام کریں گے اور دین متین کو منور و معمور کر دیں گے۔ ہم فقراء گر سالہا سال جان کھپائیں تو اس

عمل میں آپ جیسے شہبازوں کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے ہیں“
(مکتوب: نمبر ۵۴، دفتر سوم)

ایک مفصل مکتوب میں خان جہاں کو آپ لکھتے ہیں:

”جہانگیر جیسا بادشاہ جب آپ کی بات غور و التفات سے سنتا ہے اور اس کو وقعت دیتا ہے تو کیسا نادر موقع ہے کہ آپ صراحتاً یا اشارۃً کلمہ حق کو جو اہل سنت و جماعت کے مطابق ہو بادشاہ کے گوش گزار کرادیں اور جس قدر گنجائش سمجھیں اہل حق کی باتوں کو پیش کرتے رہیں بلکہ برابر اس بات کی کوشش کرتے رہیں کہ کوئی ایسی تقریب پیدا ہو کہ مذہب و ملت کی بات درمیان میں آئے تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر کے بطلان کے اظہار کا موقع ملے“

(مکتوب: ۶۷، دفتر دوم)

خان اعظم جو اکبر بادشاہ کے ہم عمر اور ہم شیر تھے ہمیشہ شاہی قرابت اور نوازشوں سے سرفراز رہے۔ جہانگیر نے بھی آپ کو خوب عزت دی ان کے نام اپنے ایک مکتوب میں آپ فرماتے ہیں:

”اسلام کی غربت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کافر کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں۔ بے خوف و خطر ہر کوچہ و بازار میں کفر کے احکام جاری ہیں اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے روک دیے گئے ہیں“ (مکتوب: ۶۵، دفتر اول)

اسی مکتوب میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار بیان کرنے کے بعد خان اعظم کو آپ دین اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کے لیے یوں آمادہ کرتے ہیں:

”میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس بزرگ خاندان کے بزرگوں یعنی حضرات نقشبندیہ کے ساتھ آپ کی محبت کی برکت سے آپ کی بات میں یہ تاثیر بخشی ہے اور آپ کی مسلمانی کی عظمت اہل زمانہ کی نظروں میں ظاہر ہوگئی ہے تو آپ

کوشش فرمائیں کہ کم از کم اتنا تو ہو کہ اہل کفر کے بڑے بڑے احکام یعنی شعائر کفر جو اہل اسلام میں رائج ہو گئے ہیں مٹ جائیں اور نیست و نابود ہو جائیں اور اہل ایمان ان خلاف شریعت امور سے محفوظ رہیں۔ اس سے پہلی سلطنت یعنی اکبری دور میں دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی معلوم ہوتی تھی اور اس موجود سلطنت میں ظاہری طور پر وہ عناد نہیں ہے اگر ہے تو بے علمی کی وجہ سے ہے۔ ڈر یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ یہاں بھی عناد و دشمنی تک نوبت آجائے اور مسلمانوں پر معاملہ اس سے بھی زیادہ تنگ ہو جائے، (ایضاً)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تجدیدی کاوشوں کے نتیجے میں سلطنت میں جو انقلابی تبدیلیاں آئیں اور دین اسلام کو جو فروغ حاصل ہوا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صدر جہاں کے نام اپنے ایک مکتوب میں آپ فرماتے ہیں:

”احکام شریعت کے جاری ہونے اور ملت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی ذلت و خواری کی خبریں سن کر غمزدہ مسلمانوں کے دلوں کو فرحت اور روح کو تازگی حاصل ہوئی۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے اور اللہ تعالیٰ مالک و قدیر سے سوال ہے کہ وہ اپنے نبی بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس اہم کام میں ترقی عطا فرمائے۔ یقین ہے کہ قائدین اسلام خواہ وہ سادات عظام ہوں یا علمائے کرام خلوت و جلوت میں دین متین کی ترقی اور صراط مستقیم کی تکمیل میں سرگرم رہیں گے“ (مکتوب: ۱۹۴، دفتر اول، حصہ دوم)

اور اسی مکتوب میں علمائے کرام کی طرف بادشاہ کے التفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

”معلوم ہوا ہے کہ بادشاہ اسلام جہانگیر اسلامی استعداد کی خوبی حاصل ہو جانے کی وجہ سے علماء کا خواہاں ہے۔ الحمد للہ علیٰ

ذکر. آپ کو معلوم ہے زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماء
سوء کی بدبختی کی وجہ سے ظہور میں آیا تھا۔ اس لیے امید ہے کہ آپ
پوری طرح چھان بین کر کے دین دار علماء کا انتخاب کر کے پیش قدمی
کریں گے۔ علماء سوء جو دین کے چور اور ڈاکو ہیں ان کا مقصود حب
جاہ و ریاست اور مخلوق کے نزدیک قدر و منزلت حاصل کرنا ہے
اللہ تعالیٰ ان کے فتنے سے بچائے، (ایضاً)

نفاذ شریعت اور احیائے دین کے اس عظیم مشن کی تکمیل کے لیے آپ کو قید و بند کی صعوبتیں بھی
برداشت کرنی پڑیں۔ مفاد پرست درباری علماء کے اصرار پر جب جہانگیر نے آپ کو ملاقات کے لیے دربار
میں طلب کیا تو آپ دربار میں تشریف لے گئے لیکن شاہی آداب جو شریعت کے خلاف تھے ادا نہیں کیے۔
اس کے بعد بادشاہ نے دربار کے دستور کے مطابق آپ سے سجدہ تعظیم کرنے کا مطالبہ کیا آپ نے
فرمایا میں نے اللہ کے سوا کبھی کسی کو سجدہ کیا ہے نہ کروں گا۔ جس سے ناراض ہو کر بادشاہ نے آپ کو گوالیار
کے قلعے میں قید کرنے کا حکم دے دیا۔ جہاں آپ ایک سال تک رہے۔ اسی دوران کچھ وقت آپ نے لشکر
اسلام کے ساتھ گزارا۔ اس قید کے دوران حضرت نے سنت یوسفی کو ادا کرتے ہوئے رفقاء زندان میں
تبلیغ و اشاعت کا کام پوری سرگرمی سے شروع کیا۔ آپ کی دعوت کی یہ گونج قلعے کی دیواروں کے باہر بھی
پہنچی۔ گوالیار کی اس نظر بندی کے دوران جب بادشاہ آپ کے علمی اور باطنی کمالات اور آپ کے زہد و تقویٰ
سے آگاہ ہوا۔ بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اسے اس اقدام پر ندامت ہوئی اور اس نے آپ کی رہائی کا فیصلہ کیا
اور آپ کو کشمیر بلایا جہاں اس کا پڑاؤ تھا، بڑا اعزاز و اکرام کیا، خلعت اور اشرفیاں پیش کیں اور آپ سے
درخواست کی کہ چند روز ہمارے لشکر میں رہیں۔ آپ نے منظور فرمایا اور اس رفاقت سے بادشاہ اور لشکر کو
بہت فائدہ پہنچا۔ لشکر اور قلعہ آگرہ کے دربار میں بادشاہ سے ملاقاتیں رہیں۔ آپ نے اس عرصے میں
بادشاہ کے دل میں حمیت اسلام کو بیدار کر دیا۔ جس کے فوائد تھوڑے ہی عرصے میں پوری سلطنت میں نظر
آنے لگے۔ اور ایک وقت وہ آیا جب جہانگیر بادشاہ نے سلطنت میں یہ تاکید جاری کیا کہ ہر قسم کی
بدعت اور غیر اسلامی رسموں کو ملک سے دور کیا جائے۔ اپنے آپ سجدہ کرانے سے لوگوں کو منع کر دیا اور اس
حرام فعل سے توبہ کی۔ اور سلطنت میں گائے کے ذبیحہ کا اذن عام دیا اور قلعہ کانگرہ فتح ہونے کے بعد حضرت

مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی موجودگی میں گائے ذبح کرائی اور ایک مسجد بنائی گئی اور ساتھ ہی جہانگیر نے سلطنت سے تمام کفریہ شعائر کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔ اور شریعت کو رواج دینے کا حکم دیا۔ اس طرح حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ہندوستان میں احیائے دین اور نفاذ شریعت کا بے مثل کارنامہ انجام دیا۔

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی تحریک نفاذ شریعت اور احیائے دین کی کامیابی آپ کی حکمت عملی کی کامیابی کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ نے ایک طرف ان ارکان سلطنت کو جو دین سے محبت رکھتے تھے اپنے مکتوبات شریف کے ذریعے بیدار کیا اور سلطنت کی ہندو نواز حکومت کے خلاف اسلام کی برتری کا جذبہ بیدار کیا اور دوسری طرف ہم عصر علمائے کرام و مشائخ عظام کو جرأت و ہمت پر آمادہ کیا اور ایک اجتماعی دینی قوت کو منظم کر لیا۔ آپ کے مکتوبات شریف نے جہاں سیاسی اور علمی بیداری پیدا کی وہاں مختلف صوفیہ کرام اور مشائخ عظام کو روحانی تربیت کے لیے بھی تیار کیا۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر میں جہاں ایک اجتماعی سیاسی اور علمی بیداری پیدا کی وہاں مختلف صوفیہ کرام اور مشائخ عظام کو روحانی تربیت کے لیے بھی تیار کیا۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر میں ایک اجتماعی قیادت ابھری جو درباری امراء، بااثر علماء حق، مشائخ عظام اور مغل افواج پر مشتمل تھی۔ اس اجتماعی قیادت نے ظاہر ہو کر اکبر اور جہانگیر بادشاہ کی بدعات و منکرات کے محلات کی تمام دیواریں گرا دیں اور درباری علماء، بے دین امراء اور جاہل صوفیاء اس تحریک کے سامنے بے بس نظر آئے۔ پھر وہ وقت آیا کہ جس مغل دربار سے اذان، مساجد، مدارس دیدیہ، علمائے حق اور مشائخ عظام کے خلاف احکام جاری ہوتے تھے اسی دربار کے حکمران حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات سے فیض یاب ہو کر مساجد کے معمار، خانقاہوں کے نگہبان، نفاذ شریعت کے علمبردار اور غرباء و مساکین کے حقوق کے محافظ بن گئے۔

☆.....☆.....☆

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
مُحَمَّدٌ رَسُولُهُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

فتنہء دورِ اکبری و عہدِ جہانگیری اور مجدد الف ثانی افتخار ضمیری

☆☆

بندوستان کی سرزمین مغلوں کے تھی زیر نگیں
اکبر کا سکہ تھا رواں خوشا حال تھا بندوستان
لیکن یہ تھا فرماں روا بے گانہ از خوفِ خدا
بے بہرہٗ اسلام تھا مسلم برائے نام تھا
تھی کفر سے دل بستگی اور دین حق سے سرکشی
اس حال میں فتنہ نیا ”دین الہی“ کا اٹھا
کفر و ضلالت، گم رہی ساری فضا پر چھا گئی
ماتھوں پہ قشقے لگ گئے اصنام کو سجدے ہوئے
اسلام کا یہ حال تھا بازیچہء اطفال تھا
تھے رہنما جو دین کے الحاد کے حامی ہوئے
ان کو طلب تھی جاہ کی اور چاہ تھی
اک اور چاہ تھی اک واہ کی
اکبر ہی پر کیا منحصر عہدِ جہانگیری نگر
یہ داد دی تو حید کی خود بُت گری شرما گئی

تلبیس مکر و زور کا
 فتنہ باطل تھا کیا
 سویا یہاں تک تھا روا
 اور ملکہ نور جہاں
 حامی تھی اس تحریک کی
 دیکھی جو یہ تذلیل دیں!
 ایمان کو جوش آگیا
 پیدا ہوا سر بند سے
 یہ شیر حق مرد خدا
 اس جوش
 بندوستان
 اس مرد حق آگاہ نے
 سب کو سنایا برملا
 یعنی برائے ماسوا
 تھی شیخ احمد کی نظر
 اسی مثالِ مہ جدھر
 تائب ہوئی
 ایمان
 دیکھی جو یہ تجدید دیں
 باطل ہوا چیں بہ جبیں
 ہر سو تھا بنگامہ پاپا
 اک خود سری کا دور تھا
 سجدہ برائے شاہ تھا
 عبد جہانگیری کی جاں
 اسلام کی تضحیک کی
 غیرت کی پھر ٹھنکی جبیں!
 پھر کیا تھا اک مرد خدا
 ”تجدید دیں“ کے واسطے
 تلبیس کو لکارتا
 ایماں سے اٹھا
 تھرا گیا
 درویشِ عالی جانے
 حکمِ خدا و مصطفیٰ
 سجدہ نہیں ہر گز روا
 حشر آفریں ، جادو اثر
 روشن ہوے قلب و جگر
 خلقِ خدا
 تازہ ہو گیا
 باطل ہوا چیں بہ جبیں

جدے سے یہ برشتگی شاہی کی اک توہین تھی
 کب تھا گوارا جاہ کو سجدہ نہ پیش شاہ ہو
 یہ کفر و دیں کی جنگ تھی اور جنگ نام و ننگ تھی
 اک سمت اک فرماں روا اک سمت فقر بے نوا
 زن حق و باطل کا پڑا دے تو جسے اب دے خدا
 المختصر جب یہ خبر پہنچی بہ شاہ خود نگر
 درویش ہے اک بے نوا اک مرد ہے بے باک سا
 برشتہ ہے وہ شاہ سے اور اس کے رسم و راہ سے
 تب شاہ کا یہ حال تھا غصے سے چہرہ لال تھا
 فرمایا شاہی میں میری ایسا بھی خود سر ہے کوئی
 حاضر کرو اس کو ابھی دیکھیں ہم اس کی سرشتی
 القصہ جب دربار میں ابلیس کی سرکار میں
 آیا وہ مرد ہوشمند گردن فراز و سر بلند
 اس کو زور فر کو دیکھ کر اونچی نظر کو دیکھ کر
 پھر شاہ کو طیش آگیا
 غصے میں آتش پا ہوا

(نوٹ: اس سے آگے اشعار دستیاب نہ ہو سکے۔ مرتبین)

(ماہنامہ "قیام" نوابوالشریف ضلع گوجرانوالہ، مجدد الف ثانی نمبر مارچ اپریل ۱۹۵۴ء، ص ۵۵-۵۶)

☆.....☆.....☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

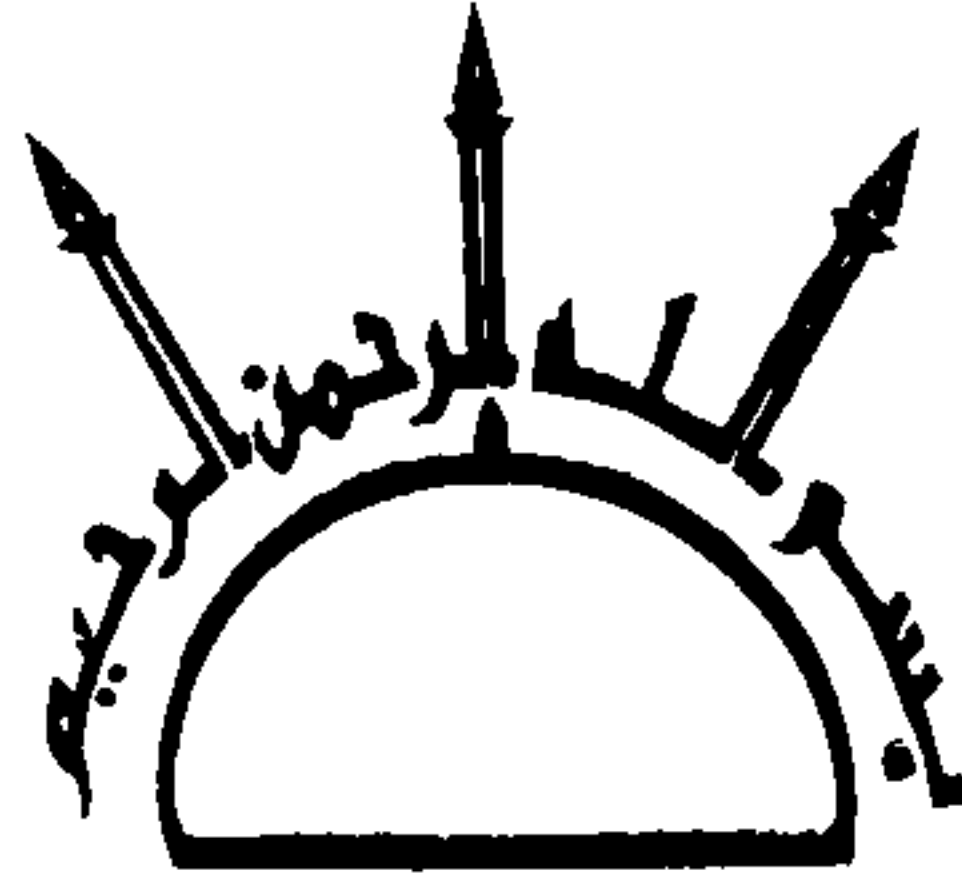
تضمینِ اقبال در شانِ مجددِ باکمال

غلام مصطفیٰ مجددی (شکرگڑھ)

☆☆

تیری نظروں میں یہ کیسا ہے پیامِ اے ساقی
تشنہ لب جھوم کے کہتا ہے سلامِ اے ساقی
دردِ دل کرنے لگا دل میں قیامِ اے ساقی
”لا ایک بار وہی بادہ و جامِ اے ساقی“
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقامِ اے ساقی“
دامن کر تھی، گوشہء تدقیق تھی
دل بہ اسرار تھی، جان بہ توثیق تھی
آہ کیا دور ہے، کیوں صدق سے تصدیق تھی
”شیر مردوں سے ہوا بیشہء تحقیق تھی“
رہ گئے صوفی و ملا کے غلامِ اے ساقی“
شمع ارمان بجمعی عشق کے پروانے بند
زلفِ لیلیٰ میں ہوئے دشت کے دیوانے بند
”تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند“
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عامِ اے ساقی“
غم سے مارے ہوئے غمناک کو مغموم نہ رکھ
مجموعہ معدوم اندھیروں میں اے مخدوم نہ رکھ
لوحِ قسمت کو کسی حال میں مذموم نہ رکھ
”تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ“
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمامِ اے ساقی“
واعظِ قوم کی لی پختہ خیال کس نے
چھین لی عقل سے تلقینِ غزالی کس نے
بانگ سے روحِ بلال آج نکالی کس نے
”عشق کی تیغِ جگر دار اڑالی کس نے“
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیامِ اے ساقی“

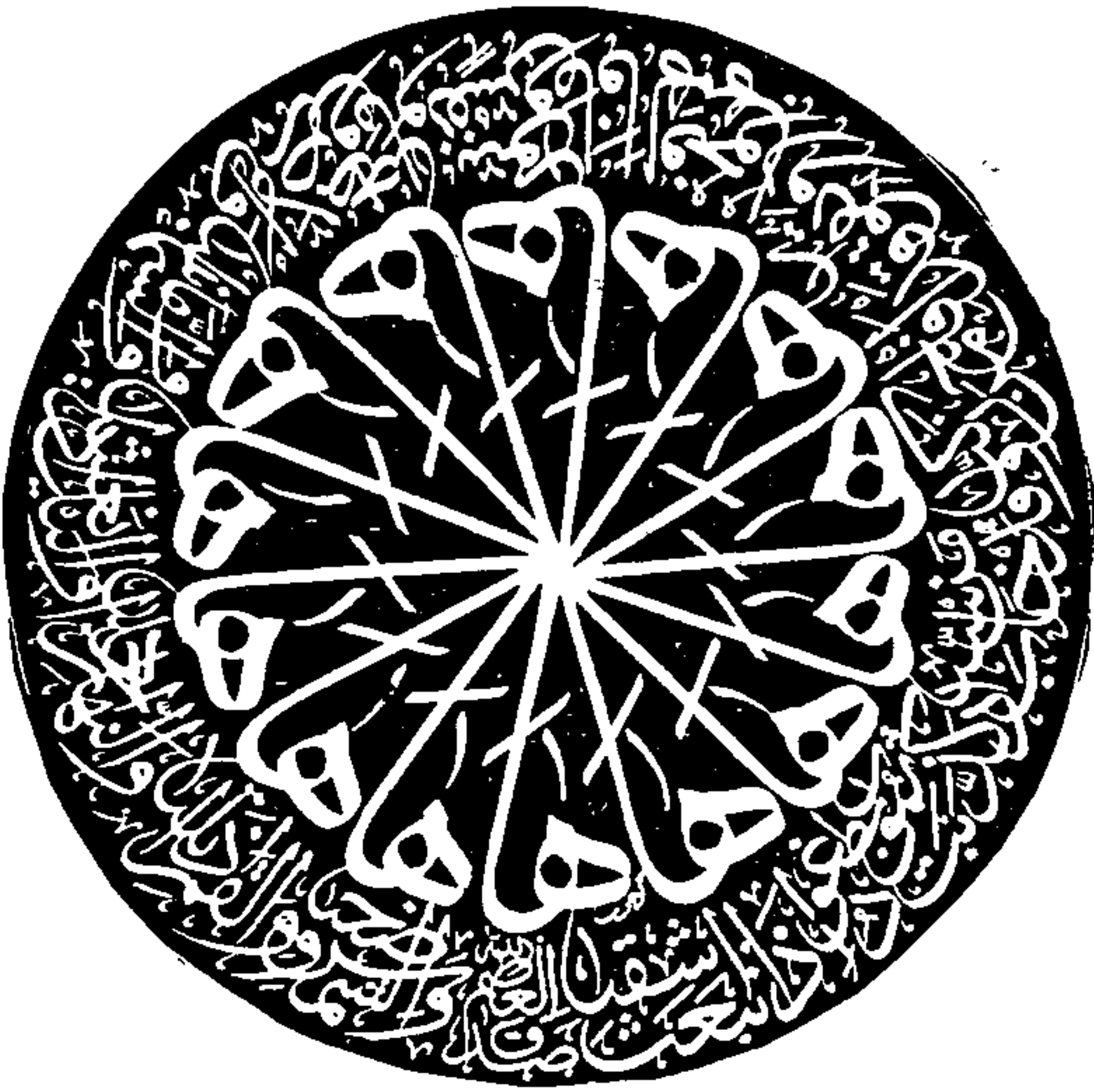
☆.....☆.....☆



باقیاتِ جهانِ امام ربانی

جلد دوم..... باب سوم

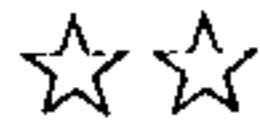




بسم الله الرحمن الرحيم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حضرت خواجہ یعقوب چرخنی (حالات و ارشادات)

محبوب احمد بھٹی



حضرت خواجہ یعقوب چرخنی علیہ الرحمۃ حضرت خواجہ بزرگ سید بہاء الدین نقشبند قدس سرہ کے ارشد اصحاب میں سے ہیں۔ لیکن چونکہ آپ کی تکمیل حضرت خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ سے ہوئی اس سبب سے انہی کے خلفاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔

ولادت باسعادت:

حضرت خواجہ یعقوب چرخنی علیہ الرحمۃ کی ولادت غزنی کے قریب واقع چرخ نامی گاؤں میں تقریباً ۶۲۷ھ/۶۱-۱۳۶۰ء میں ہوئی۔ چرخ گاؤں کی نسبت سے چرخنی کہلائے۔ آپ کا نسب مبارک یوں ہے۔
حضرت خواجہ یعقوب بن عثمان بن محمود بن محمد بن محمود الغزنوی ثم الچرخنی ثم السمرزی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔
والد بزرگوار:

آپ نے اپنی معروف کتاب ”تفسیر چرخنی“ میں چند جگہ پر اپنے والد بزرگوار کا ذکر خیر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد بزرگوار ارباب علم و مطالعہ سے تھے اور پارسا و صوفی تھے۔ ان کی ریاضت کا یہ حال تھا کہ ایک روز پڑوسی کے گھر سے پانی لائے چونکہ پانی یتیم کے پیالہ میں تھا اس لیے نہ پیا۔ آپ نے یہ رباعی اپنے والد بزرگوار سے پڑھی تھی۔

جز	فضل	تو	راہ	کہ	نماید	مارا
جز	جود	تو	بندگی	کہ	شاید	مارا

گرچہ ہر دو کون طاعت داریم
بے لطف تو کار برنیا یدا مارا

تخصیص علم:

آپ نے جامعہ ہرات (افغانستان) اور مصر میں تعلیم حاصل کی۔ حضرت شیخ زین الدین خوانی علیہ الرحمۃ (م۔ ۸۳۳ھ) آپ کے ہم درس تھے اور آپ نے حضرت مولانا شہاب الدین احمد بن محمد بن محمد سیرامی مصری علیہ الرحمۃ (م۔ آخر رمضان ۸۰۴ھ/ اپریل ۱۴۰۲ء) جو اپنے زمانے کے مشہور عالم تھے سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ فتویٰ کی اجازت آپ نے علماء بخارا سے حاصل کی تھی۔

حضرت خواجہ نقشبند کی خدمت میں حاضری:

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ (۷۹۱ھ/ ۱۳۸۹ء) کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے آپ کو ان سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ جب آپ اجازت فتویٰ حاصل کر کے بخارا سے واپس چرخ جانے لگے تو ایک دن حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت عاجزی سے عرض کیا میری طرف بھی توجہ فرمائیں۔ حضرت خواجہ قدس سرہ نے فرمایا کیا اس وقت جبکہ تم سفر کی حالت میں ہو۔ آپ نے عاجزی سے کہا کہ میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کیوں؟ آپ نے عرض کیا کہ اس لیے کہ آپ بزرگ ہیں اور عوام الناس میں مقبول ہیں۔

حضرت خواجہ قدس سرہ نے فرمایا کوئی اچھی دلیل؟ ممکن ہے کہ یہ قول شیطانی ہو۔ آپ نے بڑے ادب و احترام سے کہا کہ صحیح حدیث ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ بندے کو اپنا دوست بناتا ہے اس کی محبت اپنے بندوں کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ حضرت خواجہ نے تبسم فرماتے ہوئے کہا ما عزیز انیم! حضرت خواجہ کے یہ فرمانے سے آپ کا حال دگرگوں ہو گیا کیونکہ اس واقعہ سے ایک ماہ قبل انھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ نقشبند ان سے فرماتے ہیں ”مرید عزیزاں شو“ اور حضرت مولانا یعقوب چرخنی علیہ الرحمۃ یہ خواب بھول چکے تھے جب حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ما عزیز انیم تو آپ کو یہ خواب یاد آ گیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ یعقوب چرخنی علیہ الرحمۃ نے حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ سے التماس کی کہ میری طرف بھی توجہ فرمائیں۔ حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت عزیزان رحمۃ اللہ علیہ سے

توجہ طلب کی تو انھوں نے فرمایا کہ غیر توجہ میں نہیں رہتا کوئی چیز ہمارے پاس رکھتا کہ جب میں اسے دیکھوں تو تم یاد آ جاؤ۔ پھر حضرت خواجہ نے آپ سے فرمایا کہ تمہارے پاس ایسی چیز نہیں ہے جو ہمارے پاس رکھ جاؤ لہذا میری ٹوپی ساتھ لے جاؤ۔ جب اسے دیکھ کر ہمیں یاد کرو گے تو ہمیں پاؤ گے اور اس کی برکت تمہارے خاندان میں رہے گی۔ پھر فرمایا کہ اس سفر میں مولانا تاج الدین سے دشت کو لگی میں ضرور ملنا کیونکہ وہ اولیاء وقت سے ہیں۔

وطن روانگی اور مولانا تاج الدین دشتی کو لگی سے ملاقات:

آپ کے دل میں خیال گزرا کہ میرا ارادہ بلخ جانے کا ہے پھر وہاں سے اپنے وطن جاؤں گا۔ بلخ کہا اور دشت کو لگی کہاں۔ آپ حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ سے رخصت ہو کر بلخ روانہ ہوئے اتفاقاً ایسی ضرورت پیش آئی کہ جس کی وجہ سے آپ کو دشت کو لگی جانا پڑا۔ اس وقت حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کا ارشاد آپ کو یاد آیا۔ بہت حیران ہوئے۔ آپ نے یہاں مولانا تاج الدین سے ملاقات کی۔ اس ملاقات اور مولانا تاج الدین دشتی کو لگی کا جو رابطہ محبت حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ سے تھا، نے حضرت خواجہ یعقوب علیہ الرحمۃ کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ وہ دوبارہ بخارا کی طرف چل پڑے اور یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ جا کر حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کریں گے۔

بخارا کے ایک مجذوب سے ملاقات:

بخارا شریف میں ایک مجذوب تھے جن سے حضرت خواجہ یعقوب چرنی علیہ الرحمۃ کو بڑی عقیدت تھی۔ انھوں نے ان کو سراہ بیٹھے دیکھا، ان سے پوچھا کہ کیا میں حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کی خدمت میں جاؤں انھوں نے کہا کہ جلدی جاؤ وہ وقت آ گیا ہے کہ تو مقبولوں میں سے ہو۔ اس مجذوب نے اپنے سامنے زمین پر بہت سی لکیں کھینچیں۔ حضرت یعقوب چرنی علیہ الرحمۃ نے خود سے کہا کہ ان لکیروں کو گنوں اگر مفرد ہوئیں تو میرے ارادے کی دلیل ہوگی کیونکہ ان اللہ فرد و یحب الفرد (اللہ ایک ہے اور ایک کو پسند کرتا ہے) چنانچہ لکیروں کو گنا تو وہ مفرد تھیں۔ اس واقعہ کے بعد حضرت خواجہ یعقوب چرنی علیہ الرحمۃ کا اشتیاق بڑھا کہ وہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی خدمت میں جائیں اور ان کے مریدوں میں شامل ہو کر ان کی نظر التفات سے مشرف ہوں۔ آپ کو یقین ہو گیا کہ حضرت خواجہ نقشبند کامل اور مکمل ولی اللہ ہیں۔

حضرت خواجہ کی خدمت میں دوسری حاضری:

جب آپ حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کی اقامت گاہ قصر عارفاں پہنچے تو حضرت خواجہ سرراہ آپ کے منتظر تھے۔ حضرت خواجہ آپ سے بڑے لطف و احسان سے پیش آئے۔ نماز کے بعد آپ نے حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ مجھے اپنے حلقہ ارادت میں شامل فرمائیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے:

”العلم علما علم القلب فذلک علم نافع علم
الانبياء والمرسلین وعلم اللسان فذلک حجة الله
على ابن آدم“

علم دو ہیں ایک قلب کا علم جو نفع بخش ہے اور یہ نبیوں اور رسولوں کا علم ہے، دوسرا زبان کا علم اور یہ بنی آدم پر حجت ہے۔

فرمایا امید ہے کہ علم باطنی سے تمہیں کچھ نصیب ہوگا اور فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے:

”اذا جالستم اهل الصدق فاجلسوهم بالصدق فاطعم
جو اسیس القلوب بدخلون فی قلوبکم وینظرون الی
ہممکم ونیاتکم“

جب تم اہل صدق کی صحبت میں بیٹھو تو ان کے پاس صدق سے بیٹھو
کیونکہ وہ دلوں کے بھید جانتے ہیں وہ تمہارے دلوں میں داخل
ہو جاتے ہیں اور تمہارے ارادوں اور نیتوں کو دیکھ لیتے ہیں۔

فرمایا اور ہم مامور ہیں ہم خود کسی کو قبول نہیں کرتے آج رات دیکھیں گے کہ کیا اشارہ ہوتا ہے۔ اسی پر عمل کیا جائے گا اور اگر انہوں نے تجھے قبول کیا تو ہم بھی قبول کر لیں گے۔ یہ رات آپ کے لیے بہت بھاری تھی۔ آپ کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ مجھ کو قبول کیا جاتا ہے یا رد کر دیا جاتا ہے۔ جب صبح ہوئی نماز فجر کی ادائیگی کے بعد حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مبارک ہو قبولیت کے لیے اشارہ کیا گیا ہے۔ ہم کسی کو کم قبول کرتے ہیں کیونکہ کوئی کسی نیت سے آتا کوئی کیسے وقت آتا ہے۔

اس کے بعد حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے اپنے مشائخ کا سلسلہ طریقت حضرت خواجہ عبدالخالق

عجد وانی قدس سرہ تک بیان فرمایا اور پھر آپ کو وقوف عددی میں مشغول کیا اور فرمایا کہ یہ علم لدنی کا پہلا سبق ہے جو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت خواجہ بزرگ خواجہ عبدالحق عجد وانی علیہ الرحمۃ کو پہنچایا۔
بیعت کے بعد آپ کچھ عرصہ تک حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہے اور اس دوران حضرت خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ سے تکمیل تعلیم و تربیت بھی کرتے رہے۔
حضرت خواجہ کی آخری نصیحت:

پھر حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے آپ کو بخارا سے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور رخصت کے وقت فرمایا:

”ہم سے جو کچھ ملا ہے اس کو بندگان خدا تک پہنچاؤ اور مناسب حال حاضرین کو خطاب اور غائبین کو بذریعہ خط و کتابت تبلیغ کرنا تاکہ سعادت کو موجب بنے۔ پھر تین بار فرمایا ترا بخدا سپردیم (ہم نے تجھے خدا کے سپرد کیا) اور ساتھ ہی حضرت علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ کی پیروی کا اشارہ فرمایا“

جب آپ بخارا سے چل کر شہ کش (ماوراء النہر کا ایک گاؤں) میں پہنچے اور وہاں کچھ عرصہ مقیم رہے۔ اسی اثناء میں حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کی رحلت کی خبر ملی۔ آپ کو بڑا صدمہ ہوا اور ساتھ ہی خوف بھی کہ مباد عالم طبیعت کی طرف میلان ہو جائے اور طلب کی خواہش نہ رہے۔ آپ نے حضرت خواجہ کی روح مبارک کو دیکھا اور انہوں نے آپ کا وہم ایک اشارہ کے ساتھ دور کر دیا۔

حضرت خواجہ علاء الدین عطار کی خدمت اقدس میں حاضری:

کچھ عرصہ موضع کش میں قیام کرنے کے بعد آپ بدخشاں چلے گئے۔ یہاں پہنچنے پر آپ کو چغانیاں سے حضرت خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ کا مکتوب شریف ملا جس میں انہوں نے آپ کو اپنی متابعت کا اشارہ کیا۔ آپ چغانیاں کو روانہ ہو گئے اور حضرت خواجہ علاء الدین عطار کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔ آپ چند برس تک ان کی صحبت میں رہے اور ان سے خرقہ خلافت پایا۔ حضرت خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ آپ پر بے حد لطف فرماتے تھے۔

جب حضرت خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ نے ۲۰ ربیع الاول ۸۰۲ھ / ۲۰ نومبر ۱۳۹۹ء کو اس

دارفانی سے عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی تو اس کے بعد آپ چغانیاں سے واپس حصار تشریف لے آئے۔
مسند ارشاد:

آپ نے حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کے اس ارشاد کی تعمیل کرنی چاہی کہ جو کچھ ہم سے تمہیں پہنچا ہے اسے بندگان خدا تک پہنچا دینا اور مناسب حال حاضرین کو بطریق خطاب اور غائبین کو بذریعہ خط و کتابت تبلیغ کرنا۔ کم و بیش نصف صدی تک آپ نے اس وصیت پر عمل کیا اور بندگان خدا کی خدمت کی۔ تصنیف و تالیف ترویج علوم اور تربیت سالکین میں ہمہ وقت مصروف رہے۔

وفات:

آپ نے بروز ہفتہ ۵ صفر ۸۵۱ھ / ۲۲ اپریل ۱۴۴۷ء کو حصار میں وفات پائی۔ آپ نے تقریباً ۸۹ سال عمر پائی۔

قطعہ تاریخ وفات:

شد	بر	اوج	چرخ	چوں	منزل	گزین
حضرت		یعقوب	محبوب	خدا		
رحلتش		(شمس)	الہدایت	گفتہ	اند	
نیز		(حق)	آمود	مطلوب	خدا	
واصل		(کامل)	ملک	سیرت	بخوان	
ہم		بدان	(یعقوب)	محبوب	خدا	

(مقدمہ تفسیر چرخ از محمد نذیر انجھا، ص ۳۴)

مزار پرانوار:

صاحب رشحات نے لکھا ہے کہ آپ کا مزار مبارک موضع بلیتو میں واقع ہے جو حصار کا ایک گاؤں ہے۔ جبکہ معروف ایرانی محقق و دانشور سعید نفیسی مرحوم (م۔ ۱۴ نومبر ۱۹۶۶ء) اپنی کتاب تاریخ نظم و نشر در ایران و در زبان فارسی میں لکھتے ہیں کہ:

”مولانا یعقوب چرخنی علیہ الرحمۃ نے حصار شادمان میں وفات پائی۔ ان کا مزار اب تاجکستان کے صدر مقام دوشنبہ سے ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر چغانیاں میں واقع ہے۔ حصار شادمان شہر پہلے اسی جگہ آباد تھا اور بعد میں حصارات سے شہرت پائی اس شہر کے آثار میں سے ایک حمام اور دو مزار باقی ہیں“

(مقدمہ تفسیر چرخنی از محمد زیرا، ص ۳۴، حوالہ تاریخ نظم و نثر در ایران و در زبان فارسی، جلد دوم ص ۷۷۸، ۷۷۹)

اولاد امجاد:

حضرت خواجہ یعقوب چرخنی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسف چرخنی اپنے والد گرامی کے جانشین تھے۔ ان کا مزار دوشنبہ سے تقریباً ۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر اس جگہ موجود ہے جو چرتک کے نام سے مشہور ہے اور اس پر امیر تیمور کے مقبرہ کی طرح کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ یہاں پہاڑ کے دامن میں ایک بڑی خانقاہ بنائی گئی ہے جہاں چند حجرے ہیں۔ (مقدمہ رسالہ نائیہ از محمد زیرا، ص ۳۳)

حضرت خواجہ یعقوب چرخنی کے دوسرے صاحبزادے سولہ سال آٹھ ماہ کی عمر میں وصال فرما گئے

تھے۔

شاعری:

حضرت خواجہ یعقوب چرخنی علیہ الرحمۃ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ یہ رباعی آپ کی ہے:

تا	در	طلب	گوہر	کانی	کانی
تا	زندہ	بوئے	وصل	جانی	جانی
فی	الجملہ	حدیث	مطلق	از	من
ہر	چیز	کہ	در	جتن	آنی

(ترجمہ) اگر تو کان سے ہیرے حاصل کرنا چاہتا ہے تو (خود) کان بن جا اگر تو محبوب کے وصال کی خوشبو سے زندگی بنانا چاہتا ہے تو (خود) محبوب بن جا۔

مختصر طور پر یہ پکی بات مجھ سے سن لے کہ تو جس چیز کی جستجو میں ہے تو
(خود) وہی بن جا۔

تصنیفات:

۱..... ابدالیہ (فارسی): اس کا موضوع اثبات وجود اولیاء اور ان کے مراتب ہے اس کا اردو ترجمہ جناب محمد نذیر انجھانے کیا ہے اور اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور سے ۱۹۷۸ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۲..... انسیہ (فارسی): یہ چند فصول اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ جو یہ ہیں۔

(۱) فصل فضیلت دوام وضو (۲) فصل ذکر خفی (۳) فصل نقلی نمازیں

خاتمہ۔ بعض فوائد جو مصنف کو حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ سے پہنچے۔

اس کا اردو ترجمہ ۱۹۸۱ء میں حضرت علامہ پیر زادہ اقبال احمد فاروقی نے مکتبہ نبویہ لاہور سے رسائل نقشبندیہ کے ساتھ شائع کیا۔ جبکہ دوسرا ترجمہ (اردو) جناب محمد نذیر انجھان کی طرف سے ہوا اور یہ اردو ترجمہ فارسی متن کے ساتھ ۱۹۸۴ء میں مکتبہ سراجیہ موسیٰ زئی شریف سے شائع ہوا۔

۳..... تفسیر چرخنی (فارسی): یہ آخری دو پاروں کی تفسیر ہے۔ یہ ۸۵۱ھ میں مکمل ہوئی۔ فارسی متن تو مختلف اداروں سے بار بار چھپ چکا ہے۔ البتہ اس کے پہلے اردو ترجمہ کا شرف بھی جناب محمد نذیر انجھان کو حاصل ہوا ہے۔ اور یہ اردو ترجمہ جمعیت پبلی کیشنز لاہور سے اکتوبر ۲۰۰۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۴..... حورانیہ: جمالیہ شرح رباعی ابوسعید ابوالخیر فارسی

۵..... شرح اسماء الحسنی (فارسی)

۶..... طریقہ ختم احزاب (فارسی): یعنی منازل تلاوت قرآن مجید

(یہ تینوں رسائل سے رسائل حضرت خواجہ یعقوب چرخنی علیہ الرحمۃ کے نام سے میاں اخلاق احمد اکیڈمی لاہور سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا اردو ترجمہ جناب محمد نذیر انجھانے کیا ہے۔)

۷..... نانیہ رسالہ (فارسی): اس کا موضوع شرح دیباچہ مثنوی معنوی مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ ہے۔ اور اس کے آخر میں خواجہ یعقوب چرخنی نے حکایت بادشاہ و کینرک، قصہ شیخ دقوتی، قصہ شیخ سررزی، حکایت بایزید بسطامی، کرامات درویش، واقعہ حضرت بہلول، حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام، مسئلہ

فنا و بقاء، درویش کامل اور قصہ و کیل صدر جہاں کا اضافہ کیا ہے۔ حضرت خواجہ یعقوب چرخ علیہ الرحمۃ کی یہ شرح ناسیہ معارف و عرفان الہی کا خزینہ ہے۔ اور پڑھنے کے لائق ہے۔ اس رسالہ کا اردو ترجمہ بھی جناب محمد نذیر انجھانے کیا ہے اور جمعیت پہلی کیشنز لاہور سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۸..... رسالہ دربارہ اصحاب و علامات قیامت (فارسی): اس کا قلمی مخطوطہ موجود ہے۔ بخط نستعلیق تیرہویں صدی ہجری کاتب محمد بن داملا آدینہ محمد خواجہ ایستر خانی مجال سہرائی بروز چہار شنبہ صفر آغاز ناقص (مجموعہ مخطوطات نمبر ۵۴۷۸ بنیاد خاور شناسی تاشقند نسخہ ہائے خطی جلد ۹ ص ۸۷۸ از نظر محمد تقی دانش پڑوہ تہران ۱۳۵۸ھ ش۔

ارشادات قدسیہ:

۱..... فرمایا، اولیاء حق کو پہچاننا مشکل ہے مگر اس (اللہ تعالیٰ) کی عنایت سے ولی کو اس (نشانی) سے پہچانا جاسکتا ہے کہ اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ غیر شرعی کاموں سے محفوظ رکھتا ہے اور اگر اس سے کوئی غیر شرع کا کام ہو (بھی) جائے تو اللہ تعالیٰ اسے توبہ کرنے کی توفیق دیتا ہے جس طرح کہ شیخ صنعان کو (توفیق نصیب ہوئی)۔

۲..... خلقت کی آنکھ خاص اولیاء اللہ کو دیکھنے سے محروم ہے جو شخص ہوائے نفس میں مشغول ہے اسے ان کی معرفت نصیب نہیں ہو سکتی وہ (اولیاء) خلقت کو اپنی طرف بلا تے ہیں لیکن ان کی طرف نہیں جاتے۔

۳..... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اتقوا فحراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ تعالیٰ“ (یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) جب بندہ ایمان حقیقی سے مشرف ہوتا ہے اور شہود کے ذریعے اللہ کی تعالیٰ کی معرفت پاتا ہے تو سات آسمانوں اور زمینوں کے اندر اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔

۴..... جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا اور عقبی (دونوں) میں روا ہے جس طرح کہ طوابع (کتاب طوابع الانوار از قاضی عبداللہ بن عمر البیضاوی م ۶۸۵ھ) اور دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے اور معتزلی (اس کے) مطلقاً منکر ہیں۔ بعض (اسے) عقبی میں جائز سمجھتے ہیں اور اہل حق کے مذہب میں جو اہل سنت و جماعت اور اولیاء اللہ کا مذہب ہے یہ دنیا اور عقبی دونوں میں جائز اور درست ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

۵..... اللہ تعالیٰ کے بندوں کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے اور مشائخ کبار پر اعتراض نہ کریں کیونکہ ان

کے حال سے کسی کو آگاہی نہیں ہوتی اور وہ صفات الوہیت کا مظہر بن چکے (ہوتے) ہیں لہذا ان کی (ظاہری) صورت کو (حقارت سے) نہیں دیکھنا چاہیے۔

۶..... مثنوی

چوں رجا و خوف در دلہا روان
نیست مخفی بروئے اسرار جہان
دل نگہ دارید اے بے حاصلان
در حضور حضرت صاحب دلان
(ترجمہ) دلوں میں امید اور ڈر (روح کی طرح) رواں ہے اس پر
جہان کے چھپے ہوئے راز پوشیدہ نہیں ہیں۔ اے مفلسو! دل کی حفاظت
رکھو اہل دل کی مجلس کی حاضری میں!

جاننا چاہیے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے اور علم الہی کا مظہر بن جاتا ہے تو پھر آسمانوں اور زمینوں میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہتی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اور نوادر (نوادیر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول از عبداللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر المؤمنون الحکیم الترمذی م ۲۵۵ھ) میں مذکور ہے اور اس امت کے اولیاء کی تعریف (کے ضمن) میں حدیث قدسی میں آیا ہے کہ ”یکون علیہم من علمی“ (وہ میرے علم سے ایک چیز رکھتے ہیں) اور ہمیں اس کا مشاہدہ ہمارے خواجہ نقشبند قدس سرہ اور ان کے خلیفہ بزرگوار حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ سے ہوا ہے جو فرمایا کرتے تھے:

”تمام روئے زمین اولیاء اللہ کے سامنے دسترخوان کی مانند ہے اور اس فقیر کے سامنے روئے زمین ناخن کی طرح ہے“

..... کبراء میں سے ایک نے فرمایا ہے کہ تو اولیاء اللہ اور ان کے (ظاہری) احوال کو اپنے حال سے قیاس نہ کر (کیونکہ) ان کو پہچاننا محض عنایت الہی کے سوا ممکن نہیں ہے اور اس میں حدیث قدسی کی طرف اشارہ

ہے۔

”اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم غیری“

(میری قبا کے نیچے میرے اولیاء ہیں جن کو میرے سوا کوئی نہیں جانتا)
 (یعنی) اولیاء اللہ کو تائید الہی سے (ہی) پہچانا جاسکتا ہے (کیونکہ) ان کا ظاہر خلقت سے اور باطن
 اللہ تعالیٰ سے (مشغول رہتا) ہے۔

۸..... چونکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو کن فیکون کا مظہر بنایا ہے لہذا (وہ) اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جو کچھ چاہے
 وہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے خواجہ بہاء الحق نقشبند قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بیس سال سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں
 یہ مقام عنایت فرمایا ہے لیکن ادب اس (چیز) کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ ولی محبوب اپنی ارادت کو اللہ تعالیٰ کی
 ارادت کے تابع بنائے اور اگر یہ صفت اس سے ظاہر ہو جائے تو (یہ) اس کی اپنی مرضی کے مطابق نہ ہوگی
 اور اسی لیے کہا گیا ہے ”کن عبد رب ولا یکن رب عبد“ (یعنی رب کا بندہ بن جا اور کسی کا رب نہ
 بن)

۹..... جاننا چاہیے کہ اولیاء کے عرفانی کلمات کی برکت سے طالبوں کے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں اور جب
 (اولیاء) نگاہ لطف فرماتے ہیں تو طالب حیات ابدیہ اور ایمان حقیقی تک رسائی پالیتے ہیں۔
 ۱۰..... جب دل اولیاء کی نظر کی برکت سے زندہ اور نفسانی وسوسوں اور شرطانی خیالات سے پاک ہو جاتا ہے
 تو جو مقصود اصلی ہوتا ہے وہ ہاتھ لگ جاتا ہے۔

۱۱..... فاضلات بشریت سے نیست و نابود اور بقا صفات الوہیت سے متصف ہونے کا نام ہے۔
 ۱۲..... ہمارے خواجہ (حضرت بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمۃ) قبض (کی حالت) میں استغفار پڑھنے اور بسط
 میں شکر کرنے کا حکم فرماتے تھے۔

۱۳..... ایک دفعہ میں نے حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا آپ کو قیامت میں کس
 عمل سے پاؤں فرمایا شریعت پر عمل کرنے سے۔
 ۱۴..... درویش کے لیے سوائے لقائے مولیٰ کوئی چیز مطلوب نہیں ہونی چاہیے تاکہ رب تعالیٰ کے
 انوار و تجلیات کا کما حقہ مشاہدہ کر سکے۔

۱۵..... اس سے جوڑ جوڑ سے قطع تعلق کرے اور کٹے۔

۱۶..... کبرانے کہا ہے کہ تمام عبادتوں کا مقصود ذکر ہے، ذکر جان کی طرح ہے اور تمام عبادتیں دل کی مانند
 ہیں اگر عبادتوں میں اللہ تعالیٰ سے غافل رہے تو ان سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا۔

۱۷..... جاننا چاہیے کہ جس ذکر میں اخلاص نہ ہو وہ اتنا فائدہ اور نتیجہ نہیں دیتا۔

۱۸..... ہمیشہ وقوف عددی میں مشغول رہنے سے دل جلدی ڈا کر ہو جاتا ہے اور میں نے حضرت خواجہ (نقشبند علیہ الرحمۃ) سے سنا ہے کہ کہا کرتے تھے

دل چو ماہی و ذکر چوں آبست

زندگی دل بذکر وہاب ست

جب دل ڈا کر ہو جائے اور اس کی علامات ظاہر ہو جائیں تو اس کے بعد وقوف قلبی میں مشغول ہو جانا

چاہیے۔

۱۹..... شیخ کامل مکمل کی ایک باطنی نگاہ سے باطن کی وہ صفائی حاصل ہو جاتی ہے جو زیادہ ریاضتوں سے بھی میسر نہیں آتی۔ جیسا کہ عارف رومی کہتے ہیں۔

آنکہ بہ تبریز دیدیک نظر شمس دین

طعنہ زند بر دھ سحرہ کند بر چلہ

یعنی جس نے شمس دین (مرشد کامل) کی زیارت کا شرف حاصل کر لیا

ہے وہ دس روزہ اور چالیس روزہ خلوت گزینی کا مذاق اڑاتا ہے اور

اس پر طعنہ زنی کرتا ہے

۲۰..... شیخ ابو یوسف ہمدانی قدس سرہ العزیز کا قول ہے خدا تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھو اور اگر تم کو خدا تعالیٰ کی صحبت میسر نہ آئے تو اس شخص کے ساتھ صحبت رکھو جو خدا تعالیٰ کا مصاحب ہو۔ خواجہ علاء الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ صحبت مع اللہ فنا کے بعد ہاتھ آتی ہے اور اگر خدا تعالیٰ سے صحبت نہ رکھ سکو تو اہل فنا کے ساتھ صحبت رکھو۔

۲۱..... حقائق التفسیر میں آیا ہے کہ کبرا میں سے ایک سے پوچھا گیا کہ کیا بہشت میں ذکر ہوگا انہوں نے جواب دیا کہ ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ غفلت نہ رہے چونکہ بہشت میں غفلت نہیں ہوگی لہذا تمام ذکر ہوگا۔

۲۲..... (حضرت خواجہ) فرمایا کرتے تھے کہ اخلاص کی حقیقت فنا کے بعد ہاتھ آتی ہے جب تک بشریت غالب ہے میسر نہیں ہوتی۔

۲۳..... ہمارے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے خلوت شہر ہے اور شہرت آفت ہے۔ ہمارے خواجگان

قدس سرہم کا قول ہے کہ خلوت در انجمن، سفر و وطن، ہوش در دم، نظر در قدم۔ ہمارے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ذکر جہر اور سماع سے جو حضوری اور ذوق حاصل ہوتا ہے وہ ہمیشہ باقی نہیں رہتا، وقوف قلبی میں ہمیشہ مشغول رہنے سے جذبہ حاصل ہوتا ہے اور جذبہ سے مقصود مل جاتا ہے۔

۲۳..... یہ فقیر جب ابتدائے حال میں چرخ میں ہوتا تھا تو کسب علم کے لیے سفر کا ذوق ہوا لیکن میرے پاس اس کے لیے وسائل نہ تھے۔ میں نے توجہ سے خواجہ خضر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا انہوں نے مجھے فرمایا کہ تحصیل علم کے لیے جاؤ اور جہاں کہیں اور جس وقت بھی کوئی مشکل پیش آئے ہمیں یاد کرنا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور مجھے تجربہ سے یقین ہو گیا کہ وہ خواب رحمانی تھا۔

۲۵..... صادق اور عاشق لوگوں کی صحبت اختیار کرو تا کہ تم بھی ویسے ہو جاؤ۔

۲۶..... اس فقیر کے پیر حضرت مخدومی قطب الارشاد خواجہ بہاء الحق والدین البخاری المعروف بہ نقشبند قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ اگر کامل مکمل (ولی اللہ) چاہے تو شہر کے (سب) لوگوں کو ایک جذبہ سے عالم حقیقت تک پہنچا سکتا ہے۔

کوری آنکہ گوید بندہ بحق کجا رسد
برکف ہریکی شمع صفا کہ ہم چنیں
یعنی وہ ایک اندھا ہے جو تجھ سے کہے کہ بندہ حق تک کہاں پہنچتا ہے، تو
اس طرح کی شمع صفا ہر ایک کی ہتھیلی پر رکھ دے۔

۲۷..... عارف کو چاہیے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کو پاکیزہ بنائے اور اللہ رب العزت کے علاوہ دوسروں سے التفات نہ کرے تا کہ اس کا باطن اس کے ظاہر کے مطابق نہ ہو، حسد اور فریب سے پاک ہو جائے۔

۲۸..... حضرت خواجہ عبداللہ انصاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر تو ہو میں اڑے تو تو ایک مکھی ہے اور اگر پانی پر چلے تو تو ایک تنکے ہے ایک دل کو قابو کرنا کہ تو ایک آدمی بن جائے۔

۲۹..... اس فقیر کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر سولہ سال اور آٹھ ماہ تھی اور وہ انواع کمالات سے آراستہ اور صاحب حسن صوری و معنوی تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو مجھے بے حد صدمہ ہوا میں اس کی قبر پر متوجہ تھا اس کی روح سے یہ شعر میرے خیال میں آیا۔

باد و قبلہ در رہ توحید نتواں رفت راست

یا رضائے دوست باشد یا رضائے خویشتن
یعنی دو قبلہ کے ساتھ توحید کا راستہ صحیح طریقے سے طے نہیں کیا جاسکتا یا
دوست (اللہ تعالیٰ) کی رضا پر خوش رہنا ہوگا (اور) یا اپنے نفس کی
رضا پر۔

۳۰..... بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ جو آدمی مختلف مصیبتوں میں مبتلا ہو اسے استغفر اللہ بہت زیادہ پڑھنی
چاہیے۔

۳۱..... (حضرت خواجہ) عزیز (علی رامینی علیہ الرحمۃ) سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب
تین دل جمع ہو جائیں تو بندے کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ دل رات، دل قرآن جو (سورۃ) یسین ہے اور
دل مومن۔

۳۲..... حضرت خواجہ ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں اس خواہش سے
زیادہ خبیث تر کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو اور اہل طریقت کے نزدیک مرد
اس وقت بالغ ہوتا ہے جب وہ نفس کی خواہش سے نجات حاصل کر لے۔

خلق اطفال اند جز مست خدا
نیست بالغ جز رہندہ از ہوا
یعنی لوگ بچے ہیں سوائے اللہ کے عاشقوں کے ان میں کوئی بالغ نہیں
ہے سوائے اس کے جو خواہش نفس سے نجات پا چکا ہو۔

۳۳..... حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سرکشی کی دو قسمیں ہیں۔ علم کی سرکشی اور مال کی
سُرکشی۔ علم کی سرکشی یہ ہے کہ خود پر بھروسہ ہو اور تکبر کرے اور مال کی سرکشی یہ ہے کہ زہد سے منکر ہو جائے اور
عبادت سے رہ جائے۔

۳۴..... (دریش کو) ایسے آدمی (کی صحبت) سے دور رہنا چاہیے جس نے خود کو صالحین اور زاہدوں کی طرح
بنارکھا ہو اور شیخ بن بیٹھا ہو اور دنیا کے حرام (مال) کو حاصل کرتا ہو اور حقیقت سے اسے کچھ بھی نصیب نہ ہو
اور جو مریدوں کو حرام کھانے اور لینے سے منع نہ کرتا ہو۔ نعوذ باللہ من ذلک (ہم اس سے اللہ کی پناہ
مانگتے ہیں) درحقیقت (یہ بندہ) دین کے دشمنوں میں سے ہے کیونکہ (ایسے لوگ) انسانوں میں شیطان

ہیں درویش اللہ تعالیٰ سے اس کی پناہ طلب کرے۔

۳۵..... شیخ ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی نعمت، مصیبت اور دکھ اسے پہنچے وہ اس پر راضی رہے۔

۳۶..... قال النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بنس العبد عبدہ هو ایضلہ (مجمع الزوائد: ۲۳۴) یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے برا آدمی وہ ہے جو گمراہ کرنے والی خواہش کا غلام ہو۔ حضرت خواجہ محمد (ابن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ گمراہ کرنے والی خواہش امور (زندگی) اور عبادتوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔

یہ فقیر (حضرت خواجہ یعقوب چرخنی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ میں بخارا میں تھا اپنے اندر کاہلی اور دل کی کدورت مشاہدہ کی میں نے کہا کہ چند دن روزہ رکھوتا کہ دل کی یہ کدورت دور ہو جائے میں نے روزہ کی نیت کی اور اپنے شیخ حضرت خواجہ بہاء الدین (نقشبند علیہ الرحمۃ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ کھانا لایا جائے اور مجھ ناتواں کو فرمایا کہ کھاؤ اور یہ حدیث بنس العبد آخر تک پڑھی اور اس کی شرح بیان فرمائی اور فرمایا کہ ہم نے تجربہ کیا ہے نفس کی خواہش پر روزہ رکھنے سے زیادہ بہتر کھانا ہے۔

۳۷..... حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا کہ نقلی عبادت شیخ فنا فی اللہ کی اجازت سے ہونی چاہیے کیونکہ وہ ہوا (خواہش نفس) سے پاک ہو جاتی ہے اور ہوا (خواہش نفس) کو رد نہیں کیا جاسکتا (کیونکہ) کوئی پختہ انگور ترش نہیں ہوتا اور کوئی پختہ میوہ دوبارہ نیا پھل نہیں بنتا۔

اس فقیر (حضرت خواجہ یعقوب چرخنی) نے ان (خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ) سے پوچھا کہ اگر ایسا شیخ کہیں نہ ملے تو میں کیا کروں؟ فرمایا، جب بھی عبادت کرو تو اس کے بعد استغفار کرو۔ ہمارے خواجہ (حضرت بہاء الدین نقشبند) کے خلیفہ خواجہ علاء الدین عطار علیہ الرحمۃ نے اس فقیر کو فرمایا کہ ہر نماز کے بعد بیس دفعہ استغفار پڑھو اور یہ سب ایک سو بار ہو جاتا ہے (اور وہ استغفار یہ ہے)

استغفر اللہ الذی لا الہ الا هو الحی القیوم واتوب الیہ
یعنی میں بخشش طلب کرتا ہوں اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور
وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اور میں اس کی

طرف رجوع کرنا ہوں۔

۳۸..... حضرت ابن عطار علیہ الرحمۃ نے کہا کہ کس چیز نے تجھے دھوکہ دیا ہے کہ تو نے اپنے رب سے تعلق توڑ لیا ہے اور تو اس کی محبت نہیں رکھتا اور اس کے علاوہ غیر کی محبت رکھتا ہے۔
محققین (صوفیہ کرام) کا قول ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ہم نشین بنو اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو اس آدمی کی محبت اختیار کرو جو اللہ تعالیٰ کا ہم نشین ہے۔

غرق آہم می طلبیم
در و صالیم بے خبر زوصال
یعنی ہم پانی میں غرق ہیں اور پانی طلب کر رہے ہیں ہم وصال میں
ہیں اور وصال سے بے خبر ہیں۔

اس سے بڑا کوئی دکھ نہیں ہوگا کہ بندہ رات اور دن اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے میں مشغول رہے۔

اللہ رب العزت رات دن ہمارے ساتھ ہے اور ہم رات دن ماسوی اللہ کے ساتھ رہتے ہیں بندے کو (کل قیامت میں) یہ خطاب ہوگا کہ ہم تیرے تھے اور تیرے ساتھ (رہتے) تھے اور تو ہمارے علاوہ دوسروں کے ساتھ کیوں مشغول رہتا تھا۔

۳۹..... حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ تیرا ہاتھ ہمارا ہاتھ ہے جس کسی نے تیرا ہاتھ پکڑا اس نے ہمارے ہاتھ کو پکڑا ہے۔

۴۰..... اسے (یعنی انسان کو) اس دنیا میں عالم بقا کا طالب ہونا چاہیے اور نیک اعمال کرنے چاہئیں تاکہ وہ محبوب حقیقی کے وصال و جمال سے مشرف ہو جائے۔

☆.....☆.....☆

کتابیات:

- ۱..... مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، از مولانا محمد حسن نقشبندی، قادری رضوی کتب خانہ لاہور، ۲۰۰۳ء
- ۲..... تاریخ مشائخ نقشبندیہ، پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول لہی، زوایہ پبلشرز گنج بخش روڈ لاہور، ۲۰۰۰ء

- ۳..... تاریخ مشائخ نقشبندیہ (جماعتیہ) محمد صادق قصوری زوایہ پبلشرز گنج بخش روڈ لاہور ۲۰۰۳ء
- ۴..... جواہر نقشبندیہ، محمد یوسف مجددی، مکتبہ انوار مجددیہ فیصل آباد ۲۰۰۳ء
- ۵..... ملفوظات نقشبندیہ، محمد صادق قصوری، زوایہ پبلشرز گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۹۸ء
- ۶..... تفحات الانس، مولانا عبدالرحمن جامی مترجم از سید احمد علی چشتی، شبیر برادرز لاہور ۲۰۰۲ء
- ۷..... شرح دیباچہ مثنوی مولانا روم المعروف رسالہ ناسیہ، مولانا یعقوب چرخنی، ترجمہ محمد نذیر انجھا، جمعیت پہلی کیشنز لاہور ۲۰۰۴ء
- ۸..... حضرات کرام نقشبندیہ، حافظ نذیر احمد نقشبندی، خانقاہ سراجیہ کنڈیاں، میانوالی ۱۳۱۰ھ
- ۹..... حضرات القدس دفتر اول علامہ بدرالدین سرہندی، مترجم محمد اشرف نقشبندی، مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ ۱۳۰۱ھ
- ۱۰..... تفسیر چرخنی، حضرت مولانا یعقوب چرخنی، مترجم محمد نذیر انجھا، جمعیت پہلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۵ء
- ۱۱..... ابدالیہ، حضرت مولانا یعقوب چرخنی، مترجم محمد نذیر انجھا، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۸ء
- ۱۲..... انیسہ رسالہ فارسی، حضرت مولانا یعقوب چرخنی، مترجم محمد نذیر انجھا، مکتبہ سراجیہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان ۱۳۰۴ھ
- ۱۳..... رسائل نقشبندیہ مترجم پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۸۱ء
- ۱۴..... رسائل حضرت مولانا یعقوب چرخنی، مترجم محمد نذیر انجھا، میاں اخلاق اکیڈمی شاد باغ لاہور ۱۹۹۷ء

☆.....☆.....☆



بسم الله الرحمن الرحيم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خواجہ شمس الدین سید امیر کلال

(حالات و ارشادات)

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری



حضرت خواجہ شمس الدین سید امیر کلال کا طریقت میں انتساب حضرت بابا محمد سماسی قدس سرہ سے ہے۔ آپ قصبہ سوخار (جو قصبہ سماس سے پندرہ میل اور بخارا سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے) میں ۱۷۷۶ھ/۱۲۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کوزہ گری کا شغل رکھتے تھے۔ فارسی زبان میں کوزہ گر کو کلال کہتے ہیں۔ لہذا آپ امیر کلال کے نام سے آسمان طریقت و معرفت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

آپ اوائل جوانی میں کشتی لڑا کرتے تھے۔ ایک روز آپ رامتین میں کشتی لڑنے میں مشغول تھے حضرت بابا محمد سماسی کا ادھر سے گزر ہوا۔ اور وہ یہ نظارہ دیکھنے کے لیے ایک دیوار کے سایہ میں ٹھہر گئے اور آپ پر توجہ مرکوز کر کے محو ہو گئے۔ حضرت بابا کے خدام میں سے ایک نے عرض کیا آپ ان لوگوں پر جو امور بدعت میں مصروف ہیں، کیوں حیراں و پریشاں ہیں۔ حضرت نے ارشاد کیا کہ اس میدان میں ایک ایسا مرد ہے اور اس شکار گاہ میں ایک ایسا شکار ہے جس کی صحبت سے کالمین زمانہ فیضیاب ہوں گے کیونکہ اس کی پرواز نہایت بلند و بالا ہے۔ ہم اسی مرد کے منتظر ہیں۔ اسی اثناء میں حضرت امیر کلال کی نظر حضرت بابا پر پڑی حضرت بابا نے اپنی قوت جاذبہ سے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس طرح آپ بے اختیار پیچھے پیچھے بابا جی کے دولت کدہ پر پہنچے۔ حضرت بابا نے اسی وقت آپ کو طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تلقین فرمائی اور اپنی فرزندگی میں قبول کر لیا۔ اس کے بعد آپ کبھی بھی کشتی کے دنگل میں یا بازار میں دکھائی نہ دیے اور حضرت خواجگان کے طریقہ کے مطابق مشغول ریاضت و مجاہدہ رہے یہاں تک کہ درجہ تکمیل و ارشاد تک پہنچ گئے۔

آپ کے انتقال

قصبہ سوخار کا پوچھا۔ لوگوں کے پوچھنے پر انھوں نے بتایا وہ حضرت سید امیر کلال کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ حضرت تو رحلت فرما گئے ہیں۔ ان صوفیہ نے خواہش ظاہر کی کہ ان کی اولاد و امجاد سے ملیں گے۔ چنانچہ وہ سوخار آئے اور حضرت امیر کی اولاد سے ملے اور حضرت کے کمالات کا ذکر کرنے لگے۔

لوگوں نے کہا کہ حضرت امیر تو کبھی مکہ اور مدینہ گئے ہی نہیں۔ آپ انھیں کیسے جانتے ہیں؟ صوفیہ بولے کہ حرمین شریفین میں ان کے متعدد مرید موجود ہیں جن میں ہم لوگ بھی شامل ہیں۔ ہم گزشتہ بائیس سال سے ان کے ساتھ حج کرتے رہے۔ اس سال انھیں نہ دیکھا تو ان کے جمال کی کشش نے ہمیں یہاں کھینچ لیا مگر افسوس کہ وہ انتقال فرما گئے۔

مذکورہ جماعت صوفیہ حضرت امیر کے مزار مقدس پر حاضری دی اور ارادت مندوں کی طرح آنسو بہائے اور لوگوں سے کہا کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایسے صاحب ل کی قدر تم نے نہیں کی۔ اس کی قدر عرب میں جا کر دیکھو اور پھر سب خدا حافظ کر چل دیے۔

قدر گل و مل بادہ پرستاں دانند
نے تنگ دلاں و تنگ دستاں دانند
اے بے خبر، از بے خبری، معذوری
سرپست دریں شیوہ کہ مستاں دانند

آپ کا شجرہ نسب فخر موجودات، سرور کائنات، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔
آپ ۸ جمادی الاول ۷۷۲ھ / ۱۳۷۰ء بروز جمعرات بوقت صبح صادق خالق حقیقی سے جا ملے۔
آپ کا مزار شریف قصبہ سوخار نزد بخارا میں ہے۔
ارشادات قدسیہ:

☆..... جب تک تم زندہ رہو طلب علم سے ایک قدم بھی دور نہ رہو۔ کیونکہ طلب علم تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے سرمو تجاوز نہ کرو کیونکہ جملہ سعادتیں اسی عمل سے حاصل ہوتی ہیں۔ اول علم ایمان، دوم علم نماز، سوم علم روزہ، چہارم علم زکوٰۃ، پنجم علم حج، ششم والدین کی خدمت کا علم، ہفتم صلہ رحم اور رعایت ہمسایہ کا علم، ہشتم خرید و فروخت کا

علم، نہم حلال و حرام کا علم ان امور سے ناواقفی کی بنا پر لوگ تباہی کے کھنور میں جا گرتے ہیں۔

☆..... عزیزو! یقین جانو کہ دنیا داروں کی دوستی اللہ کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ خدا داں بنو اور خدا خواں بھی تاکہ تمہارے دین و ایمان کا زیاں نہ ہو۔ ہر حالت میں خدا سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ خدا ترسی سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ جو شخص خدا سے نہیں ڈرتا اس سے مت ڈرو۔ ہاں جو خدا سے ڈرتا ہے اس سے تم بھی ڈرو، خدا ترس کو تکلیف مت دو، ایسا نہ ہو کہ اس کی بدعا سے بتلائے مصیبت ہو جاؤ۔

☆..... میرے عزیزو! اخلاص اختیار کرو اور دوسروں پر رحم کرو تا کہ نجات پاؤ۔

☆..... فرمایا، سالک تائب رہے کیونکہ توبہ سب ساعتوں کا سرچشمہ ہے۔ توبہ یہ ہے کہ پہلے اپنے کیے پر دل میں شرمندہ ہو، پھر ترک گناہ کی نیت کرے اور اس کے بعد ان گناہوں کا ارتکاب نہ کرے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور گناہوں کی معافی مانگے۔

☆..... فرمایا، اتنی گریہ و زاری کرو کہ اپنی توبہ کی قبولیت کا یقین ہو جائے اور تائب کے لقب کے سزاوار بن سکو۔ روزی کا غم دل سے نکال دو اور آخرت کے غم سے فکر مند نہ رہو۔ عبادت کرتے رہو کیونکہ یہ بندہ ہونے کی علامت ہے۔

☆..... ارشاد فرمایا، جانتے ہو، ارادت کیا ہے؟ رضائے خداوندی کا حصول ہے، یہ بری عادتیں ترک کرنے، وفائے عہد، ادائے امانت اور ترک خیانت کا نام ہے۔ دیکھے تو اپنی غلطی کو اور نہ دیکھے تو اپنے اعمال کے مرتبے کو اور ہمیشہ خدا کے ذکر میں مشغول رہے۔ اللہ کا نام لیے بغیر کوئی کام شروع نہ کرو تا کہ قیامت کے دن کے اپنے عمل کی وجہ سے دین سے نادم نہ ہو۔ عزیزو! کوئی کام کرنے سے قبل خوب سوچ لیا کرو۔

☆..... عزیزو! ہر حالت میں امر بالمعروف نہی عن المنکر کے فرائض بجالاتے رہو۔ غیر شرعی باتوں اور بدعتوں سے بچتے رہے۔

حضرت فضیل عباس کا واقعہ ہے انھوں نے سردی کے موسم میں حضرت شیخ عبدالعلام کو پسینہ میں شرابور دیکھا، پوچھا، اس موسم میں آپ کی مبارک پیشانی پر یہ پسینہ کیسا؟ فرمایا، یہاں نہی عن المنکر کا ایک موقع تھا میں برائی سے منع کر سکتا تھا مگر نہ کیا اب بے قرار ہوں کہ اس سستی کا ازالہ کیسے کروں اور قیامت

دن کس تدبیر سے نجات پاؤں۔ عزیزو! غور کرو تم ہر روز امر معروف اور نہی منکر سے کس قدر غفلت برتتے ہو۔ تمہیں اپنی اور دوسروں کی اصلاح کی کتنی فکر ہے؟

☆..... عزیزو! اپنے اعمال کی کسوٹی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بناؤ جو کام اس کسوٹی پر پورا اترے وہ مقبول ہے وگرنہ غلط اور گمراہی ہے۔

☆..... عزیزو! اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے حقوق کا خیال رکھو، اس

کی بشارتوں سے خوش رہو اور وعیدوں سے ڈرو، کھانے پینے،

اٹھنے بیٹھنے اور ہر کام میں احکام خداوندی کا خیال رکھو۔

☆..... عزیزو! جمع مال کی ہوس نہ رکھو۔ جو ملے اسے خرچ کرتے رہو۔

احتیاج سے جو بچے بچانے میں ہرج نہیں، مگر بھروسہ اس ذخیرہ پر نہ ہو، خدا پر ہو، نیند آئے تو سوؤ جس سے اطاعت کی قوت بحال ہو سکے۔ عزیزو! اللہ کو یاد کیے بغیر مت سوؤ۔ غافل نہ ہو جاؤ۔ حضرت رسالت آج صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جاہل کی عبادت سے عالم کی نیند بہتر ہے۔

☆..... میرے عزیزو! تمہیں چاہیے کہ ادائے زکوٰۃ کا اہتمام کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو زکوٰۃ نہ دے، اس کی نماز، روزہ، حج اور جہاد ناقابل قبول رہتے ہیں۔ ایک دوسرا ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بخیل اللہ کی رحمت، اس کے بندوں کے دلوں اور بہشت سے دور ہے اور دوزخ سے قریب ہے۔ خیل اللہ کی رحمت، اس کے بندوں کے دلوں اور بہشت سے قریب اور دوزخ سے دور۔

☆..... عزیزو! اچھے اخلاق اور جوانمردی سے آدمی واقعی انسان بنتا ہے۔

☆..... عزیزو! لوگ وصال حق سے اس لیے محروم رہتے ہیں کیونکہ انہوں نے دنیائے دلوں کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے۔ لیکن صوفی کو چاہیے کہ ذات باری کی معرفت کے بارے میں اپنا عقیدہ درست رکھے اور بدعت سے بچے۔ اسے چاہیے کہ ہر بات کی دلیل پر غور کرے تاکہ بوقت پرش بتا سکے۔ میرے عزیزو! عزیزو! اگر تمہیں دین کے بارے میں پوچھیں اور تم بتا نہ سکو۔ دوسروں کا پوشیدہ باتیں طبقہ، صوفیہ کی خاطر آشکارا ہوتی ہیں۔ پھر آپ علم و دانش سے غفلت برت کر اہل ظاہر کے پیچھے کیوں رہ جاؤ۔ عزیزان من! طبقہ، صوفیہ میں ہر زمانہ اللہ تعالیٰ ایک دوست رکھتا ہے جس کی برکت سے دوسروں کی لغزشیں معاف ہوتی رہتی ہیں۔ اس دوست خدا اور مرد حق کو تلاش کرو تا کہ دونوں جہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہو جاؤ۔ لیکن علمائے دین کی

خدمت کرنے میں پیش قدم رہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وارثان انبیاء کہا ہے۔ اور یہ کہ جس نے علم اور انبیاء کو چاہا اس نے زندگی بے خطا گزار دی۔

☆..... عزیزو! دنیا کے طالبوں کی ہم نشینی نہ کرو اور جاہلوں سے دوری اختیار کرو۔

☆..... بے وقوف کی صحبت آدمی کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔ تم لوگ سماع اور رقص کرنے والوں کی محفل میں نہ جاؤ۔ کیونکہ یہ لوگ دل کی صلاحیت کو خراب کر دیتے ہیں۔

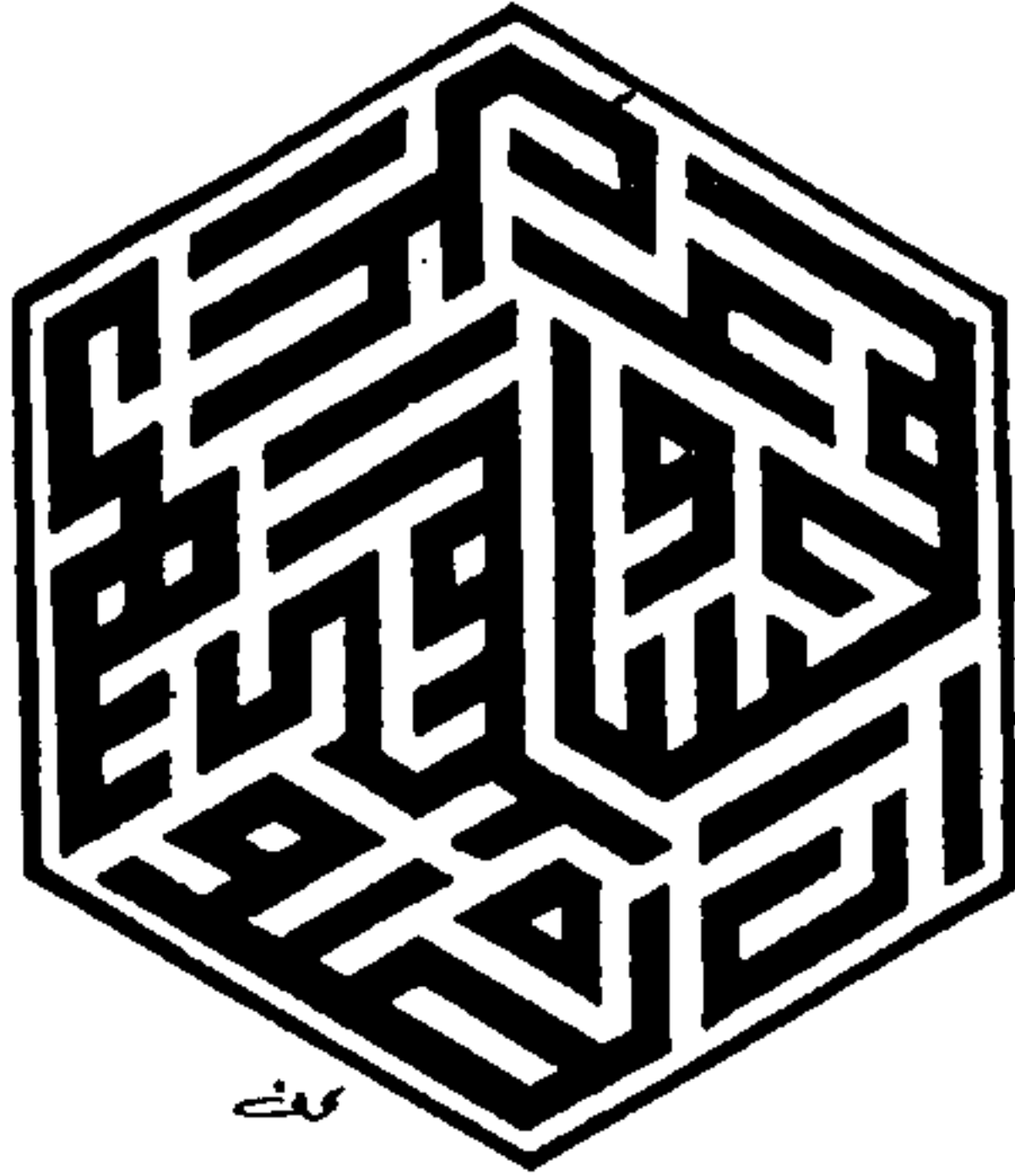
☆..... عزیزو! رخصت و رعایت سے استفادہ نہ کرو تا کہ صاحب عزم بنو، رعایات سے مستفید ہونا

کمزوروں کا شیوہ ہے۔ اس سے زیادہ کیا کہوں۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی جو قطب عارفین، برہان محققین اور مرشد سالکین تھے ارشادات پر اکتفا فرماتے تھے کیونکہ عاقل کے لیے اشارہ کافی ہوتا

ہے۔ العاقل تکفیه الاشارة

ازیں بہ نصیحت نہ گوید کسی
دگر عاقلی یک اشارت بس است

☆.....☆.....☆



بسم الله الرحمن الرحيم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ملفوظات شریف خواجہ محمد عارف ریوگری

محبوب احمد بھٹی



زبدۃ العارفین خواجہ محمد عارف ریوگری قدس سرہ کی نسبت باطنی حضرت خواجہ عبد الخالق عجد وانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ آپ حضرت خواجہ کے اعظم خلفاء میں سے ہیں۔ تمام عمر اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت بابرکت میں رہے اور باطنی فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔ علم و حلم، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور رشد و ہدایت میں عالی شان رکھتے تھے۔

حضرت خواجہ عبد الخالق عجد وانی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد سجادہ نشین بنے اور ایک خلیفہ کو راہ ہدایت پر گامزن کیا۔ آپ کی ولادت قصبہ ریوگر میں ہوئی جو کہ بخارا سے ۱۸ میل اور عجد وانی سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ولادت ۲۷ رجب المرجب ۱۱۵۵ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۷۵۶ء میں ہوئی اور وصال مبارک بھی ریوگر میں یکم شوال ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۲۲۰ء کو ہوا۔ آپ کا مزار مبارک ریوگر میں مرجع الخلاق ہے۔ آپ کی تاریخ وصال میں اختلاف ہے۔ بعض نے تاریخ وصال یکم شوال ۱۲۱۵ھ لکھی ہے جبکہ آپ کی تصنیف ”عارف نامہ“ کے آخر میں قطعہء تاریخ و وفات اس طرح درج ہے:

افسوس شد نہاں مہ تاباں بزیر خاک
کلکلم سیاہ پوش جگر ریش و سینہ چاک
تاریخ بہر رحلت او جسمت از قلم
قطب زمان و عارف باللہ زد رقم

..... ۱۲۳۲ھ

(ترجمہ) افسوس کہ چمکتا ہوا چاند زمین کے نیچے پوشیدہ ہو گیا اس لیے میرا قلم ماتمی ورنجیدہ جگر کو پارہ پارہ کرنے والا ہو گیا اور سینہ کو چاک کرنے والا ہو گیا۔

میں نے آپ کی تاریخ وصال قلم سے تلاش کی تو قلم نے لکھا:
”قطب زماں عارف باللہ“

(جس کے عدد ۶۳۴ھ ہیں جو کہ آپ کا سال وصال ہے)

آپ صاحب تصنیف تھے، آپ کا ایک رسالہ ”عارف نامہ“ (فارسی) خانقاہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں جنہوں نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اکابرین کی انتہائی نادر و نایاب کتب و رسائل شائع کر کے اہل طریقہ کی گراں قدر خدمت کی ہے اس رسالہ عارف نامہ کی اشاعت کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا۔

۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۳ء میں حیدرآباد سندھ سے فارسی متن شائع ہوا اور ۱۹۹۷ء میں اس رسالہ کا اردو ترجمہ شائع ہوا۔

ارشادات:

فرمایا:

۱..... کسی انسان کی سعادت اس میں ہے کہ وہ خود کو ملائکہ کا مشابہ بنائے یعنی نفس کی ذلت سے بری، پاک باز، ذا کر اور ہر وقت کی بندگی کے عہد کو پورا کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر سے تعلق نہ رکھے اور نہ اس کی طرف التفات کرے۔ ہمیشہ نیک اور اچھے لوگوں کی صحبت میں رہے۔ اس لیے کہ ”وقت کاٹنے والی تلوار ہے“ پلک جھپکنے کے برابر بھی وقت کو بیکار اور غفلت میں ضائع نہ کرے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کے غیر سے محظوظ (فائدہ اٹھانے والا) نہ ہو۔

۲..... اے عارف! تو پاک رہ اور پاک اعتقاد رکھنے والا ہو اس لیے کہ کدورت والا دل جسم کو خبیث (برا) کر دیتا ہے۔ رد کرنے یا قبول کرنے کے لحاظ سے دل ہی کا اعتبار ہے۔

۳..... اے عارف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل (تو دنیا میں اس طرح رہ گویا مسافر ہے یا راستہ چلنے والا ہے) مومن کو چاہیے کہ جب اپنے گھر میں

آئے تو قبر کو اپنی قرار گاہ فرض کرے اور یقین کرے کہ اس کے بعد اس جگہ سے نکلنا ہو یا نہ ہو اور جب گھر سے باہر آئے تو یہ یقین رکھے کہ دوبارہ گھر میں داخلہ ہوگا یا نہیں۔

۴..... اے عارف سالکین کے طریقوں کی ابتداء اور مریدوں کی سعادت کی کنجی توبہ ہے۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے ”گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں (التائب من الذنب کمن لا ذنب له) توبہ کی حقیقت اور اس کے معنی میں دوری کے راستہ سے قرب کے راستہ کی طرف لوٹنا۔

۵..... اے عارف! ایک پرندہ جس کے ساتھ بھاری وزن بندھا ہوا ہو تو وہ نہیں اڑ سکتا ہے۔ وہ سالک کہ جس کے تعلقات بہت ہوں وہ کس طرح فنا فی اللہ کے بیاباں کی فضا میں پرواز (ترقی) کرے گا اور اپنا قدم طلب کے میدان میں کھولے گا یعنی طلب معرفت حق نہ کر سکے گا۔

۶..... اے عارف! شیطان لعین ہر صبح کو عارف سے کہتا ہے کہ آج کیا کھائے گا وہ جواب میں کہتا ہے کہ موت، پھر کہتا ہے کہ کیا پہنے گا وہ جواب میں کہتا ہے کہ کفن، پھر کہتا ہے کہ کہاں قیام کرے گا وہ جواب دیتا ہے کہ قبر میں۔

۷..... اے عارف! کلام مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مشائخ کے کلام کا سننا توفیق (زیادتی، شوق) کا موجب، قلب کی رقت کا سبب، ماسوا اللہ سے نفرت دلانے کا باعث اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔

مشائخ کے کلام سے (مندرجہ ذیل ہے)

۱..... جب تک توفیق (تنگ دستی) سے خوف زدہ رہے گا اس وقت تک منافق ہوگا۔
۲..... جو شخص درویشوں کے مقابلہ میں مال دار لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دل کی موت میں مبتلا کر دیتا ہے یعنی اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔

۳..... ادب احرار کا زیور ہے۔

۴..... اولیاء کی تین علامتیں ہیں:

☆..... بلند مرتبہ ہونے کے باوجود تواضع و انکساری اختیار کرنا

☆..... قدرت ہوتے ہوئے زہد و پرہیزگاری اختیار کرنا

☆..... قوت و طاقت کی موجودگی میں انصاف کرنا۔

۵..... جب تو مرید کو دیکھے کہ وہ دنیا کی طلب میں زیادتی کرتا ہے تو یہ بد بختی اور اس کی ذلت کی نشانی ہے۔

۶..... ولی وہ ہے کہ جو اولیاء اللہ سے دوستی رکھتا ہے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھتا ہے۔

۷..... توحید یہ ہے کہ تیرے دل میں اس (اللہ) کے سوا کسی کا خیال نہ آئے۔

۸..... بھوکا رہنا زاہدوں کی غذا ہے اور اللہ کا ذکر کرنا عابدوں کی غذا ہے۔

۹..... دنیا میں اپنے بدن کے ساتھ اور آخرت میں اپنے دل کے ساتھ رہ یعنی بدن کو دنیا کے کام میں مشغول رکھے لیکن دل میں آخرت کے انجام کو یاد رکھے۔

۱۰..... ہر وہ شخص جو اپنے (نیک) عمل کو ظاہر کرتا ہے وہ ریاکار و مکار ہے اور وہ شخص جو اپنے حال و کیفیت کو ظاہر کرتا ہے وہ مدعی (اپنی پارسائی کا دعویٰ کرنے والا) ہے عاصی یعنی گناہ گار سے بہتر ہے۔

۱۱..... دنیا وہ ہے جو تجھ کو اللہ تعالیٰ سے محبوب کر دے۔

۱۲..... جس شخص کے لیے خدا تعالیٰ کی عطا و منع (دینا یا نہ دینا) یکساں ہو تو وہ اللہ کی حد درجہ محبت میں پہنچا ہوا ہے۔

۱۳..... حق سبحانہ و تعالیٰ بندہ سے اس وقت راضی ہوتا ہے جبکہ وہ نعمت کی طرح تکلیف یا آزمائش پر شا کر ہوتا ہے۔

۱۴..... جو شخص اپنی تدبیر کے دام میں دھنسا ہوا ہے وہ دوزخ کا مال ہے اور جو اللہ کی تقدیر پر شا کر ہے وہ جنتی ہے۔

۱۵..... اے عارف! مرشد وہ ہے جو مخلوق کو دنیا سے آخرت یا گناہ سے اطاعت و فرمانبرداری، حرص سے زہد و پارسائی، بخل سے سخاوت، کبر سے تواضع و انکساری، غفلت سے آگاہی اور غرور و پندار سے پرہیزگاری کی طرف راستہ دکھائے اور آخرت کا دوست اور دنیا کا دشمن بنائے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر مغرور نہ بنائے اور خدا ترسی کا علم سکھائے۔

۱۶..... اے عارف! حضرت فضیل عیاض قدس سرہ (م۔ ۱۸۷ھ) ایک روز اپنے بیٹے سے دوستی و محبت ظاہر کرتے تھے۔ ان کے بیٹے نے ان سے کہا کہ اے ابا جان آپ مجھے دوست رکھتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں پھر کہا کہ خدا کو مانتے ہیں انھوں نے جواب دیا کہ ہاں تو بیٹے نے کہا کہ آپ کے کتنے دل

ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ایک ہے۔ (بیٹے نے کہا) کہ ایک دل کے ساتھ دو دوست کس طرح رہ سکتے ہیں۔ جیسے کہ ایک ہی طرف پانی بھی ہے اور آگ بھی ہے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے جان لیا کہ غیب اور غیرت حق کی طرف سے تنبیہ ہے اور اپنے سر اور چہرہ کو زمین پر مارنے لگے فرزند کو گود سے نیچے سے اتارا اور اسی حالت میں جان جانا یعنی اللہ کے سپرد کر دی، یعنی فوت ہو گئے۔

۱۷..... اے عارف سالک! حضرت خواجہ (عبدالخالق غجدوانی) نے فرمایا کہ جو شخص تین چیزوں کو بہت پسند کرتا ہے وہ اس کو دوزخ میں لے جائیں گی اول وہ لذیذ کھانے پسند کرتا ہے دوم وہ نفیس لباس پہنتا ہے تیسرے وہ فقیروں کے مقابلہ میں مالداروں کو دوست رکھتا ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ تینوں کام نفس کی مراد اور خیر خواہی کے سبب ہوتے ہیں۔

۱۸..... حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ ہر اطاعت و عبادت جس کو تو بجالائے اس کا علم ہونا چاہیے اور جو علم کہ تو سیکھے اس پر عمل کرنا چاہیے اور ہر عمل جو کرے وہ پورے اخلاص اور صدق دل کے ساتھ ہونا چاہیے۔

۱۹..... فرمایا کہ حضرت خواجہ (مولانا عبدالخالق غجدوانی) نور اللہ مرقدہ کی عمر آخر ہوئی۔ بعض اصحاب حضرت خواجہ کے سر ہانے موجود تھے۔ نیک عمل کرنے کی وصیت کی اور فرمایا کہ اے میرے دوستو! تم کو خاص طور سے بشارت ہو کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت ملی ہے کہ جو کوئی اس راہ روشن (طریقہ سلسلہ نقشبندیہ) پر ہوگا میں نے اس کو بخش دیا۔ کوشش کروں کہ اس راہ (طریقہ) پر چلو اور اس طریقہ سے دور نہ ہو جاؤ۔ کچھ دیر بعد غیب سے ندا آئی:

”ارجعی الی ربک راضیة مرضیہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی“

(سورۃ الفجر: ۸۹، ۸۷)

اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف آ کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے۔

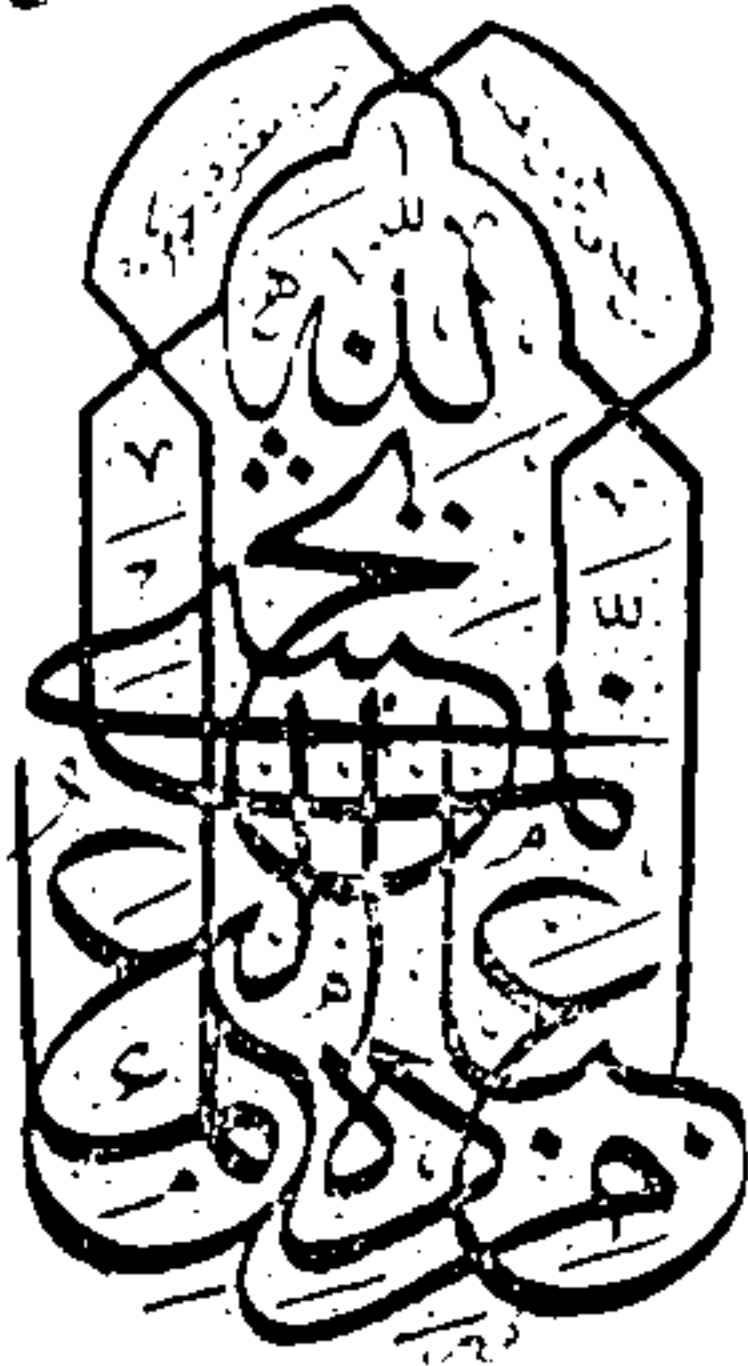
☆.....☆.....☆

کتابیات:

۱..... مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، از مولانا محمد حسن نقشبندی، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۳ء

- ۲.....حضرات القدس، دفتر اول، از علامہ بدرالدین سرہندی، مترجم محمد اشرف نقشبندی، مطبوعہ سیالکوٹ ۱۴۰۱ھ
- ۳.....حضرات کرام نقشبندیہ از حافظ نذیر احمد نقشبندی، مطبوعہ میانوالی ۱۴۱۰ھ
- ۴.....نقحات الانس، مولانا عبدالرحمن جامی، مترجم سید احمد علی چشتی، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء
- ۵.....تاریخ مشائخ نقشبندیہ (جماعتیہ) مولانا محمد صادق قصوری، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۳ء
- ۶.....جواہر نقشبندیہ، محمد یوسف مجددی، مطبوعہ فیصل آباد ۲۰۰۳ء
- ۷.....عارف نامہ (فارسی) از حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری، مطبوعہ حیدرآباد ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۳ء
- ۸.....ملفوظات نقشبندیہ از پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول لٹہی، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۰ء
- ۹.....عارف نامہ (اردو ترجمہ) از حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری، مترجم، قدیر محمد قریشی اکبر آبادی، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۹۷ء
- ۱۰.....ملفوظات نقشبندیہ از محمد صادق قصوری، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۸ء
- ۱۱.....تاریخ مشائخ نقشبندیہ، از پروفیسر محمد عبدالرسول لٹہی، مطبوعہ لاہور ۲۰۰۰ء

☆.....☆.....☆

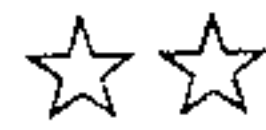


بسم الله الرحمن الرحيم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

صد سالہ و ہزار سالہ مجدد

میاں فضل احمد حبیبی

(بانی ”نور“ علی نور فاؤنڈیشن“ گجرات)



وہ مجدد جو سو سالہ ہے، اس کی تجدید کے دنوں کی تعداد قمری سال کے لحاظ سے $(35500 = 100 \times 355)$ پینتیس ہزار پانچ سو دن بنتے ہیں، اور وہ مجدد جو ہزار سالہ ہے اس کی تجدید کے دنوں کی تعداد قمری سال کے مطابق $(355000 = 1000 \times 355)$ تین لاکھ پچپن ہزار دن بنتے ہیں، یعنی ہزار سالہ مجدد کے ایام $(319500 = 35500 - 355000)$ تین لاکھ انیس ہزار پانچ صد دن تعداد میں زیادہ ہیں، اسی نسبت میں مجدد ہزار سالہ کے کمالات میں سو سالہ مجدد سے عظیم تر ہیں۔

جس نسبت سے چھوٹے اور بڑے دنوں میں فرق پایا جاتا ہے اسی نسبت سے سو سالہ اور ہزار سالہ مجدد کے درجات اور کمالات میں فرق پایا جاتا ہے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ فرق ہے، جو اگلے صفحات میں نظر آتا ہے۔

اتباع شریعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فضل بھی شامل حال ہونا لازم ہے، جس کا باعث توبہ ہے، جس کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت ۳۷ میں ہے، جس کے معنی کے مطابق جب توبہ قبول ہو جاتی ہے، تو خطا اور بھول کو معاف کر دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں توبہ کرنے والے شخص کا اللہ تعالیٰ دوست ہو جاتا ہے، اور جب اللہ دوست ہو جاتا ہے، تو پھر اس کے غضب اور قہر کا خطرہ معدوم ہو جاتا ہے، اپنے دوستوں کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون)۔

ہزار سالہ مجدد وہ ہو سکتا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے ان کمالات کا حامل جو ان کو عالم بالا میں شجر ممنوعہ کے کھانے سے پہلے عطا کیے گئے تھے اور وہی ایسا فرد ہے جس کو حضرت آدم علیہ السلام سے براہ راست ایسی طریق سے کمالات منتقل ہوئے ہوں، جو قرآن کی ترتیب نزولی میں پائے جانے والے

کمالات ہیں، جن کو بغیر کسی تکلف کے عطا کیا جاتا ہے، غالباً یہی باعث ہے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اپنے بارے میں فرماتے ہیں، کہ میری تربیت کا آغاز آفاق و انفس کی وادیوں سے وراہ کیا گیا، اور عالم انفس بھی عالم آفاق کی طرح ظل ہے۔ یہاں تک وہ عالم انفس سے باہر ٹہلتا ہے۔

چونکہ سو سالہ مجدد کا تعلق عالم زیریں کے چھوٹے دنوں سے ہوتا ہے، وہ دن ان اوصاف کے حامل ہیں جو قرآن کی ترتیب صعودی میں اوصاف پائے جاتے ہیں، جن کو قانون شریعت کا مکلف بنایا گیا ہے، اور مجدد ہزار سالہ کا تعلق عالم بالا کے طویل دنوں سے ہوتا ہے، جس میں آدم علیہ السلام کو بغیر کسی عمل کرنے کے خلیفہ بنا لیا گیا اسی ایک بنیاد پر دیکھا جائے تو ہزار سالہ مجدد کے کمالات، سو سالہ مجدد سے اسی نسبت سے اعلیٰ و بالا ہوتے ہیں اور اس حقیقت پر سے وہ تعلیمات پردہ اٹھاتی ہیں، جو ہزار سالہ مجدد کے صحن سینہ سے ظہور پا کر حروف و الفاظ کی صورت میں منصفہ شہود پر آتی ہیں۔

چنانچہ ہزار سالہ مجدد سیدنا شیخ احمد سرہندی قدس سرہ العزیز کی وہ پاکیزہ اور مقدس ہستی ہے، جن کی عبارتیں ان کے کمالات پر شاہد ہیں، ان کی تحریروں میں ایسی حرارت اور حرکت پائی جاتی ہے کہ اس راہ سلوک کے مسافر کو منزل مقصود پر پہنچا دینے والی ہیں، ان تحریروں میں سے ایک مکتوب کی عبارت کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ اہل علم و فضل حضرات اس کے مطالعہ کے بعد خود فیصلہ فرمائیں کہ ہزار سالہ مجدد کے کمالات کس اعلیٰ درجہ کے ہیں۔

مکتوب نمبر ۵۴ دفتر دوم سید شاہ محمد کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ رسول اللہ ﷺ کی متابعت کے درجات اور مراتب مختلف ہیں اور اس کے سات درجے ہیں اور ہر ایک درجے کی دوسرے پر فضیلت کا بیان، اور ان سے متعلقہ مسائل۔

الحمد لله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى.

رسول اللہ ﷺ کی متابعت جو کہ دین اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے، کئی ایک مراتب اور درجات رکھتی ہے۔

پہلا درجہ عوام اہل اسلام کا ہے، جو کہ شریعت کے احکام اور سنت سنہ کی متابعت سے وابستہ ہے، جب کہ اس کے ساتھ دل کی تصدیق تو ہو لیکن اطمینان نفس ابھی حاصل نہ ہوا ہو، کیونکہ وہ درجہ ولایت کے

ساتھ تعلق رکھتا ہے، اور علماء ظاہر اور وہ عابد اور زاہد لوگ جن کا معاملہ ابھی اطمینانِ نفس کے ساتھ وابستہ نہیں ہوا، سب اسی درجہ متابعت میں شریک ہیں اور اتباع کی ظاہری صورت کے حصول میں سب برابر ہیں اور چونکہ نفس اس مقام میں کفر اور انکار سے آزاد نہیں ہوتا، تو لازمی طور پر یہ خاص درجہ صرف متابعت کی صورت رکھتا ہے، اور متابعت کی یہ صورت حقیقی متابعت کی طرح آخرت کی کامیابی اور خلاصہ کا ذریعہ ہے، اور جہنم کے عذاب سے نجات اور جنت کے داخلے کی بشارت دینے والی ہے، خداوند تعالیٰ نے اپنی کمال بخشش سے نفس کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں کیا، اور صرف دل کی تصدیق پر کفایت فرمائی ہے، اور نجات کا دار و مدار اسی تصدیق پر رکھا ہے۔

میتوانی کہ وہی اشکِ مرا حسن قبول
اے کہ دُرِ ساختہ قطرہ بارانی را
(اے وہ ذات کہ جس نے بارش کے ایک قطرے کو موتی بنا دیا، تو یہ بھی کر سکتا ہے، کہ میرے آنسو کے قطرے کو حسن قبول عطا کرے)
متابعت کا دوسرا درجہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و اعمال کی اتباع ہے، جو کہ باطن سے تعلق رکھتا ہے، اس میں اخلاق کی تہذیب اور۔۔۔۔۔
صفات کی مدافعت اور امراضِ باطنی اور معنوی بیماریوں کا ازالہ ہے، جو کہ طریقت کے مقام سے متعلق ہیں، اور اتباع کا یہ درجہ ان اربابِ سلوک کے ساتھ خاص ہے، جنہوں نے صوفیہ کے طریقہ کو اپنے مقتداء شیخ سے اخذ کیا ہو، اور سیرالی کے صحراؤں اور بیابانوں کو قطع کر رہے ہوں۔

متابعت کا تیسرا درجہ آنحضرت علیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال اور اذواق اور مواجید کی متابعت ہے، یہ درجہ ولایتِ خاصہ کے مقام

سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ ان ارباب ولایت کے ساتھ خاص ہے، جو کہ مجذوب سالک ہوں، یا سالک مجذوب۔

جب کہ ولایت کا مرتبہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا، تو نفس مطمئنہ ہو گیا، اور سرکشی اور نافرمانی سے باز آ گیا، اور انکار سے اقرار میں اور کفر سے اسلام میں آجاتا ہے، اس کے بعد اب متابعت کی جو بھی کوشش کرے گا، وہ حقیقی متابعت ہوگی، اگر نماز ادا کرے گا، تو متابعت کی حقیقت بجالائے گا، اور اگر روزہ ہے، تو اس کا بھی یہی حال ہوگا، اور اگر زکوٰۃ ہوگی، تو وہ بھی اسی طریقہ پر ہوگی، وعلیٰ ہذا القیاس، شریعت تمام احکام کی بجا آوری میں اتباع کی حقیقت موجود ہوگی۔

سوال: نماز روزہ کی حقیقت کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ نماز روزہ مخصوص افعال ہیں، اگر وہ افعال ارشاد شارع کے مطابق ادا ہو جائیں گے، تو ان کی حقیقت ادا ہو جائے گی ان کی ظاہری صورت کیا ہے، اور اس سے وراء حقیقت کیا ہے؟

جواب:۔ مبتدی کا نفس جب تک امارہ ہے، جو اصل میں آسمانی احکام کا منکر ہے، اس سے احکام شرعیہ کی ادائیگی صورت کے اعتبار سے ہوگی، اور منتہی کا نفس جب مطمئنہ ہو جاتا ہے، اور شریعت کے احکام کو برضا و رغبت قبول کر لیتا ہے، تو اس سے احکام کی ادائیگی حقیقت کے اعتبار سے ہوتی ہے، اس کی مثال منافق اور مسلمان کی سی ہے، کہ دونوں نماز ادا کرتے ہیں، منافق چونکہ باطن میں انکار رکھتا ہے، اس لیے صرف نماز کی صورت ادا کرتا ہے، اور مسلمان باطنی فرمانبرداری کے ذریعہ سے نماز کی حقیقت سے مزین ہے، تو معلوم ہوا کہ صورت اور حقیقت کا اعتبار باطنی انکار و اقرار کے اعتبار سے ہے، یہ درجہ یعنی اطمینان نفس اور اعمال صالحہ کی حقیقت کا درجہ ولایت

خاصہ کے کمالات جو درجہ سوم سے متعلق ہیں، کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

متابعت کا چوتھا درجہ وہ ہے جو پہلے درجہ میں تھا، پہلے درجے میں اس کی صورت تھی، اور اس درجہ میں اتباع کی حقیقت ہے، اور یہ چوتھا درجہ اتباع علماء راہین شکر اللہ تعالیٰ سببہم کے ساتھ مخصوص ہے، جو نفس کے اطمینان کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں، اولیاء اللہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کو ہر چند تمکین قلب کے بعد ایک طرح کا اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے، لیکن نفس کو کمال درجہ کا اطمینان کمالات نبوت کے حصول سے حاصل ہوتا ہے، جو کہ بطریق وراثت علمائے راہین کو کمالات حاصل ہوتے ہیں، پس علماء راہین بواسطہ کمال اطمینان نفس شریعت کی حقیقت سے جو حقیقی اتباع ہے، موصوف ہے، اور دوسروں کو چونکہ کمالات حاصل نہیں ہوتے، لہذا کبھی تو وہ شریعت کی صورت سے موصوف ہوتے ہیں، اور کبھی شریعت کی حقیقت سے متصف۔

علماء راہین کی علامت بیان کر دیتا ہوں، تاکہ ہر ظاہر دان عالم راہ ہونے کا دعویٰ نہ کر سکے، اور اپنے نفس امارہ کو نفس مطمئنہ نہ سمجھنے لگے، عالم راہ وہ ہے، جس کو کتاب و سنت کے متشابہات کی تاویل سے حصہ حاصل ہو، اور قرآن مجید کی سورتوں کے اوائل میں جو حروف مقطعات ہیں، ان کے اسرار سے بہرہ ور ہو، اور متشابہات کی تاویل بہت ہی دقیق اسرار میں سے ہے، یہ نہ سمجھ لینا کہ تاویل (ہاتھ) کی تاویل قدرت کی طرح ہے، اور وجہ (چہرہ) کی تاویل ذات کی طرح ہے، کیونکہ یہ تاویلیں تو ظاہری علوم سے پیدا ہوتی ہیں، ان کا اسرار سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان اسرار کے اصل مالک تو انبیاء

علیہم الصلوٰات والتسلیمات ہیں، اور یہ رموز انہی کے معاملات کی طرف اشارہ ہیں، اور یا پھر وہ لوگ ہیں، جن کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس دولت عظمیٰ سے سرفراز کیا اور اس درجہ متابعت کا حصول جو کہ اطمینان نفس اور صاحب شریعت علیہ الصلوٰات والتسلیمات کی متابعت کی حقیقت کو پالینے سے تعلق رکھتے ہے، کبھی تو بغیر وسیلہ فنا و بقا اور بغیر سلوک و جذبہ کے ہوتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات قسم کی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی درمیان میں نہ آئے اور یہ دولت حاصل ہو جائے، لیکن اس دولت تک ولایت کی راہ سے پہنچنا بہت زیادہ قریب ہے، بہ نسبت اس کے جو دوسری راہ سے پہنچے، اور وہ دوسری راہ اس فقیر کے خیال میں نسبت سنیہ (علیٰ صاحبہ الصلوٰة والسلام) کی اتباع کا التزام اور بدعت کے نام و نشان سے بھی پرہیز کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اور بدعت حسنہ سے بھی جب تک بدعت سنیہ کی طرح پرہیز نہ کرے گا، اس دولت کی خوشبو بھی اس کی جان کے دل و دماغ میں نہ پہنچے گی۔^۲

اور یہ بدعت سے اجتناب آج کل تو بہت مشکل ہو گیا ہے، کہ ساری دنیا بدعت کے دریا میں غرق ہو چکی ہے، اور بدعت کے اندھیروں میں آرام حاصل کر رہی ہے، کہ بدعت کو دور کرنے کا دم مارے، اور سنت کو زندہ کرنے کے لیے لب کشائی کرے، اس وقت کے اکثر علماء بدعت کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں، عالمگیر بدعات کو خلق کا تعامل قرار دیتے ہوئے اس کے جواز بلکہ اس کے استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں، اور لوگوں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اچھا یہ بتائیں کہ کیا فتویٰ دیتے ہو، اس صورت میں کہ گمراہی عام پھیل جائے، اور باطل متعارف ہو جائے، اور لوگ اس

پر عمل کرنے لگیں؟ جو کہ علماء کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مطلقاً تعامل استحسان کی دلیل نہیں ہے، اور وہ تعامل جو معتبر ہے وہ ہے جو کہ ابتدائی دور سے آرہا ہو، اور یا پھر تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہو، جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں ذکر کیا گیا ہے، شیخ شہید رحمۃ اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ: ہم ”مشائخ بلخ کے استحسان کو قبول نہیں کرتے، بلکہ ہم اپنے متقدمین اصحاب کے اقوال کو قبول کریں گے، کیونکہ ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا، جواز پر وہ تعامل دلالت کرے گا، جو کہ اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر مسلسل آرہا ہو، تاکہ یہ رسول ﷺ کی تقریر پر دلیل ہو، کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اس پر چھوڑا، تو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت ہوگا، اور اگر ایسا نہ ہو، تو پھر لوگوں کا فعل حجت نہیں ہوگا، ماسوائے اس صورت کے کہ تمام شہروں کے تمام آدمی اس پر عمل کریں، تاکہ یہ اجماع ہو جائے اور اجماع حجت ہے، کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے، کہ اگر کچھ لوگ شراب کی تجارت یا سود کے رواج کو تعامل بنا لیں، تو ان کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔“

اور اس میں شک نہیں ہے، کہ تمام لوگوں کے تعامل اور تمام شہروں اور بستیوں کے عمل کا علم حاصل کرنا بشری طاقت سے باہر ہے، باقی رہا ابتدائی دور کا تعامل جو کہ حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کو اس عمل پر برقرار رکھنا ہے، اور حقیقت میں وہ آپ ہی کی سنت ہے، وہ تعامل بدعت کیسے ہو سکتا ہے، اور بدعت حسنہ وہ کب ہے؟

صحابہ کرام کو تمام کمالات کے حصول میں صرف خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی صحبت ہی کافی تھی، اور علماء سلف میں سے جو بھی رسوخ کی دولت سے مشرف ہوا ہے، اور صوفیہ کے طریق

کے اختیار کرنے اور سلوک اور جذبہ سے قطع مسافت کرنے کے بغیر اس دولت سے مشرف ہوا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سنیہ کی دوامی متابعت اور ناپسندیدہ بدعات سے پرہیز کرنے کی وجہ سے اس مرتبہ پر پہنچا ہے، اے اللہ ہمیں بحرمت صاحب سنت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سنت کی متابعت پر ثابت قدم رکھ، اور بدعات کے ارتکاب سے بچا، آمین۔

متابعت کا پانچواں درجہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کی اتباع کا ہے، کہ ان کمالات کے حصول میں علم اور عمل کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے وابستہ ہے، اور یہ نہایت ہی بلند مقام ہے، پہلے ذکر شدہ مراتب کو اس مرتبہ سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

اصل میں یہ کمالات اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہیں، اور تبعیت و وراثت کے طور پر جس کو بھی اس دولت سے مشرف فرمادیں۔

اور متابعت کا چھٹا درجہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان کمالات کی اتباع ہے، جو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں، جس طرح درجہ پنجم میں کمالات کا فیضان محض فضل اور احسان سے تھا، اسی طرح اس چھٹے درجہ میں آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کا فیضان صرف محبت سے ہے، جو کہ پہلے فضل اور احسان سے بلند ہے، اور متابعت کا یہ درجہ بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

پہلے درجہ کو چھوڑ کر متابعت کے باقی پانچ درجے سب کے سب عروج کے مقامات سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان کا حصول عروج سے وابستہ

ہے۔

اور متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے، جو نزول و صہوط سے تعلق رکھتا ہے، اور متابعت کا یہ ساتواں درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے، اس لیے کہ اس مقام میں نزول بھی تصدیق قلب اور اطمینان نفس ہے، اور جسم کے عناصر اربعہ کا اعتدال بھی اس میں ہے، کہ وہ سرکشی اور نافرمانی سے باز آجائے، یوں سمجھیں کہ پہلے درجات اس متابعت کے اجزاء تھے، اور یہ درجہ ان کے لحاظ سے کل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس مقام میں پہنچ کر تابع اپنے متبوع سے اس طرح کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے، کہ گویا پیروی (تبعیت) کا نام درمیان سے اٹھ جاتا ہے، اور تابع اور متبوع کا امتیاز دور ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تابع اپنے متبوع کی طرح جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے، وہ اصل سے براہ راست حاصل کرتا ہے، گویا دونوں ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک ہی پہلو کی آغوش میں ہیں، اور دونوں ایک ہی بستر میں ہیں، اور دونوں شیر و شکر کی طرح ملے ہوئے ہوتے ہیں، تابع کہاں؟ اور متبوع کون؟ اور تبعیت کیسی ہے؟ اتحاد نسبت میں تفاسیر نسبت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عجب معاملہ ہے، کہ اس مقام میں جتنا بھی گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے، تبعیت کی نسبت بالکل معلوم نہیں ہوتی، اور تابعیت اور متبوعیت کا کوئی امتیاز نظر نہیں آتا، بس اتنا ہے، کہ تابع اپنے آپ کو طفیلی سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو نبی کے کمالات کا وارث جانتا ہے (علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام) یہ تو یقینی بات ہے کہ تابع اور ہوتا ہے اور طفیلی اور وارث اور ہر چند کہ یہ سب بظاہر تابع کی قطار میں نظر آتے ہیں، لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ تابع میں متبوع کی حیلولۃ (حائل ہونا

(درکار ہے، اور طفیلی اور وارث کے لیے متبوع کا حامل ہونا درکار نہیں ہے، تابع اپنے متبوع کا بچا کھچا کھانا کھاتا ہے، اور طفیلی ضمنی طور پر ساتھ بیٹھ کر کھانے والا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ جو دولت بھی آئی ہے، وہ اصل میں انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے لیے آئی ہے، اور امتوں کی سعادت مندی اس میں ہے، کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے طفیل اس دولت سے مستفید ہوں، اور ان کا پس خوردہ تناول فرمائیں۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرم
 ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جسم
 (جس قافلہ میں وہ ہے، میں جانتا ہوں کہ اس میں نہیں پہنچ سکتا، بس اتنا ہی کافی ہے، کہ دور سے مجھے گھنٹی کی آواز آتی ہے)

کامل متبع وہ شخص ہے جو ان سات درجات میں پوری طرح متابعت سے آراستہ ہو، اور جو بعض درجات میں تو متابعت رکھتا ہو، اور بعض میں متابعت نہ رکھتا ہو، وہ منجملہ تابعین میں سے ہے، گو ان کے درجات الگ الگ ہیں، علماء ظاہر پہلے درجہ میں ہی خوش ہیں، کاش کے وہ اس درجہ کو ہی اچھی طرح سرانجام دیتے، ان لوگوں نے صرف شریعت کی صورت میں ہی متابعت کو منحصر کر رکھا ہے، اور اس کے علاوہ دوسرے کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، اور صوفیہ کے طریقہ کو جو کہ درجات متابعت کے حصول کا وسیلہ ہے، بیکار تصور کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر مقتداء اور پیروائے ہدایہ^۳ اور بزدری^۴ کے اور کسی کو نہیں سمجھتے۔

چوں آں کرے کہ در سنگے است
 زمین و آسمان او ہماں است

(اس کیڑے کی طرح جو کہ پتھر میں پوشیدہ ہے، اس کا آسمان وزمین
تو وہی پتھر ہے)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام و
البرکۃ والتحیہ کی پسندیدہ متابعت میں پوری طرح ثابت قدم رکھے،
اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے دوسرے بھائیوں انبیاء کرام اور ملائکہ
عظام اور ان کے تمام تابعداروں پر قیامت تک اپنی رحمتیں اور سلامتی
اور برکات نازل فرمائے آمین“ ۵

مندرجہ بالا مکتوب میں اتباع شریعت کے سات درجات میں سے نمبر ۴ کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔
اس درجہ نمبر ۴ میں علماء راہنہ کی پہچان بتائی گئی ہے۔

علماء راہنہ کی پہچان:

عالم راہنہ وہ ہے جس کو کتاب اور سنت کے متشابہات کی تاویل سے
حصہ حاصل ہو، اور قرآن مجید کی سورتوں کے اوائل میں جو حروف
مقطعات ہیں، ان کے اسرار سے بہرہ ور ہو، متشابہات کی تاویل
بہت ہی دقیق اسرار میں سے ہے، یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ تاویل
(ہاتھ) کی تاویل قدرت کی طرح ہے اور وجہ (چہرہ) کی تاویل
ذات کی طرح ہے، کیونکہ یہ تاویلات تو ظاہر علوم سے پیدا ہوتی ہیں،
ان کا اسرار سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور ان اسرار کے اصل مالک
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ رموز ان کے معاملات کی طرف
اشارہ ہیں، اور پھر وہ لوگ ہیں جن کو تبعیت اور وراثت کے طور پر
اس دولت عظمیٰ سے سرفراز کیا جاتا ہے، (تا آخر)

مندرجہ بالا عبارت جو اتباع شریعت کے چوتھے درجہ کی ہے، اس میں علماء راہنہ کے لیے دو کمالات
کا حاصل ہونا لازم قرار دیا گیا ہے:-

۱۔ حروف مقطعات جو سورتوں کے اوائل میں ہیں، اسرار متشابہات کے اسرار سے نیچے ہیں، اور حروف

مقطعات صرف قرآن میں پائے جاتے ہیں۔

۲:۔ متشابہات جو قرآن اور سنت دونوں میں پائے جاتے ہیں، ان کے اسرار حروف مقطعات کی نسبت مشکل اور اعلیٰ ہیں، ان دونوں کمالات سے حصہ پانے والا فرد ہی عالم راسخ ہے، جس کو یہ کمالات حاصل نہیں وہ عالم راسخ نہیں ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علماء ظاہر اور علماء راسخین میں جو فرق بیان کیا ہے، اس کی مثال تاریخ اسلام میں شاید ہی کوئی مجدد سو سالہ بیان کر پایا ہو، نیز ایک بہت بڑی بھول کی اصلاح بھی ہو گئی ہے، وہ بھول کیا ہے؟

وہ یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے حروف مقطعات کے مفہیم اور معانی کے جاننے سے امت مسلمہ کے افراد کو مستثنیٰ بتایا ہے، جس کے مقابلہ میں امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واضح کرتے ہیں، کہ علماء راسخین حروف مقطعات اور ان سے بلند تر علوم میں بھی رسوخ رکھتے ہیں، جو متشابہات کے علوم ہیں۔ نتیجہ:۔ چودہ سو سال میں لکھی جانے والی تفاسیر میں اکثر میں لکھا ہے، کہ حروف مقطعات کے اسرار کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا، مکتوب کی برکت سے یہ معلوم ہو گیا کہ حروف مقطعات کے اسرار سے علماء امت بھی آگاہ ہیں، بلکہ ان اسرار و موز سے بلند تر اور مشکل ترین علوم میں بھی رسوخ رکھتے ہیں۔ مجدد الف ثانی قدس سرہ کے خصائص کی فہرست طویل ہے، ان میں سے چند جن کا تعلق پیدائش سے ہے ان کو نیچے لکھا جاتا ہے۔

۱:۔ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنی پیدائش کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے رحلت فرمانے سے ہزار اور چند ۶ سال کے بعد ایک ایسا زمانہ آرہا ہے، کہ حقیقت محمدی ﷺ اپنے مقام سے عروج فرماتی ہے اور حقیقت کعبہ کے مقام سے متحد ہو جائے گی، اور اس وقت حقیقت محمدی ﷺ کا نام حقیقت احمدی ﷺ ہو جائے گا، اور ذات احد جل سلطانہ کا مظہر بن جائے گی، اور دونوں اسم مبارک اپنے مسمیٰ کے ساتھ متحقق ہو جائیں گے، اور پہلا مقام حقیقت محمدی ﷺ سے خالی رہے گا، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ

والسلام نزول فرمائیں گے، اور شریعت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موافق عمل کریں گے، اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج فرما کر حقیقت محمدی ﷺ کے مقام میں جو خالی رہا تھا، قرار پکڑے گی۔

اسی مکتوب میں آگے یوں رقمطراز ہیں۔

جاننا چاہیے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رحلت کر جانے سے ہزار سال بعد حضور کی امت کے اولیاء جو ظاہر ہوں گے، اگرچہ وہ قلیل ہوں گے، مگر اکمل ہوں گے، تاکہ اس شریعت کی تقویت پورے طور پر کر سکیں^۸۔

نوٹ: حضرت امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دوسرے ہزار سال کے آخر میں متوقع ہیں، وہ اس لیے کہ پہلا ہزار سال حقیقت محمدی ﷺ کے کمالات کا تھا اور دوسرا ہزار سال کمالات حقیقت احمدی ﷺ کا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلق حقیقت احمدی ﷺ سے ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور ﷺ کی آمد کی بشارت اسم احمد کے ساتھ دی تھی۔

(مؤلف حبیبی)

اسی مکتوب میں مزید آگے جا کر یوں تحریر فرماتے ہیں:-

جاننا چاہیے..... کہ کعبہ ربانی کی حقیقت، حقیقت محمدی ﷺ کی مسجود ہوگئی، کیونکہ کعبہ ربانی کی حقیقت بعینہ حقیقت احمدی ﷺ ہے کہ حقیقت محمدی ﷺ دراصل طواف کے لیے آتا ہے اور ان سے برکات حاصل کرتا ہے، حالانکہ اس کی حقیقت، حقیقت محمدی ﷺ پر متقدم ہے، تو پھر یہ بات کس طرح جائز ہوگی۔

--- میں (مجدد الف ثانی قدس سرہ) جو اب میں کہتا ہوں کہ حقیقت محمدی ﷺ تنزیہ اور تقدس کی بلندی سے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کرنے کے مقامات کی نہایت بہ اور کعبہ کی حقیقت عروج

کعبہ کے مقامات کی نہایت ہے، اور حقیقت محمدی ﷺ کے واسطے مرتبہ تزیہ پر عروج کرنے کے لیے پہلا مرتبہ حقیقت کعبہ ہے اور حقیقت محمدی ﷺ کے عروج کی نہایت سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، اور جب حضور ﷺ کی امت میں کامل آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عروجات سے پورا پورا حصہ حاصل ہے، تو پھر اگر کعبہ ان بزرگواروں سے برکات حاصل کرے تو کیا تعجب ہے۔؟

مندرجہ بالا مکتوب کی جستہ جستہ عبارتوں سے جن باتوں کا علم ہوتا ہے، وہ درج ذیل ہیں۔
نوٹ:- امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جن باتوں کا انکشاف کیا ہے، یہ انکشاف اس وقت تک بیان نہیں ہو سکتا جب تک پہلے ان باتوں کی معرفت حاصل نہیں ہو جاتی، جب معرفت حاصل ہو جاتی ہے، دلائل کے لیے انشراح صدر بھی ہو جاتا ہے، جب یہ نعمتیں حاصل ہو جاتی ہیں، تو اس کے بعد قرآن و حدیث سے شواہد اور دلائل از خود سامنے آ جاتے ہیں، کسی مشقت کی ضرورت نہیں آتی۔

(مؤلف حبیبی)

- ۱:- عبارت کے پہلے اور دوسرے حصہ میں رحلت کے ہزار سال گزرنے کے بعد مجدد کا پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے، اور اس مجدد سے مراد امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی ذہانت ہے۔
- ۲:- حقیقت محمدی ﷺ کا عروج فرما کر حقیقت کعبہ کے مقام سے متحد ہونا۔
- ۳:- حقیقت محمدی ﷺ کا نام حقیقت احمدی ﷺ ہو جانا۔
- ۴:- پھر حقیقت محمدی ﷺ کا ذات احد کا مظہر بن جانا۔
- ۵:- دونوں اسم مبارک (محمد اور احمد) کا اپنے مسعی کے ساتھ متحقق ہو جانا۔
- ۶:- اور پہلا مقام (جو حقیقت محمدی ﷺ کا تھا) وہ حقیقت محمدی ﷺ سے خالی رہنا۔
- ۷:- یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ السلام نزول فرمائیں گے۔
- ۸:- حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدی ﷺ کے موافق عمل کریں گے، اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج فرما کر حقیقت محمدی ﷺ کے مقام میں جو خالی رہا تھا، قرار پکڑے گی۔
- ۹:- حقیقت کعبہ، حقیقت محمدی ﷺ، کی مسجود ہوگی، کیونکہ حقیقت کعبہ بعینہ حقیقت احمدی ﷺ ہے۔

- ۱۰۔ حقیقت محمدی ﷺ دراصل حقیقت احمدی ﷺ کا ظل ہے۔
 ۱۱۔ پس ناچار حقیقت کعبہ، حقیقت محمدی ﷺ کی مسجود ہوگئی۔
 ۱۲۔ اولیاء امت محمدیہ ﷺ کے طواف کے لیے کعبہ کا اولیاء کے پاس آنا۔
 ۱۳۔ اور ان اولیاء امت سے برکات حاصل کرنے کے لیے آنا۔
 ۱۴۔ حقیقت محمدی ﷺ تنزیہ و تقدیس کی بلندی سے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کے مقامات کی نہایت ہے۔

- ۱۵۔ اور حقیقت کعبہ کا عروج کعبہ کے مقامات کی نہایت ہے۔
 ۱۶۔ اور حقیقت محمدی ﷺ کے واسطے مرتبہ تنزیہ پر عروج کرنے کے لئے پہلا مرتبہ حقیقت کعبہ ہے۔
 ۱۷۔ اور حقیقت محمدی ﷺ کے عروج کی نہایت سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔
 ۱۸۔ جب رسالت مآب ﷺ کی امت کے کامل اولیاء کو رسالت مآب ﷺ کے عروجات سے پورا پورا حصہ حاصل ہے، تو پھر اگر کعبہ ان بزرگواروں سے برکات حاصل کرے تو کیا تعجب ہے۔؟
 مندرجہ بالا اٹھارہ اصطلاحات درحقیقت انسانی حقائق کا، کائناتی حقائق پر عروج و نزول کا سفر اور کائناتی حقائق میں انسانی حقائق کے استقرار کی داستان ہے، اس عروج و نزول اور استقرار (قیام) کا تعلق باطن سے ہے، جو حضرات باطنی سفر کو کامل طور پر نہ کر پائے ہوں، ان کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس سفر پر لب کشائی کر سکیں یہ کمالات امام ربانی قدس سرہ کے لیے مخصوص ہیں۔
 اس سفر کو سمجھنے کے لیے مکتوبات امام ربانی کے چند مخصوص مکتوبات ہیں، جن کا بار بار کا مطالعہ ان اصطلاحات کے فہم کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، راقم الحروف جیبی کو مکتوبات کے مطالعہ کی سعادت ۱۹۶۱ء سے حاصل ہے، اور یہ اعتماد ہے کہ ان اصطلاحات کی وضاحت بیان کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔
 دوسری خصوصیت:

آپ کے وجود کی طینت حضور ﷺ کے وجود کی طینت کا بقیہ ہے۔
 امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اپنی پیدائش میں جو طینت (مٹی) استعمال کی گئی تھی، اس کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

سنو سنو! اگرچہ اس دولت خاصہ محمدی ﷺ میں کسی دوسرے کی شرکت

نہیں ہے، لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے، کہ آپ ﷺ کی اس دولت خاصہ سے ان کی تخلیق و تکمیل کے بعد کچھ حصہ باقی بچا تھا، کیونکہ شرفاء کی ضیافت کی دولت کے دسترخوان پر کچھ نہ کچھ بچ رہنا لازمی امر ہے، جو کہ پس ماندہ کھانے والے خادموں کا حصہ ہوتا ہے، اس بقیہ کو آپ ﷺ کی امت کے کسی ایک دولت مند پس خوردہ کھانے والے کو عطا فرمایا ہے، اور اس کو اس کے خمیر کا سرمایہ بنا کر اس کی مٹی کو خمیر کیا ہے، اور ان کی وراثت و تبعیت میں آپ ﷺ کی دولت خاصہ کا شریک بنایا۔

بر کریمان کار ہادشوار نیست (کریم لوگوں کے لیے کوئی کام مشکل نہیں)

اور یہ بقیہ حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی کے بقیہ کی طرح ہے، جو کہ کھجور کے درخت کی پیدائش کے نصیب ہوا، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:-

”اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کیا کرو کہ وہ آوم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا ہوئی ہے۔“

ہاں والا رض من کاس الکرام نصیب (شرفاء کے پیالہ میں سے زمین کو بھی حصہ ملتا ہے) ۹

مندرجہ بالا خصوصیت نمبر دو میں امام ربانی قدس سرہ نے اپنا نام لیے بغیر اپنی پیدائش کے ترکیبی اجزا کی خبر دی ہے، مؤلف جیبی کے نزدیک یہی خصوصیت سیدنا و امامنا حضرت مجدد الف ثانی قیوم زمانی قدس سرہ کی کامرانیوں اور کامیابیوں کی بنیاد ہے۔

تیسری خصوصیت:

مجدد الف ثانی قدس سرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا کی قبولیت کا مظہر و ثمر ہیں، جو آپ ﷺ نے درود ابراہیمی میں کی ہے، جو ہر نماز میں پڑھی (دہرائی) جاتی ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دائرہ کا محیط جو کہ محبوبیت سے عبارت ہے اور جو محبت سے ملا ہوا ہے، تو وہ رسول ﷺ کی امت کے افراد میں سے کسی فرد کی ولایت کا منشا ہے، جو ولایت محمدی مرکزی کے حصول کے باوجود محیط دائرہ سے مناسبت رکھتا ہے، اور اس کے کمالات کو بھی حاصل کیا اور معلوم ہوا کہ دولت ثانی اس کو ولایت موسوی سے حاصل ہوتی ہے، اور وہ ان دو عظیم ولایتوں کے طفیل سے مرکز و محیط کے کمالات کا جامع ہوا ہے، اور یہ تو طے شدہ بات ہے کہ ہر وہ کمال جو امت کو سیر کرتا ہے، وہ کمال اس امت کے نبی کو بھی حاصل ہے، بحکم

”من سن فی الاسلام سنہ حسنة“ (جو اچھا طریقہ نکالے)

پس رسول اللہ ﷺ کو بھی اس فرد کے ذریعہ سے اس دائرہ کے کمالات حاصل ہوئے اور ولایت خلت بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے پوری ہو گئی۔ اور دعاء

اللہم صل علی محمد کما صلیت علی ابراہیم
(اے اللہ! حضرت محمد ﷺ پر بھی اسی طرح رحمت فرما جیسے تو نے
ابراہیم علیہ السلام پر رحمت کی)

زمین زادہ بر آسمان تافتہ
زمین و زمان واپس انداختہ
(خاک سے پیدا شدہ آسمان پر جا پہنچا اور زمین و زمان کو پیچھے چھوڑ
گیا) ۱۰

ایک ہزار سال کے بعد (دعا) قبول اور مستجاب ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ کو ولایت خلت پورا ہونے کے بعد اس برّ (بھید) اور نشاۃ سے کاروبار ہے، جو کہ مرکز میں ودیعت کیے ہیں اور ان کی تعبیر ملاحظت سے ہوئی ہے، اور اس فرد کو امت کی پاسبانی اور حفاظت کے لیے اس قیام سے واپس کیا اور خود غیب الغیب کے خلوت خانہ میں محبوب کے ساتھ خلوت اختیار کر لی، نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں

عاشق مسکین کے لیے تو وہی ہے جو گھونٹ گھونٹ پیتا ہے۔"

نوٹ:- مندرجہ بالا عبارت میں جو حاشیہ مکتوبات کے صفحات پہ درج ہے، اس کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے، کہ عبارت میں (فرد) سے مراد امام ربانی مجدد الف ثانی ہیں۔ (مؤلف جیبی) (عرض مؤلف):- دائرہ عالم ارواح جس کا محیط حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حقیقت کا دائرہ ہے، اور اس دائرہ کا مرکزی نقطہ رسالت مآب ﷺ کی حقیقت کا نقطہ ہے، جو دائرہ کی صورت میں ہے، اس مرکزی دائرہ کے نقطہ کا بھی ایک محیط ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقیقت ہے، مرکزی نقطہ محبوبیت کا نقطہ ہے، اس کا محیط محبت کا دائرہ ہے اور بڑا دائرہ یا محیط خلت کا ہے۔

(نوٹ) جب کائنات کی تخلیق کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے محبوبیت کے مرکزی نقطہ سے آغاز کیا گیا تھا۔ بنی آدم کو مرکزی نقطہ تک پہنچنے کے لیے پہلے خلت کے محیط سے گزرنا پڑتا ہے، پھر محبت کے دائرہ سے گزر کر محبوبیت کے نقطہ تک رسائی کرنی پڑتی ہے، تو اس سفر اور عمل سے کمالات ولایت ابراہیمی اور کمالات ولایت موسوی سے متصف ہو جانا واقع ہے۔ (مؤلف جیبی)

(نوٹ) امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کو جو استعداد اور صلاحیت حاصل ہے، اس کی اصل بنیاد وہ طینت ہے، جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ (مؤلف جیبی)

امام ربانی قدس سرہ مکتوب ۶ دفتر دوم کا آغاز ہی اپنی پیدائش کے مقاصد سے شروع کرتے ہیں، اور اس مکتوب میں پیدائش کے تین مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔

۱:- ولایت محمدی کا ولایت ابراہیمی کے رنگ سے رنگین ہو جانا۔

۲:- دو سمندروں کے درمیان رابطہ اور دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا۔

۳:- کارخانہ کائنات کے عظیم کام کو سرانجام دینا ہے۔

مکتوب کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

چوتھی خصوصیت:

"الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين

اصطفى" میرا گمان ہے! کہ میری پیدائش سے متصور یہ ہے کہ

ولایت محمدی ﷺ، ولایت ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والتحيات کے رنگ

سے رنگین ہو جائے اور اس ولایت کا حسن ملاحظت اس ولایت کے جمال صباحت کے ساتھ مل جائے حدیث میں وارد ہے کہ ”میرے بھائی یوسف صبح ہیں اور میں ملیح ہوں۔“ اور اس رنگ اور ملاوٹ کے ساتھ محبوبیت محمدیہ کا مقام درجہ علیا تک پہنچ جائے۔

شاید کہ حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی اتباع کا حکم اسی دولت عظمیٰ کا حصول ہے اور حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوات و برکات کے برابر صلوات و برکات کے حسن سے آگاہ کرتے ہیں۔

پانچویں خصوصیت:

میری پیدائش سے جو مقصود ہے، مجھے معلوم ہے، میرے علم میں پورا ہو گیا اور ہزار سالہ تجدید کی دعا قبول ہو گئی، تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں، جس نے مجھے دو سمندروں کے درمیان رابطہ اور دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنا دیا۔

چھٹی خصوصیت:

اے فرزند! اس معاملے کے باوجود جو میری پیدائش سے وابستہ کیا گیا ہے، ایک اور عظیم کام میرے سپرد کیا گیا ہے، مجھے پیری مریدی کے لیے (دنیا میں) نہیں لایا گیا، میری پیدائش سے مقصود مخلوق کی تکمیل و ارشاد نہیں، ایک دوسرا کام اور معاملہ ہے، جو شخص (مجھ سے) مناسبت رکھتا ہوگا، وہ اس دوسرے کام کے ضمن میں فیض حاصل کرے گا، اگر مناسبت نہ رکھتا ہوگا تو فیض نہ پاسکے گا، اس عظیم کام کی نسبت ارشاد و تکمیل کا کام اس طرح معمولی ہے، جس طرح راستے میں پڑی ہوئی چیز (جیسے تنکا وغیرہ) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت ان کے باطنی معاملات کی نسبت یہی حیثیت رکھتی ہے، اگرچہ

منصب نبوت ختم ہو چکا ہے، لیکن تبعیت و وراثت کے طور پر نبوت کے کمالات و خصائص سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ان کے کامل پیروکار کو بھی کامل حصہ ملتا ہے^{۱۲}۔

ساتویں خصوصیت:

امام ربانی مجدد الف ثانی قیوم زمانی قدس سرہ خود اپنے بارے میں یوں اظہار فرماتے ہیں: (اور یہ فقیر) عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق کیا عرض کرے، اور کچھ عرض کرے بھی تو کون سمجھے گا، اور کون پائے گا اور کیا پائے گا، یہ معارف دائرہ ولایت سے خارج ہیں، ارباب ولایت علماء ظواہر کی طرح ان کے ادراک سے عاجز ہیں، اور ان کے حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

یہ علوم انوار نبوت علیٰ اربابہا الصلوٰۃ والسلام والحمیہ کے سینہ سے اخذ کیے گئے ہیں، جو دوسرے ہزار سال کے آغاز کے بند تبعیت اور وراثت کے طور تازہ ہوئے، اور پوری تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے، ان علوم اور معارف والا اس ہزار سال کا مجدد ہے۔

جیسا کہ اس کے علوم و معارف میں جو ذات و صفات اور افعال سے تعلق رکھتے ہیں، اور جو احوال، مواجید، تجلیات، اور ظہورات سے متعلق ہیں، دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں، تو صاحب نظر لوگ جانتے ہیں کہ یہ معارف اور علوم علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے وراہ ہیں، بلکہ ان کے علوم کی نسبت چھلکا ہیں، اور وہ معارف اس چھلکے کا مغز ہیں، اور اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا اور جان لیس کہ ہر سو سال پر ایک مجدد گزرا ہے، لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور جس طرح سو اور ہزار میں فرق ہے، ان دونوں مجددوں میں بھی اسی طرح فرق ہے، بلکہ اس سے زیادہ، اور مجدد وہ

ہوتا ہے، کہ فیوض و برکات میں سے جو کچھ اس مدت میں امتیوں کو پہنچتا ہے، اس کے واسطے سے پہنچتا ہے، اگرچہ اس وقت کے قطب اور اوتاد ہوں، اور ابدال و نجباء ہوں۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را
 ”مصلحت عام کی خاطر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو خاص کر لیتا ہے۔“ ۱۳

یہ دستور قدرت کا رہا ہے کہ جب بھی کفر و شرک اور فسق و فجور کا اندھیرا اچھا جاتا تھا تو اس کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ایک نبی کو مبعوث فرمایا کرتا تھا، جو اس ظلمت کو دور کر کے رشد و ہدایت کے نور سے عالم کو روشن کر دیا کرتا تھا، لیکن چونکہ ہمارے نبی آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آنا اس لیے اب جب بھی کفر و شرک، فسق و فجور کا اندھیرا اچھانے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی امت میں علمائے حق کو ”مجدد“ بنا کر مبعوث فرماتا ہے، جو اپنے رشد و ہدایت کے نور سے ان کفر و عصیاء کی ظلمتوں کو کافور کر دیتے ہیں، چنانچہ اس پر یہ حدیث مبارک شاہد ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:-

ان لله عزوجل يبعث لهذه الامة على راس كل مائة سنة من يجدد لها

دينها

یعنی اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر مجدد بھیجتا رہتا ہے، جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے، یعنی اس کو تروتازہ کرتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے، کہ جس طرح قرآن پاک میں انبیائے کرام کے لیے بعثت کا لفظ لایا گیا ہے جیسا کہ فرمایا گیا، ”حتیٰ نبعث رسولاً“ دوسرے مقام پر فرمایا ”ولقد بعثنا فی کل امة رسولا“ تیسرے مقام پر فرمایا ”فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین“ اسی طرح اس مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں ”مجدد“ کے لیے بھی مبعث کا لفظ لایا گیا ہے، جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”ان اللہ عزوجل یبعث“ اس سے پتا چلا کہ جس طرح نبوت میں کسی کی ذاتی محنت اور کسب یا کسی کی تجویز و تائید کو کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ ”وہ من جانب اللہ مبعوث ہوتا ہے“ اسی طرح مجد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے، اس کے ”منصب مجددیت“ کے ملنے میں اس کی خود اپنی کسی کاوش یا کسی دوسرے کی کسی تجویز و تائید کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

پھر مخلوق خدا کی رشد و ہدایت اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں اور منکرات کو دور کرنے کی جس طرح نبی سعی کرتا ہے، اسی طرح مجدد بھی ان مفاسد سے معاشرہ کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور تیسری بات یہ بھی ثابت ہوگئی، کہ چونکہ اب نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے، اور مجدد اب نبی کے قائم مقام بن کر آتا ہے اور اسی کا کام کرتا ہے، جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل“ لہذا جو کمالات، مراتب شانیں اور عظمتیں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو عطا فرمائیں ان میں سے بعض سے مجدد کو بھی نوازا جاتا ہے، مثلاً نبیوں کی بعثت میں اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اولوا العزم انبیائے کرام کو ہزار سال بعد مبعوث فرمایا اسی طرح امت مسلمہ میں بھی ہر صدی میں مجدد آئیں گے، لیکن اولوا العزم مجدد ہزار سال کے بعد آئے گا۔

بہر حال جس طرح اللہ تعالیٰ نے انتالیس سال کی عمر کے بعد ربیع الاول کے مہینے میں آنحضرت ﷺ کو بحیثیت نبی کے عالم کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا، اسی طرح آنحضرت ﷺ کے اس تبع خاص یعنی حضرت امام ربانی کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل انتالیس سال کی عمر کے بعد اسی ربیع الاول شریف کے مہینے میں مخلوق خدا کی رہبری و ہدایت کے لیے بحیثیت مجدد مبعوث فرمایا اور چونکہ آنحضرت ﷺ سے لے کر آپ کے زمانے تک ہزار سال ہو جاتے ہیں، اس لیے اولوا العزم انبیاء کی طرح آپ کو اولوا العزم مجدد یعنی الف ثانی بنا کر مبعوث فرمایا اور جس طرح ہر کار دو عالم ﷺ کی بعثت من جانب اللہ تھی، اسی طرح بحیثیت مجدد آپ کی بعثت بھی من جانب اللہ تھی، اسی لیے آنحضرت ﷺ جو خلیفۃ اللہ ہیں اور آئینہ خدا نما ہیں ان کے ذریعے آپ کو خلعت تجدید الف ثانی سے سرفراز فرمایا گیا، چنانچہ آپ کے سواغ نگار لکھتے ہیں کہ جمعہ کے روز دسویں ربیع الاول کو آپ صبح کے وقت حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ آنحضرت ﷺ تمام انبیاء کرام، ملائکہ مقربین اور مقتدر اولیائے امت کے ہمراہ جلوہ افروز ہوئے اور خود اپنے دست انور سے ایک نہایت شاندار نورانی خلعت حضرت امام ربانی کو پہنائی اور فرمایا کہ یہ تجدید الف ثانی کی خلعت ہے، ہم نے تمہیں اپنی امت کے واسطے اپنا نائب تم کو مقرر کیا ہے۔

شیخ الاسلام احمد جام

شیخ الاسلام احمد جام رحمۃ اللہ علیہ نے ”مقامات“ میں آپ کی ولادت سے قبل آپ کی تشریف آوری اور ”تجدید الف ثانی“ کے منصب پر فائز ہونے کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرے بعد سترہ آدمی

احمد نام کے پیدا ہونگے، جس میں سے آخری شخص آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے ہزار سال بعد ظاہر ہوگا اور وہ امت محمدی کے تمام اولیاء سے افضل ہوگا۔ ۱۴



حواشی:

۱.....مکتوب نمبر ۳۱۳ دفتر اول

۲.....مکتوبات شریف کے بہت سے مقامات میں حضرت امام ربانی قدس سرہ السامی نے بدعت کی بڑی شدت سے مذمت کی ہے، یہاں تک کہ بعض میں آپ نے فرمایا ہے، کہ کوئی بدعت حسنہ نہیں، اور ہر بدعت سے بچنا ضروری ہے، حضرت امام ربانی کے اس طرح کے الفاظ کو وہ لوگ دلیل بناتے ہیں، جنہیں بدعت کا ہیضہ بوچکا ہے، اور ہر چیز انہیں بدعت نظر آتی ہے، لیکن دراصل یہ لوگ آپ کی عبارت سے لوگوں کو دھوکے اور مغالطے میں ڈالتے ہیں، جیسا کہ ان کی عادت ہے نظر انصاف سے دیکھا جائے تو بات صرف اس قدر ہے، کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے نزدیک بدعت حسنہ سرے سے بدعت میں داخل ہی نہیں، بلکہ وہ سنت میں داخل ہے، کیونکہ آپ کے نزدیک ہر وہ چیز جس کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہے، بدعت نہیں، بلکہ ملحق بالسنتہ ہے، جیسا کہ تعامل اور قیاس فقہی کو آپ نے اسی مکتوب میں ملحق بالسنتہ قرار دیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف و مسلک کی یہ توجیہ توجیہ بمالایرضی بہ قائلہ کے قبیل سے نہیں ہے، بلکہ مکتوبات کے محشین کی تصریحات کے علاوہ خود مکتوبات میں اس توجیہ کے زبردست اور واضح شواہد موجود ہیں، یہ شواہد اور بدعت سے متعلق حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک دفتر اول کے مکتوب ۱۸۶ کے حاشیے میں ناچیز نے قدرے تفصیل سے تحریر کر دیا ہے، قارئین حضرات اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں، نیز مسئلہ بدعت میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ میں مسئلہ بدعت کے عنوان سے کافی تفصیل سے بیان کیا ہے، اور مغالطوں کی حقیقت ازبام کی ہے، اس کا مطالعہ بھی نہایت مفید ہے، تاکہ غلطی نہ ہو۔ (خاکسار محمد سعید احمد غفرلہ)

۳.....شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر حنفی م۔ ۵۹۴ھ کی مشہور تصنیف ہے۔

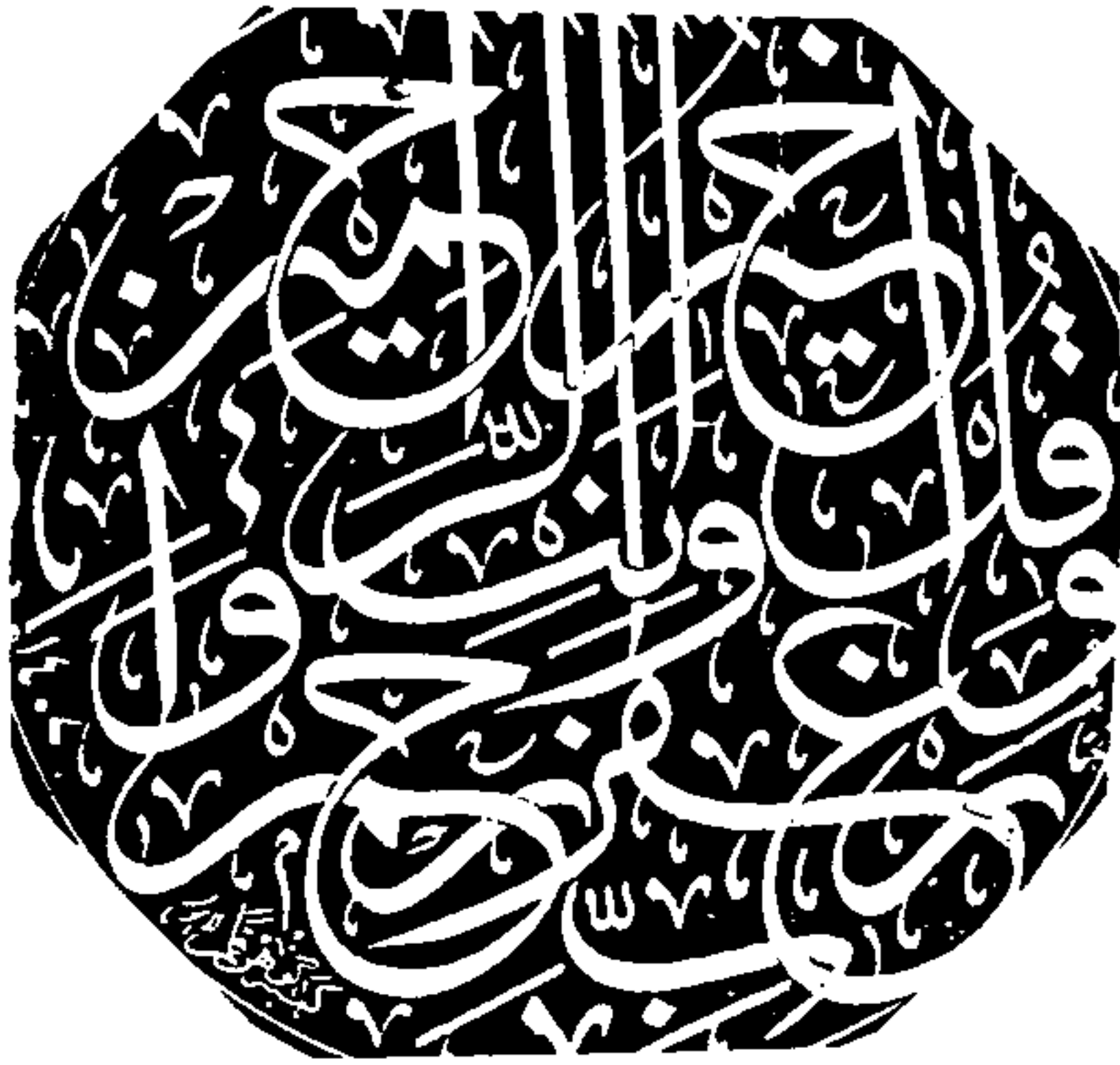
۴.....فخر الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بن حسین یزدری

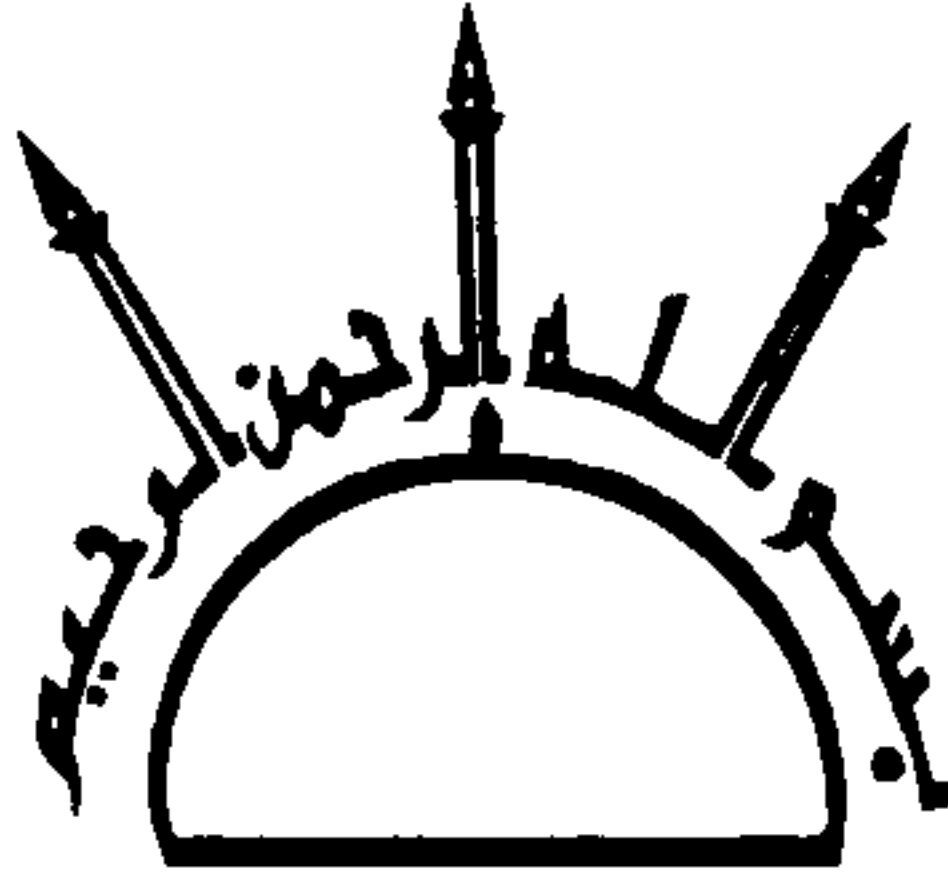
۵.....مکتوب نمبر ۵۴ دفتر دوم

۶.....سورہ نجم کی حیثیت انسانی وجود کے اندر ریزھ کی مانند ہے، کائنات کا ڈھانچہ اسی پر قائم ہے، کائنات کے ڈھانچہ کی تحقیق کا اول سے آخر تک نظام اسی میں درج ہے، حضور ﷺ کی زندگی کی داستان عروج و نزول اسی میں درج ہے، گویا سورہ نجم آئین کائنات بھی ہے۔

- ۷..... مکتوب ۲۰۹ دفتر اول
 ۸..... مکتوب ۲۰۹ دفتر اول
 ۹..... مکتوب ۱۰۰ دفتر سوم
 ۱۰..... مکتوب ۲۰۹ دفتر اول
 ۱۱..... مکتوب ۹۴ دفتر سوم ص
 ۱۲..... مکتوب ۶ دفتر دوم
 ۱۳..... مکتوب ۴ دفتر دوم
 ۱۴..... جهان امام ربانی جلد دوم، ص ۶۳۹، ۶۳۳

☆.....☆.....☆





باقیاتِ جهانِ امام ربانی

جلد دوم.....باب چهارم





بسم الله الرحمن الرحيم
نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

الجنات الثمانية (مبینه)

خواجہ عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید

مرتبہ: صاحبزادہ بدرالاسلام صدیقی

الموضوعات

مقدمة التحقيق

نبذة من أحوال الشيخ الامام عبدالأحد

عكس المخطوط (الصفحة الأولى)

عكس المخطوط (الصفحة الأخيرة)

بداية الكتاب

الجنة الاولى في البشارات المنجبة عن وجود قبل أن يوجد

الجنة الثانية في نسبه وميلاده

الجنة الثالثة في انتسابه الى سلاسل المشائخ

الجنة الرابعة في طريق مصافحته وطريق أسانيد الحديث

الجنة الخامسة في ذكر مصنفاة العلية

الجنة السادسة في ذكر كراماته

الجنة السابعة في ذكر بعض كلماته الطيبة

الجنة الثامنة في ردالشبهات الواردة على كلامه الشريف

الخاتمة في البشارات بعلو شأنه قدس سره

حسن الخاتمة

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمة التحقيق

إن الحمد لله أحمدته وأستعينه وأستهديه وأستغفره، وأتوب إليه وأتوكل عليه والصلاة والسلام والتحية على رسوله خير الأنام الهادى إلى الطريق القويم صاحب الرسالة الجامعة والأنوار الساطعة قدوة الأنام صلى الله عليه وعلى آله الأبرار وصحبه الأخيار وبعد فهذه رسالة جليلة الجنات الثمانية فى أحوال الإمام الربانى ومجدد الألف الثانى الشيخ الإمام أحمد الفاروقى السرهندى نور الله تربته، مشتملة على ثمانية أبواب وخاتمة. قد ألفها حفيد الإمام الربانى الشيخ الفقيه العارف الشيخ عبدالأحد وحدث رحمه الله تعالى فى سفره الثانى أو الثالث إلى الحرمين الشريفين فى معية ابن عمه قطب الوقت حجة الله الشيخ محمد نقشبند الثانى قدس سره العزيز وكانت العرب علمائها وعوامها مشتاقين إلى معرفة أحوال المجدد للألف الثانى رحمه الله تعالى فطالبوه أن يؤلف كتابا يبين عن أحواله ومعارفه وكمالاته الروحية والمؤلفات فى أحواله إن كانت موجودة لكنها كانت فى الفارسية كزبدة المقامات للشيخ محمد هاشم الكشمى رحمه الله وحضرات القدس للعلامة الإمام بدر الدين السرهندى رحمه الله

فكتب الإمام العارف عبدالأحد وحدث هذا السفر الجليل

في العربية علي حسب اقتراحهم وهذا التاليف مشتمل علي بعض مطالب زبدة المقامات وحضرات القدس مع إضافات مفيدة من عنده وهذا أسبق المؤلفات علي هذا الموضوع في العربية وكانت النسخة الفريدة من هذا الكتاب موجودة في الجامعة علي (الهند) في ذخيرة شيفته في مجموعة كتب أخرى لهذا المؤلف علي الموضوعات الشتي فحصل العلامة الدكتور المفتي محمد مكرم أحمد حفظه الله التصوير الشمسي لهذا المخطوط وأرسله إلى الشيخ الدكتور محمد مسعود أحمد دام ظله في كراتشي باكستان وتكرم علي الشيخ بإرسال هذا التصوير الشمسي إلى علي حسب إتماسي جزاهما الله أحسن الجزاء وهذا التصوير ناقص في بعض المقامات لأن النقوش ممحوة وغير مقروءة في هذه المقامات وقد أكملت هذا العمل المبارك بعون الله سبحانه وتعالى تحت إشراف أستاذي العارف الفقيه العلامة المفتي محمد عليم الدين المجددي زيد علمه وفضله وأعانني في سائر الأمور وصححه جزاه الله خيراً.

عملي في تحقيق هذا الكتاب علي الأسلوب التالي

١. نسخت الكتاب بنفسى بدقة النظر ثم قابلته بعكس المخطوط وتحملت متاعب شديدة في هذا العمل وتركت بياضاً في المقامات التي ما استطعت قراءتها
٢. عزوت الآيات القرآنية إلى سورها مع ضبط رقم الآيات

ليسهل الرجوع إليها عند الحاجة

٣. خرجت الأحاديث النبوية من المصادر الشتى
٤. وضعت فهرسا لأيات القرآن الكريم
٥. وضعت فهرسا للأحاديث النبوية الشريفة
٦. وضعت فهرسا لموضوعات الكتاب وجعلتها فى آخر الكتاب تسهيلا للقارئين.

اللهم ربنا فاطر السموات والأرض عالم الغيب والشهادة
تقبل منى انك أنت السميع العليم وتب على انك أنت التواب
الرحيم. وصلى الله تعالى على حبيبه سيدنا ومولانا محمد وآله
وصحبه أجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين.

العبد الضعيف

محمد بدر الاسلام الصديقى كان الله له
الخانقاه السلطانية. جهلم . باكستان
١٥.٥.٢٨٤١ هـ
١.٦.٢٠٠٧ م
يوم الجمعة

نبذة من أحوال الشيخ الإمام

عبدالأحد وحدث

قدس سره العزيز

إسمه ونسبه

هو الإمام الفقيه الصوفي المرشد الشيخ عبدالأحد وحدث بن الشيخ الإمام محمد سعيد بن الإمام الرباني المجدد للألف الثاني الشيخ أحمد الفاروقى نسبا السرهندى مولدا النقشبندى المجددى مشرباً من سلالة الخليفة الثاني سيدنا عمر بن الخطاب رضى الله عنه.

ميلاده

ولد الشيخ الإمام عبدالأحد فى بيت العلم والعرفان ببلدة سرهند من بلاد الهند فى عام ١٠٥٠ هـ / ١٦٤٠ م

نشأته

عائلة الإمام عبدالأحد كانت عائلة علمية زايد طولى فى العلوم لاسيما فى علم التفسير والحديث، والفقه والمنطق والكلام وغيرها من العلوم الآلية والعالية ومع هذا كانت بيت ورع وتقوى وقرب إلى الله تعالى مجده. تربى فى حجر والده الماجد الشيخ الإمام محمد سعيد وعمه الشيخ الإمام العروة الوثقى محمد معصوم

رحمها الله تعالى. كان الإمام عبدالأحد ذكيا و فطنا و نبيا و ذا استعداد كامل لتلقى العلوم و المعارف. و كانت عائلته هي المدرسة الأولى التي نشأ و تربى فيها. و لم يزل كان مشغولا بالجد و الإهتمام في تحصيل العلوم و المعارف حتى صار من العلماء الكبار و العارفين المشهورين في الأفاق.

شيوخه

تلمذ الشيخ عبدالأحد السرهندي رحمه الله على الشيخ العالم أخوند عبدالحق سجاول السرهندي الذي كان عالما شهيرا و مدرسا ماهرا في المدرسة المجددية بسرهند. و ما عدا ذلك تلمذ على والده الإمام الشيخ محمد سعيد رحمه الله و الأساتذة الآخرين.

البيعة و الخلافة

بايع إبتداء على يد والده الماجد الشيخ الإمام محمد سعيد رحمه الله في الطريقة. بشره شيخه ببشارات عظيمة في أئنا السلوك. بعد تكميل السلوك النقشبندية توجّه بتاج الخلافة. فلما مات والده الماجد و شيخه رجع لمزيد الإستفادة إلى عمه العروة الوثقى الشيخ العارف الخواجه محمد معصوم رحمه الله تعالى. و حصل الخلافة منه أيضا.

أسفاره إلى الحرمين الشريفين

سافر الشيخ رحمه الله إلى الحرمين الشريفين ثلاث مرات للحج والزيارة النبوية السفر الأول كان في معية والده الماجد الشيخ الإمام الخواجه محمد سعيد رحمه الله وعمه المكرم الإمام العارف الخواجه محمد معصوم رحمه الله والسفر الثاني والثالث كانا مع الشيخ حجة الله محمد نقشبند الثاني رحمه الله.

الشيخ عبدالأحد من حيث الشاعر

كان الشيخ عبدالأحد رحمه الله شاعرا مجيدا في الفارسية والأردية وكان يختار التخلص في الشعر الفارسي "وحدت" وفي الأردية "گل".

كتبه وتأليفاته

ترك الشيخ الموصوف ثروة علمية وأنا أذكر ما وقفت عليه في السطور الآتية.

١. قراءة القارئین. (في أصول القراءة وضوابطها)
٢. خزائن النبوة (في السيرة النبوية)
٣. سبيل الرشاد (في السلوك النقشبندية)
٤. برهان جلی (في أنواع الذكر وأحكامه)
٥. فيض عام (في مسائل ضرورية متعلقة بكل شهر من الشهور القمرية)

٦. الجنات الثمانية (في أحوال جده الأجدد المجدد للألف
الثاني قدس سره السامي، هذا السفر الجليل الذي بين يديك)
٧. بدائع الشرائع.
٨. رسالة في قراءة النبي المختار وأصحابه الكبار.
(مشملة على ماورد من الآثار في قراءة النبي وأصحابه
صلى الله عليه وعليهم أجمعين)
٩. أسرار الجمعة
١٠. رسالة في نفي الإشارة في الصلوة
١١. خير الكلام (في نفي الاعتراضات على الإمام الرباني مجدد
الألف الثاني رحمه الله)
١٢. رساله در بيان طريقه أحمديه (في السلوك المجددية)
١٣. رسالة وحدت
١٤. رسالة نقشبنديه
١٥. رسالة لطائف (في بيان لطائف السلوك)
١٦. گلشن وحدت (مجموعه مكاتيبه)
١٧. خيابان وحدت (مجموعه منظوماته في الفارسية)
١٨. چهار چمن
١٩. ديوان وحدت (ديوان أشعاره في الفارسية والأردية)
٢٠. شرح بيت مشنوی

٢١. أسرار الفقر

٢٢. مجالس وحدت (مجموعة ملفوظاته)

وغيرها من المؤلفات القيمة والعظيمة الشأن.

مكانته عند العلماء الاعلام

كان الشيخ حجة الله محمد نقشبند السرهندي بن العروة

الوثقى الخواجه محمد معصوم رحمهما الله يقول

إن مافرق الله سبحانه على آبائنا من العلم والمعرفة جمع في

شخص واحد وهو الشيخ عبدالأحد. (نزهة الخواطر ج ٦ ص ١٢٣)

قال الإمام العروة الوثقى الخواجه محمد معصوم قدس سره

في مکتوب إلى ولده الثالث الشيخ الإمام عبيدالله رحمه الله تعالى

بعد ذهابك يحالسننا الشيخ عبدالأحد وحدت. هونشيط

ومتحمس في معاملاته. ويبقى حاضرا ليلا ونهارا في مجالسنا. يعيش

في حجرة في الخانقاه. كيفية الهيام الغربية معترية عليه. قد ارتقى

ارتقاء وافرا وامره صاعد كل يوم.

(مكتوبات معصوميه ج ٣ ص ١٥٨، ١٥٩)

وقال البروفيسور عبدالباري الجامعة الاسلامية على غر.

كان الشيخ عبدالأحد (وحدت) عالما عظيما وعارفا

وشاعرا مجيدا. (جهان إمام رباني ج ٩ ص ٢٢١)

وفاته

توفي الشيخ الإمام عبدالأحد وحدث رحمه الله تعالى لسبع
 وعشرين خلون من شهر ذى الحجة المبارك سنة ۱۱۲۶ هـ في
 دهلي فحمل جسده المبارك إلى سرهند ودفن فيها
 تغمده الله برحمته بجاه سيد المرسلين صلى الله عليه وآله
 وصحبه أجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين.



الجنات الثمانية
لعلامة الشيخ عبدالأحد وحدث

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سبحانك يا من بعث على رأس كل مائة سنة من هذه الأمة
من يجد دلهاذ ينها وزاد في كل ان و شأن بشموس الهداية ونجوم
الكرامة تنويرها وتنزيهها

صلّ وسلم وبارك وكرم على سيّد الأنام وصحبه الكرام
ما ركع راع بالاجر وخشع خاشع بالمقام

أما بعد فيقول أضعف البرية عبد الأحد بن الشيخ محمد
سعيد خازن الرحمة الصمدية قدس نفسه العلية إنى لَمَا فزت بزيارة
الحرمين الشريفين زاد هما الله أبهة وكرامة مع إمام العصر وقطب
الزمان الشيخ محمد نقشبند خلف قدوة العارفين غوث الواصلين
الشيخ محمد معصوم قدس سره، وتشرفْتُ بإدراك صحبة الكرام
فيهما إلتمس جمع منهم أن أوّلف ٢ رسالة مشتملة على أحوال
جدي المجدد للألف الثاني القطب الرباني الشيخ أحمد العمري
النقشبندى السرهندى قدسنا الله بسره السامى حيث تكون تذكرة
لأصحابه وتبصرة لأحبابه فاستخرجتُ من المقامات ٣ الفارسية
التي صنّف أصحابه الشقات مثل الفاضل الكامل الشيخ بدرالدين
السرهندى والعارف المحقق خواجه هاشم الكشمى البرهانفورى
رسالة حاوية لما لا بد من أحواله وهى متضمنة على جنات ثمانية

١ فى الأصل اما ٢ فى الأصل اوالف ٣ فى الأصل مقامات

وخاتمة وحسن خاتمة

ألجنة الأولى فى البشارات التى صدرت بوجوده المسعود

قبل ظهوره

الثانية فى بيان ميلاده ونسبه

الثالثة فى انتسابه فى سلاسل المشائخ الكرام قدس

أسرارهم

الرابعة فى طريق مصافحته ^١ وسنده فى الحديث وعلم

القراءة وغيرها.

الخامسة فى ذكر مصنفاته .

السادسة فى ذكر كراماته .

السابعة فى ذكر بعض كلماته الطيبة المتضمنة لمكاشفاته

العلية.

الثامنة فى رد الشبهات الواردة على كلامه.

الخاتمة فى حكايات السالكين والصالحين الذين تحيروا

بكماله وعلو شأنه وأمروا بصحبته العلية

حسن الخاتمة فى إيراد بعض البشرى فى شأنه عظم شأنه

وقدس الله أسرارهم، ورضي عنه

^١ فى الأصل مصالحة

الجنة الأولى
في
البشارات المخبرة عن وجوده قبل أن يوجد

فالأعلى والأفضل والأشرف منها ما أورد العارف بالله
خواجه محمد هاشم في مقاماته إن صاحبالي قال يوماً انك تذكر من
كمالات شيخك يعنى به المجدد رضى الله عنه ما لا يذكر من
المشائخ الكرام وما يتحير فيه العقول والأفهام ولو كان كذلك
لأخبر بوجوده صاحب الوحي عليه الصلاة والسلام كما أخبر بوجود
المهدى للأنام قلت لعله أخبر بذلك ولم نطلع عليه لا يلزم من عدم
العلم بشئ عدم وجود ذلك الشئ قال إن عندي كتاب
جمع الجوامع للسيوطي رحمة الله (عليه) فيه أحاديث النبي صلى
الله عليه وسلم أتفحص فيه فإن كان هناك خيراً مشعراً
بحاله أعتقد ففتح الكتاب فاذا فيه هذا الحديث .

وأخرج ابن سعيد عن عبدالرحمن بن يزيد عن جابر
بلاغاعنه صلى الله عليه وسلم يكون في أمتي رجل يقال له صلة
يدخل الجنة بشفاعته كذا وكذا ٢

وأنت خير بأن هذا اللقب مشهور بين أصحابه قدس سره

١ الإضافة من المحقق ٢ (١) كنز العمال ١٢ رقم ٣٣٥٨٩، ج ١٢، ص ١٨٥
(١١) الطبقات لابن سعد ٣٩٢/٥ كما في مقامات خير للعلامة أبي الحسن زيد الدهلوي
رحمه الله

وذلك لأنه كتب في مكاتيبه

الحمد لله الذي جعلني صلة بين البحرين وومصلحا بين

الفتين ٢ .

وهذا اشارة له لأنه بذل الجهد في تطبيق أقوال الصوفية

والعلماء وجمع بين الشريعة والطريقة وسمى نفسه بذلك باتصافه

سبحانه .

منها ذكر الفاضل الكامل الشيخ بدر الدين السرهندي في

المقامات إنه وقع في مقامات شيخ الإسلام أحمد جام ٣ صاحب

الكرامات التي قلما تذكر مثلها من الأقطاب والأوتاد كما في

نفحات الأنس ٤ وغيره. اقدس سرهم أنه نور مرقدته قال يجيء من

بعدي سبعة عشر رجلا من أهل الله يسمون بأحمد اخرهم يخرج

على رأس الألف أحسنهم ٥ أعلمهم .

واجتمع جم غفير من أرباب الكشف أن المراد منه المجدد

للألف الثاني ووقع في مقامات الشيخ ظهير الدين خلف الشيخ

١ في الاصل وصلة ٢ مكتوبات امام رباني ج ٢ مكتوب رقم ٦

٣ قوله شيخ الاسلام احمد جام وهو ابو نصر احمد بن ابو الحسن الحسين النامقي الجامي

رحمه الله من اولاده حضرة جرير بن عبدالله الجبلي الصحابي رضي الله عنه الذي اسلم

سنة وصال النبي ﷺ. المولود ٤٢١ هـ والمتوفى ٥٣٦ هـ انظر للتفصيل نفحات الانس

ص ١٢٢٦ الى صفحة ٢٥٣ .

٤ حضرات القدس: ٢/٢٢٤ ٥ النظر والتفصيل حضرات القدس ٢/٢٢٤، ٢٢٣

المذكور قدس سرهما حكاية عجيبة تؤيده هذه البشارة تائيداً جلياً^۱
 منها ما نقل الشقات من الولي الشهير الشيخ خليل الله
 البدخشاني قدس سره، أنه وقع في بعض رسائله أنه سيخرج من
 سلسلة خواجهها روح الله أرواحهم من الهند رجل كبير عظيم
 صاحب كمال جسيم بلانظيره في عصره يا أسفا على لقائه فلما
 توفي الشيخ طلع هذا الكوكب الدرّي. ۲

منها أن قدوة الأولياء خواجه كمي الأمكني قال لخليفته
 الأكمل وهو امام العرفاء شيخنا خواجه محمد بن الباقي قدس سره، أنه
 يخرج رجل من الهند على يديك امامي عصره صاحب الحقائق
 والأسرار إسرع فإن أهل الله منتظرون لقدوم ذلك العزيز فلما
 توجه قدس سره من البخارا إلى الهند وأدركه المجدد رضى الله عنه
 وأخذ منه الطريقة خاطبه بهذا الكلام قد علمت أنك ذلك الرجل
 المبشر^۳ ولما دخلت بلدة سرهند رأيت رجلاً وقيل هذا قطب
 زمانه فلما رأيتك رأيتك بتلك الحلية والصورة. ۴

وقال أيضاً إنى لما دخلت بلدة سرهند رأيت هناك مشعلة
 أوقدت في غاية الرفعة والعظمة كأنها وصلت إلى السماء وقد امتلأ

۱- عبارته فيما ياتي از حضرت شيخ الاسلام احمد پرسيدند كه مقامات مشايخ شنيده ايم
 وكنيت ايشان ديده از هيچ كس مثل اين حالات كه از شما ظاهر مي شود ظاهر نه شده
 است. نفعات الانس ص ۲۳۷ مطبوعه لاهور. ۲- حضرات القدس ۲/۴۳

۳- حضرات القدس ۲/۴۳ ۴- حضرات القدس ۲/۴۳

العالم من نورها شرقا وغربا وتزايد أنوارها ساعة فساعة ويستوقد
منها سراجا سراجا وهذا في شأنك ١ .

منها ما ذكر أصحاب المقامات أن قدوة الكاملين الشاه
كمال الكيتلى القادري الذى أخبار خوارقه وكراماته بلغت
حدالتواتر وزع جبهته المتبركة قيل إنها كانت متوارثة من الشيخ
الأعظم والغوث الأكرم السيد عبدالقادر الجيلانى قدس سره، عند
حفيده العارف الربانى نشاه اسكندر حين جاد بنفسه وقال لتكن
هذه الحجة عندك وديعة وأمانة حتى يخرج صاحبه فلما كان أوان
ظهور المجدد وقال له فى المعاملة أن أوصل هذه إلى الشيخ أحمد
السرهندي فإنه أهلها فلم يوصل بها إليه ثم خاطبه فى عالم
السربذلك فلم يفعل ذلك وقال كيف يخرج هذه البركة من بيتنا
فعبته فى المرتبة الثالثة فجاء بها إليه فترتب على ذلك أمورا عظيمة
كما هو مرقوم فى المقامات والملفوظات ٢ .

١ حضرات القدس ٢/ ٣٣

٢ (١) حضرات القدس ٢/ ٥٠ (١١) زبدة المقامات ص ١٣٣، ١٣٥

الجنة الثانية
في
نسبه وميلاده

أمانسبه فهكذا لأنه قدس سره، ولد العارف الكامل العالم العامل غوث زمانه وأوانه الشيخ عبدالأحد السرهندي بن الشيخ زين العابدين بن الشيخ عبدالحى بن الشيخ محمد بن الشيخ حبيب الله بن قدوة الأولياء الكاملين الإمام رفيع الدين بانى قلعة بسرهند بن الشيخ نور بن نصير الدين بن الشيخ سليمان ابن الشيخ يوسف بن الشيخ اسحاق بن الشيخ عبدالله بن الشيخ شعيب بن الشيخ احمد بن الشيخ يوسف بن السلطان قرخ^١ شاه الكابلى سلطان الكابل الذى نقل الثقافات عنه انه كان مروجاً للإسلام وموهناً لعبدة الأصنام وهو نزيل فى الهند وعلى هذا استشهد لقب أولاده بالكابلى وهو ابن الشيخ نصير الدين بن الشيخ محمود بن الشيخ سليمان بن الشيخ مسعود بن الشيخ عبدالله الواعظ الأصغر بن الشيخ عبدالله الواعظ الأكبر بن الشيخ ابو الفتح بن الشيخ اسحاق بن خواجه ابراهيم بن سيدنا ناصر بن سيدنا ومولانا عبدالله ابن امام العارلين خليفة سيد العالمين عليه الصلاة والسلام أعنى عمر^٢ الفاروق رضى الله عنه وأرضاه عنا^٣

^١ فى الأصل بقرخ^٢ فى الأصل عمر بن الفاروق^٣ فى الأصل أرضاه الملاحظة: هكذا مسطور فى الأصل وهكذا فى لطائف المدينة ص ١١١، ١١٢. لكن بعض الاسماء متروك فيها. والصحيح انه بعد (٢٤) عبدالله (٢٨) عمر بن (٢٩) حفص بن (٣٠) عاصم بن (٣١) ابو عبدالرحمن عبدالله بن (٣٢) امير المؤمنين عمر رضى الله عنه وانظر التفصيل مقامات خير ص ٣٥ الى ص ٣٩ من ابى الحسن زيد الفاروقى الدهلوى وتقديم لطائف المدينة ص ٤٢ و ٨٣ الى ص ٨٦ من البروفسور محمد اقبال المجددى.

أما بيان ميلاده فكذلك أنه ولد في شهر شوال سنة إحدى
 وسبعين وتسع مائة كما نطقت بكلمة "خاشع" ببلدة سرهند
 حرسها الله من كل مكروه.



إلى الأصل بالكلمة

ألجنة الثالثة

فى

إنتسابه إلى سلاسل المشائخ الكرام قدس الله أسرارهم

أما فى السلسلة العلية النقشبندية فهكذا انه لبس الخرقة
النقشبندية من قدوة العارفين خواجه محمد الباقي بالله وهو من شيخه
الكامل المكمل خواجكى الأمكنكى وهو من شيخه ووالده العارف
بالله مولانا محمد درويش الأمكنكى وهو من شيخه وخاله الولي
الماجد مولانا محمد زاهد وهو من شيخه قطب الكبار خواجه أحرار
وهو من شيخه العارف بالله مولانا يعقوب چرخى وهو من شيخه سند
العارفين قطب أقطاب العالمين بهاء الملة والدين خواجه نقشبند
قدس سره، الأمجد وهو عن قطب الربانى خواجه أمير كلال وهو عن
قطب الربانى محمد السماسى المعروف بنواجه بابا وهو عن
القطب الربانى خواجه على الراميتى وهو عن القطب الربانى خواجه
محمود أنجير الفغنوى وهو عن القطب الربانى خواجه عارف
الريوكرى وهو عن القطب الربانى خواجه عبد الخالق الغجدوانى
وهو عن القطب الربانى خواجه يوسف الهمدانى وهو عن القطب
الربانى أبو على الفارمدى وهو عن القطب الربانى الشيخ أبى الحسن
الخرقانى وهو عن القطب الربانى سلطان العارفين أبى يزيد طيفور
البسطامى وهو عن الامام الهمام جعفر الصادق سبط حبيب الله وهو

ل فى الأصل " الاقطاب "

عن جده من قبل الأم القاسم ابن محمد بن أبي بكر الصديق وهو عن صاحب رسول الله سلمان الفارسي وهو عن شيخ المهاجرين والأنصار ثاني إثنين إذ هما في الغار أبي بكر الصديق خير الأخيار وهو عن حضرة ٢ سيد أنمرسلين خاتم النبيين النبي المصطفى والرسول المجتبي عليه وعلى اله الصلوات والتسليمات العلى.

وأما انتسابه في الطريقة القادرية فمن هذا الطريق أنه لبس الخرقه القادرية من شيعته ملاذالعرفاء الشاه أسكندر وهو من جده قدوة الكمل الشاه كمال وهو من شيخه الشاه فضيل وهو من شيخه السيد كدارحمان ٣ وهو من شيخه قطب العالم شمس الدين العارف وهو من شيخه قطب العالم السيد كدارحمان ٤ بن السيد أبي حسن وهو من شيخه قطب العالم شمس الدين الصحرائي وهو من شيخه قطب العالم السيد عقيل وهو من شيخه قطب العالم السيد بهاء الدين وهو عن شيخه قطب العالم السيد عبدالوهاب ومن شيخه قطب العالم السيد شرف الدين القتال وهو من شيخه سيد السادات الشاه عبدالرزاق وهو من شيخه الرباني المحبوب ٥ الصمداني غوث الثقلين الأمير السيد محي الدين أبي محمد ٦ الشاه عبدالقادر الجيلاني وهو من أبيه وشيخه قطب العالم سيد السادات

١ في الأصل "الشيخ" ٢ في الأصل "حضرت" ٣ يقال له كدارحمان الثاني. حضرات القدس ج ٢ ص ٢٩ ٤ يقال له كدارحمان الاول. حضرات لقدس ج ٢ ص ٢٩، ٣٠ ٥ في الأصل "محبوب" ٦ في الأصل "محمد"

الشاه أبى صالح وهو من شيخه السيد موسى جنكى دوست وهو من
 شيخه السيد عبدالله مورث وهو من شيخه قطب العالم السيد يحيى
 الزاهد وهو من شيخه وأبيه الشاه موسى الجون وهو من شيخه وأبيه
 الشاه داؤد المورث وهو من أبيه قطب العالم الشاه موسى الجون
 وهو من أبيه الشاه عبدالله وهو من أبيه سيد السادات جامع البركات
 الحسن المثنى وهو من أبيه امام المؤمنين قدوة المتقين الإمام حسن
 رضى الله عنه وهو من أبيه امام الهدى سيد التقى على المرتضى كرم
 الله وجهه ورضى الله عنه وعن أمه بضعة سيد الأنبياء فاطمة الزهراء
 وهما من حضرة سيد المرسلين خاتم النبيين شفيح المذنبين
 صلوات الله عليه وعلى آله وإخوانه وأصحابه أجمعين.

وأما انتسابه فى الطريقة الجشتية فمن هذا الطريق

أنه لبس الخرقه الجشتية عن شيخه ووالده العارف بالله
 الشيخ عبدالأحد وهو عن شيخه الكامل الشيخ ركن الدين وهو عن
 شيخه ووالده الواصل الشيخ عبدالقدوس الغزنوى الحنفى مذهباً
 ونسباً وهو عن شيخه محمد عارف وهو عن الشيخ أحمد عبدالحق
 وهو عن الشيخ جلال الدين وهو عن الشيخ شمس الدين الترك
 وهو عن الشيخ علاؤالدين على بن أحمد الصابر وهو عن أكمل
 الأولياء الشيخ فريدالحق والدين مسعود المشهور بشكر گنج

فى الأصل "حضرت"

وهو عن قدوة الواصلين خواجه قطب الدين بختيار الأوشى الكاكي
الدهلوى وهو عن زبدة العارفين قدوة الواصلين خواجه معين الدين
السنجرى الجشتى الأجميرى وهو عن الشيخ عثمان الهارونى
وهو عن شيخه حاجى شريف الزندانى وهو عن الشيخ مودود
الجشتى وهو عن الشيخ أبى يوسف الجشتى وهو عن الشيخ أبى
محمد الجشتى وهو عن الشيخ أبى اسحق الشامى وهو عن الشيخ
على الدنيورى وهو عن الشيخ هبيرة البصرى وهو عن الشيخ حذيقه
المرعشى وهو عن السلطان إبراهيم أدهم وهو عن جمال الدين
فضيل بن عياض وهو عن الشيخ عبدالواحد بن زيد وهو عن إمام
التابعين الحسن البصرى تَدَس سرهم وهو عن أمير المؤمنين سيدنا
ومولانا على المرتضى كَرَم الله وجهه ورضى الله عنه وهو عن
حضرة سيد المرسلين حبيب رب العالمين النبى المصطفى
والمجتبى عليه وعلى آله وأصحابه الصلوات والبركات العلى.

الى الأصل "حضرت"

الجنة الرابعة
في
طريق مصافحته وطريق أسانيد الحديث وغيره

أما طريق المصافحة فكذلك أنه صافح الشيخ المعظم
عبدالرحمن البدخشي ثم الكابلي وهو صافح الشيخ الحاجي
المشهور بالرمزي ١ وهو صافح الحافظ السلطان الأ وبهي ٢ وهو
صافح الشيخ محمود الاسفراري وهو صافح الشيخ سعيد
المعمر الجشتي وهو صافح حبيب رب العالمين
واعلم أن مصافحة سعيد ٣ بالنبي الكريم صلى الله عليه
واله وسلم في عالم الملكوت لافى الناسوت لكن في خلاصة
المناقب مقامات السيد عليّ الهمداني قدس سره، السامي أنه كان
من أصحاب عيسى عليه السلام وكان عيسى يذكر عند أصحابه
مناقب سيد المرسلين فقال سعيد ٤ أدع الله لي حتى أدركه فدعاه
حتى طال عمره، ولقى النبي صلى الله عليه وسلم فصافح معه صلى
الله عليه واله وسلم وقال عليه الصلوة والسلام من صافحك ستة
وسائط أو سبع دخل الجنة. ودعا هو لطول بقاءه حتى طال دهره
طويلاً .

١ وفي حضرات القدس ج ٢ ص ٣٠ أنه صافح الشيخ عبدالرحمن البدخشي ثم الكابلي
المعروف بالحاجي الرمزي. انى هذه الصورة انه شخص واحد. المحقق عفى عنه
٢ في الأصل "اولهي" ٣ في الأصل السعيد ٤ وفي الأصل السعيد

واما سنده فى الحديث المسلسل بالأولية قال سمعت من
 قدوة المحديثين وزبدة المختصين القاضى بهلول وهو أول حديث
 سمعت منه قال سمعت من لفظ سيّدى بقية السلف الشيخ المعظم
 عبدالرحمن بن فهد وهو أول حديث سمعته منه قال سمعته من لفظ
 سيّدى ووالدى عبدالقادر بن عبدالعزيز بن فهد عن لفظ شقيقه
 سيّدى وعمى الحافظ :-: الله بن فهد وهو أول حديث سمعته منه
 قالا حدثنا والدنا الحافظ عز الدين عبدالعزيز بن فهد و أول حديث
 سمعنا منه قال حدثنى به جدى الحافظ الرحلة تقى الدين محمد بن
 فهد الهاشمى العلوى وهو أول حديث سمعته منه. قال حدثنى به
 جمع من المشائخ الأعلام أجلهم العلامة برهان الدين الأنباسى
 سماعا من لفظه وقاضى القضاة أبو حامد المطرى بشراء تى عليه
 بالحرم الشريف مكة وهو أول حديث سمعته منهما قالا أخبرنا
 الخطيب صدر الدين أبو الفتح محمد المبرد المردقى قال الأنباسى
 وهو أول حديث سمعته منه وقال المطرى وهو أول حديث رويته عنه
 أخبرنا الشيخ نجيب الدين عبداللطيف الحرانى وهو أول حديث
 سمعته منه قال أخبرنا الحافظ أبو الفرج بن الجوزى وهو أول حديث
 سمعته منه. قال أخبرنا أبو سعيد اسمعيل بن أبى صالح النيشابورى
 وهو أول حديث سمعنا منه أنه قال أخبرنا أبو صالح أحمد بن

ل فى زبدة المقامات بدله "المبرد"

عبد الملك المؤذن وهو أول حديث سمعته منه قال حدثنا أبو طاهر
 محمد بن محسن الزمادى وهو أول حديث سمعته منه قال حدثنا
 أبو حامد أحمد البزار وهو أول سمعته منه قال حدثنا عبد الرحمن بن
 بشير بن الحكيم الغندرى^١ وهو أول حديث سمعته منه قال حدثنا
 سفيان بن عيينه^٢ وهو أول حديث سمعته منه عن عمرو بن دينار عن
 أبى فابوس مولى عبد الله بن عمرو بن العاص عن عبد الله بن عمرو
 بن العاص رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال
 الراحمون يرحمهم الرحمن ارحموا من فى الأرض يرحمكم من فى
 السماء.

وأخذ قدس سره علم القراءة والفقهاء من أبيه وشيخه العلامة
 الشيخ عبد الأحد المذكور وتفقه أيضاً على الشيخ المحقق مولانا
 كمال الكشميرى وأخذ علم أصول الحديث من قدوة العلماء الشيخ
 يعقوب الكشميرى

وله سند الصحاح الستة وجميع مؤلفات البخارى وعلم
 التفسير وإجازة كتبه كالوجيز للواحدى^٣ والوسيط والبسيط
 وأسباب النزول له^٤ والبيضاوى ومنهاج الوصول والغاية القصوى
 وغيرها له^٥ وكذلك إجازة المشكاة والشمائل الترمذى والجامع
 الصغير وقصيصة البردة لسعيد البوصيرى من الإمام الربانى قدوة
 أرباب الكمال قاضى بهلول البدخشانى المذكور.

^١ فى زبدة المقامات بدله "الصدرى" ^٢ فى زبدة المقامات "سفيان بن عيسى"

^٣ فى الأصل "كالواحدى" ^٤ لفظ "له" ليس فى الأصل ^٥ لفظ "له" ليس فى الأصل

الجنة الخامسة
في
ذكر مصنفاته العلية

فله ثلاث مجلدات^١ من المكاتب مشحونة بأنواع العلوم والمعارف ومتضمنة على أبواب من الحقائق والدقائق فيها من علم الشريعة تفاصيل شريفة ومن علم الطريقة^٢ تحقيقات عظيمة حرى أن يقال في حقها ليس لها سابق من جنسها ولانظير لها في نوعها ولقد أجاد ملاذ العلماء والكبراء ميرك شيخ عند السلطان المرحوم شاه جهان حين سئل عنه ماذا يرسل إلى سلطان الروم من التحف العلية التي انشعبت من الهند ولانظير لها في تلك البلاد وهي مكاتب الشيخ أحمد السرهندي فإنها أعجوبة قدسية لامثال لها في بلاد^٣ الله وقد كوشف على ملاء بعض العرفاء أن هذه المكاتب تعرض على الإمام المهدي الموعود رضوان الله عليه وهو يستحسنها ويمدحها.

وقد رأى العارف الكامل الأمير محمد نعمان رسول الله وقال يا رسول الله قال شيخى أحمد كذا وكذا قال عليه السلام ما قال الشيخ أحمد فهو مطابق للواقع وقال نور الله مرقد المظهر إن يوم وقع في خاطرى تردد في صحة معارف هذه المكاتب هل مرضى له سبحانه أو لا فألهمنى الله تعالى أن ذلك كله صحيح ومرضى عندى ونشأ من كلامى^٤.

^١ في الأصل مجلد ^٢ في الأصل "الشريعة" ^٣ في الأصل "كلامه"

وله رضى الله تعالى عنه رسالة بديعة فى علم الحقائق
والسلوك يسمى بالمبدأ والمعاد^١.

وله رسالة شريفة فى علم التصوف والمواجيد مسماة
بالمعارف اللدنية.

وله رسالة غزية فى علم الكشف والعرفان تسمى
بالمكاشفات الغيبية.

وله رسالة فى تحقيق معنى الكلمة الطيبة لإله إلا الله.

وله رسالة فى اثبات النبوة مع الرد على الحكماء.

وله شرح رباعيات شيخه القطب الربانى خوارجة باقى قدس
سره، فى علم التصوف على اصطلاح القوم.

وله رسالة رائعة فى مذاهب الشيعة هذه الرسائل مفيدة

(ومقروءة) ٢. ومشهور فى الآفاق وغير هذا من تراجم جليلة على

أوراق الكتب فى حل المشكلات ورد الشبهات على شرح المقاصد

والعضدى وشرح المواقف والبيضاوى وغيرها من عجائب أمره

وغرائب شأنه أنه فرغ من تحصيل العلوم العقلية والنقلية واشتغل

بالتدريس والتعليم وحل المواد المغلقة وفتح الأبواب المسدودة

ابن سبعة عشر سنة واشتهر ذلك فى الآفاق حيث كتب ليه ربانى

المسلم الظاهر وأصحاب العلم الباطن ما استشكروا عليهم من الدقائق

والحقائق من كل جوانب دفاتر ووجد، ابكرم الله من كلامه

الشريفة سبيلاً واضحاً إلى ما ربهم وسألته شافاً إني متاصدهم.

١ فى الأصل "المعاد" ٢ الألفاظ التى بين القوسين ممحوة فى العكس اضيفت بالتخمين

٣ الراوليست فى الأصل

أجنة السادسة

في ذكر كراماته

فاعلم أن كراماته أكثر من أن يحيط بها هذه الرسالة وقد نقل أصحاب المقامات الثقات والرواة ما يزيد على سبعمائة كرامة أما أنا فأذكر منها عدة نخبة فإن القليل ينبي عن الكثير والقطرة تخبر عن الغدير

منها ما ذكر الشيخ بدر الدين في مقاماته ان سيداً صحيح النسب من أصحابه قدس الله سره قال أمرني قدس سره، أن أسير من السرهند إلى بلدة بهروج بطلب أخ له قدس سره، فسار بسمع على رفقة فلما كنت يوماً في البرية وتخلفت عن أصحابي لقضاء الحاجة فاذا أنا بأسد عظيم متوجه إليّ فلما رأيته ذهب عقلي وارتعدت فرائصي فناديت المجدد فقلت يا سيدي أما قلت حين الوداع إذا وقعت في مهلكة فلتذكرني وإني قد وقعت في هذه المهلكة فهذا أو ان المدد قال فظهر سيدنا قدس سره قبل أن أفرغ من كلامي مشافهته وتوجه إلى الأسد وأشار بيده أن اذهب فادبر الأسد هاربا وغاب هو قدس سره من نظري ولحقت بالرفقة وذكرت القصة قالوا قد رأيناه أيضاً وتعجبوا ١ -

منها ما ذكر أن سيداً ثقة حكى إنني ٢ كنت في أقصاء بلاد الهند اذ رأيت في الصحراء معبداً للكفار وفيه أصنام كثيرة فذكرت

١ (١) حضرات القدس ج ٢ ص ١٦٥، ١٦٦ (١١) زبدة المقامات ص ٢٦٣، ٢٦٤ ٢ في الأصل "ان"

قول المجدد رضى الله عنه توهين عبدة الأصنام وكسرها جهاد فى سبيل الله فأخذت فى كسرها وهدم جدرانها فبينما أنا فى ذلك اذ ظهر جماعة عظيمة من الكفار قريب من ألف رجل معهم آلات الحرب لعلهم أخبروا بصنعنا فأخذنى و^١ من معى من المسلمين خوف شديد وما وجدت مفراً إلا أنى ذكرت المجدد قدس سره.

فقلت يا سيدى فعلت ما فعلت بأمرك وقد أحاط بنا هولاء الكفرة الفجرة فسمعت صوتاً من الغيب كأنه صوته قدس سره، يقول ابشر فإننا أرسلنا لعونك فوجاً من المسلمين فأخبرت أصحابى بذلك فاطمئنوا بالجملة فما لبثنا أن ظهر من جانب البر أربعين فارساً مسرعين إلى الكفار حتى هربوا نجاناً الله من شرهم ثم ودعنا الجماعة ذهبوا إلى ما شاء الله سبحانه. ^٢

منها ما ذكروا أن أميراً من الأمراء حبسه السلطان جهانگیر فى السجن على تقصير وقع منه فمضى على ذلك دهر ^٣ فأرسل ليلة إلى المجدد رجلاً لأجل خلاصه فقال قدس سره، سيخرج من السجن بإذن الله تعالى فقال الرجل يا سيدى متى هو قال قدس سره، غدا فقام من مجلسه مستبشراً فلما أصبح الرجل وأراد الدخول على ذلك الأمير فى السجن مر على مجذوب قوى الجذبة فبرء له أن يستدعى أيضاً خلاص الأمير يا أيها العارف بالله أدع لذلك الأمير

^١ لفظة "واو" ليست فى الأصل. (١) حضرات القدس ١٢٦، ١٢٤ (١١) زبدة المقامات

ص ٢٦٣، ٢٦٢ ^٢ فى الأصل "دهرا"

كى يخلصه الله من السجن فقال المجذوب إن شاهباز من سلسلة
النخواجهما جذبه البارحة كالصيد وخلصه من السجن إلى دعاء أحد
فأخرج ذلك اليوم من السجن واستراح . ١

منها ما ذكر السالك المكمل مولانا يوسف السمر قندى
قدس سره كان يوماً فى الصحراء على فرس وكان معه من أهل
الطريقة وأنا فيهم إذا اشتد الحر واغبر الأرض غباراً شديداً
الأصحاب لا يشكون إليه أدباً لكن ٢ فى قلوبهم عرض أحوالهم
فنظر إلى هو قدس سره، وتبسم وقال إن أصحابنا لقوا من الحرارة
والغبار نصبا فقلت كشف الله عليك الأمر فلاحاجة لعرضنا فرفع
طرفه إلى السماء وقرأ شيئاً فما لبثنا أن خرجت سحابة ٣ من الأفق
فجاءت على رأسنا وأظلت على قدر ما أحطنا من الأرض وأمطرت
على جماعتنا خاصة مع رياح طيبة مبرّدة حتى استراح القوم . ٤

منها ما ذكر وارجل شريف يبغض محاربي على كرم الله
وجهه بغضا قال ٥ فكنت ليلة أطلع مكاتيب المجدد رضى الله عنه
فإذا فيه عن الإمام مالك رضى الله عنه إن شتم معاوية كشم
الشيخين فغضبت وألقيت المكاتيب على الأرض ونمت فرأيته قدس
سره، جاء غضبان ويقول يا حديث السن تعرض على كلامى وتبغض

١ (١) حضرات القدس ج ٢ ص ١٩٨، ١٩٩ (١١) زبدة المقامات ص ٢٦٩ ٢ فى الأصل "ليكن"

٣ فى الأصل "سبحاة" ٤ (١) حضرات القدس ٢/ ١٦٤ (١١) زبدة المقامات ص ٢٦٥

٥ هذا اللفظ ليس فى الأصل

أصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم إن لم تكف بكلامى
 فعليك تتبى فجرنى وأدخلنى فى بستان عظيم فإذا فيه رجل كبير
 فقيل إنه أمير المؤمنين على المرتضى كرم الله وجهه فنظر إلى وقال
 ألحذر ألف مرة من بغض أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم
 نحن وإخواننا نعمل بيننا مانشاء لا ينبغي لأحد أن يقع فينا ولا يخرج
 من طاعة هذا الرجل يشير إلى المجدد قدس سره، قال الراوى مع
 هذا لم يخرج من قلبى بغض هؤلاء فنظر كرم الله وجهه إلى المجدد
 وقال لم يخرج ٢ هذا الرجل من ظلمة البغض فأدبه فضرب قدس
 سره، على عنقى ضربة قوية فاستيقظت ووجدت قد خرج من صدرى
 بغضهم كلية ٣ .

منها ما نقل الأمير الكبير همت خان إنى كنت منكراً للكمال
 المجدد اواقع فيه فرأيت ليلة كأنه قدس سره، جاء غضبان وفى يده
 سيف مسلول ففررت منه وهو يقول أقطع لسانك فقلت أتوب من
 الانكار لعله قال سيف لا يعيد الى النيام خاليا فخط فى لسانى خطا
 رقيقا وخرج منه الدم فاستيقظت فإذا لسانى مقطوع والدم جار
 فجئت عنده قدس سره، مستعدراً وأخذت الطريقة ومن هذا القبيل
 ذكر كراماته كثيراً.

١ فى الأصل "الطاعة" ٢ فى الأصل "لم تخرج" ٣ (١) حضرات القدس ١٢

١٢٨، ١٢٤ (١١) زبدة المقامات ص ٢٦٥

ومما ذكر هو أو بعض إخوانه رأى رجلا مات على بغضه
 قدس سره، في صورة خنزير فقيل هذا جزاء منكر المجدد الشيخ
 أحمد السرهندي والغيب عند الله سبحانه.

منها ما ذكر صاحب المقامات أن المجدد للألف الثاني
 قدسنا الله بسره السامي قال في سحر من الأسحار إني تفحصت
 احوال أخي الشيخ مسعود الذي راح إلى بلدة قندهار في قافلتها فلم
 أجده هناك ثم تفحصت في البلدة بيتاً بيتاً فلم أجده ثم تفحصت في
 المنازل من بلدة سرهند إلى قندهار منزلاً منزلاً وحجرة حجرة فلم
 أجده ثم تفحصت بقاع الأرض بقعة بقعة فلم أجده لعله مات ثم
 توجه ساعة فقال ألهمت أنه مات اليوم ورأيت قبره في قرب عمر
 فكتبوا التاريخ فجاء الخبر كذلك بلا تفاوت ١.

منها ما ذكره صاحب المقامات أن عمي الشيخ محمد
 السرهندي كان في سفر إصبهان قال تخلفت يوماً من القافلة
 لضرورة مسْتَنْبِي حتى غابت عن النظر وبقيت في البر وحيداً مضطراً
 فجئت على عين وتوضأت ثم تضرعت إلى حضرة ٢ المجدد رضي
 الله عنه زماناً حتى رأيته بعين الرأس راكباً على فرس عراقي فجاء
 على رأسي وناداني قال لي هات بيدك فأخذ بيدي وأردفني ومضى
 سريعاً حتى وصل إلى القافلة فأنزلني وقال أدخل في القافلة وغاب

١ حضرت القدس ١٤٦٢، ١٤٤٤ ٢ في الأصل "حضرت"

عن النظر فدخلت القافلة -تأمداً لله -

منها ما ذكره جمع من أصحابه الثقات ثم أهل المقامات أن رجلاً صالحاً من الشرفاء من بلدة أجبين ذكر إنى كنت جالساً على دكان فإذا أنا برجل زاهد يظهر على وجهه آثار الرياضة وأنوار الهداية مال إليّ وسلّم عليّ وجلس لديّ وقال إنى رجل منزو على رأس الجبل لأنزل منه ولا أخرج من الخلوة لكنى اليوم خرجت لأجل رايحة شيخى وإمامى المجدد ولما وصلت إليك زادتنى تلك الرائحة فعرفت أنها منك فلعلك أيضاً من أصحابه قدس سره فقلت نعم أنا أيضاً من مريديه فتذاكرنا من كمالاته وشمائله حتى أن قال رأيت منه قدس سره شيئاً عجبا وهو إنى كنت ليلة بعد العشاء على بابه قدس سره وكان هناك رجل من أقربائه فقال لى معى إلى بيتى ووافقنى فى العشاء فذهبت معه فإذا هو يشكو عنه قدس سره ويقع فيه وينسب إليه مالا ينبغى حتى أوذيت أذى كثيراً والطعام موضوع بين أيدينا قرأته تقطع جسده قطعة قطعة وتفرق أعضائه عضواً عضواً حتى دهشت وفررت من ذلك المقام وجئت إلى باب قطب الأنام فخرج قدس سره من الباب وأخذ بيدي حتى دخل بيت ذاك الرجل وأقامنى خارج البيت ومكث ساعة ثم خرج من بابه وإذا الرجل معه صحيح ^ع خرج من البيت يشايعه فجاء قدس

^ع حضرات القدس ۱۷۷/۲ فى الأصل حتى صحيح. ونقطة حتى زائدة من الكاتب. من المحقق عفى عنه

سره، إلى منزله الشريف وأمرني أن لا يظهر هذا السر للأجانب ١.
 منها ما ذكره أن الشيخ بهاء الدين السرهندي ذكر أنني
 كنت حافظ القرآن في صغر السن وذهب عني وبقي عليّ اسم حافظ
 القرآن فجئت يوماً في شهر رمضان ٢ حضره ٣ المجدد رضي الله
 عنه قال لي يا حافظ ادرا لنا القرآن في التراويح فقلت أنا سيدي
 ذهب مني الحفظ حتى لا أستطيع على حرف إلا ما شاء الله تعالى وقال
 تستطيع ذلك فقم في المحراب فقلت يا مولانا ليس في وسعي
 ذلك ثم قال وذلك في يسعك فقم بإذن الله فقمتم امثالاً لأمره
 فرأيتني ببركة نفسه بحراً مواجاً حتى قرأت ركعتين أكثر من عشرين
 جزوا قائماً وجلس الناس كلهم غير حضرة المجدد فإنه صلى
 قائماً ٤.

منها ما أورد أن رجلاً من أهل الحلب إلتمس من جنابه قدس
 سره، أن يلقي عليه النسبة القادرية قدس سره، فاستجاب له وقال
 عليك أن تدخل علينا أياماً وتصاحبنا كثيراً حتى تحصل مرادك
 ففعل ذلك ثم إن السالكين الذين كان سلوكهم في الطريقة العلية
 النقشبندية قدرت ٥ نفوسهم تعطل ترقيقهم في تلك الأيام وانقبضت
 بواطنهم بعد أن كانوا في بسط بواطنهم فتحيروا من ذلك وعرضوا
 أحوالهم على حضرة ٥ المجدد رضي الله عنهم فتبسم ضاحكاً من

١ حضرات القدس ١٨٠١/٢/٩ في الأصل "حضرت" ٣ حضرات القدس ١٨٢/١٨١/٢
 ٢ قوله قدرت أي فترت. المعجم الوسيط ج ١ ص ٦٤٤ ٥ في الأصل حضرت

قولهم وقال إن لى فى هذه الايام لأجل تربية هذا السالك توجه الى
أسرار السلسلة النسبة القادرية أكثر مما كان فى السلسلة الشريفة
النقشبندية حتى تلونت بلون نسبتهم العالية ولذا كان أمركم (كما)
ترون. ثم رجع الى (حاله الأولى) وتخلع بالنسبة النقشبندية ١
وتوجه بحالهم حتى فاض عليهم أسرار ذلك السلسلة
الكريمة واستغرقوا فى بحار أنوار تلك النسبة المتعالية ٢
منها ذكر إنى كنت محموما واشتدت الحمى اشتدادا عظيما
إلى أن يئسوا ٣ على حياتى وكانوا منتظرين لمماتى مستيقظين فى
الليالى فتوجهت إلى حضرة ٤ المجدد رضى الله عنه وعرضت عليه
قدس سره حاجتى فإذا أنا برجل عظيم عليه رداء طويل أبيض فقال
هذا رداء أرسله رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى قطب الوقت
الشيخ أحمد الفاروقى النقشبندى وأنا أرسل إليك ليحصل لك
الشفاء منه فألقى على ذلك الرداء عيانا فمددت إليه يدي فلم يقع
فى يدي شئ لكن خرج الحمى وبرد جسدى فظن أنه احتضر
وأخذوا فى الجذع فقلت أمسكوا عن هذا فقد حصل بكم الله
الشفاء فقامت صحيحاً سالماً ٥

ومنها ما حكاه أرباب المقامات ان أستاذ السلاطين ميرك
شيخ ذكر عند السلطان إنى دخلت بلاد الهند وكان فى صدرى غبارا

١ الالفاظ التى بين القوسين محووة فى العكس فزيدت بالتخمين ٢ حضرات القدس
ج ٢ ص ١٨٦ ٣ فى الأصل "ينيس" ٤ فى الأصل "حضرت" ٥ حضرات القدس ج ٢ ص ١٩٢

وعداوة من المجدد رضى الله عنه لما إني قد سمعت أنه كتب فى مكاتيبه ما لزم منه فضيلته على ابى بكر الصديق الأكبر رضى الله عنه وكذا وكذا فلما دخلت بلدة سرهند لقينى هناك رجلاً كان بينى وبينه معرفة قديمة فرأيتة فى زى الصلاح وحلية التقوى وكان أولاً من اهل الفساد فسألته عن ذلك فقال هذا من بركة صحبة شيخى المجدد للألف الثانى رضى الله عنه فقلت كيف يتصور ذلك من صحبته وهو كذا وكذا فقال لى ويحك إ تنكر عليه قبل أن تراه وهو اليوم قطب عصره إمام زمانه فقلت لا أراه لما فى قلبى منه غبار فقال لى لا بد أن تزوره وألح علىّ فقلت اذ وردته أخفى فى صدرى ثلث رموز الأول يسمينى باسمى ويذكر أسماء ابائى الثانى ينبئنى عن الشبهة التى ثبتت فى قلبى منه والثالث أن يذكر من أحوال فلان وسمى شيخا من مشائخ الزمان فجئت منزله ودخلت عليه حصلت فى صدرى عظمة (و ٢) هيبة وأخذت لى رعشة ودهشة فأجازنى بالجلوس فجلست فأخرج من تحت الوسادة كراسا وأعطانى وقال اقرأه فإذا فيه مكتوبه الذى فيه الشبهة التى حملتنى على الإنكار فتالعت المكتوب من أوله إلى آخره مرة بعد أخرى فما وجدت شيئاً مخالفاً للفقائد فالتفت الى وقال يا فلان وسمانى باسم أنت كذا وأبوك فلان وجدك فلان وأبوه (فلان ٣) وسماهم

إ قوله ويحك: كلمة رحمة . اصله رأى: فوصلت بحاء، مرة، وبلام مرة، وبباء مرة، وبسين مرة، القاموس المحيط ص ٢٢٤ . ٢ الواو ليست فى الأصل ٣ هذا اللفظ ليس فى الأصل

بأسمائهم وذكر من أحوالهم وشمائلهم كثيراً ثم ذكر أحوال ذلك
الشيخ فعرفت كماله وقدره عند الله وصرت من أهل الإرادة
والتسليم ١ .

منها ما وقع في مقاماته أن رجلاً سال كاً صاحب الوجد والحال
ذكر أنه لما اشتهر في الأفاق ٢ علو مقاماته وأخبار إرشاده أسرعت
إلى بلدته فدخلتها بعد مضي ثلث من الليل ونزلت في مسجد فرأني
رجل من أهل المحلة فأدخلني بيته وسألني عن حالى فذكرت فلما
سمع اسم المجدد طعن وشنع فانقبضت وهو في ذلك إذ ظهر رضى
الله عنه وفي يده سيف مسلول فضرب عنقه ثم غاب فملثت رعباً و
خرجت من هناك مسرعا فأتيته مصباحاً فعرفني بالكشف عانقني
قال مامضى بالليل لا يذكر بالنهار ٣ .

منها ما نقل أصحاب (المقامات) ٤ أن رجلاً من أصحابه قال
وقعت في بلاد فرونج فكنت يوماً في البرية إذ رأني رجل من بعيد
مشى إلى مسرعا وقال إنى أجدمنك ربح شيخى من أنت ومن
شيخك فقلت شيخى المجدد للألف الثانى فقال ذاك شيخى
ومرشدى فقلت من أين لك هذه الكرامة قال من بركة صحبته
والله فيضه ثم قال إنى كنت ليلة في حضرته فقال لى اذهب إلى
بستان السلطان هو خارج البلد على قدر ميل وعين لى بعض

١ حضرات القدس ٢/١٨٣، ١٨٥ ٢ فى الأصل الوفاق ٣ حضرات القدس ٢/١٦٣، ١٦٢

٤ اللفظ بين القوسين غير مقروء فى الأصل كتبه بالتخمين ٥ فى الأصل فأنر

المواضع وقال هناك شجرة كذا وكذا وحول الأشجار رجال من
 الفقراء وتحت شجرة كذا رجل من أهل الله ووصف لي حليته وقال
 سلم عليه مني وكلمته حتى يجئ إلي فذهبت إلى البستان ودخلت
 الموضع الذي وصفه لي فإذا فيه رجال من الفقراء والرجل الذي
 طلبه المجدد متكى بالشجرة كما قال وإذا صورته كما صور لي فلما
 رأني الرجل من بعيد وقال لي أطلبني الشيخ أحمد قطب أقطاب زمانه
 فأجابني وسار معي حتى دخلنا عليه وأمرني المجدد بالقهوة والشاي
 فجئت به وناولت الفنجان بحضرة ٢ المجدد فقال إذهب إلى
 الضيف فناولته إليه وهو على الجانب الآخر فإذا هو حضرة المجدد
 فتحيرت ثم جئت بأخر ذهبت به إلى حضرة المجدد فإذا هو الرجل
 فتحيرت ثم أتيت بأخر فإذا لي جالبي البساط كلاهما حضرة الشيخ
 وليس هناك الرجل ثم جئت بأخر فإذا على طرفي البساط كلاهما
 هو الرجل وليس هناك حضرتنا وكلم الرجل عنده قدس سره في
 حقي وقال إنه أخذ من حضرتكم الطريقة القادرية فينبغي أن تريه
 الشيخ عبدالقادر الجيلاني في إمام السنينة قدس سره فحاء إلى
 المسجد وقال أنظر إلى قطب الفلك السماوي منظرته فرأيت بعين
 الرأس رجلاً خرج منه في غاية الحسن واللطافة ونزل علينا وتعانق
 معه قدس سره فقال نبي قدس سره هذا الشيخ المعظم عبدالقادر
 الجيلاني فأدركه قبلت رجله ٣ ثم ذهب إلى مكانه ٤ قدس الله

١ في الأصل "رجل" ٢ في الأصل "حضرت" ٣ في الأصل "رجل" ٤ في الأصل "مكان"

تعالى سرهما وفي المقامات ما يقرب من هذه الحكاية ١ .

منها ما ثبت عنه رضى الله عنه أنه طلب يوماً من السوق
موز العنب لحاجة فتكلمت ٢ حبات الموز وقالت يا مجدد للألف
الثانى إن الله سبحانه أودع فينا الشفاء فأمر قدس سره أن يحفظوها
ويعطوها لمن مرض فحفظوها للمرضى ٣ ومالهم عنه أحد منهم
الإشفاه الله تعالى حتى تمت ونفذت ٤ .

منها ما ذكر من السيد سعد الدين الذى هو من إخوان إمام
خلفاء المجدد أمير محمد نعمان أنه فتح عليه ببركة صحبته قدس
سرّه باب من العلم اللدنى وكوشف عليه أسرار الملكوت وكان
يرى من وراء الجدران ويخبر من أحوال أهل البلد ماشاء إلا ماشاء
الله فينما يوماً يصلى إنه خطر بباله أن شيخنا المجدد للألف الثانى
وإن كان قطب أو انه لكنى لم أر منه الكرامات مثل ما يذكر من
المتقدمين فبمجرد ورود هذه الخطرة القبيحة ستر عنه ما كوشف له
وذهب علمه كله من الصدر فتحير من ذلك وحزن حزناً عظيماً
شديداً قال فعلمت أنه أخذت بتلك الخاطر السوء فأتممت الصلوة
وجئت إلى حضرة المجدد تعذراً ذلك فلما رأى قدس سره قال
أيها الناس إن هذا السيد بمار طالب الكرامة والعبرة عندنا للإستقامة
فمن كان مريد الكرامة فليطلب شيخنا آخر فتاب السيد وندم ففتح

١ حضرات القدس ٨٨/٢ ٢ فى الأصل "فتكلفت" ٣ فى الأصل "للمرض"

٤ فى الأصل "لقدت"

عليه ثانيا مما كان أولاً والله أعلم ١ .

ويذكر من بعض إخوانه أنه رأى في بلده كأن المشائخ
النقشبندية اجتمعوا في مكان عظيم فكان وقت الصلاة فقدموا بعد
التأمل و٢ الاجتهاد رجلا عظيما فأثمهم وعرفته فكان صورته متصورا
في صدرى فلما دخلت الهند وزرت ٣ المشائخ وتفحصت فإذا
الصورة التي انتقشت في صدرى هي صورة المجدد فعلمت أنه هو .
وأحسن منه ما ثبت من الأمير الكبير محمد نعمان المبرور
أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان معه أبو بكر فقال يا
أبا بكر قل لولدى محمد نعمان إن كل من هو مقبول الشيخ أحمد
السرهندي فهو مقبولي ومن كان مقبولي فهو مقبول الله ومن كان
مردود الشيخ أحمد فهو مردودي، ومن كان مردودي فهو مردود
الله قال السيد فقلت في قلبي ٤ الحمد لله اني مقبول لشيخى فقال
صلى الله عليه وسلم وأنت كذلك قاله للأمير المذكور ٥

وقال أيضا ورأيت جنة عظيمة في غاية الرفعة ولم ير ٦ مثلها
في الدنيا وكان فيها العالمين وكان كلهم ينظرون إلى الفوق وفي
الفوق أمير يامر به الناس وينهاهم بما شاء وأهل الغرض وافقون

١ حضرات النسخ ١٦٥، ١٦٣/٢ ٢ لفظة "و" ليست في الأصل ٣ في الأصل "زارت"

٤ حضرات النسخ ٣٠٦/٢ ٥ اللفظ بين القوسين متروك ٦ في الأصل "لم يرى"

٦ في الأصل "تأمر"

منتظرون مستشفون وكان الأمير يتكلم بكلمة واحدة فيأخذ كل
الأنام من مطالبهم ويفهمون جميع ما ربه من هنا فقلت من هذا ونظرت
إلى الفوق فكوشف لي أنه هو نائب رسول الله صلى الله عليه وسلم
الشيخ أحمد السرهندي قدسنا الله بسره السامي ١

منها ماروينا في البرهان الجلي عنه قدس سره، أنه قدس سره،
العزیز زار قبر مرتضى خان البخارى فجلس عنده، مدة طويلة فلما
قام قيل له فيه قال كان روحه محبوسا محاسبا معاتبا فتوجهت لدفع
ذلك وتضرعت إلى حضرة القدس فمازلت ٢ متضرعا حتى برى
عنه وخلي سبيله ودخل بعض الكبراء من أصحابه قدس سره بلدة
لاهور فوجد ثمه رجلا ثقة صالحا يقص القصة التي جرت عليه إلى
كنت رفيق مرتضى خان مدة وكان بيني وبينه عهد أن السابق منا إلى
الموت يذكر حاله عند الآخر في المنام فسبقني هو فكنت كل ليلة
اتطهر وأصلي وأستغفر له وما أرى شيئا ومضى حولين حتى ليلة من
الليالي نائما رأيت أنه دخل عليّ مسرورا على هيئة من يخرج من
السجن العظيم قلت ماشأنك ولم استطعت على مع ذلك العهد
قال يا أخى إني كنت محبوسا محاسبا إلى هذا اليوم فلما خلصت منه
أسرعت إليك وكان سبب خلاصى عنه أنه نزل اليوم على الشيخ
أحمد السرهندي فما زال متضرعا إلى الله حتى خلصني فجنت

٢ في الأصل "زالت"

١ حضرات القدس ٣١٦/٢

عندك قال صاحب المجدد رضى الله تعالى عنه فاستفسرت عن تاريخ ذلك المنام فإذا هو ذلك اليوم الذى دخل فيه المجدد رضى الله عنه على قبره و كنت إذ ذاك معه والله سبحانه أعلم بصدق المقال وهو المستغفر فى سائر الأحوال والصلاة والتحية على أفضل البرية والسلام ١

منها ما أورد فى مقاماته قدس سره أنه قال يوماً أرى سنى عمرى مثل سنى عمر النبى صلى الله عليه وسلم ٢ فلما حان زمانه توجه وتخلص أكثر مما كان واختار الخلوة

قيل له فى ليلة البراءة فى هذه الليلة محيت أسماء بعض من ديوان الأحياء واثبت أسماء آخرين فقال كيف بمن يرى اللوح المحفوظ ويرى أنه قد محى اسمه من ديوان الأحياء يريد به نفسه ٣ فتوفى قبل أن تجى البراءة الآتية ثم صرح بذلك فقال ظهر لى من حضرة ٤ الرسول صلى الله عليه وسلم بشارات عظيمة وعنايات كريمة وشرفت ٥ بمقام الشفاعة وراثته منه عليه الصلاة والسلام وكتب لى مثالا ومنشورا متضمنا لكرامات عالية وتشريفات متعالية وقال هذا هو المنشور الأخرى عوض المنشور الدنيوى فودع أصحابه وأهله (فوصى ٦) أخلافهم الكرام التزام الشريعة الكبرى

١ البرهان الجلى (المخطوط) ورق ٨٩ ب ٢ زبدة المقامات ص ٢٨٢ ج (١) زبدة المقامات ص ٢٨٥ (١١) حضرات القدس ٢٠٦/٢ ج فى الأصل "حضرت" ٥ فى الأصل "شرف" ٦ الالفاظ التى بين القوسين غير مقروءة فى الأصل كتبت بالتخمين المحقق عفى عنه

ومتابعة المصطفى وأوصاهم بما يليق بالمتقين ويحري وأخرهم
 ما أوصاهم لخليفته ٢ المكرمين أعنى قدوة أفراد الأمة خازن خزائن
 الرحمة الشيخ محمد سعيد، الذى مقاماته اللطائف المدنية ٣ وقطب
 العالمين ملاذ العارفين الشيخ محمد معصوم الذى مقاماته يواقيت
 الحسنات الحرميين ٤ قدس الله سرهما إنه إذا كوشف لكم من
 الأسرار أمر يوافق كتاب الله وسنة رسوله فذاك نور وهداية وإن
 كان مخالفا لهما فظلمة وضلالة فلا تروموا حوله ولو كان مثل فلق
 الصبح.

قلت هذا منه قدس سره كان أدبا للشريعة الكبرى وتواضعا
 لأمر الله تعالى وإلا لا يمكن أن يخالف مكاشفاتهم كتاب الله وسنة
 رسول الله صلى الله عليه وسلم
 وارتحل رضى الله عنه وهو ابن ثلثة وستين عاما يوم الثلاثاء
 ثامن وعشرين من صفر سنة أربعة ٥ وثلثين بعد الألف من الهجرة
 نور الله مرقده وقد رأى الناس عند ارتحاله وقبله وبعده آيات
 وكرامات عظيمة

منها قال يوما مُشيرا طرفا من البيت إنى رأيت هناك نورا
 عظيما يتألا لأكمل نور الكعبة الربانية فتحيرت منه فنودى أنه من
 ١ فى الأصل ما أوصاهم لعله من سهو الكاتب ٢ فى الأصل "لخليفة" ٣ اللطائف
 المدنيّة قد ألفه الشيخ عبد الاحد وحدت فى حياة أبيه خازن الرحمة الشيخ الخواجه محمد
 سعيد عليه الرحمة قد طبع بـلاهور بتحقيق البروفيسور محمد اقبال المجددى. وقد طبع
 عنوان الكتاب "لطائف المدينة" هو خطأ والصحيح ما هو مسطور فى متن هذا الكتاب
 ٤ قد طبع هذا الكتاب باسم يواقيت الحرميين بتحقيق وتقديم وترجمة فى الاردية من
 البرفسور محمد اقبال المجددى ٥ فى الأصل "اربعين"

أنوار قلبك قد أودع ههنا ليكون مرقدك فيه فلما توفي واجتمعوا
واجتمع الناس فتكلموا في مكان قبره فاتفق الأمر أن يجعلوا
عند المسجد فجعلوا كذلك فإذا هو المكان الذي عين قدس سره
مرقده قبل ذلك بعشر سنين فلما دفن إحمر ذلك اليوم أطراف
السماء غاية ما يكون وقد ثبت أنه قدس سره عقد يساره بيمينه على
هيئة الصلاة بعد أن ارتحل فكلما بسطوهما ردهما إلى العقد فلما
تكرر ذلك تركوه وهو ذهب في القبر كذلك

وكان رضى الله عنه يخرج من مرقده أحيانا في الأسفار
والليالي ويراه بعض الأنام ومن عجب أمره أنه كان أحيانا يدخل في
صف الصلاة ويذهل عقول الناس أنه مات فلما قضى الصلوة إنتهبوا
وأسرعوا إليه فإذا هو قد غاب من أعينهم

قال خليفه الأكبر خازن الرحمة الشيخ محمد سعيد كنت
أسكن في حجرة واقعة عند قبره في الليالي وهو رضى الله عنه ربما
كان يخرج من قبره ويدور في صحن البيت ويجهر بالقران فكنت
لا أتعرض له أدبا حتى أن كنت ليلة هناك إذ خرج رضى الله عنه
من روضة وتوجه إلى حتى دخل الحجرة فقامت له فأخذ في حجره
وجذبني وغطني ثم ذهب ودخل مكانه العالي ومثل هذا ثبت عن ابن
السيد المعظم أمير نعمان

١ في الأصل "عند القبره" ٢ في الأصل "لا تعرض"

وأرخ اصحابه ليه أكثر من مايتي تاريخ بالعربية والفارسية
نظماً ونثراً منها هذه العشرة

مرات جمال الله.

أكبر اية من آيات ربه

رفيع المناقب

باعث نجات أبد

أكمل الأفاضل

هو أشرف العالمين

”الموت هو جسر يوصل الحبيب إلى الحبيب

العارف الذي وهب له ربه“

”وارث الرسول

خير المناقب“.



الجنة السابعة
في
ذكر بعض كلماته الطيبة

منها ما ذكرناه بعينه ومنها ما عرّبناه من الفارسية

قال رضى الله عنه: أعلم أن العناية الالهية جل سلطانه
جذبتنى جذب المرادين أولاً ثم يسرّتنى على منازل السلوك ثانيا
فوجدت الله سبحانه أولاً عين الأشياء كما قال به أرباب التوحيد
الوجودى^١ من متأخري^٢ الصوفية ثم وجدت الله تعالى فى الأشياء
من غير حلول وسريان ثم وجدت سبحانه مع الأشياء معية ذاتية ثم
رأيت بعد الأشياء ثم قبل الأشياء ثم رأيت الله سبحانه ومارأيت شيئا
من الأشياء وهو المعنى التوحيد الشهودى وهو المعبر بالفناء وهو
قدم أول يوضع فى الولاية وكمال أسبق يحصل فى البداية وهذه
الرؤية فى أى مرتبة كانت من المراتب المذكورة تحصل أولاً فى
الأفاق وثانياً فى الأنفس ثم ترقيت إلى البقاء الذى هو قدم ثان فى
الولاية فرأيت الأشياء ثابتا ووجدت الله تعالى عينها بل عين نفسى
ثم وجدته تعالى فى الأشياء بل فى نفسى ثم وجدته به^٣ تعالى مع
الأشياء بل مع نفسى ثم وجدته سبحانه قبل الأشياء بل قبل نفسى^٤
ثم رأيت تعالى بعد الأشياء بل بعد نفسى ثم رأيت الأشياء ومارأيت
الله تعالى أصلا وهى النهاية التى الرجوع إلى البداية والعود إلى

١ فى الأصل "الوجودى التوحيد" ٢ فى الأصل "متأخرين" ٣ هكذا فى الأصل
والعل الصحيح "وجدته تعالى" ٤ فى الأصل "قبل الأشياء بل قبل الأشياء بل قبل
نفسى". بتكرار "قبل الأشياء"

مرتبة العوام وهذا المقام هو أتم مقامات دعوات الخلق إلى الحق سبحانه وأكمل منازل التكميل والإرشاد وأتم المناسبات إلى الخلق المقتضية لكمال الإفادة والاستفادة ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم ٢ وكل من الأحوال ٣ المذكورة والكمالات المسطورة حصل لى بل كل منه وصل بطفيل أفضل الأنبياء أكمل البشر عليه وعليهم من الصلوة أفضلها ومن التسليمات أكملها.

منها قال قدس سره قال صلى الله عليه وآله وسلم إن الله يبعث على رأس كل مائة سنة من هذه الأمة من ٤ يجدد لها دينها ٥ وإن سبحان الله سبحانه ألهمنى أنك مجدد المائة الحادية عشر وكوشف على أنك مجدد الألف الثانى يعنى أن من جاء بعده إلى يوم القيامة إنما يصل الفيض من الحضرة الصمدية جلت عظمتة إليه بتوسطه وإن كان من الأقطاب والأوتاد والأبدال أعلموا أولم يعلموا فليس لأحد يصل إلى الله إلا بتوسله إلا فردين عيسى عليه السلام والمهدى الموعود عليه الرضوان فإن عيسى عليه السلام صاحب النبوة ولا توسط فى طريق النبوة، والمهدى وصوله أيضاً من طريق النبوة لا من طريق الولاية كما فصل فى موضعه

منها قال قدسنا الله بسره ألحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى أعلم أيها الأخ الصديق أن كلامه سبحانه مع البشر قد تكون

١ هذا اللفظ غير مقروء فى العكس فلماذا كتبت هذا مقامه بالتخمين. المحقق عفى عنه
٢ فى الأصل "الأحوالات" ٣ هذا اللفظ متروك فى الأصل ٤ كثر العمال ٢٣٨/٦

شفاهها وذلك لأفراد من الأنبياء عليهم الصلوة والتسليمات وقد تكون ذلك لبعض الكمل من متابعيهم بالتبعية والوراثة أيضاً وإذا كثرت هذا القسم من الكلام مع أحد منهم سمى محدثاً كما كان أمير المؤمنين عمر رضى الله عنه وهذا غير الإلهام وغير الإلقاء فى الروح وغير الكلام الذى مع الملك إنما يخاطب بهذا الكلام الإنسان الكامل الجامع لعالمى الأمور الخلق والروح والنفس والعقل والخيال والبدن يختص برحمته من يشاء والله ذو الفضل العظيم ولا يلزم من كون الكلام شفاهها أن يكون المتكلم مرئياً للسامع يجوز أن يكون السامع ضعيف البصر لا يحتمل شعشان أنواره كما قال عليه وعلى اله الصلوة والسلام فى جواب سؤال الرؤية نوراً إنى أراه ولأن فى شفاه خرق الحجب الشهودى لا الوجودى فافهم فإن هذه معرفة شريفة قلما تكلم بها أحد. والسلام على من اتبع الهدى.

حضرت خواجه نقشبند قدس الله تعالى بسره الأقدس فرموده اندكه "آئینه هريك از مشائخ رادو جهت است و آئینه مراشش جهت ۲ مانا كه اين كلمه قدسيه راتا اين زمان هيچ يكى از خلفا اين خانواده بزرگ بيان نكرده است بلكه باشاره و رمز دران باب سخن نرانده و اين قليل البضاعت راجه رسد كه در شرح آن اقدام نمايد و در كشف آن زبان كشايد اما چون حضرت -

۱ فى الأصل "البعض" ۲ نسحات القدس للشيخ محمد هاشم الكشور - ترجمة

الاردية ص ۵۴

سبحانه و تعالیٰ بمحض فضلِ خویش سرِ این معمارا برین فقیر حقیر
 بکشود و حقیقت آن کما ینبغی وانمود بنخاطر ریخت که این دُرّ
 مکنون را به بنانِ بیان در سلکِ تحریر کشد و بزبان ترجمان در حیز
 تقریر در آرد بعد از ادائے . استخاره شروع در آن باب نموده آمد
 والمسئول منه سبحانه العسمة والتوفیق

باید دانست که مراد از آئینه قلبِ عارف است که برزخ
 است بین الروح و النفس و ازدو جهت جهتِ لَروح و جهتِ نفس
 مراد داشته اند پس مشائخ را در وقت وصول بمقام قلب هر دو
 جهت آن منکشف میگردد و علوم و معارف آن هر دو مقام که مناسب
 قلب است فایض می شود بخلاف طریقه که حضرت خواجه بآن
 ممتاز اندونهایت در آن موطن در بدایت مندرج آئینه قلب را در آن
 طریق شش جهت پیدامی شود

بیانش آن است که بر اکابر این طریقه علیه منکشف
 گردانیده اند که هر چه در کلیة افرادِ انسانی ثابت است از لطائف
 سته در قلب تنها نیز متحقق است از نفس و قلب و روح و سر و خفی
 و اخفی و از شش جهت این شش لطیفه را مراد داشته اند پس سیر
 سائر مشائخ بر ظاهر قلب است سیر این بزرگوران در باطن قلب
 و بایس سیر با بطن بطور آن میرسند و علوم و معارف این هر شش

لَ اللفظ الذی بین القوسین متروک فی الاصل.

لطیفه در مقام قلب منکشف میگردد اما علومے کہ مناسب مقام قلب
اند این است بیان کلمه قدسیه حضرت خواجہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ
العزیز

وایں حقیر را دریں مقام بہ برکت بزرگواران مزید بر مزید
است و تدقیق بعد تحقیق و بحکم کریمہ و أما بنعمة ربك فحدث
رمزی ازان مزید و اشارتے ازان تدقیق می نماید منه سبحانه العصمة
والتوفیق

بدانکہ قلب قلب نیز متضمن لطائف است بر قیاس قلب
لیکن در قلب قلب بواسطه تنگی دائره یاسر دیگر دو لطیفه از لطائف
سته مذکورہ بطریق جزئیت ظاہر نمی شود لطیفه نفس و لطیفه
اخفی.

منها قال قدس سرہ اعلم أن قلب القلب أيضا متضمن
للطائف الستة كما في القلب الأول لكن لا يظهر فيه لضيق الدائرة أو
سر آخر بطريق الجزئية لطيفتان لطيفة النفس و لطيفة أخفى و كذا
الحال في القلب الذي في المرتبة الثالثة (إلا أنه لا يظهر فيه الخفى
أيضا و كذا الحال في القلب الذي في المرتبة الرابعة ۲) إلا أنه لا
يظهر فيه السر أيضا مع ظهور القلب والروح فيه وفي
المرتبة الخامسة لا يظهر الروح فيه أيضا. فما بقى إلا قلب محض
وبسيط صرف لا إعتبار فيه لشيء أصلا

۱ سورة والضحي آيت ۱۱ ۲ العبارة التي بين القوسين متروكة في الأصل و اضيفت من
مبدأ و معاد المطبوعة بلامور باكستان. المحقق عنى عنه.

ومما ينبغي أن يعلم ههنا من بعض المعارف العالية يتوسل به إلى ماهو نهاية النهاية وغاية الغاية فأقول بتوفيق الله سبحانه أن جميع ماظهر في العالم الكبير تفصيلا فهو ظاهر في العالم الصغير إجمالا ونعنى بالعالم الصغير الإنسان فإذا صقل العالم الصغير ونور ظهر فيه بطريق المِرَاتِيَّة جميع ما في العالم الكبير تفصيلا لأنه بالصقالة والتنوير قدامتسع وعائه فزال حكم صغره وكذا الحال في القلب الذي نسبته مع العالم الصغير كنسبة العالم الصغير مع العالم الكبير من الإجمال والتفصيل فإذا صقل العالم الأصغر الذي هو عالم القلب ذهبت الظلمة^١ الطارية عليه ظهر فيه بطريق المِرَاتِيَّة أيضا ما في العالم الصغير تفصيلا وهكذا الحال في قلب القلب بالنسبة إلى القلب من الإجمال والتفصيل وظهور التفصيل فيه بعد أن كان مجملا بسبب التصفية والنورانية وعلى هذا القياس القلب الذي في المرتبة الثالثة والقلب الذي في المرتبة الرابعة في الإجمال والتفصيل وظهور التفصيل الذي في المراتب السابقة فيهما بسبب الصقالة والنورانية وكذا القلب الذي في المرتبة الخامسة فإنه مع بساطته وعدم إعتبار شئ فيه يظهر فيه بعد التصفية الكاملة ماظهر في جميع العوالم^٢ من العالم الكبير والصغير والأصغر وما بعدها من العوالم كما مرّ فهو الضيق الأوسع والبسيط الأبسط والأقل الأكثر

^١ في الأصل "ظلمة" ^٢ في الأصل "العوامل"

وما خلق شئ من الأشياء بهذه الصفة وما وجد أحد أشد مناسبة
بصانعه تعالى وتقدس من هذه اللطيفة البديعة فلا جرم يظهر فيه من
عجائب آيات صانعه سبحانه مالا يظهر في أحد من خلقه ولذا قال
تعالى في الحديد لا يسعني أرضي ولا سمانى ولكن يسعني قلب
العبد المؤمن والعالم الكبير وإن كان أوسع المرابا للظهور إلا أنه
لكثرته وتفصيله لا مناسبة له مع من لا كثرة فيه أصلا ولا تفصيل فيه
رأسا والحرى للمناسبة هو الضيق الأوسع والبسيط الأيسر والأكثر
الأكثر كما لا يخفى فإذا بلغ العارف الأتم معرفته وأتم شهورته هذا
المقام العزيز وجوده وأشرف رتبة يصير ذلك. انوارها فأنها الدعوى
كلها والظهورات جميعها وهو المنحرف سائر لآية المدحمة به
والمشرف بالدعوة المصطفوية على صاحبها الصلاة والسلام
والتحية فالأقطاب والأبدال والأوناد داخلون تحت دائرة ولايته
والأفراد والأحاد وسائر فرق الأولياء مندرجون تحت أنوار هدايته
لما هو النائب مناب رسول الله والمهدى بهدى حبيب الله وهذه
النسبة التبرية عزيز وجودها مخصوصة بأحاد المرادين ليس
لنمرید من هذا الكمال ٢ نصيب هذا هو النهاية العظمى والغاية
القصوى ليس فوقه كمال ولا أكبر منه نوال لو وجد بعد ألوف سنة
مثل هذا العارف لا غنم وجوده ويسرى بركته إلى مدة مديدة وأجال

١ في الأصل "على صاحب" ٢ في الأصل "الكلام"

متباعدة وهو الذى كلامه دواء ونظيره شفاء والحضرة المهدي
سيوجد على هذه النسبة الشريفة من هذه الأمة الخيرة ذلك فضل
الله يؤتاه من يشاء والله ذو الفضل العظيم.

حصول هذه الدولة القسوى منوط بإتمام طريقى السلوك
والجذبة تفصيلا مرتبة بعد مرتبة وإكمال مقام الفناء الأتم والبقاء
الأكمل درجة بعد درجة وهذا لايسر الا بكمال متابعة سيد
المرسلين وحبیب رب العالمين عليه وعلى آله من الصلوات أفضلها
ومن التسليمات أكملها. الحمد لله الذى جعلنا من متابعيه
والمسؤل من الله سبحانه كمال متابعته والثبات عليه والإستقامة
على شريعته ويرحم الله عبداً قال امينا وهذه المعارف من الأسرار
الدقيقة والرموز الخاصة ماتكلم بها أحد من أكابر الأولياء وما أشار
إليها أحد من أعظم الأصفياء استأثر الله سبحانه هذا العبد بهذه
الأسرار وافشائها بصدقة حبيبه عليه وعلى آله الصلوات
والتسليمات ولنعم ما قال فى الشعر الفارسى

اگر باوشه بر در پيرزن + بيايد توای خواحه سبست مکن

ليس قبوله تعالى معللاً بشئ ولا مسبباً بسبب بفعل الله
ما يشاء ويحكم ما يريد والله يختص برحمته من يشاء والله ذو الفضل
العظيم وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله وسلّم وبارك

في الأصل "بهذا"

وعلى جميع الأنبياء والمرسلين وعلى الملائكة المقربين وعلى عباد
الله الصالحين والسلام على من اتبع الهدى والتزم متابعة المصطفى
عليه الصلاة والسلام.

منها قال قدس سره السامى قد كشف الله على أنه بعثت
الأنبياء والرسل فى الهند وأعلمنى بأسمائهم وأماكنهم والقرى التى
بعثوا فيها عرفنى قبورهم وأرى الأنوار متلايئة عليها وانكشف على
أسماء من آمن بهم ومقاماتهم^٢ ودرجاتهم فلو أشاء لأذكر كل
ذلك قال لا أرى مع نبي من الأنبياء الذين بعثوا هناك أكثر من ثلث
فنبى ومعه^٣ واحد ورسول ومعه اثنان ومرسل ومعه ثلاثة ونبي وليس
معه أحد وهو مات ولم يؤمن به إنسان^٤.

منها قال رضى الله تبارك وتعالى عنه وكثيرا مايقع العروج
فى هذه الأيام فوق العرش المجيد وأول ماوقع العروج فوق^٥
العرش وطويت المسافة رأيت جنة الخلد فيما تحته وخطر بالبال أن
أرى مقامات الناس هناك وكوشف لى مقامات بعضهم ورأيتهم فيها
على تفاوت درجاتهم مكانا ومكانة شوقا وذوقا وفى مرة أخرى
كوشف لى مقامات المشائخ ومقام أهل البيت ومقام الخلفاء
الراشدين ومقام حضرة الخاتمية عليه وعليهم السلام والتحية أى

١ مبداء ومعاد ص ١٦ الى ٢٣. المطبوعة بلاهور ٢ فى الأصل "مقاتهم"

٢ فى الأصل "معهم" ٣ (١) مكتوبات امام ربانى دفتر اول (١١) حضرات القدس ١٠/٢

٤ لفظ "لوق" متروك فى الأصل

هناك فوق العرش الأعظم فكذلك مقامات سائر الأنبياء ومقامات
الملاء الأعلى عليهم السلام فوقه على حسب الدرجات وإنى لما
عرج بى فوق العرش وقطعت المسافة مثل ما بين مركز الأرض إلى
العرش رأيت ههنا^١ مقام خواجه نقشبند ورأيت فوق ذلك قليلا
بعض المشائخ منهم الشيخ معروف الكرخى والشيخ أبو سعيد
الخراز ورأيت بعض المشائخ فى مقامه (وأما الباقون من المشائخ
مقامات بعضهم تحته وبعضهم كانوا فى ذلك المقام وأما تحت
ذلك المقام^٢) فالشيخ نجم الدين الكبرى والشيخ علاء الدولة
وفوق هذا المقام مقام أئمة أهل البيت وفوق ذلك المقام مقام
الخلفاء الراشدين رضوان الله عليهم أجمعين ومقامات سائر الأنبياء
وفوقهم على طرف كان مقام نبينا عليه وعليهم السلام وكذلك
مقامات الملائكة العالين أطراف أخر^٣ ومقامه صلى الله عليه وآله
وسلم كان أرفع وأعلى من كلهم واعلم أنى كلما أريد العروج
المذكور يتيسر لى وربما يقع عنه من غير قصد^٤.

منها قال قدس سره، العزيز وأما بنعمة ربك فحدث^٥ كنت
يوما فى حلقة أصحابى فغلب على خاطرى القصور والنقص حتى
ظننت أنى لامناسبة لى مع أهل الكمال وأرباب الأحوال فبينما أنا

^١ فى الأصل "مقام هنا" ^٢ العبارة التى بين القوسين محوطة فى العكس زبدت بعد
الترجمة من المکتوب رقم ٥٣ الدفتر رقم ١- المحقق عفى عنه.

^٣ المکتوبات المجدديه ٥٣/١. ^٤ سوره والضحى آيت رقم ١١

إذ انودي في سرى أن قد غفرت لك ولمن توسل بك إليّ بواسط
 أو بغير واسط الى يوم القيامة وتكرر هذا النداء مرة بعد أخرى
 بحيث لم يبق للريب^١ فيه مجال والحمد لله على ذلك حمدا كثيرا
 طيباً مباركاً عليه كما يحب ربنا ويرضى والصلاة والسلام على سيدنا
 محمد وآله كما يحرى ثم أمرت بإفشاء هذه المكاشفة إن ربك
 واسع المغفرة^٢.

منها قال رضى الله تعالى عنه لما شرفت بصحبة شيخى في سلسلة
 خواجها النقشبندية قدّست أرواحهم حصل لي ببركة توجّه^٣
 الجذبة التي تنشعب بعد الإستهلاك في صفة القيومية به شرفت
 بإنذارج النهاية في البداية الذي هو من خصائص هذه السلسلة العلية
 ثم بعد تحقق هذه الجذبة وحصل لي مراتب السلوك ووصلت
 النهاية التي هي عبارة عن الوصول إلى الاسم الذي هو ربه بمدد أسد
 الله الغالب كرم الله تعالى وجهه ثم وقع الترقى من ذلك المقام إلى
 القابلية الأوتى التي عبارة عن الحقيقة المحمدية على صاحبها
 الصلوة والسلام والتحية بمدد خواجها نقشبند قدّس سره^٤ ثم وقع
 الترقى منه إلى المقام هو إجمال تلك القابلية وهو مقام الأقطاب
 المحمدية بمدد الروح المقدسة لسيدى^٥ على صاحبها الصلاة

^١ في الأصل "الريب" ^٢ (١) مبداء ومعاد ص ١٠ (١١) حضرات القدس ١٠٣/٢. المطبوعة

بلاهور ^٣ في الأصل "توجه" ^٤ في الأصل "السيدى"

والسلام والتحية وأثناء ذلك وقع مدد يسير من خواجه علاؤالدين
عطار خليفة حضرة^١ خواجه نقشبند وكان قطب الإرشاد في زمانه
فلما وصلت ذلك المقام العالى أعطيت خلعة القطبية من حضرة
النبوة وشرفت بهذا المنصب الجليل ثم جذبتنى العناية الإلهية
فعرجتُ منه إلى المقام الأصل الممتزج بالظل الذى هو فوق مقام
الأقطاب ومختص بالأفراد تيسر لى هناك فناء وبقاء ثم أدركنى
العناية الصمدية فأوصلتنى إلى الأصل الخاص وفي هذا العروج وقع
من الغوث الأعظم الشيخ عبدالقادر الجيلانى قدس الله سره الأقدس
مدد عظيم وتصرف قوى حتى أوصلنى إلى مقام أصل الأصل ثم وقع
النزول منه إلى العالم ووقت النزول المعبر بالسير عن الله بالله وقع
عبورى على مقامات مشائخ السلاسل الأخر وراء النقشبندية
والقادرية مثل الأكابر الجشتية والكبروية فاستقبلونى بالإعزاز
والإكرام وألقوا^٢ على من نفائس نسبتهم وخصائص مواجيدهم
وانكشف لى حقائق كل منها وتفاوت درجاتهم فيما بينهم وكان
حصول العلوم الدينية لى من روح الخضر على نبينا وعليه السلام
لكن قبل وصولى إلى مقام الأقطاب المذكور سابقا وبعد الوصول
إلى ذلك المقام أخذت^٣ العلوم من حقيقة نفسه ليس لغيره أن
يدخل فيما بين العارف والمعروف وكل ذلك بطفيل حضرة

^١ فى الأصل "حضرت" ^٢ فى الأصل "القوى" ^٣ فى الأصل "أخذ"

الخاتمية وبورائته العلية عليه وعلى آله الصلوة والسلام والتحية ١ .
 منها قال قدس الله روحه إن الله قد كشف على أسماء من
 يدخل في سلسلتنا من الرجال والنساء مع أنسابهم وأما كنهم الى يوم
 القيامة لو أنى أشاء أذكر كلهم
 منها قال رضى الله عنه إن الله قد كشف على مشارق
 الأرض ومغاربها فجعلها كورق مودع بين يدي الناظر
 منها قال قدس سره إن الله أعطانى قوة عظيمة فى أمر
 الهداية وإنقاذهم ٢ من الضلالة.

منها قال قدسنا الله بسره الأسنى إن الله مثل لى الشريعة
 الكبرى بصورة قافلة عظيمة وإنها نزلت فى مكانى هذا ثم ألهمت أن
 هذه القافلة لاتخرج من بيتك إلى يوم القيامة ٣

منها قال رضى الله عنه حين دخل مقبرة أبيه وتمنى مغفرتهم
 نوديت أنى رفعت عذاب هذه المقبرة إلى يوم القيامة بقدمك ٤
 منها قال قدس سره 'ظهر يوماً إمام الأمة أبوحنيفة الكوفى مع
 أرباب الإجتهد من مذهبه وبعض الكبار من أساتذته كالنخعى فدخل
 نوره وأنوار كل أحد منهم فى باطنى وصارت تلك الأنوار أجزاءى ثم
 ظهر بعد ثلاثة أيام الإمام الكبير محمد بن إدريس الشافعى مع

١ مبدأ ومعاد ص ٣ الى ٤ ٢ فى الأصل "أنقدم" ٣ حضرات القدس ٩/٢

٤ حضرات القدس ٩٣/٢

مجتهدي مذهبه وأساتذته ودخل أنوار كل منهم في تحققت
بأنوارهم جميعا ونوديت أن الحق لم يخرج منها إن تركه أبو حنيفة
في موضوع أخذ الشافعي وان كانت الأربع على صراط^١ مستقيم
وكوشف عليّ أن أبا حنيفة في هذا الأمر صاحب الثلثين والشافعي
صاحب الثلث وقال فأنا الحنفي^٢ الشافعي^٣

منها قال رضي الله عنه بشرني رسول الله صلى الله عليه
واله وسلم أن الله يغفر يوم القيامة من شفاعتك ألوفا من الناس
منها قال قدس سره؛ لما كتبت رسالة العقائد رأيت رسول
الله صلى الله عليه وسلم في المعاملة وفي يده المباركة تلك
الرسالة وهو يقول هكذا ينبغي أن يعتقد وبشرت من حضرة النبوة
إنك المجتهد في علم الكلام فمن ذاك الزمان لي في كل مسألة
من مسائل ذلك العلم رأي خاص لكنه يطابق في كلها أو جلّها مع
العلماء الماتريديّة^٤

منها قال قدس سره؛ يوما زاد^٥ زيارة الكعبة الحسنة بحد
لاحد له فإذا أنا بالكعبة المكرمة المعظمة جاءني طائفة زائرة
منها قال نور الله مرقدّه؛ كوشف عليّ أن الرحمة الرحمانية
التي هي مائة أجزاء فجزء واحد بسطت في الدنيا والأجزاء الباقية
تبسط يوم القيامة يجعل يومئذ بوراثة النبي الكريم صلى الله عليه

^١ في الأصل "صراط" ^٢ في الأصل "الحنيفي" ^٣ حضرات القدس ١٠١، ١٠٠/٣

^٤ زبدة المقامات ص ٢٣٦ ^٥ في الأصل يوما زاد في اليوم زيارة الخ وفيه تسامح ظاهر

وسلم في ١٠٠٠ ويكون تلك الأجزاء في حوالتى فتُصَرَّفُ هناك إلى
 ماشاء الله من الأولين والآخرين على يدى وانكشف على أن مخزن
 تلك الخزائن ومستقر تلك الدفائن حرف الهاء التى هى من
 المقطعات القرآنية ولها عينين ١ فعين واحدة منها معدن الرحمة
 الدنيوية والثانية مهبط الرحمة الأخروية. وكذلك كوشف لى
 أسرار سائر المقطعات الفرقانية التى هى لب الكمالات وخالصة
 الحقائق والمعارف ليس أصحاب ٢ تلك المعاملات إلا أرباب
 النبوة لكن لكمل من صاحب الولاية نصيب منها بطريق الوراثة وهم
 يسمون بالعلماء الراسخين وهم قليلون بل أقلون ٣

منها قال رضى الله عنه إن لمتابعة النبى صلى الله عليه وسلم

على ما ألهمنى الله على سبع درجات

الدرجة الأولى إتيان الأحكام الشرعية وإتباع السنة السنية
 بعد تصديق القلب وقبل اطمئنان النفس المنوط بالولاية فكافة
 (أهل ٤) الاسلام من علماء الظاهر والعباد والزهاد والذين لم يبلغوا
 مرتبة ٥ الإطمئنان مشتركون فى هذه الدرجة وكلهم فى هذه
 المتابعة الصورية متساوون لأن النفس فى هذا المقام لما لم يتخلص
 من الكفر والإلكار لا جرم تكون هذه الدرجة مخصوصة بصورة
 المتابعة والمعابعة الصورية موجبة للفلاح ومنجية عن النار والله

١ فى الأصل "عين" بصيغة الوجدان ٢ فى الأصل "اصحاب"

٣ حضرات القدس ١٠٩/٢ ٤ هذا اللفظ ليس فى الأصل ٥ فى الأصل "مراتبه"

سبحانه بكمال رأفته لم يعتمد بإنكار النفس واكتفى بمجرد تصديق القلب.

الدرجة الثانية من المتابعة إتباع أقواله وأفعاله عليه الصلوة والسلام المتعلقة بالباطن من تهذيب الأخلاق ودفع رذائل الصفات وإزالة الأمراض الباطنية والعلل المعنوية وهذه الدرجة متعلقة بمقام الطريقة ومخصوصة بأرباب السلوك الذين يأخذون طريقة الصوفية من الشيخ المقتدى ويقطعون مفاوز وبوادي السير إلى الله تعالى

الدرجة الثالثة من متابعته إتباع أذواقه ومواجيده صلى الله عليه واله وسلم المنوط بالولاية الخاصة وهذه مخصوصة بصاحب الولاية مجذوبا سالكا أو سالكا مجذوبا.

والدرجة الرابعة مرتبة إطمئنان النفس ومقام الإسلام الحقيقي وفي هذه المرتبة يخرج عن صورة المتابعة إلى حقيقة المتابعة وهو نصيب العلماء الراسخين وفي المرتبة الثانية وإن تحقق حظ من إطمئنان النفس بعد تمكن القلب^٢ لكن كمال الإطمئنان يحصل ههنا وهي ثمرة كمالات النبوة ويفوز العارف في هذه المرتبة بفهم أسرار المقطعات القرآنية وبتأويل متشابهات الكتاب والسنة ولا تتخيلن أن ذلك مثل تأويل اليد بالقدرة والوجه بالذات وغير

١ في الأصل "إلى الحقيقة" ٢ في الأصل "القلب القلوب"

ذلك مما للعلم الظاهر فيه مدخل بل هو من الأسرار الخاصة وهو بالإصالة حظ الأنبياء عليهم الصلاة والسلام وبتبعيتهم يفضل من يشاء من الصديقين والأولياء والوصول إلى هذه الدورة ألبتة بطريق الولاية أقرب من الطريق الآخر وهو التزام السنة السنينة والإجتناب عن البدعة الغير المرضية رأسا وبالكلية وذلك فى هذا الزمان عسير جدا لغلو البدعة وشيوعها وهجران السنة وندرتها والدرجة الخامسة من المتابعة إتباعه صلى الله عليه واله وسلم فى الكمالات التى مدخل فى حصولها للعلم والعمل بل حصولها منوط بمجرد الفضل والإحسان الربانى وهذه الدرجة عالية جدا لامساس بالدرجات السابقة بها وهى بالإصالة نصيب أولى العزم من الأنبياء عليهم الصلوة والتسليمات وبطفيلهم حظ لبعض الأولياء.

والدرجة السادسة من المتابعة إتباعه عليه أفضل الصلوة والسلام فى كمالاته المنحصصة بمقام محبوبيته الخاصة وإفاضة الكمالات ٢ فى هذه المرتبة منوط بمجرد المحبة التى هى فوق الفضل والإحسان وهذه الدرجة وإن كانت بالإصالة منحصصة به صلى الله عليه وسلم لكن لاحاد من الأولياء أو أقلين من الصديقين حظ منها بطفيله وبتبعيته وهذه ٣ الدرجة غير الدرجات الأولى كلها

١ فى الأصل "هم هو" ولعل لفظ هم زائد. ٢ فى الأصل "الكمالاته"

٣ فى الأصل "هذه الدرجات غير الدرجة الأولى"

منوطة ومر رطة بالعروج والصعود.

والدرجة السابعة من المتابعة متعلقة بالنزول وهذه الدرجة جامعة لجميع الدرجات السابقة لأن فيها تصديق القلب مع تسكينه واطمئنان النفس وتزكيتها واعتدال أجزاء القلب كأنّ الدرجات السابقة بمنزلة الأجزاء لها وهذه كالكل لها وفي هذه المرتبة يشبه التابع بالمتبوع بحيث يتخيل الناظر من بعيد أنهما إتحدوا وزال الإمتياز بينهما والتابع الكامل من يتحلى بهذه المراتب السبع رزقنا الله سبحانه إياكم حقيقة اتباعه صلى الله عليه وسلم وعلى سائر من اتبع الهدى والتزم متابعة المصطفى عليه وعلى اله وصحبه من الصلاة أفضلها من التحيات أكملها ٢ .

منها قال قدست نفسه صنعت يوماً طعاماً ووهبت ثوابه لأولادى الذين ماتوا صغاراً فرأيت الملائكة يذهبون بموائد النعم ويجمعونها فى روضة من رياض الجنة فلما جمعوها جاء أولادى وتناولوها صارت تلك النعم أجزاءهم وحصلت بهم قوة واستعداد وترقوا جنتهم إلى الفوق حتى دخلوا جنة رفيعة عالية أعلى من الأولى بمراتب ثم رأيت أن قدومهم من تلك الموايد لجميع أهل الإسلام فمارأيت قبر مؤمن ولا مؤمنة فى المشرق والمغرب إلا دخل فيه نصيب منها ولم يبق جنة من الجنان إلا عرجت إليها بحظ من تلك

١ فى الأصل "بهذا" ٢ مكتوبت امام ربانى ٥٣/٢

الموايد ورأيت قد رفعت منها إلى الملائكة الأعلى وقسمت فيهم
كذلك وذلك لأنى قامت أوصل الله ثواب هذا إلى أولادى وإلى
جميع المؤمنين والمؤمنات والملائكة العالين ١

منها قال عطر الله روحه وقع الأخبار إن روح الميت
المديون لا يعرج به فوق السماء حتى يؤدي دينه ألهم على أن هذا
الحكم مخصوص بمن لم يحصل له عروج فى هذه النشأة أما
إذا حصل له ههنا عروج وتخلص من التعلقات الدنية الردية لا يمنع
من العروج ٢

منها قال رضى الله عنه إن نعمائه الأزلية أحاطتنى بحيث لم
يبق طريق من طرق سلوك هذه الطائفة العلية إلا قطعتة ولا منزلا من
منازل سير هذه الجماعة الكريمة إلا دخلته حتى ألهمت أنه لم يبق
كمال أعطى لنوع البشر إلا أعطيته غير منصب النبوة

منها قال روح الله سبحانه روحه ويشرح فى العالمين بركاته
وفتوحه عرج الله لى بوراثة النبى الكريم عليه الصلاة والسلام
والتحية والتسليم مقاما لا يعلم شرفه وقدره إلا الله ومن شأن ذلك
المقام العظيم أن قدر نقطة من ذلك المقام أعظم وأكبر من تمام
دائرة الإمكان أى من عالم الأرواح والعرش والكرسى واللوح والقلم
وأقطار السموات السبع والأرض السبع وما تحتها جملة واحدة وقال

١ حضرات القدس ١٠٩/٢ ٢ حضرات القدس ١١٠/٢

فلما وصلت بتلك المرتبه العليا رأيت في أعلى المجلس وصدر
المقام صاحب قاب قوسين أو أدنى وفي سائر الجوانب الرسل
الكرام والأنبياء العظام عليه وعليهم الصلاة والسلام وما وجدت فيه
من الأولياء إلا أقل قليل لو ذكر عدد هؤلاء لتحير الناس فأدخلني الله
في تلك الدرجة العظمى ومكنى فيها فله الحمد كما يليق ويحري



ألجنة الثامنة
في
رد الشبهات الواردة على كلامه الشريف

إعلم يا أخى أن العوام كالأنعام وقعوا فى الكرام والخاصة من
الانام حسدا وجهلا من الأول إلى الآخر وبذلوا هممهم فى بطل
حقائقهم ومعارفهم يريدون ليظفروا نور الله بالفواهيم والله متم نوره
ولو كره المشركون ١ . الحاصل التنازع بين العامة والخاصة وبين
أرباب الظاهر وأصحاب الباطن كمثل النور والظننة باق أبدا هؤلاء
لا يتناهون عن هذا المنكر وتلك الفئة العالية لا ينالون من عدو نبلا ٢
ولا يخافون لومة لائم سنة الله التى ٣ قد حلت فى عباده
وخسر هناك المبطلون لكن لما كان نصرة أهل الله فى الحقيقة
نصرة الله ونصرة رسوله لا بد لكل مسلم صائح أن يسعى فى ذلك
فيفوز بذلك فوزاً عظيماً لقوله تعالى ولينصرن الله من ينصره
ورسله بالغيب ٤

وليعلم أن أصحاب المجدد رضى الله عنه أجابوا عن جميع
شبهاتهم وردوا عليهم مفاستهم وإنى لا ذكر شينا منها لنيل السعادة
فمن شبهاتهم إنه قدس سره فضل نفسه على النبى الكريم
صلى الله عليه وآله وسلم وذلك أنه كتب أن الولاية الأحمدية

١ سورة الصف رقم ٨ ٢ العبارة بين القوسين ليست فى الأصل

٣ لفظة "قد" ليست فى الأصل ٤ سورة الحج آية رقم ٣٠

أفضل وأترب إلى الذات من الولاية المحمدية وأراد بالأولى ولاية
نفسه والثانية ولايته صلى الله عليه وآله وسلم
قلت سبحانك هذا بهتان عظيم وذلك لأنه أراد
بالولائتين ولايتي النبي الكريم لهما قالوا لأنه صرح في مكاتيبه بأن
لنبينا ولايتين أحدهما تناسب الملك والثاني تناسب الملكوت ٢
الأولى يسمّى بالمحمدية والثاني بالأحمدية وهو أقرب إلى حضرة
القدس من الأولى فثبت أن لبعض كمالاته تفضلاً على كمالاته
الأخرى فبطل ما قالوا والحمد (لله ٣)

ثم اعلم أن من طالع مكاتيبه العلية لا يتصور أن ينسب هذه
الضربة (إليه ٤) لأنه قدس سره كتب في غير موضع
منها إن حقيقته ٥ عليه السلام كل وحائق جميع العالمين
أجزاء ولاية نبيه

وكتب في المبدأ والمعاد ٦ أن ولاية الولي جزء من أجزاء
ولاية نبيه كلما ازداد الولي كمالاً فذلك الكمال أولاً بالذات ثابت
للنبي وهو كما قالوا الكل أعظم من الجزء بديهى لأن الكل عبارة عن
جميع الأجزاء فإن أعظم الجزء فهو داخل في الكل ٧
ومنها ما قالوا إنه يقول بتفضيله على سيدنا أبي بكر بن
الصديق لأنه كتب أنى عرجت مقام كذا ثم كذا حتى قال عرجت

١ سورة النور رقم ١٦ ٢ في الأصل "المكوت ٣ لفظ "لله" ليس في الأصل
٤ اللفظ بين القوس ليس في الأصل ٥ في الأصل "حقيقت" ٦ في الأصل "المعاد"
٧ مبدأ ومعاد ص ٤٢ مطبوعه لاهور

مقام أبى بكر الصديق رضى الله عنه ثم عرجت على مقام فوق مقام
الصديق ولم ينسب ذلك إلى أحد فدل على أنه عين ذلك لنفسه
فلزم التفضيل ١

قلت هذا أيضاً بهتان وجهل عن اصطلاح القوم وغفلة عن
مقالاتهم فإن السير فى المقام لا يستلزم أن يكون ذلك المقام له فإن
الأصاغر يدخلون على الأكابر ويتعمون معهم بطفيل ولا يلزم
المساواة ٢ أصلاً. قال إمام ٣ العرفاء خوارجة نقشبند سرت فى
مقامات الأولياء الكرام مثل الشيخ أبى يزيد البسطامى والشيخ جنيد
ثم سرت فى مقامات الأنبياء عليهم السلام حتى وصلت مقام
حضرة ٤ الخاتمية على مصدرها السلام والتحية فتأدبت وما دخلت
حتى أدخلونى فيه لأدبى معه صلى الله عليه وآله وسلم وذلك
بوراثة عليه الصلاة والسلام ٥

قال رضى الله عنه فى جواب السلطان جهانگیر حين سأله
عن هذا أيها السلطان إذا طلبت أحداً من الخدام ٦ قريباً من
حضرتك فوق الأمراء والكبار من معرفتك فقام بين يديك ما

١ من اراد ان يعلم حقيقة هذا الاعتراض فليُنظر الى مكتوب رقم ١١ من الدفتر الاول من
مكاتيبه الشريفة. تنبيه: كتب المجدد قدس سره هذا المكتوب الى شيخه الخواجه باقى
بالله رحمه الله ان كان فيه شائبة تفضيل المجدد نفسه على الصديق الاكبر لاصلاحه مرشده
الكريم ومن الممتنع ان يكون شيخه ساكتاً فى هذا الباب. لانه زندقة بالصراحة. المحقق
عفى عنه. ٢ فى الأصل "المساوات" ٣ فى الأصل "الامام"

٤ فى الأصل "حضرت" ٥ حضرات القدس ج ٢ ص ١٢٢ ٦ فى الأصل "الخدام"

دمت تخاطبه فإذا فرغت من الأمر ذهب إلى مكانه فكذا أحوال
الأولياء يعرجون من مقاماتهم إلى المقام فوقاني^١ لبعض الأمور
فسكت السلطان

ثم ليعلم أن المقام فوقاني الذي لم ينسبه قدس سره إلى
أحد هو مقام النبي في الحقيقة لأنه كتب في موضع آخران (ارفع
المقامات) ^٢ مقام لبينا صلي الله عليه وآله وسلم ولا يضر عدم
التصريح بها في هذا المكتوب لأنه كان في صدد ذكر مقام النبي من
حيث النبوة فارتفع الشبهات بحذا فيرها والحمد لله

منها ما يقولون إنه كتب أن حقيقة الكعبة الحسنة فوق
الحقيقة المحمدية وقد انعقد الإجماع أنه عليه السلام أفضل
المخلوقات وقوله ذلك يهدم ذلك الإجماع
قلت قد حلّ هذه الشبهة من كلام خلفه المكرم قطب
الطريقة والحقيقة الشيخ محمد سعيد مدظله فلا تخفى ما فيه قال
قدس سره

الحمد لله العليّ الأعلى والصلاة على رسوله محمد صلي
الله عليه وسلم كما يحب ربنا ^٣ ويرضى وعلى آله وأصحابه كما
يليق بعلو شأنهم ويحرى

أما بعد فقد توهم بعض الناس من كلام شيخنا وإمامنا

^١ في الأصل "الفوقانية" ^٢ الالفاظ في هذا المقام مطبوعة غير مطبوعة لهذا زيدت بين القوسين
بالتخمين. المحقق عفي عنه ^٣ لفظ ربنا ليس في الأصل اضيف من المكتوبات السعيدية

المحققين الشيخ أحمد رضى الله تعالى عنه الواقع فى بعض مصنفاته
أن حقيقة الكعبة الربانية فوق الحقيقة المحمدية أن الكعبة المعظمة
أفضل من نبينا سيد المرسلين حبيب رب العالمين صلى الله تعالى
عليه وعلى اله وسلم والحال أنه عليه الصلوة والسلام أفضل
المخلوقات وأشرف البريات

قلت وبالله العصمة والتوفيق وبيده أزمة التحقيق إن ذلك
التوهم إنما نشأ من لفظ الحقيقة على ذات الشئ وشخصه وهو مبنى
على الجهل عن اصطلاح هذه الطائفة العلية وعدم الإطلاع على
حقيقة كلام شيخنا رضى الله تعالى عنه

وكم من عائب قولاً صحيحاً وآفته من الفهم السقيم ١

فإن حقيقة الشئ عندهم إسم إلهى هو مبدأ تعين ذلك الشئ
ووجوده كالظل والعكس لذلك الإسم والإسم واسطة الفيوض من
حضرة ٢ القدسية إلى ذلك الشئ كما أن الشأن الذاتى واسطة بين
ذلك الإسم المقدس وبين الذات المنزه العلى جل شأنه وعز برهانه
على ماجرت عليه العادة الإلهية من توسط الوسائط ورعاية
المناسبات بين المفيض والمستفيض

قال الشيخ بن العربى ٣ قدس سره فى رسالة القدس إن

الأكوان ظلال الأسماء الإلهية والأسماء ظلال الشئون الذاتية

١ لفظ السقيم "متروك" فى الأصل ٢ فى الأصل "حضرت" ٣ قوله بن العربى
هكذا فى الأصل والصحيح ابن عربى. المحقق عفى عنه.

فلما تمهد هذا فاعلم أن لنبينا صلى الله عليه وعلى آله وسلم بحسب تقلبه في أطواره وأنواره كمالات لا تحصى ومقامات لا تستقصى فله عليه السلام بإعتبار هذا الوجود العنصري وإرشاده لهذا العالم الظلماني إسم مبارك محمد ناش من حقيقته وإسم إلهي يناسب تربية هذا العالم السفلي المسمى بالحقيقة المحمدية وله صلى الله عليه وسلم بإعتبار وجوده الروحاني المربي لعالم الملكوت النوراني إسم آخر مكرم هو أحمد ناش عن شأن إلهي هو مبدأ وأصل الحقيقة المحمدية يناسب تربية ذلك العالم العلوي مسمى بالحقيقة الأحمدية المعبرة بحقيقة الكعبة الربانية وله عليه أفضل الصلوة والتسليمات وراء هذين التعيين اللذين هي كالأجساد الطبيعية له عليه السلام عروجات لاتعد وأسرار لاتنفذ وإليها يشير قوله عليه السلام لي مع الله وقت لايسعني فيه ملك مقرب ولانبي مرسل وبها يؤمى قوله تعالى فكان قاب قوسين أو أدنى ٢ وهذه ثمرة السر الإصطفائي والمحبوبية الصرفة وهي مناط الفضل ومدار التفوق

فثبت أن التفوق إنما هو لبعض كمالاته عليه السلام على بعض وإن حقيقة الكعبة الحسنة بعض من حقائقه السامية العالية وجزء من حقيقته الجامعة المباركة فبطل توهم التفوق واطمحل

٢ في الأصل "الوجودي" في سرورة النجم آية رقم ٩

حديث الأفضلية هذا الذي ذكرناه نبذ مما حققه ١ شيخنا وإمامنا في
جواب سائل عنه هذا السؤال في المکتوب التاسع بعد المائتين من
المجلد الأول من مجلدات مكاتيبه الشريفة .

ثم اعلم أن لفظة الحقيقة المحمدية في عبارات شيخنا
وإمامنا الواقعة في تصانيفه الشريفة على معان مختلفة وأنحاء شتى
فمتى قوبلت بالحقيقة الأحمدية والكعبة الربانية يراد بها الإسم
الإلهي الجامع الذي يناسب تربية العالم السفلي ومتى قوبلت
بالحقيقة الإلهية يراد بها الشأن الذاتي الجامع الذي يتولى تربية
العالم العلوي وهو حاو على جميع الشيونات الذاتية وأصل ومبدأ
للإسم الجامع المتضمن بجميع الأشياء فيكون هذا الشأن كلاً لسائر
الحقائق وهي أبعاضه وأجزائه وهي المعبرة بحقيقة الحقائق وهي
حقيقته التي لا واسطة بينها وبين الذات المقدسة كما ذكره رضي
الله تعالى عنه في آخر مکتوب له قبيل وصاله بأيام أن الحقيقة
المحمدية فوق جميع الحقائق وذكر في مکتوب آخر أن الحقيقة
المحمدية كما تفوق وتفضل على كل الحقائق من حيث الكل
كذلك تفوق وتفضل على كل الحقائق من حيث كل سبحان ربك
رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب
العالمين ٢ .

١ في الأصل "حقيقه" ٢ المکتوبات السعيدية رقم ٦٨ ومن شاء التفصيل فلي نظر الى
المکتوب المذكور من مکتوبات امام رباني قدس سره. ٣ سورة الضفّت رقم ١٨٢، ١٨١، ١٨٠

منها ما يقولون إن قوله حصلت مقام الخلة لنبينا من وساطتي
وما كان ذلك حاصلًا له قبله

قلت هذا أيضاً كذب لأنه لم يقل هكذا بل تصدى في
الحقيقة لتفسير قوله تعالى يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا
تسليماً ۱ وقوله عليه الصلوة والسلام إذا صليتم على فقولوا اللهم
صل على محمد بن النبي وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم
الخ

وحاصل ما قال قدس سره ' إن الله إتخذ إبراهيم خليلاً واتخذ
نبينا حبيباً والمحبوبة وإن كانت أفضل من الخلة لكنهما جنسين
فأراد سبحانه أن يعطى حبيبه الخلة أيضاً فأمره أن يتبع ملة الخليل
وأمر أمته أن يصلوا عليه أى يطلبونه ذلك المقام ويقولوا اللهم صل
على محمد مثل صلواتك على إبراهيم ورعاية الأسباب من حكمة
الله وسنة الله وخلقه ومن هذا القبيل قوله تعالى قل رب زدنى علماً ۲
وقوله عليه الصلاة والسلام سلوا الله لى الوسيلة فلا يبعد أن يعطيه
هذه المنزلة بدعاء أمته أو يزيد فى تلك المرتبة ومثله كمثل أمير
أمر لخازنه أن يصرف ماله إلى بعض الأجناس النفيسة والخلعات
البهية فجعل كذلك ولبس الأمير من تلك الخلعات العلية فازداد
حسناً وأبهة ففى هذا لا يقال إن الخازن أعطى السلطان عطاء لم يكن

۱ سورة الاحزاب اية رقم ۵۶ ۲ سورة طه اية رقم ۱۱۳

عنده بل كدل ذلك من خزائنه ولا يزيد على أنه خدمه وأحسن خدمته وفي جميع الأحوال هو خادمه وتابعه ومحتاج إلى حضرته هذا هو الأمر المحقق وما يتوهم خلاف ذلك فيصر إليه^١ وليعلم أن ميدان العبارة بنسبة جولان المعاني ووسعة الحقائق ضيق وهو مرآة^٢ الصورة وإحاطة كمالات الحقيقة قاصرة فيمكن أن يقع فيه تقصير أو تغيير على أن أرباب المشاهدة والمعينة ربما يسكرون ويمثلون من كأس الحبيب فلا يميزون بين كذا وكذا عذرهم سكر حالهم ولا عذر لغيرهم من أهل الصحو وحالهم يشابه بحال الواجد راحلته في البيداء وهو ماروي قوله عليه الصلوة والسلام قال الله أشد فرحاً من الواجد راحلته فيقول اللهم أنت عبدى وأنا ربك فكما هو معذور في مقاله ذلك فلذلك هؤلاء وذلك لأن الميزان المتميز سقط من أيديهم في غاية السكر الناشئ من فرح المشاهدة أو غلبة الشوق ألم تر إلى سيدنا موسى حيث قال رب أرني أنظر إليك^٣ فبعد ما قيل له ما قيل ورجع عن^٤ إني تبنت

١ مكتوبات امام رباني ٩٣/٢ ٢ في الاصل "مرات" ٣ سورة الاعراف اية رقم ١٢٣ ٤ العبارة التي بعد لفظ "عن" ثلاثة سطور تقريبا منها ممحوة ومطموسة وغير مفرزة في العكس ما استطعت ان اراها كاملا مع السعي البليغ مني. ولهذا تركت بياضا في بعض المقامات رماني وسيله ان اصل بها إلى اصل المخطوط الذي محفوظ في الجامعة الاسلامية على غير (الهند) وأفوض هذا المقام إلى المحققين الذين يعملون على هذا المخطوط بعدى. المحقق عفي عنه.

إليك مطالب قال

إني كتبت في رد شبهة الحاسدين رسالة أنيقة

في هذا الباب

..... بسم الله الرحمن الرحيم إن من جميع ما ذكروا
من عبارته قدس سره في أسرار المحبة والنخلة إما لزوم
النبي ﷺ من غيره أو لزوم الفضل الجزئي والمفروض الفضل
الكلية عبارة لتكلم في جميع ذلك أما لزوم الأولين فلئن
سلمناه فلا يضر عقلا ونقلا. أما عقلا بأن أحدا من أرباب
العقل لا يستكف من خدمة الخادم والغلمان للمولى ولا يستبعد إعانة
الجنود والعساكر في المهمات والمهالك للإمراء والسلطين في
الدنيا وبل لافي الآخرة أتم تران المقربين يمرون عن الصراط بإعانة
الضحايا ذكر السيوطي عن الفردوس أنه عليه الصلاة والسلام قال
استفر هوا ضحاياكم فإنها مطاياكم على الصراط أما نقلا فلقوله،
تعالى هو الذي أيدك بنصره وبالمؤمنين^١ وقوله سبحانه وشاوره م
في الأمر^٢ وقوله تبارك وتعاظم يا أيها النبي حسبك الله ومن
اتبعك من المؤمنين^٣ نزل حين أسلم عمر رضي الله عنه على
ما قالوا وقوله عز من قائل كريمة إن الله وملائكته يصلون على النبي
يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما^٤ اللهم صل على

^١ الأنفال ٢٢ في الأصل هو الذي بنصره أيدك والمؤمنين وهو غلط^٢ آل عمران ١٥٩
وفي الأصل "في الامور" وهو غلط^٣ الأنفال ٦٣^٤ الأحزاب ٥٦

محمد وسلم عليه وآله كما تحب وترضى ولقوله عليه الصلاة والسلام لعمر حين استاذن في العمرة أشركنا يا أخى فى دعائك ولا تنسنا قال فقال كلمة ما يسرنى أن لى الدنيا رواه أبو داؤد والترمذى وانتهت روايته عند قوله ولا تنسنا ١ وقوله صلى الله عليه وسلم سلوا الله لى الوسيلة أعلى درجة فى الجنة لاينا لها إلا رجل واحد وأرجو أن أكون أنا هو رواه الترمذى ٢ وقوله صلوات الله وسلامه عليه اذا صليت فقولوا اللهم صل على محمد ن النبى الأمى وعلى آل محمد إلى آخره رواه أحمد وابن حبان والحاكم ٣
وها أنا لنسمعك من الروايات الصحيحة من الكتب
المعتبرة ما يفيد فى هذا المقام جدا

منها قال فى الهداية

والظاهر من الذنوب لا يستغى عن الدعاء كالنبى والصبي ٤

منها ما قال فى بحر الرائق

قال وفى منية المصلى وروى عن بعض المشائخ أنه قال ولا

يقول ارحم محمد اذكر وأكثر المشائخ على أنه يقوله للتوارث وقال

السرخسى لا بأس به لان الأثر ورد به من طريق أبى هريرة وابن عباس

رضى الله عنهم ولأن أحدا وإن جل قدره لا يستغنى عن رحمة الله

وصححه الشارح ٥ أى المحقق الزيلعى

١ مشكوة المصابيح ص ١٩٥ ٢ (١) ترمذى ج ص (١١) شرح معانى الآثار ص ١٠٨

(١١١) مشكوة المصابيح ص ٦٣ (١٧) جامع صغير مع فيض القدير ٢٤ ص ١٠٩

٣ (١) مسند أحمد (١١) ابن حبان (١١١) المستدرک ج اص ٢٦٨ (١٧) الفتح الربانى

ج ٢٠ ص ٢٣ ٤ الهداية ج ١ ص ٩٣ ٥ البحر الرائق ج اص ٣٢٨

ومنها قال العلامة العلقمي في الكواكب المنير شرح الجامع

الصغير ١ .

قوله عليه الصلاة والسلام ثم سلوا الله لي الوسيلة قال
القرطبي قال ذلك قبل أن يوحى إليه أنه صاحبها ومع ذلك
فلا بد من الدعاء بها فإن الله يزيده بكثرة دعاء أمته رفعة كما زاده
بصلواتهم ثم أنه يرجع ذلك عليهم بنيل الأجور ووجوب شفاعته.

منها قال العلامة المذكور في موضع آخر من كتابه المذكور
قال في النهاية معنى قوله صلى الله على محمد عظمه في
الدنيا بإعلاء ذكره وإظهار دعوته وإبقاء شريعته وفي الآخرة بتشفيعه
في أمته وتضعيف أجره ومثوبته ٢ .

فإن قلت أليس الله تعالى قد أوجب هذه الأمور كلها لنبيه
صلى الله عليه وسلم فما فائدة دعائنا وسؤالنا ذلك
قلت الجواب من وجوه أحدها أن يكون بعض هذه
المذكورات على درجات ومراتب فيجوز إذا صلى عليه آخر من أمته
أن يزداد النبي صلى الله عليه وسلم بذلك الدعاء في كل شيء من
تلك المراتب والدرجات ولهذا كانت الصلوة مما تقصد بها قضاء
حقه ويتقرب بأكثرها إلى الله تعالى ولا بعد ولا إستحالة في أن الله
تعالى يزيده في درجات النبي ويعاليه بصلوة الصالحين وملائكته

١ هكذا في الأصل والصحيح الكواكب المنير شرح الجامع الصغير . هو شرح لشمس
الدين محمد بن علقمي تلميذ العلامة السيوطي رحمهما الله في مجلدين . كذا في كشف
الظنون ج ١ ص ٣٣٢ ٢ النهاية ج ٢ ص ٣٨

ويضاعف بدعائهم وسؤالهم في ثوابه وأعلى مراتبه عليه السلام فإن الصفات الإلهية غير متناهية ولا قابلية للنقص والتقليل منها قال المحقق ابن حجر المكي في شرح علي المشكوة وقع خلاف بين المتأخرين من الشافعية هل يسوغ الدعاء له صلى الله عليه وآله وسلم بنحو اللهم اجعل ثواب ما قرأناه زيادة في شرفه فمنعه بعضهم معللاً بأنه صلى الله عليه وآله وسلم كامل الشرف فلا يحتاج إلى الدعاء له بذلك ولأن طلب الزيادة ربما أوهم النقص وسوغه بعضهم وهو الأصح كما بسطت الكلام عليه وحققته في الفتاوى ٢ طويل ومختصر وهما مستطران في الفتاوى فليُنظر هما من أراد تحقيق ذلك وحاصله ما علل به الأولون ممنوع بل عجيب لأنه صلى الله عليه وآله وسلم لم ينته إلى حد لا يزيد عليه بل هو دائم الترقى حتى يوم القيامة وما بعدها بدليل أنه لما يسجد تحت العرش بطلب الشفاعة العظمى بفصل القضاء حين تلجأ إليه أهل الموقف بعد يأسهم من المرسلين يلهم الشاء على الله (تعالى الذي ٣) لم يلهمها قبل ذلك كما في الحديث الصحيح وزعم أن طلب الزيادة يوهم النقص باطل كيف والسنة للحجاج عند رؤية الكعبة المشرفة اللهم زد هذا البيت تشريفا وتكريما يؤمونه ٤ وقد قال النووي فزاده

١ في الأصل "حقيقته" ٢ في الأصل "افتانن" ٣ العبارة التي بين القوسين زادت بالتخمين لأن العبادة في الأصل محوذة. ٤ في الأصل "يومياته"

فضلاً وشرفاً لديه وأيضاً فكل من أئيب من الله على طاعته يكون لعله مثله وبعلم معلمه مثلها وهكذا مع التضعيف في كل مرتبة إلى أن ينتهي الأمر إليه صلى الله عليه وسلم من طاعات أمته من زيادة^١ الثواب ما لا يعلم إلا الله فقول الداعي يجعل ثواب ما قرأنا زيادة في شرفه موافقاً للواقع بحسب ما تقرر فكيف يقال بمنعه إنتهى ويؤيده هذا اللفظ المقال ما قال صاحب الفتوحات في الباب التاسع والخمسين والخمس مائة نال محمد صلى الله عليه واله وسلم الخلة والوسيلة بدعاء أمته ولذلك أمر بالصلوة عليه كلما صلى^٢ وأمرهم أن يسألوا الوسيلة انتهى. قلت وناهيك بهؤلاء أسوة

أما لزوم^٣ الفضل الجزئي فلو سلمنا فلا يضر أيضاً لأن الطبع السليم والعقل المستقيم لا يستبعد ذلك قطعاً فإن من البداهة أن لكل صاحب صنعة فضل على غيره من ليست عنده تلك الصنعة من ذلك الوجه وإن كان لذلك الغير عليه فضل عظيم بوجوه كثيرة وهو كما ترى ثابت لكل حائك وحجام على كل فاضل علامة فإن فضله عند فضائله كالهباء المنثور وكالقطرة من البحور وأما من حيث الثقل فما تقرر في كتب الأئمة الأربعة وثبت في مؤلفات عقائدهم من جواز الفضل الجزئي للولي على النبي وإن أردت تبين المقام وتفصيل الكلام فعليك بمطولات الفن ولنذكر

^١ في الأصل الزيادة ^٢ في الأصل "صلى عليه" ^٣ في الأصل لزوم بدون الواو

شيئاً من ذلك

قال في الجواهر المنظومة شرح فقه الأكبر للإمام الأعظم
رضي الله عنه سأل رجل عن أبي حنيفة هل يجوز أن يعلم النبي من
العلوم والمعارف ما لا يعلمه الرسل وهل يحصل للولي من المزايا
والمعارف ما لا يحصل للنبي فأجاب عنه رضوان الله عليه أفضـ
ل ثابت للرسل ١ على الأنبياء عليهم السلام والأنبياء على من سواهم
ولا يصل أحد من الأنبياء مرتبة أحد من المرسلين عليهم السلام
ولا يصل أحد من الأولياء مرتبة أحد الأنبياء لكن لامناشة في الفضل
الجزئي انتهى

منها قال الأمدى في البدائع يجوز فضل الجزئ للولي على النبي
منها قال أبو السعيد في تفسيره يجوز فضل المفضل على
الأفضل جزئياً.

منها قال في مريض آخر في تفسيره المذكور وكفى بهم
(أى ٢) الشهداء شرفاً أن لم يجئ إطلاق الأموات عليهم ولقد جاء
ذلك الإطلاق على الأنبياء عليهم الصلوات والتسليمات.

منها قال الطيبي في شرح قوله صلى الله عليه وسلم
المتحابون في جلالى لهم منابر من نور يغطهم النبيون والشهداء
يغطهم من يتحلى به الإنسان من علم أو عمل فإن له عند الله منزلة
لا يشارك فيها صاحبه أحد من لم يتصف ذلك وإن كان له من نوع

١ في الأصل "للمرسل" ٢ هذا اللفظ ليس في الأصل

آخر ما هو أخير عنه ١ قدراً أو أعلى ٢ شأننا فربما يتمنى ويغبط أن يكون له مثل ذلك مضموماً إلى مراتبه الرفيعة ٣ .

ولا يلزم حينئذ تفضيل المتجابين على الأنبياء

منها ما أشار إليه المحقق الدواني في شرح العقائد من جواز

فضل للمفضول على الفاضل بالفضل الجزئ

منها ما وقع في حواشي التجريد نقلاً عن الصديق الأكبر

رضي الله عنه في حق الإمام المهدي رضوان الله عليه هو يفضل

بعض النبيين أي فضلاً جزئياً وأما إدعاء لزوم الفضل الكلي نعوذ بالله

من ذلك فمردود باطل لا يتصدى له إلا جاهل لانا نقول ٤ هذا

المعنى إما مفاد من صريح العبارة أو يلزم ذلك منها على زعمهم أما

الأول فبيدهى البطلان لأن الصريح ما لا يحتمل غيره ليس فليس أما

الثاني فذلك أيضاً باطل بوجوه أما الأول فبعد اللبثا والتي ٥

إحتمال اللفظ ذلك وغيره فإذا جاء الإحتمال بطل الاستدال وأما

ثانياً فلاظهار المتكلم مراده خلاف ذلك غير مرة تقريراً وتحريراً

واستنكافه واستغفاره مما يوهم بحلاف الشريعة عن العبارة تواضعاً لله

١ في الأصل "عن" ٢ في الأصل "على" ٣ عبارة النسخة المطبوعة في فيما يلي قوله

يغبطهم "كل ما يتحلى بالإنسان ويتعاطاه من علم وعمل فان له عند الله تعالى منزلة

لا يشارك فيها صاحبه من لم يتصف بذلك وان كل له من نوع آخر ما هو أقدر وأعز ذخر

فيغبطه بأن يتمنى ويحب أن يكون له مثل ذلك مضموماً إلى ماله من المراتب الرفيعة

والمنازل الشريفة الطيبي شرح مشكوة المصابيح ج ١٠ ص ٣٢٠٢ . ٤ في الأصل "لانقول"

٥ قوله بعد اللبثا والتي أي بعد المصيبة والمشقة (لغت نامه ده خد)

ورسوله عليه الصلاة والسلام ووصيته أصحابه وأخلافه طول حياته
 وحين جاد بنفسه بالشريعة الكبرى والحث عليها قال خلفه المعظم
 الشيخ محمد سعيد "أيها الناس! آخر كلام فارقت والدى عليه أن
 قال لى ولأخى الشيخ محمد معصوم قدس سرهم عليكم بالشريعة
 المطهرة عضوا بالنواجذ ولو ظهر خلافها مثل فلق الصبح فإنه أظلم
 من الليل ثم فارق الدنيا على ذلك". فالمتكلم أحق بمرامه ولا عبرة
 بما يحتمل غيره شرعا وعرفا بل يجب على المفتى حمل الكلام على
 أحسن الوجوه من غير إظهار المتكلم مراده بل وإن قال المتكلم إنى
 لم أرد ذلك الوجه كما ذكره فى الفتاوى فكيف إذا ظهر المتكلم
 مراده مالا غبار عليه أصلا

قال فى الظهيرية أنه إذا كان فى المسئلة وجوه توجب
 التكفير ووجه يمنع التكفير فعلى المفتى أن يميل على ذلك الوجه
 ولا يفتى بتكفير تحسينا للظن بالمسلم وقال عليه الصلاة والسلام
 تظن بكلمة خرجت من أخيك سوءا وانت تجد لها فى الخير
 محملا هكذا فى الخلاصة والفصول العمادية .

وأما ثالثا فاعلم أخى أنه قدس سره ذكر العقائد القطعية على
 وفق مذهب أهل السنة والجماعة وأثبت هناك الفضلية عليه
 الصلاة والسلام على جميع الكائنات فردا فردا ومن حيث المجموع

ل فى الأصل "وقف"

فلا مساغ إلى مايتوهم من بحث المكاشفات التي غايتها الظن وفقه الكلام أنه لما ثبت عقيدة رجل حسن معاملته وتفرد جلالته وتقواه لايجرى عليه مالا ينبغي إفشائه ويصرف عبارة ما صدر عنه مما يوهم خلاف العقائد القطعية ألم (تر) ١ إلى قول عمر رضى الله عنه إستفهموه أهجر فإن هذه ٢ الكلمة لو صدرت من غيره لقليل فيه ما قيل لكن لما صدرت عن تقرر جلالته واستقامته وكمال حبه لله وتأدبه مع رسوله وجب صرفها عن ظاهرها وتأولت بمالا عيب فيه وما لا يلتزم منه سوء الأدب ومثل ذلك في قصة برخ أسود من موسى عليه السلام فعليك بهذه النكتة فإنها أصل عظيم في هذا المقام ومن هذا القبيل ما صدر من كلمات السكر والفخر عن سيد الطائفة جنيد البغدادي والشيخ أبي يزيد البسطامي والنوري والسري السقطي قدس سرهم وما وقع من الشيخ الأجل عبدالقادر الجيلاني نور الله مرقدته، ممالا يدرك تأويله إلا بنور الباطن فإنه بحسب الظاهر يخالف الشريعة كل المخالفة .

منها قوله في الغوثية ناقلا عنه سبحانه يا غوث الأعظم خلقت الإنسان مطيئتي ٣ ولو عرف الإنسان منزلته عندي يقول ٤ في كل نفس من الأنفاس لمن الملك اليوم أنا الملك لا ملك اليوم إلا لي ٥

١ اللفظ في القوسين زيادة من قبل المحقق ليس في الأصل. ٢ في الأصل "هذا"

٣ غوث اعظم ٤ في الأصل يقال ٥ في النسخة المطبوعة "لوعرف

الإنسان منزلة عندي ليقول في كل نفس من الأنفاس إن الملك إلا لي غوث اعظم ص ٤٣

ياغوث الأعظم جسم الإنسان وبصره ولسانه ويده ورجله كل ذلك
 أظهرت بنفسى لنفسى لاهو إلا أنا ولا أنا غيره من أراد العبادة بعد
 الوصول فقد أشرك بالله العظيم
 وقوله فى حق مرید كان لا یصلی أن راسه دائماً فى الكعبة فى
 السجود كما فى النفحات

ومن هذا القبيل ما ذكره قطب بن محى من قول الإمام حجة
 الإسلام الغزالي من كتابه المصنوع والمنقذ أنه قال فى بيان المعاد
 هذه اللذة العقلية لنفس كملت فى هذا العالم فىكون مصروف إلى
 المتخيلات فلا یبعد أن یتخیل صورة اللذة كما فى النوم ویتمثل له
 ما وصف له فى الجنة إلى أن قال فمن نظر فى كلامه فى المنقذ
 والمصنوع وقع (فى ٢) بحر من الخيرة لا ساحل له انتهى كلامه ٣ .
 منها قولهم إنه ینكر من إرادة شیخه خواجه محمد باقى
 قدس سره ویسمى نفسه أویسیا ویفضل نفسه علیه وعلى سائر
 المشائخ الكبار كالشیخ الأجل عبدالقادر الجیلانى قدس سره

قلت إن المقدمة الأولى كاذبة لأنه قدس سره كتب فى
 مكاتيبه العلية فى غیر موضع أنه أخذ الطريقة منه وأما قول أنا
 الأویسی فمعناه إن فى وصولى إلى المقامات العالیات مدخلا

١ فى الأصل "الصورة" ٢ العبارة بین القوسین زیدت من قبل المحقق ٣ من اراد
 بعض تفاصيل الشطحيات للاولياء العظام فلینظر الى نسمات القدس للشیخ محمد هاشم
 الكشمى (ترجمه الاردية) ص ٢٠ الى ٢٢

للأرواح المقدسة فلا ينسأ في لأخذ الطريقة من الشيخ ظاهرا
والجواب عن الثاني إنه قدس سره، لم يكتب في مكتوب من
المكاتيب إنى أفضل من كذا ومقامى كذا فوق مقام كذا وما كان هذا
رأسا نعم إنه كتب فى مواضع عديدة فى شأن بعض المعارف إنه مما
خصنى الله به ولم يتكلم به أحد من الأكابر وأنت خير بأن هذا
القول يدل على اختصاص تلك المعرفة به ولعل غيره مختص
بمعرفة نفيسة غير هذه المعرفة تكون مساوية لها أو أشرف ثم إن
فرضنا أنه يفضل نفسه على جميع المشائخ من السلاسل وغيرهم
لا يلزم منه محذور شرعى إنما المحذور تفضيل أحد على الأنبياء
أو على من انعقد الإجماع على فضله ليس فليس

تتميم جاء رجل صالح من الشرفاء الكرام فقال إلى رأيت
فى المنام إمام العرفاء خواجه نقشبند فقال لى ما يذكر عن الشيخ
أحمد أنه قال لو كان نقشبند حيا لخدمنى لم يقل به أصلاً ولو كان
قائلاً به لكان صادقاً.

منها قولهم انه ينكر مسألة توحيد الوجود وقد اجتمعت
الصوفية عليها

قلت أما المقدمة الشالية ممنوع لأن كثيرا من المشائخ
لا يرون ذلك ذكر الجامى عن الشيخ الأجل علاؤالدولة السمنالى
إنه قال فوق عالم الوجود عالم الملك الودود أما المقدمة الأولى
فليها تفصيل ينبى أن تطلع عليه حتى تخرج من ظلمات الشك إلى

نور اليقين

فاعلم أنه قدس سره، في هذه المسئلة وفق العلماء وخالف الصوفية العالية بعينية الوجود كتب في مكاتيبه العلية إني كنت مع الصوفية الوجودية مدة مديدة وأخذت من معارف التوحيد حظاً عظيماً وما كنت أظن فوق ذلك مقاما فلما أن أخرجني الله من ذلك المقام قلب أصل الجمع إلى الفرق ورأيت حقائق الأشياء كما هي قلت^١ أن الحق مع العلماء وقولكم بعينية الوجود خطأ وقال أيضا ان ورود التوحيد خطأ من اهل الإبتداء من الصوفية وقليل نادر على أرباب التوسط وعلى الكمل لا يرد مثل هذا إلا أحيانا وذلك ناش من مقام الولاية الظلية المختصة بالأولياء^٢ المتلونة بسكر الحال وأما مقام النبوة فلا يتزين بمثلها فإنه متزين بالصحو. ورؤية الأشياء كما هي شتان ما بينهما

فالحاصل أنه رضى الله عنه لا ينكر كون وارد التوحيد من الأحوال والمواجيد بل ينكر كونه كمالا ليس فوقه كمال ومقاما^٣ ليس فوقه مقام. بل هو حال ربما يرد في أثناء الطريقة وما ينقل من أرباب الكمال من هذا الباب فمحمول على أوائل أحوالهم قال الجنيد قدس سره، التوحيد أفراد القديم من الحادث وكل حقيقة رده الشريعة هي زندقة

^١ في الأصل "قلت هي" ^٢ في الأصل "بأولياء" ^٣ في الأصل مقام

فثبت أن التوحيد حال من الأحوال قدير على بعض
 السالكين ولا يجوز عقيدته ولا تقليده لأن صاحب الحال معذور
 بسكره ولا عذر لغيرهم فنت لما كان هذا في مشهود السالك غير
 واقع في نفس الأمر سماه المحققون بالتوحيد الشهودي.



الحمد لله رب العالمين



تأليفه في غلال السالكين

كل من علمها بان

الخاتمة
في
البشارات بعلو شأنه قدس سره^١

منها قال السيد العارف الرباني الأمير محمد نعمان إني
بشرت من حضرة^٢ النبوة على صاحبها الصلوة والسلام والتحية بأن
الشيخ أحمد السرهندي صاحب قبول عظيم وأنه صادق القول.
منها ماذكروا في المقامات إن تاجراً صدوقاً أميناً على وجهه
أنوار الفلاح ذكر بداية حاله إني كنت في حب واعتقاد عظيم من
غوٲ العالم الشيخ عبدالقادر وهو كان يظهر لي أحياناً ويبشرنى
بأمور ويعيننى في مهماتى فقال لي يوماً فى المعاملة إنك أخذت منى
الفيض كثيراً لكن لا بد من شيخ فى الظاهر فقلت إلى من أراجع قال
إلى الشيخ أحمد السرهندي فإنه اليوم جامع بين الظاهر والباطن وهو
قطب زمانه قال فرأيت منه عجائب الكرامات وغرائب الكمالات^٣
منها إن صالحه عابدة ذكرت إني كنت فى سوق أكبر آباد
فسمعت بولى مجذوب يغيب عن نظر الناس مرة ويحضر أخرى
فرُحٲٲ عنده فقال عليك بملازمة قطب الزمان الشيخ أحمد
السرهندي فإنه من راه بعين العقيدة حرّم الله عليه النار^٤
منها قال الشيخ الكامل أمير حسام الدهلوى خليفة إمام

١ فى الأصل "حضرت" ٢ حضرات القدس ٢٠/٢ ٣ حضرات القدس ٥٢/٢، ٥٤

العرفاء خواجه محمد باقى قدس سره، إني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المنام وهو يمدح ويشنى على أحمد السرهندى بفقرات فصيحة ويقول إني أباهى وأفتخر بوجوده فى أمتي وإن الله سبحانه جعله مجدد ملتي

منها جاء رجل من كبار أهل البلخ إلى الهند فدخل بلدة السرهند ورأى المجدد رحكى عن حاله إني كنت فى بلخ إذا رأيت جنازة حضرت واجتمع عليها أولياء ماوراء النهر من السلف والخلف لاسيما المشائخ من خواجها مثل القطب الربانى خواجه عبد الخالق الفجدوانى وقدوة العارفين خواجه بهاؤ الدين نقشبند قدس سرهما منتظرون لقدم عزيز فسئلت رجلا عن الأمر فقال إن هذه جنازة قطب وإنهم ينتظرون قطب الأقطاب بينما نحن إذ جاء رجل كبير نورانى فقد موه فأمهم فسئلت بعضهم عن اسمه ومسكنه فقال اسمه الشيخ أحمد ومسكنه السرهند تنقش صورته فى قلبى فلما رأته عرفته ٢

منها جاء رجل من أهل فارس وقال كان لنا شيخ عظيم صاحب كمالات عظيمة يسمّى الشيخ صدر الدين وهو من خلفاء الشيخ الأجل مولانا الزاهد البلخى قدس سره، فمات فالتجأت إليه يوما فقلت ذهبتم من هذه الدار بقينا متحيرين بلاشيخ فرأيت كأنه

١ فى الأصل "الامير". ٢ حضرت القدس ٥٩٠/٢

يقول إنى أرسلك إلى الشيخ أحمد السرهندى فإن اليوم ليس أحد
أكمل منه رتبة ١

منها دخل من أكابر الهند البلخ وتشرف بصحبة قدوة العرفا
الأمير مؤمن البلخى قدس سره، فقال سمعته يقول فى أصحابه لو كان
سيد الطائفة جنيد البغدادى وإمام العارفين أبويزيد البسطامى حين
لدخلا فى سلسلة إرادة الشيخ أحمد السرهندى ولصارا من خدمه
فمن أدركته السعادة سعى ٢ إليه

ومثل ذلك ينقل عن السيد الأمجد صاحب المقام الأفخم
ميرك شاه بما وراء النهر وعن صاحب الكمالات والمقامات مولانا
حسن القياد بانى وقاضى القضاة قاضى تولك البخارى ٣
قال المؤلف أحسن الله إليه ومثل هذه الروايات والحكايات كثيرة
جدا ونحن اكتفينا على هذه الجملة والله أعلم بحقائق الأمور كلها.

حسن الخاتمه

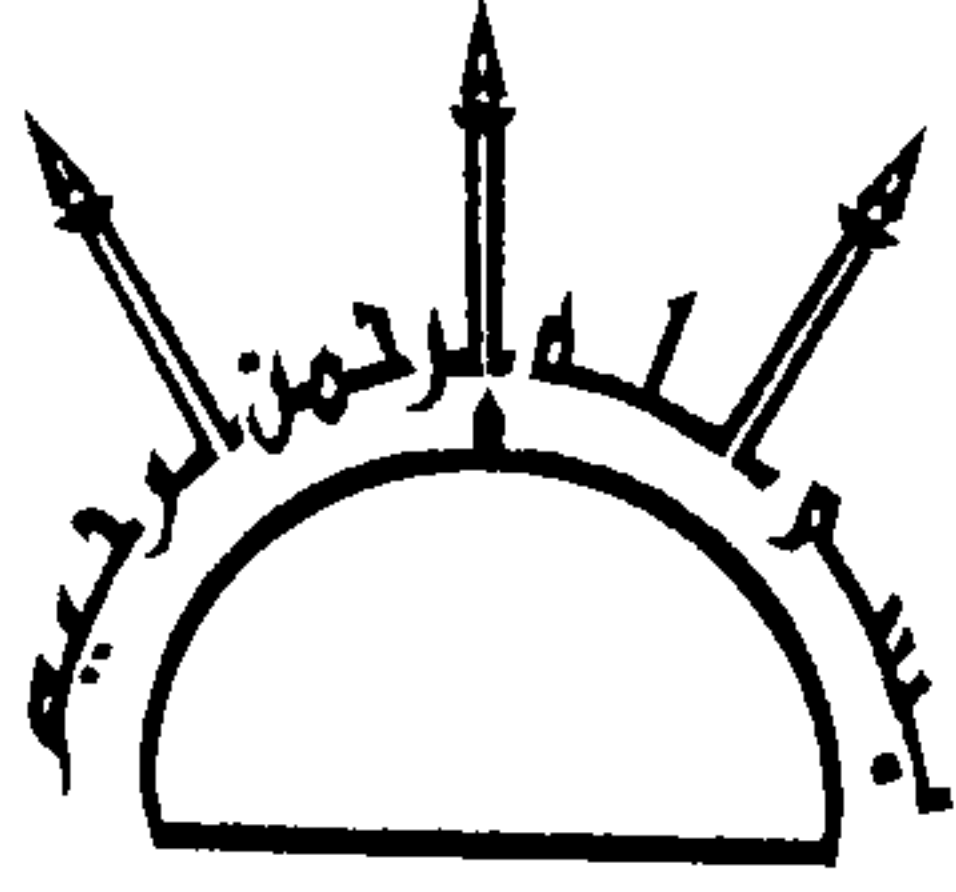
قال مؤلف الكتاب عامله الله بلطفه رأيت سيد الكونين فى
المنام وهو يكرمنى إكراما عظيما وكأنى جالس بين يديه صلى الله
عليه واله وسلم وفى يدى كتاب الميزان للشعرانى قدس سره، وأقرأ
عليه عليه الصلوة والسلام وهو يستمع بالعناية فبينما أنا أقرأ إذ
خرجت معرفة من معارف القوم فيها تحسين وتصديق لمعارف

١ حضرات القدس ٥٩/٢ ٢ حضرات القدس ٦٣/٢ ٣ حضرات القدس ٦٣/٢

المجدد رضى الله عنه فاستحسنه صلى الله عليه وسلم فقال أكتب هذه اللطيفة لأجلنا وضعه في موضع كذا من بيتنا وكان في ذلك الموضوع أشياء نفيسة تختص به عليه السلام وكانى عنده صاحب أسرار وخادم أمور مثل ولد مقبول عند والده أو سبط محبوب عند جده فأردت أن اعرض عليه معرفة من معارف المجدد قيل لى لاجابة إلى ذاك فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم نزل اليوم على حقائقه ومعارفه خاصة. كمثله السلطان ينزل على أمير من أمراءه وقد بنى له بيوتا نفيسة عالية فاعجبته فدخلها واستحسنها ثم خاطبني صلى الله عليه وسلم وذكر من أسرار المتشابهات ماتحير فيه الحاضرون ورأيت عليه الصلوة والسلام يقول إنى كلما أشفع يوم القيامة لجماعة من المذنبين أستودعهم هذا الشيخ يريد به المجدد حتى يذهب بهم مطمئنا إلى الجنان بالأمن والأمان ثم يجى فاستودعه جماعة أخرى فيودعهم إلى الجنة كذلك ثم هكذا هكذا.

اللهم فصل وسلم وبارك وكرم على النبي الأكرم الأعلى صاحب قاب قوسين أو أدنى واله البررة وصحبه النقى ما ضربت الخيام فى منى مارقى المروة أرباب الصفاء سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين. هذه الرسالة المسمى بالجنات ٢ الثمانية تم. تم. تم.

١ فى الأصل "أما". ٢ فى الأصل "بجنات".



باقیاتِ جهانِ امام ربانی

جلد دوم.....باب پنجم



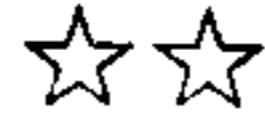
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ
 وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
 وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

در نماز دعا را با بگویم و حتی بگویم و ما با بگویم.
 «اللهم صل على محمد و آل محمد»
 بخوان و بگویم.

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جناتِ ثمانیہ (اردو)

خواجہ عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید
ترجمہ اردو: مفتی محمد علیم الدین نقشبندی



پاک ہے تیری ذات جس نے اس امت میں ہر صدی کے سرے پر ایسی ہستی کو مبعوث فرمایا جس نے اس کے دین کی تجدید فرمائی۔ نیز ہر آن اور ہر حالت میں ہدایت کے آفتابوں اور شرافت ستاروں کے ذریعہ اس کی روشنی اور پاکیزگی میں اضافہ فرمایا۔

اے رب قدیر! مخلوق کے سردار اور آپ کے معزز صحابہ پر درود و سلام، برکت اور احسان نازل فرما جب تک حجر اسود کے پاس کوئی رکوع کرنے والا رکوع میں مصروف رہے اور مقام ابراہیم علیہ السلام پر عاجزی کرنے والا اظہارِ عجز میں مشغول رہے۔

مخلوق میں سب سے کمزور فقیر عبدالاحد بن خازن الرحمۃ شیخ محمد سعید قدس سرہ العزیز عرض گزار ہے کہ جب میں امام العصر قطب زبان حضرت شیخ محمد نقشبند بن قدوۃ العارفین غوث الواصلین حضرت شیخ محمد معصوم قدس سرہ العزیز کی معیت میں حرمین شریفین زادہما اللہ کریمۃ کی زیارت سے مشرف ہوا اور وہاں کے معزز افراد کی صحبت کا اعزاز حاصل کیا تو ان میں ایک جماعت نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں اپنے جد امجد قطب ربانی، مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد نقشبندی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر مشتمل ایک رسالہ تالیف کروں جو آپ کے احباب کیلئے یادگار اور آپ سے محبت کرنے والوں کیلئے غور و فکر کا ذریعہ بنے۔ لہذا میں نے آپ کے قابل اعتماد اصحاب مثلاً فاضل کامل شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور عارف و محقق حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوری رحمۃ اللہ علیہ کی آپ کے حالات پر مشتمل فارسی کتابوں

سے مضامین اخذ کر کے یہ رسالہ تالیف کیا جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ضروری حالات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب آٹھ جنات یعنی ابواب، ایک خاتمے اور ایک حسن خاتمہ پر حاوی ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

- پہلا باب: آپ کے ظہور قدسی سے پہلے آپ کے وجود مسعود کے بارے میں بشارات
دوسرا باب: آپ کی ولادت باسعادت اور نسب مبارک۔
تیسرا باب: مشائخ کرام رضوان اللہ علیہم کے مختلف سلاسل۔
چوتھا باب: آپ کا انتساب اور نبی کریم ﷺ تک آپ کی سند مصافحہ۔
پانچواں باب: حدیث، قرأت اور دیگر علوم میں آپ کی سندات۔
چھٹا باب: آپ کی تصانیف مبارکہ۔
ساتواں باب: آپ کی کرامات کا بیان۔
آٹھواں باب: آپ کے بعض ارشادات جو آپ کے عالی شان مکاشفات پر مشتمل ہیں۔
نواں باب: آپ کے ارشادات مبارکہ پر وارد ہونے والے اعتراضات کی تردید۔
خاتمہ: راہ طریقت کے مسافرین اور متقی لوگوں کی حکایات کے بیان میں جو آپ کے کمالات اور شان رفیع کو ملاحظہ کر کے حیرت زدہ رہ گئے اور جن کو آپ کی مجلس میں حاضری کا حکم دیا گیا۔
حسن خاتمہ: آپ کی شان ارفع کے بارے میں بعض بشارات کا بیان۔
رضی اللہ عنہ و قدس سرہ العزیز۔

الذین یحبونہم

باب اوّل

آپ کی ولادت باسعادت سے قبل آپ کے بارے میں بشارات

اس بارے میں سب سے اعلیٰ، افضل اور اشرف بشارت عارف باللہ حضرت خواجہ محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”زبدۃ المقامات“ میں درج کی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ ایک شخص میرا دوست تھا۔ ایک دن وہ کہنے لگا۔ تم اپنے شیخ یعنی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسے فضائل و کمالات بیان کرتے ہو جو دوسرے مشائخ کرام کے حالات میں مذکور نہیں ہیں ان کو سن کر عقول و افہام حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ اگر ان کے بارے میں تمہاری باتیں درست ہوتیں تو حضور نبی کریم ﷺ ان کے متعلق ضرور ارشاد فرما جاتے جس طرح کہ آپ نے مخلوق کو حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں خبر دے رکھی ہے۔ میں نے اس سے کہا ممکن ہے کہ آپ نے اس بارے میں کچھ فرمایا ہو اور ہم کو اس کی اطلاع نہ ہو کیوں کہ کسی چیز کے بارے میں معلومات نہ ہونے سے اس چیز کا نہ ہونا تو لازم نہیں آتا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ میرے پاس امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جمع الجوامع موجود ہے جس میں نبی پاک ﷺ کی احادیث درج ہیں۔ میں اس میں تلاش کروں گا۔ اگر اس کتاب میں ایسی حدیث ہوئی جو آپ کے حالات کو بیان کر رہی ہو تو میں آپ کا معتقد ہو جاؤں گا۔ اس نے وہ کتاب کھولی۔ تو اچانک اس سے یہ حدیث مبارک نکل آئی۔

وأخرج ابن سعید عن عبدالرحمن بن یزید عن جابر بلاغا عنه ﷺ یكون فی

امتی رجل یقال له صلة یدخل الجنة بشفاعته کذا و کذا۔

ترجمہ: امام ابن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبدالرحمن بن یزید رحمۃ اللہ علیہ انہوں نے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ہوگا جس

کو ”صلہ“ کہا جائے گا اس کی شفاعت کی بدولت اتنے اتنے افراد جنت میں داخل ہوں گے۔
اور تم تو جانتے ہو کہ آپ قدس سرہ اپنے حلقہ اصحاب میں اس لقب سے مشہور ہیں۔ کیوں کہ آپ
نے اپنے مکتوبات شریفہ میں سے ایک مکتوب میں یوں فرمایا ہے۔

الحمد لله الذي جعلني صلة بين البحرين ووصلة بين الفتيين -

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھے دونوں سمندروں کے درمیان صلہ اور
دو گروہوں کے درمیان ملاپ کا ذریعہ بتایا ہے۔ یہ حدیث آپ کی ذات گرامی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔
آپ نے صوفیہ عظام رضی اللہ عنہم اور علمائے کرام رحمہم اللہ کے ارشادات کے درمیان مطابقت پیدا کرنے
کی کوشش کی ہے نیز آپ شریعت و طریقت کے جامع ہیں۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان صفات سے
متصف فرمایا ہے لہذا آپ نے اپنے آپ کو اس نام سے موسوم فرمایا ہے۔

(۲)

فاضل کامل حضرت شیخ بدرالدین سرہندی نے آپ کے حالات کے بارے میں کتاب
”حضرات القدس“ میں تحریر کیا کہ شیخ الاسلام حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ، جو بڑے صاحب کرامات
ہوئے ہیں۔ اقطاب و اوتاد میں بہت سے کم افراد کی کرامات ان کی عظیم کرامات کی مانند مذکور ہیں جیسا کہ
نجات الانس وغیرہ کتب میں درج ہے، کے حالات پر مشتمل کتاب میں یوں درج ہے کہ آپ قدس سرہ
العزیز نے فرمایا کہ میرے بعد اہل اللہ سے ستر افراد ایسے افراد ہوں گے جن کے نام میرے نام کے مطابق
”احمد“ ہوگا ان میں آخری شخصیت جو ان سب سے حسین تر اور عظیم تر ہوگی جو ہزار سال کے آخر میں مبعوث
ہوگی۔ اصحاب کشف کی بہت بڑی جماعت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد حضرت امام ربانی مجدد
الف ثانی قدس سرہ السامی ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے حضرت شیخ ظہیر الدین رحمۃ اللہ

علیہ کے حالات میں ایک عجیب و غریب حکایت مذکور ہے جو اس بشارت کی واضح تائید کرتی ہے۔

(۳)

قابل اعتماد حضرات مشہور ولی حضرت خلیل اللہ بدخشی قدس سرہ العزیز سے نقل فرمایا ہے کہ آپ نے کسی رسالہ میں یوں لکھا ہے کہ حضرات خواجگان (نقشبندیہ) کے سلسلہ مبارکہ میں سے ہندوستان میں ایک بہت عظیمتوں اور بہت کمالات کی حامل ہستی ظاہر ہوگی۔ زمانہ میں اس کی مثال نہ ہوگی لیکن افسوس میری اس سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔ جب اس شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا تو یہ چمک دار ستارہ (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) طلوع ہوا۔

(۴)

قدوة الالیا حضرت خواجگی املنگی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلیفہ اکمل امام العرفاء حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ ہندوستان میں تمہارے ہاتھوں سے (تربیت پاکر) ایک ایسی ہستی کا ظہور ہوگا جو اپنے زمانہ کا امام ہوگا اور صاحب اسرار و حقائق ہوگا جلدی سے وہاں پہنچو کیوں کہ اولیائے کرام اس کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ جب آپ نے بخارا شریف سے ہندوستان کا رخ کیا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے ملاقات کی اور آپ سے سلسلہ طریقت اخذ فرمایا تو آپ نے حضرت مجدد پاک رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم ہی وہ شخص ہو جس کی بشارت دی گئی ہے۔

نیز آپ نے فرمایا جب میں سرہند شہر میں داخل ہوا (واقعہ میں) تو میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ اپنے زمانہ کے قطب ہیں جب میں نے آپ کو اس حلیہ اور شکل کا پایا جو حالت کشف مجھے دکھائی گئی تھی تو میں نے پہچان لیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ارشاد ہے کہ جب میں سرہند میں آیا تو دیکھا کہ وہاں

انتہائی بلند اور عظیم مشعل روشن ہے گویا وہ آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔ اس کے نور سے مشرق و مغرب کی ساری دنیا منور ہے۔ اس کی روشنی میں لحظہ بلحظہ اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اس سے کئی چراغ ایک ایک کر کے روشن ہو رہے ہیں۔ یہ کشف بھی تمہارے بارے میں ہے۔

(۵)

حضرت امام ربانی قدس سرہ السامی کے احوال میں تالیف شدہ کتابوں میں ہے کہ قدوة الکاملین حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ نے جن کی کرامات اور خوارق حد تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں، نے اپنا جبہ مبارک اپنے پوتے عارف ربانی حضرت شاہ اسکندر رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمایا جو شیخ اکرم غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز سے وراثت میں آپ تک پہنچا تھا۔ جب ان کے وصال کا وقت آیا تو انہیں فرمایا یہ جبہ اس کے مستحق کے ظاہر ہونے تک تمہارے پاس امانت اور ودیعت کے طور پر رہے گا پھر جب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ظہور کا وقت آیا تو آپ نے انہیں کشف کی حالت میں فرمایا یہ جبہ شیخ احمد سرہندی تک پہنچا دو کیوں کہ وہ اس کے حق دار ہیں۔ لیکن انہوں نے اسے آپ تک نہ پہنچایا دوبارہ عالم سر میں ان سے مخاطب ہو کر فرمایا لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا ان کا کہنا تھا کہ میں اس برکت کو خاندان سے کس طرح باہر نکالوں۔ تیسری دفعہ انہوں نے عتاب کا اظہار فرمایا۔ تو وہ اسے لے کر آپ تک تشریف لائے۔ جس پر بہت عظیم اثرات مرتب ہوئے جیسا کہ آپ قدس سرہ کے حالات اور ملفوظات میں تحریر ہے۔

السیب علیہ کلمات منی العالم

باب دوم

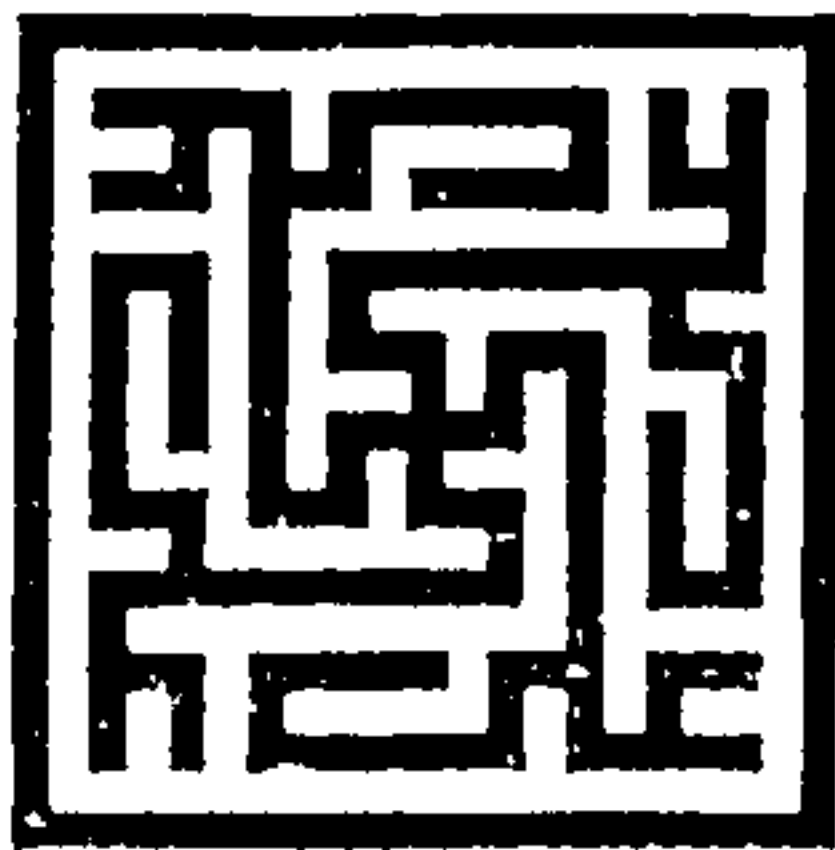
نسب شریف۔۔ اور۔۔ ولادت مبارکہ

آپ قدس سرہ کا نسب نامہ یوں ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بن عارف کامل، عالم عامل، غوث زمان حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبدالحی بن شیخ محمد بن شیخ حبیب اللہ بن قدوة الاولیاء الکاملین حضرت امام رفیع الدین بانی قلعہ سرہند بن شیخ نور بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحاق بن شیخ یوسف بن سلطان فرخ شاہ کابلی یہ بزرگ سلطنت کابل کے بادشاہ تھے۔ معتبر افراد سے روایت ہے کہ آپ اسلام کو رواج دیتے اور بتوں کے پجاریوں کی تذلیل فرمایا کرتے تھے۔ آپ وہاں سے ہندوستان آگئے۔ اسی لئے آپ کی اولاد کابلی نسبت سے معروف ہے۔

بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ واعظ اصغر بن شیخ عبداللہ واعظ اکبر بن شیخ ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن خواجہ ابراہیم بن سیدنا ناصر بن سیدنا مولانا عبداللہ بن امام العادلین خلیفہ سید العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام یعنی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہم۔

آپ قدس سرہ ماہ شوال ۹۷۱ھ کو سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس شہر کو ہر ناپسندیدہ امر سے محفوظ فرمائے۔ لفظ خاشع سے آپ کا سن ولادت استخراج ہوتا ہے۔



بن چارندہ مرزا

باب سوم سلاسل طریقت

۱۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ
قدوۃ العارفين حضرت خواجہ باقی بالہ رحمۃ اللہ علیہ
شیخ کامل واکمل حضرت خواجہ خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ
عارف باللہ حضرت خواجہ محمد درویش امکنگی رحمۃ اللہ علیہ یہ حضرت خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ کے
والد ماجد تھے۔

حضرت خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ یہ حضرت خواجہ محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں جان تھے۔
قطب الکبار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ
عارف باللہ حضرت خواجہ یعقوب چرخنی رحمۃ اللہ علیہ
قطب الاقطاب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ
قطب ربانی حضرت خواجہ امیر کلاں رحمۃ اللہ علیہ
غوث ربانی حضرت خواجہ بابا محمد سماسی رحمۃ اللہ علیہ
قطب حقانی حضرت خواجہ علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ
قطب صدانی حضرت خواجہ محمد انجیر فتحوی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت خواجہ خواجگان خواجہ عارف ایوگری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ المشائخ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ
 سلطان العارفین حضرت خواجہ ابو یزید طینو ربسطامی رحمۃ اللہ علیہ
 امام ہمام حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ
 سلطان المشائخ حضرت امام قاسم بن محمد بن صدیق اکبر رضی اللہ عنہم
 صحابی رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
 شیخ المہاجرین والانصار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
 سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ سلسلہ عالیہ قادریہ

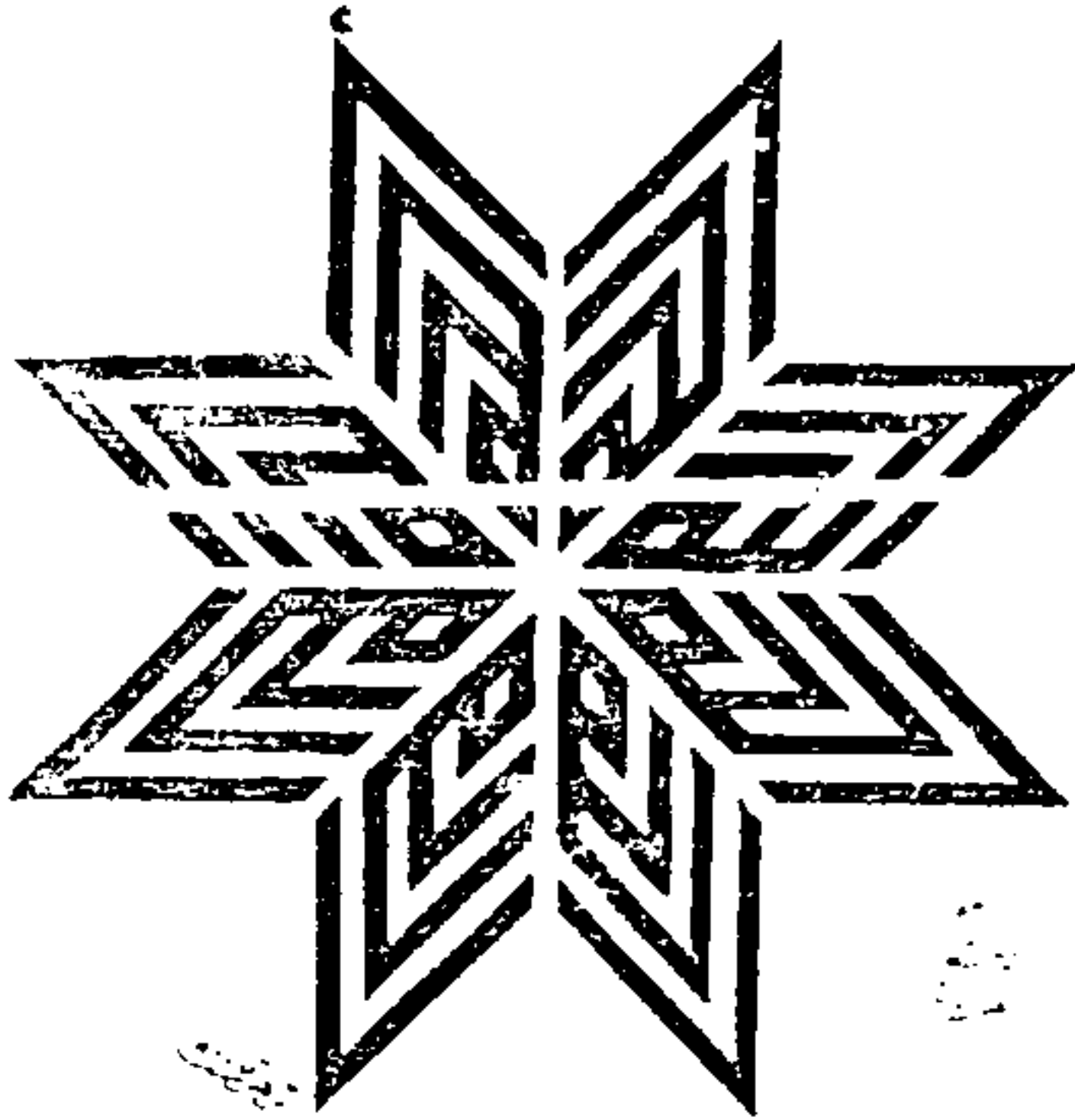
امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ
 ملاذ العرفاء حضرت شاہ اسکندر رحمۃ اللہ علیہ
 قدوۃ الکمل حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت شاہ فضیل رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت سید گدار حمان رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت خواجہ شمس الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت سید گدار حمن رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت سید ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت شمس الدین صحرائی رحمۃ اللہ علیہ

- شیخ المشائخ حضرت سید عقیل رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت سید بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت سید عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت سید شرف الدین قتال رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت سید عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ
 غوث الثقلین حضرت محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
 سید السادات حضرت ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت سید موسیٰ جنگلی دوست رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت سید عبداللہ مورث رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت سید یحییٰ زاہد رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت شاہ موسیٰ جون رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت شاہ داؤد مورث رحمۃ اللہ علیہ
 قطب عالم حضرت سید حسن ثنی رحمۃ اللہ علیہ
 امام المؤمنین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ
 آپ نے دو ہستیوں سے فیض پایا
 (۱) امام الہدی سید تقی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ
 (۲) بضعتہ سید الانبیاء حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا
 امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واخوانہ واصحابہ اجمعین

۳۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ

- امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ
 عارف باللہ حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ کامل حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ
 واصل باللہ حضرت شیخ عبدالقدوس غزنوی حنفی نسباً و مذہباً رحمۃ اللہ علیہ
 خواجہ خواجگان حضرت شیخ محمد عارف رحمۃ اللہ علیہ
 خواجہ خواجگان حضرت شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ
 خواجہ خواجگان حضرت شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ
 خواجہ خواجگان حضرت شیخ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ
 خواجہ خواجگان حضرت شیخ علاء الدین علی بن احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ
 خواجہ خواجگان حضرت شیخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ
 قدوة الواصلین حضرت شیخ قطب الدین بختیاراوشی کاکی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
 زبدة العارفين حضرت شیخ معین الدین سنجرى اجمیری رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت خواجہ حاجی شریف زندانی رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابو محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ
 شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابواسحاق شامی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت خواجہ علی دنیوری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ المشائخ حضرت خواجہ سمیرہ بصری رحمۃ اللہ علیہ
شیخ المشائخ حضرت خواجہ حذیفہ مرثی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ المشائخ حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ
شیخ المشائخ حضرت جمال الدین فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ
شیخ المشائخ حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ
امام التابعین حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ
امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



باب چہارم

سند مصافحہ اور اسانید حدیث

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ معظم حضرت عبدالرحمن بدخشی کابلی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ حاجی مشہور برمزی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ حافظ سلطان اوبہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ محمود اسفراری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ سعید معمر چشتی رضی اللہ عنہ

امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

حضرت شیخ سعید رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عالم ملکوت میں مصافحہ

فرمایا تھا کہ عالم ناسوت میں۔ لیکن حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات خلاصۃ المناقب میں

ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے۔ وہ اپنے صحابہ کے سامنے حضور نبی اکرم ﷺ کے مناقب

بیان فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شیخ سعید رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ آپ میرے حق میں

دُعا فرمائیں تاکہ میں ان کا زمانہ پاسکوں۔ انہوں نے دُعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر درازی کر دی اور

انہیں حضرت نبی پاک ﷺ سے مصافحہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا

جو شخص چھ یا سات واسطوں سے تمہارے ساتھ مصافحہ کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ نیز آپ نے ان کی

درازی عمر کی دُعا فرمائی اس طرح انہوں نے بہت لمبی عمر پائی۔

سند حدیث مسلسل بالآؤلیہ

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے فرمایا میں نے قدوۃ المحدثین حضرت قاضی بہلول سے سنا اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سماعت کی۔

انہوں نے فرمایا یہ حضرت سیدی شیخ عبدالرحمن بن فہد سے سنا اور یہ پہلی حدیث تھی جو میں نے ان سے سماعت کی۔

انہوں نے ارشاد فرمایا میں نے اپنے والد ماجد حضرت عبدالقادر بن عبدالعزیز بن فہد سے سنا نیز میں نے ان کے برادر گرامی اور اپنے چچا حافظ جار اللہ بن فہد سے سنا۔ یہ سب سے پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

ان دونوں حضرات (والد ماجد اور چچا جان) نے فرمایا ہم نے اپنے والد گرامی حافظ عزالدین بن عبدالعزیز بن فہد سے سنی اور یہ پہلی حدیث ہے جو ہم نے ان سے سنی۔

انہوں نے فرمایا میں نے اپنے سیاحت فرمانے والے جد امجد حضرت تقی الدین محمد بن فہد ہاشمی علوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

انہوں نے بیان کیا کہ میرے سامنے محدثین کرام کی ایک جماعت نے روایت کی جن میں سب سے زیادہ جلیل القدر دو محدثین ہیں۔

(۱) حضرت علامہ برہان الدین انباسی ان سے میں نے سماعت کی۔

(۲) قاضی القضاہ ابو حامد مطری ان کے سامنے میں نے حرم مکہ مکرمہ میں۔

یہ حدیث پڑھی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان دونوں حضرات سے سنی۔

ان دونوں نے فرمایا ہمارے سامنے حضرت خطیب صدر الدین ابوالفتح مبرد نے روایت بیان

کی۔ علامہ انباسی نے فرمایا میں سب سے پہلے یہ حدیث ان سے سنی۔ اور علامہ مطری نے فرمایا کہ یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے روایت کی۔

انہوں نے فرمایا ہمارے سامنے شیخ نجیب الدین عبداللطیف حرائی نے روایت کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

انہوں نے فرمایا ہمارے سامنے حافظ ابوالفرج بن جوزی نے روایت کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سماعت کی۔

آپ نے فرمایا ہمارے سامنے حضرت ابوسعید اسماعیل بن ابی صالح نیشاپوری نے روایت بیان کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو ہم نے ان سے سنی۔

انہوں نے فرمایا ہمارے سامنے حضرت ابوصالح احمد بن عبدالملک مؤذن نے روایت کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سماعت کی۔

آپ نے فرمایا ہمارے سامنے حضرت ابوطاہر محمد بن محسن انادی نے روایت بیان کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

انہوں نے فرمایا ہمارے سامنے حضرت ابو حامد بزار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بیان کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

انہوں نے کہا ہمارے سامنے حضرت عبدالرحمن بن حکیم غندری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بیان کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

آپ نے کہا ہمارے سامنے حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی اور یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے ان سے سنی۔

انہوں نے حضرت عمرو بن دینار سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

کے آزاد فرمودہ غلام حضرت ابو قابوس سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت رسول کریم ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا

الراحمون یرحمہم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء .
ترجمہ: رحم کرنے والوں پر خدائے رحمان رحم فرمائے گا۔ تم زمین میں موجود مخلوق پر رحم کرو تم پر وہ ذات رحم فرمائے گی جو آسمان میں ہے۔

آپ قدس سرہ العزیز نے علم قرأت اور فقہ اپنے والد ماجد اور استاد محترم حضرت علامہ شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کئے۔

علم فقہ آپ نے حضرت شیخ محقق مولانا کمال کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔
اصول حدیث کا علم آپ نے قدوة العلماء حضرت شیخ یعقوب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ فرمایا۔

آپ کو صحاح ستہ، امام بخاری کی تمام تالیفات، علم تفسیر میں امام واحدی کی کتب مثلاً وسیط، بسیط اور اسباب النزول، امام بیضاوی کی تفسیر، اور (ان کی کتب) منہاج الوصول، الغایۃ القصوی اور اسی طرح مشکوٰۃ المصابیح، شمائل ترمذی، جامع صغیر، اور امام سعید بوسیری کے قصیدہ بردہ، کی اجازت امام ربانی قدوہ ارباب کمال حضرت قاضی بہلول بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی۔



باب پنجم

تالیفات مبارکہ

آپ کے مکتوبات شریفہ تین جلدوں میں ہیں جو علوم و معارف سے مزین اور حقائق و دقائق کے متعدد ابواب پر مشتمل ہیں۔ ان میں علم شریعت کی تفصیلات اور علم طریقت کی تحقیقات ہیں۔ وہ اس امر کے مستحق ہیں کہ ان کے بارے میں یوں کہا جائے کہ ان کی مانند اور اس قسم کی کوئی تالیف اس سے قبل موجود نہیں تھی۔

شہنشاہ شاہ جہاں کے دربار میں علماء و امراء کے سرپرست جناب میرک شاہ سے پوچھا گیا کہ سلطان روم کے پاس سرزمین ہندوستان میں پایا جانے والا کون سا ایسا تحفہ بھیجا جائے جس کی نظیر اس علاقہ میں نہ پائی جاتی ہو۔ تو انہوں نے بہت خوب جواب دیا کہ یہ تحفہ حضرت شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات ہیں۔ یہ مقدس عجبہ روزگار کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی زمین پر اس کی مثل کوئی اور کتاب نہیں۔

کسی عارف کامل کو یہ کشف ہوا کہ یہ مکتوبات شریفہ حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ وہ ان کو پسند فرمائیں گے اور ان کی تعریف کریں گے۔

بیان کیا گیا ہے کہ عارف کامل حضرت میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے مرشد پاک حضرت شیخ احمد نے یوں یوں فرمایا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا شیخ احمد نے جو کچھ کہا ہے وہ حقیقت کے مطابق ہے۔

آپ (حضرت خواجہ میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ ایک روز میرے دل میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب شریفہ کے معارف میں تردد پیدا ہو گیا کہ کیا یہ معارف اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہیں یا نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء فرمایا کہ یہ سب صحیح میرے ہاں پسندیدہ اور

میرے کلام کے پروردہ ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کی بقیہ تصانیف کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مبدأ و معاد: علم حقائق اور سلوک پر ایک اچھوتا رسالہ ہے۔

معارف لدنیہ: علم تصوف اور وجدانیات کے بیان میں ایک جلیل القدر رسالہ ہے۔

مکاشفات غیبیہ: علم کشف اور عرفان کے بیان میں ہے۔

تحقیق معنی کلمہ طیبہ: کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے معانی کی تحقیق میں ایک رسالہ ہے۔

اثبات النبوة: نبوت کے اثبات اور فلاسفہ کے رد میں ہے۔

شرح رباعیات: اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی رباعیات کی شرح ہے۔ صوفیہ کی

اصطلاح کے مطابق علم تصوف کے بیان میں ہے۔

تردید مذاہب شیعہ: فرقہ شیعہ کے مختلف مذاہب کے بیان اور ان کی تردید میں ہے۔

یہ تمام رسائل مفید، مطالعہ کے لائق اور دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ ان رسائل اور کتب کے علاوہ

آپ نے متعدد کتابوں کے اوراق پر مشکل مقامات کے حل اور وارد ہونے والے شبہات کے رد کیلئے جلیل

القدر حواشی تحریر فرمائے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ شرح مقاصد

۲۔ عضدی

۳۔ شرح مواقف

۴۔ (تفسیر) بیضاوی وغیرہ۔

آپ کے بارے میں حیرت انگیز اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ جب آپ کی عمر مبارک صرف سترہ

برس تھی۔ آپ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر تدریس و تعلیم، مشکل امور کے حل اور مغلط مقامات

کی تشریح میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی شہرت ان معاملات میں آفاق میں پھیل گئی۔ علوم ظاہرہ کے علماء اور علوم باطنہ کے عرفاء حقائق و دقائق کے بارے میں اپنی اپنی مشکلات کیلئے تمام اطراف و جوانب سے آپ کی خدمت میں عراقیوں اور اہل ہند کے فضلاء و کرم سے جواب میں آپ کے کلام شریف سے اپنے مقاصد اور مطالب کی جانب واضح اور عیاں راہ نمائی پانے لگے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 اِنَّا نَحْمَدُكَ اَللّٰهُمَّ
 اِنَّا نَحْمَدُكَ اَللّٰهُمَّ
 اِنَّا نَحْمَدُكَ اَللّٰهُمَّ
 اِنَّا نَحْمَدُكَ اَللّٰهُمَّ

باب ششم کرامات

آپ کی کرامات اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ اس رسالہ میں تمام لکھی نہیں جاسکتیں۔ آپ کے حالات میں قابل اعتماد کتابوں اور دیگر راپوں نے آپ کی کرامات سات سو سے زائد نقل کی ہیں۔ میں ان میں سے انتخاب کر کے صرف چند ایک یہاں ذکر کروں گا کیوں کہ قلیل کثیر کا اور قطرہ تالاب کا پتہ بتاتے ہیں۔

(۱)

حضرت شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حالات میں تحریر فرمودہ کتاب (حضرات القدس) میں ذکر کیا کہ آپ کے مریدین میں سے ایک صحیح النسب سید صاحب نے بیان کیا کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے سرہند شریف سے بھروج شہر جانے کا حکم دیا تاکہ وہاں میں آپ کے ایک بھائی صاحب کی تلاش کروں۔ چنانچہ وہ خوش دلی سے ایک اونٹنی پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک دن میں جنگل میں قضائے حاجت کی وجہ سے اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک شیر میری طرف رخ کئے ہوئے تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا میری عقل زائل ہو گئی اور سخت گھبراہٹ مجھ پر طاری ہو گئی۔ میں نے اس حالت میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو یوں پکار کے عرض کی۔

میرے آقا! آپ نے الوداع کہتے ہوئے مجھ کو فرمایا تھا کہ جب تم کسی ہلاکت میں پڑو تو مجھے یاد کرنا۔ اب میں ہلاکت میں مبتلا ہوں۔ اب میری مدد کا وقت ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابھی یہ بات پوری بھی نہ کی تھی کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ میرے سامنے ظاہر ہو گئے۔ شیر کی طرف توجہ فرمائی

اسے ہاتھ سے چلے جانے کا اشارہ فرمایا۔ تو شیرا لٹے پاؤں بھاگ گیا پھر آپ میری نظر سے اوجھل ہو گئے۔ اور میں ساتھیوں کے ساتھ جاملا۔ اپنی کہانی ان کے سامنے بیان کی انہوں نے کہا ہم نے بھی آپ کو دیکھا ہے۔ وہ اس سے تعجب کرنے لگے۔

(۲)

ایک قابل اعتماد سید و صاحب نے بیان کیا کہ میں ہندوستان کے دور دراز علاقے میں تھا۔ مجھے ایک صحراء میں کافروں کا عبادت خانہ نظر آیا۔ جس میں بہت سے بت پڑے تھے۔ مجھے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یاد آیا کہ بتوں کی عبادت کرنے والوں کی توہین اور بتوں کو توڑنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے۔ میں نے انہیں توڑنا شروع کر دیا اور اس بت خانے کی دیواروں کو گرانے لگا میں اپنے اس کام میں مصروف تھا کہ کفار کی ایک بہت بڑی جماعت جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی اچانک مجھے نظر آنے لگی۔ ان کے ہمراہ آلات جنگ بھی تھے۔ شاید انہیں ہمارے اس عمل کی خبر ہو گئی تھی۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو شدید خوف لاحق ہوا۔ اب بھاگنے کی کوئی جگہ باقی نہ رہی تھی۔ میں نے اس حال میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو یاد کیا۔ اور عرض کی اے میرے آقا! یہ سب کچھ میں نے آپ کے حکم سے کیا ہے۔ اب ان نافرمان کافروں نے ہمارا محاصرہ کر رکھا ہے۔ تو میں نے غیب سے ایک آواز سنی یہ آواز حضرت مجدد پاک قدس سرہ العزیز کی تھی۔ آپ فرما رہے تھے تمہیں خوش خبری ہو ہم نے تمہاری مدد کیلئے مسلمانوں کی ایک فوج ارسال کر دی ہے۔ میں نے یہ بات اپنے ساتھیوں کو بتائی تو وہ سارے کے سارے مطمئن ہو گئے۔ تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ خشکی کی طرف سے چالیس سوار نمودار ہوئے جو جلدی جلدی کفار کی جانب رواں تھے۔ کافر یہ دیکھ کر فرار ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ پھر ہم نے اس جماعت کو الوداع کہا اور جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ روانہ ہو گئے۔

(۳)

جہانگیر بادشاہ نے ایک امیر کو، ایک غلطی کی بنا پر، جو اس سے سرزد ہوئی تھی، جیل خانہ میں قید کر دیا۔ اس پر اسی حالت میں طویل زمانہ گزر گیا۔ ایک رات اس نے اپنی رہائی کی استدعا کے لئے ایک شخص آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا وہ عنقریب اللہ تعالیٰ کے حکم سے قید خانہ سے باہر آجائے گا۔ اس شخص نے عرض کی حضور یہ کب ہوگا۔ تو آپ قدس سرہ نے فرمایا کل۔ وہ آپ کی مجلس سے خوش ہو کر روانہ ہوا۔ جب صبح صادق ہوئی تو اس نے امیر کے پاس قید خانے میں جانے کا ارادہ کر لیا۔ رستے میں اس کا گدرا ایک قوی الجذبہ مجذوب کے پاس سے ہوا۔ وہ اس سے رہائی کی دُعا کا طلب گار ہوا۔ اور عرض کی اے اللہ تعالیٰ کے عارف! اس امیر کیلئے دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اسے قید سے نجات عطا فرمائے۔ مجذوب جواب میں کہنے لگا۔ خواجگان (نقشبندیہ) کے سلسلہ سے ایک شاہباز نے اسے گذشتہ رات اس طرح اپنی طرف کھینچ لیا ہے جس طرح وہ شکار کو کھینچ لیتا ہے۔ اور اسے رہا کر دیا ہے اب اسے کسی اور کی دُعا کی ضرورت نہیں رہی۔ چنانچہ اسے اسی دن قید سے رہائی ہوگئی اور اس طرح اسے اطمینان نصیب ہوا۔

(۴)

ولی کامل حضرت مولانا یوسف سمرقندی قدس سرہ نے ذکر کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ ایک دن صحرا میں گھوڑے پر سوار تھے آپ کے ساتھ اہل طریقت میں سے کچھ افراد بھی تھے۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔ اچانک گرمی شدید ہوگئی اور زمین سخت غبار آلود ہوگئی۔ آپ کے ہمراہی ازراہ ادب شکایت نہیں کر رہے تھے لیکن ان کے دلوں میں عرض کرنے کا ارادہ تھا۔ آپ قدس سرہ نے میری طرف دیکھا اور تبسم فرمایا۔ ارشاد فرمایا ہمارے ساتھیوں کو گرمی اور گرد و غبار کے باعث بہت تکلیف اٹھانا پڑی۔ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ نے آپ پر معاملہ کو واضح فرما دیا ہے۔ ہمیں عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ نے

آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کچھ پڑھا تھوڑی ہی دیر کے بعد افق سے بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا ہمارے سروں پر آ کر ٹھہر گیا۔ زمین کے جس ٹکڑے پر ہم تھے، وہ وہاں سایہ فلکن ہو گیا۔ صرف ہماری جماعت کے اوپر بارش برسنے لگی نیز ٹھنڈی اور خوشگوار ہوائیں چلنے لگیں۔ اور لوگوں نے سکون کا سانس لیا۔

(۵)

سادات کرام سے ایک شخص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والے صحابہ کرام سے عداوت رکھتا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک رات میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات شریفہ کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد درج تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنا حضرات شیخین کریمین کو برا بھلا کہنے کے برابر ہے۔ یہ پڑھ کر مجھے غصہ آیا میں نے مکتوبات شریفہ کو زمین پر پھینک دیا اور سو گیا۔

خواب میں مجھے آپ کی زیارت ہوئی آپ فرما رہے تھے اے جوان! تو میرے کلام پر اعتراض کرتا ہے۔ نبی پاک ﷺ کے صحابہ کرام سے عداوت کرتا ہے۔ اگر میرا کلام تمہارے لئے کفایت نہیں کرتا تو میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ آپ نے مجھے کھینچ کر ایک بہت بڑے باغ میں داخل کر دیا۔ وہاں میں نے ایک بہت عظیم شخصیت کو دیکھا ان کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں۔ آپ نے مجھ پر نگاہ ڈالی اور فرمایا نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے بغض سے ہزار مرتبہ پرہیز کرو۔ ہم آپس میں بھائی تھے۔ ہم نے جس طرح چاہا آپس میں معاملات طے کئے۔ اور کسی کو مناسب نہیں کہ ہمارے درمیان دخل دے۔ اس شخص کی اطاعت سے باہر نہ ہونا۔ یہ فرماتے ہوئے آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی طرف اشارہ کیا۔

راوی کا کہنا تھا کہ اس کے باوجود میرے دل سے حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کا بغض نہ نکلا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ابھی تک بغض و عداوت کی تاریکی سے

باہر نہیں آسکا۔ لہذا اسے سزا دو۔ اس پر آپ نے میری گردن پر زور سے ضرب لگائی۔ میں جاگا تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے دل سے ان حضرات رضی اللہ عنہم کی عداوت خارج ہو چکی تھی۔

(۶)

امیر کبیر ہمت خان سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے کمالات کا انکار کیا کرتا تھا۔ آپ کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ غصہ میں تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ میں یہ دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ اس وقت فرما رہے تھے کہ میں تمہاری زبان کاٹ دوں گا۔ میں نے عرض کی میں آپ کے انکار سے توبہ کرتا ہوں لیکن آپ نے فرمایا یہ تلوار خالی نیام میں نہ جائے گی۔ آپ نے اس سے میری زبان پر ایک باریک سی لکیر کھینچی جس سے خون نکلنے لگا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میری زبان پر کٹاؤ موجود تھا۔ اور اس سے خون جاری تھا۔ میں عذر خواہی کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے طریقہ میں داخل ہو گیا۔ انہوں نے اس قسم کی بہت سی کرامات کا ذکر کیا ہے۔

(۷)

انہوں نے یا ان کے کسی بھائی نے ذکر کیا کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے عداوت رکھتا تھا۔ جب وہ مرا تو اس کی شکل خنزیر کی مانند ہو گئی۔ کہا گیا کہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا انکار کرنے والے کی یہی سزا ہے۔ غیب کا علم اللہ کے ہاں ہے۔

(۸)

آپ کی سوانح حیات کے مولف (حضرت بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ) نے ذکر کیا کہ ایک صبح کو حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بھائی شیخ مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں بہت غور و فکر کی ہے۔ جو ایک قافلہ کے ہمراہ قندھار گئے تھے۔ قافلہ میں تلاش کیا وہ نہ ملے پھر میں نے

وہاں شہر کے ایک ایک گھر میں تلاش کیا میں نے ان کو نہ پایا۔ پھر میں نے سرہند سے لے کر قندھار تمام منازل اور ان کے ایک ایک کمرے میں تلاش کیا نہ پایا۔ اس کے بعد پوری زمین کے ایک ایک حصہ میں تلاش کیا نہ پایا۔ شاید ان کا وصال ہو چکا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک گھڑی تک توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا میرے دل میں القاء کیا گیا ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں ان کی قبر مسجد کے نزدیک ہے۔ مجلس میں موجود افراد نے وہ تاریخ لکھ لی کچھ عرصہ کے بعد ان کی وفات کی اطلاع آئی جس میں اور حضرت مجدد پاک رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں کوئی فرق نہ تھا۔

(۹)

آپ کے سوانح نگار یعنی حضرت شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میرے چچا شیخ محمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اصفہان کی جانب ایک سفر میں تھے۔ انہوں نے بتایا کہ میں ایک روز کسی ضرورت کی وجہ سے قافلے سے پیچھے رہ گیا۔ قافلہ میری نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ میں پریشان حال بیابان میں اکیلا رہ گیا تھا ایک چشمے پر آیا وضو کیا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں کچھ وقت تک عاجزی کرتا رہا۔ میں نے آپ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک عراقی نسل کے گھوڑے پر سوار ہیں۔ میرے پاس تشریف لائے فرمایا اپنا ہاتھ مجھے تھماؤ۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا مجھے اپنے پیچھے سوار کر لیا اور جلدی سے چل پڑے۔ جب قافلہ کے پاس پہنچے تو مجھے اتارا اور فرمایا قافلہ میں شامل ہو جاؤ۔ اور خود نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں اللہ تعالیٰ مجدہ کا شکر کرتے ہوئے قافلہ میں شامل ہو گیا۔

(۱۰)

آپ کے معتبر مریدین کی ایک جماعت نے بیان کیا اور پھر آپ کے سوانح نگار (حضرت شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ) نے تحریر کیا کہ اجین شہر کے سادات کرام میں سے ایک متقی شخص نے کہا کہ میں ایک دکان پر بیٹھا تھا کہ اچانک ایک پرہیزگار آدمی جس کے چہرے سے ریاضت کے آثار اور

ہدایت کے انوار عیاں تھے میری طرف متوجہ ہوا۔ مجھے سلام کیا اور میرے قریب بیٹھ گیا۔ کہنے لگا میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک خلوت نشین آدمی ہوں۔ میں وہاں سے نیچے نہیں آتا اور نہ ہی خلوت خانہ سے کبھی باہر نکلا ہوں۔ لیکن آج میں اپنے شیخ اور پیشوا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی خوشبو پا کر وہاں سے نکلا ہوں۔ جب میں تمہارے پاس پہنچا اس خوشبو میں اضافہ ہو گیا۔ تو میں نے پہچان لیا کہ یہ خوشبو تمہاری وجہ سے تھی۔ شاید تم بھی آپ کے دست گرفتہ افراد میں شامل ہو۔ میں نے کہا ہاں میں بھی آپ کے مریدین میں شامل ہوں۔ ہم آپ کے کمالات اور سیرت طیبہ کا آپس میں تذکرہ کرتے رہے۔ وہ کہنے لگا میں نے آپ سے ایک عجیب بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ میں ایک رات عشاء کے بعد آپ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ وہاں آپ کے رشتہ داروں سے ایک شخص بھی موجود تھا۔ وہ کہنے لگا میرے ساتھ میرے گھر تک چلو اور رات کے کھانے میں میرے ساتھ شرکت کرو۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ اس نے آپ قدس سرہ کے بارے میں شکایتیں کرنا شروع کر دیں۔ آپ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور آپ کی طرف نامناسب باتوں کی نسبت کرنے لگا۔ مجھے اس سے بہت شدید تکلیف ہوئی۔ کھانا ہمارے سامنے پڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہونا شروع ہو گیا اور اس کا ایک ایک عضو الگ الگ ہو گیا۔ مجھ پر دہشت طاری ہو گئی اور وہاں سے بھاگ پڑا۔ حضرت قطب الانام رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا۔ آپ دروازے سے باہر نکلے۔ مجھے ہاتھ سے پکڑا اور اس شخص کے گھر میں خود اندر تشریف لے گئے اور مجھے گھر سے باہر کھڑا کیا۔ آپ ایک گھڑی وہاں ر کے پھر دروازے سے باہر تشریف لائے۔ وہ شخص صحیح سالم اپنے گھر سے نکل کر آپ کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ آپ اپنے گھر تشریف لے آئے اور مجھے حکم دیا کہ راز اجنبی لوگوں پر ظاہر نہ کرنا۔

(۱۱)

شیخ بہاء الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میں نے بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ حافظ قرآن کا لفظ مجھ پر باقی رہ گیا لیکن میں قرآن مجید بھول چکا تھا۔ رمضان المبارک میں ایک رات میں

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا حافظ صاحب! ہمیں تراویح میں قرآن مجید سناؤ۔ میں نے عرض کی حضور مجھے تو وہ یاد نہیں رہا۔ میں اس سے ایک حرف بھی الا ماشاء اللہ نہیں سنا سکوں گا۔ آپ نے فرمایا تم سنا سکتے ہو۔ محراب میں کھڑے ہو جاؤ۔ میں نے عرض کی جناب یہ کام میری استطاعت سے باہر ہے۔ آپ نے پھر فرمایا یہ تمہاری استطاعت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ۔ میں آپ کے حکم کی بجا آوری کیلئے کھڑا ہو گیا۔ آپ کے ارشاد کی برکت سے میں نے اپنے کو ایک سمندر کی طرح محسوس کیا۔ میں نے کھڑے کھڑے دور کعتوں میں بیس پاروں سے زیادہ پڑھا۔ حضرت مجدد پاک کے علاوہ باقی لوگ بیٹھ گئے آپ نے کھڑے ہو کر یہ رکعتیں ادا فرمائیں۔

(۱۲)

حلب کے رہنے والے ایک شخص نے آپ سے گزارش کی کہ اسے سلسلہ عالیہ قادریہ کی نسبت القاء کی جائے۔ آپ نے اس کی گزارش کو قبول فرمایا۔ اور اس سے کہا چند دن تک ہمارے پاس آیا کرو اور ہماری مجلس میں شامل ہوا کرو تا کہ تمہاری مراد پوری ہو سکے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ان ایام میں مریدین، جن کا سلوک طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں تھا، کی ترقیات معطل ہو گئیں۔ اور ان کے باطنی حالات پر قبض کی حالت طاری ہو گئی جب کہ پہلے ان پر بسط کی کیفیت طاری تھی۔ انہوں نے اپنے حالات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کئے تو آپ ان کی باتیں سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا میں ان ایام میں اس سالک کی تربیت کی غرض سے نسبت قادریہ کی طرف سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت سے زیادہ متوجہ ہوں۔ میں خود بھی ان کی نسبت عالیہ کے رنگ میں رنگا گیا ہوں۔ اسی کی بدولت تمہارا معاملہ اس طرح ہے جس طرح کہ تم خود دیکھ رہے ہو۔ اس کے بعد آپ اپنی پہلی حالت پر واپس آ گئے اور نقشبندی نسبت کی خلعت کو دوبارہ اوڑھ لیا۔ ان کے حال کی طرف توجہ فرمائی تو ان پر اس سلسلہ عالیہ کے اسرار کا فیضان ہونے لگا۔ اور اس عالی مرتبت نسبت کے انوار کے سمندروں میں غرق ہو گئے۔

(۱۳)

اسی شخص کا بیان ہے کہ مجھے بخار ہو گیا۔ وہ اتنا شدید ہو گیا کہ لوگ میری زندگی سے مایوس ہو گئے۔ راتوں کو جاگ جاگ کر میری موت کا انتظار کرنے لگے۔ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں متوجہ ہوا۔ اور اپنی حاجت پیش کی۔ اچانک ایک بزرگ شخصیت میرے سامنے ظاہر ہوئی اس کے جسم پر ایک لمبی سفید رنگ کی چادر تھی۔ وہ فرمانے لگے یہ چادر حضرت رسول کریم ﷺ نے قطب وقت حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی کو ارسال کی ہے اور انہوں نے تمہاری طرف بھیجی ہے تاکہ تم کو اس چادر کے طفیل شفا نصیب ہو جائے۔ انہوں نے وہ چادر میرے دیکھتے دیکھتے مجھ پر ڈال دی۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا میرے ہاتھ تو کچھ نہ لگا لیکن بخار اتر گیا جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ میرے بارے میں گمان کیا جانے لگا کہ موت کا وقت آن پہنچا ہے وہ رونے دھونے لگے لیکن میں نے کہا ٹھہر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے مجھے شفا ہو گئی ہے۔ میں صحت یاب تندرست ہو کر اٹھ بیٹھا۔

(۱۴)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے سوانح نگاروں نے بیان کیا کہ بادشاہوں کے استاد حضرت شیخ میرک رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ کے سامنے بیان فرمایا کہ جب میں ہندوستان میں آیا تو میرے دل میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے بارے میں غبار اور عداوت تھی۔ کیوں کہ میں نے سن رکھا تھا کہ آپ نے اپنے مکتوبات میں ایسی عبارت لکھ رکھی ہے جس سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر آپ کی فضیلت لازم آتی ہے۔ اور اس قبیل کی اور عبارت بھی ان مکتوبات میں ہیں۔ جب میں سرہند شہر میں آیا تو میری ملاقات ایسے شخص سے ہوئی جس کے ساتھ میری قدیمی جان پہچان تھی۔ میں نے اسے صلاح و تقویٰ سے آراستہ دیکھا جب کہ اس سے پہلے وہ فسادی لوگوں سے تھا۔ میں نے اس تبدیلی کے بارے میں اس سے دریافت کیا تو وہ کہنے لگا یہ سب کچھ میرے مرشد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ

اللہ علیہ کی صحبت کی برکت ہے۔ میں کہنے لگا کہ اس شخص کی صحبت سے اس چیز کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے وہ تو ایسا ایسا ہے۔ اس نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے ان کے دیکھے بغیر ان کا انکار مت کرو۔ وہ دور حاضر میں اپنے زمانہ کے قطب اور امام ہیں۔ میں نے جواباً کہا میں اس سے ملاقات نہیں کروں گا کیوں کہ میرے دل میں اس کے بارے میں غبار ہے۔ وہ کہنے لگا آپ کا ان سے ملنا ضروری ہے۔ اس پر اس نے اصرار کیا۔ میں نے کہا جب میں ان کے پاس جاؤں گا تو اپنے دل میں تین راز چھپا کر رکھوں گا۔ ایک یہ کہ وہ مجھے میرا نام لے کر پکاریں۔ اور میرے آباؤ اجداد کے نام لیں۔ دوسرا یہ کہ مجھے اس شبہ کے بارے میں خود بتائیں جو ان کے متعلق میرے دل میں جما ہوا ہے۔ تیسرا یہ کہ دورِ حاضر کے فلاں شیخ، جن کا نام انہوں نے بتایا، کے احوال بیان کریں۔ (یہ تینوں باتیں اپنے دل میں ٹھان کر) میں ان کے گھر آیا جب آپ کے پاس آیا تو میرے دل میں بہت زیادہ ہیبت پیدا ہو گئی۔ مجھ پر عرشہ اور دہشت طاری ہو گئی۔ آپ نے مجھے بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب میں بیٹھا تو تکیہ کے نیچے سے آپ نے ایک کاغذ نکالا۔ میرے سپرد کر دیا۔ اور فرمایا اسے پڑھو۔ میں نے دیکھا کہ یہ وہی مکتوب ہے جس میں وہ شبہ تھا جس نے مجھے آپ کے انکار پر برا بیچنے کیا تھا۔ میں نے اس مکتوب کا اول سے لے کر آخر تک کئی بار مطالعہ کیا میں نے اس میں عقاید کے خلاف کوئی چیز نہ پائی۔ پھر آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور میرا نام لے کر مجھے پکارا فرمایا تم فلاں ہو تمہارے باپ کا نام فلاں تھا اور دادا فلاں تھا۔ ان سب کے نام ذکر فرمائے۔ ان کے بہت سے حالات اور خصائل بیان فرمائے۔ پھر اس شیخ کے احوال بھی بیان فرمائے۔ اس سے میں آپ کے کمال اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے مقام کا معترف ہو گیا۔ آپ کے ارادت مندوں اور ماننے والوں میں شامل ہو گیا۔

(۱۵)

آپ کی حالات زندگی کی کتابوں میں ہے کہ ایک صاحب حال و وجد سالک نے بیان کیا کہ جب دنیا میں آپ کے ارشاد اور عالی مرتبت ہونے کی خبریں مشہور ہوئیں تو میں آپ کے شہر میں ایک تہائی

رات گزرنے کے بعد آیا۔ میں نے ایک مسجد میں ڈیرا ڈال لیا۔ محلہ والوں میں سے ایک شخص نے مجھے دیکھا تو وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اس نے میرا حال پوچھا میں نے اسے (آنے کا سبب) بتایا جو نبی اس نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی سنا اس نے طعن و تشنیع شروع کر دی میرا دل اس سے تنگ ہوا لیکن وہ اسی حال میں مگن رہا۔ اچانک آپ قدس سرہ العزیز ظاہر ہوئے آپ کے دست اقدس میں ننگی تلوار تھی۔ آپ نے اسے قتل کر دیا اور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میرا دل خوف سے بھر گیا۔ اور جلدی سے وہاں سے نکل آیا۔ صبح ہوئی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ازراہ کشف مجھے پہچان لیا۔ مجھے آپ گلے سے ملے اور فرمایا جو بات رات کو گزری اس کو دن میں ذکر نہ کرنا۔

(۱۶)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگاروں نے نقل کیا کہ آپ کے مریدین سے ایک نے کہا کہ فروغ کے علاقہ میں مجھے جانے کا اتفاق ہوا۔ میں ایک دن جنگل میں تھا ایک شخص نے دور سے مجھے دیکھا جلدی جلدی چل کر میرے پاس آیا۔ اور کہنے لگا مجھے آپ سے اپنے شیخ کی خوشبو آرہی ہے تم کون ہو اور تمہارے شیخ کون ہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ میرے شیخ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ وہ کہنے لگا میرے مرشد اور شیخ بھی وہی ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا تمہیں یہ کرامت کہاں سے حاصل ہوئی۔ اس نے جواب دیا ان کی صحبت کی برکت اور ان کے فیض کے اثر سے مجھے یہ نعمت حاصل ہوئی۔ پھر وہ بتانے لگا میں ایک رات آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا شاہی باغ میں جاؤ وہ باغ شہر سے باہر ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ آپ نے ایک مقرر جگہ کے بارے میں فرمایا وہاں فلاں فلاں قسم کے درخت ہیں۔ ان درختوں کے آس پاس کچھ فقراء ہوں گے اور فلاں درخت کے نیچے اللہ تعالیٰ کا ایک ولی ہوگا۔ آپ نے اس کا حلیہ مجھے بتایا۔ اور فرمایا اسے میری طرف سے سلام کہنا۔ اور اسے کہنا کہ میرے پاس آئے۔ میں باغ کی طرف گیا بیان فرمودہ جگہ میں پہنچا وہاں فقراء بیٹھے تھے۔ وہ آدمی جس کو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بلا بھیجا تھا وہ

درخت سے ٹیک لگائے ہوئے تھا جس طرح کہ آپ نے بتایا تھا۔ اس کی شکل و صورت بھی ویسی تھی جیسی کہ آپ نے بیان فرمائی تھی۔ جب اس نے مجھے دور سے دیکھا تو پوچھنے لگا کیا قطب الاقطاب حضرت شیخ احمد نے مجھے بلایا ہے۔ وہ میرے کہنے کے مطابق میرے ساتھ چل پڑا۔ ہم آپ کے پاس پہنچے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے قہوہ اور چائے کا حکم دیا میں وہ لے آیا۔ اور پیالی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کی۔ آپ نے فرمایا مہمان کے پاس جاؤ۔ میں نے اسے بھی پیالی پیش کی وہ دوسری طرف بیٹھا تھا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اس پر مجھے حیرت ہوئی۔ پھر میں ایک اور پیالی لایا اور اسے لے کر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا تو وہ آنے والا مہمان تھا اس کے بعد میں ایک اور لایا تو فرش کے دونوں جانب حضرت مجدد پاک قدس سرہ تھے۔ وہاں وہ شخص نہ تھا۔ میں پھر ایک اور لایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ فرش کے دونوں جانب وہی شخص تھا وہاں ہمارے حضرت نہ تھے۔ اس مہمان نے آپ کے حضور میرے بارے میں گفتگو کی اور کہا اس شخص نے آپ سے طریقہ قادر یہ اخذ کیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ سلسلہ عالیہ کے امام حضرت شیخ عبدالقادر کی اسے زیارت کرادیں اس پر آپ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا آسمان پر قطب شمالی کی طرف دیکھو۔ میں نے سر کی اپنی ان آنکھوں سے دیکھا کہ ایک نہایت ہی حسین اور جمیل شخص وہاں سے نکلا ہے۔ اتر کر ہمارے پاس پہنچا ہے۔ اس نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے معانقہ فرمایا آپ نے مجھ سے فرمایا یہ شیخ معظم حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس کی خدمت میں حاضر ہو۔ میں نے ان کے قدموں کا بوسہ لیا اس کے بعد وہ اپنی جگہ تشریف لے گئے۔ سوانح حیات میں اس کے قریب قریب ایک اور حکایت بھی ہے۔

(۱۷)

آپ قدس سرہ نے ایک روز کسی ضرورت کی بنا پر منقی کے دانے بازار سے منگوائے۔ وہ دانے بولنے لگے اور انہوں نے کہا اے حضرت مجدد الف ثانی! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر شفا و دلیعت فرمادی

ہے۔ آپ نے ان کو حفاظت سے رکھنے اور پیاروں کو عطا کرنے کا حکم دیا۔ خدام نے ان کو بیماروں کیلئے محفوظ کر لیا جس نے بھی ان سے کچھ کھایا اللہ تعالیٰ نے اسے شفا بخش دی۔ بالآخر وہ ختم ہو گئے۔

(۱۸)

حضرت سید سعد الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے خلفائے کرام کے امام حضرت میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ کے بھائیوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صحبت کی برکت سے ان پر علم لدنی کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ ملکوت کے اسرار ان پر عیاں تھے۔ دیواروں کی دوسری اطراف سے آپ کو نظر آیا کرتا تھا۔ آپ شہر کے لوگوں کے حالات الا ماشاء اللہ بیان کیا کرتے تھے۔ ایک دن دوران نماز ان کو خیال گذرا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اگرچہ اپنے زمانہ کے قطب ہیں لیکن میں نے ان سے اس طرح کی کرامات نہیں دیکھیں جس طرح متقدین کی کرامات بیان کی جاتی ہیں۔ اس قبیح خیال کے آتے ہی آپ کے تمام کشفوں پر پرہ چھا گیا۔ سینہ سے پیارا علم سلب ہو گیا۔ اس وجہ سے وہ حیران رہ گئے اور بہت غمگین ہوئے۔ کہنے لگے مجھے اس قبیح خیال پر مواخذہ ہوا ہے۔ نماز مکمل کی اور حضرت مجدد پاک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں معافی کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا لوگو! یہ سید صاحب کرامت کے طلب گار ہیں۔ جب کہ ہمارے ہاں استقامت کا اعتبار ہے۔ جو کہ کرامت کا طالب ہوا سے چاہیے کہ کوئی اور شیخ تلاش کرے۔ سید صاحب نے توبہ کی اور نادام ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان پر پہلے کی طرح کی حالت کھول دی۔

(۱۹)

حضرت میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور بھائی نے اپنے شہر میں خواب میں دیکھا کہ حضرات مشائخ نقشبندیہ ایک جگہ جمع ہیں۔ نماز کا وقت آیا تو انہوں نے بڑے غور و فکر کے بعد ایک با عظمت شخص کو آگے بڑھایا اس نے ان کی امامت کی میں نے ان کی پہچان کر لی۔ ان کی صورت میرے دل میں آگئی۔

جب میں ہندوستان میں آیا اور مشائخ کرام کی زیارت کی اور تلاش کیا تو جو صورت میرے دل میں تھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی شکل و صورت بعینہ اسی طرح کی تھی۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ وہی ہیں۔

(۲۰)

مذکورہ بالا کرامت سے بھی بہتر خواب وہ ہے جو حضرت امیر کبیر حضرت محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا۔ آپ نے خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ان کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے فرمایا اے ابو بکر! میرے بیٹے محمد نعمان کو کہہ دو کہ جو شیخ احمد سرہندی کا مقبول ہے وہ میرے ہاں مقبول ہے اور جو میرے ہاں مقبول ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقبول ہے۔ اور جو شخص شیخ احمد کا مردود ہے وہ میرا مردود ہے اور جو میرا مردود ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مردود ہے۔

حضرت میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دل میں کہا خدا کی حمد ہے کہ میں اپنے شیخ کے ہاں مقبول ہوں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر مذکور کو فرمایا تم ایسے ہی ہو۔

(۲۱)

آپ نے فرمایا میں نے خواب میں ایک بہت بڑا باغ دیکھا جو بہت بلندی پر واقع تھا۔ دنیا میں اس جیسا باغ دکھائی نہیں دیتا۔ گویا تمام جہاں اس میں سمائے ہوئے ہیں۔ سب لوگ اوپر کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اوپر ایک امیر ہے جو لوگوں کو جو چاہے کرنے کا حکم دیتا ہے اور جس سے چاہے منع کرتا ہے۔ غرض مند لوگ اس کا انتظار کر رہے ہیں اور اس کی طرف جھانک رہے ہیں۔ وہ امیر صرف ایک کلمہ کہتا ہے ساری مخلوق اس سے مطالب اخذ کرتی ہے اور سارے مقاصد کو سمجھتی ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے۔ اوپر دیکھا تو مجھ پر عیاں کیا گیا کہ یہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(۲۲)

ہم نے اپنی کتاب ”البرہان الجلی فی الذکر الخفی“ میں لکھا کہ آپ حضرت امیر مرتضیٰ خان بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر تشریف لائے۔ بہت دیر تک اس کے پاس تشریف فرما رہے۔ جب آپ وہاں سے اٹھے تو آپ سے ان کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا ان کی روح محبوس، زیر محاسبہ اور عتاب زدہ تھی۔ میں نے اس حالت کو دور کرنے کیلئے توجہ کی۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عاجزی کی۔ یہاں تک وہ آزاد ہو گئی اور اسے رہا کر دیا گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سنگیوں میں ایک امیر لاہور آیا وہاں اس کی ملاقات ایک نیکوکار قابل اعتماد شخص سے ہوئی جو حضرت مرتضیٰ خان رحمۃ اللہ علیہ کی سرگذشت یوں سنا رہا تھا کہ میں جناب نواب مرتضیٰ خان رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھی تھا۔ ہم دونوں کے درمیان ایک معاہدہ تھا کہ ہم میں جو پہلے وفات پائے گا وہ دوسرے کو خواب میں اپنا حال بتائے گا۔ وہ مجھ سے پہلے چل بے میں ہر رات کو طہارت کرتا ان کے ایصالِ ثواب کیلئے نماز نفل پڑھتا اور استغفار کیا کرتا تھا لیکن خواب میں مجھے کچھ نظر نہ آتا۔ دو سال کے بعد ایک رات میں سو رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ وہ فرحان و شاداں میرے پاس آئے ان کی حالت ایسی تھی گویا بہت بڑی قید سے رہائی پا کر آئے ہوں۔ میں نے دریافت کیا تمہارا کیا حال رہا۔ اس وعدہ کے باوجود آپ کیوں اس سے پہلے نہ آسکے۔ اس نے کہا بھائی! میں آج تک قید میں زیر محاسبہ تھا۔ جونہی میں نے رہائی پائی میں جلدی سے تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ میری رہائی کا باعث یہ ہوا کہ حضرت شیخ احمد سرہندی آج میرے پاس (قبر پر) تشریف لائے۔ وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کے دربار میں عاجزی سے دُعا مانگتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رہا فرما دیا اب میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے سنگی نے کہا میں نے اس سے اس خواب کی تاریخ دریافت کی تو وہ وہی دن تھا جب آپ رحمۃ علیہ نواب مرتضیٰ خان رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر تشریف فرما ہوئے تھے۔ میں (حضرت شیخ عبدالاحد وحدت صاحب البرہان الجلی رحمۃ اللہ علیہ) اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔ سچی بات کے بارے میں اللہ تعالیٰ

بہتر جانتا ہے۔ تمام احوال میں اسی سے بخشش طلب کی جاتی ہے۔ درود و سلام مخلوق میں سب سے افضل ہستی پر ہو۔

(۲۳)

آپ قدس سرہ العزیز کی سوانح حیات میں ہے کہ آپ نے ایک روز فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ میری عمر کے سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے سالوں جتنے ہوں گے۔ جب وہ وقت قریب آیا تو آپ کی اللہ تعالیٰ کی جانب توجہ اور مخلوق سے قطع تعلقی پہلے کی نسبت زیادہ ہو گئی۔ آپ نے خلوت اختیار کر لی۔

(۲۴)

شب برات میں آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا یہ وہ رات ہے جب کہ بعض لوگوں کے نام زندہ لوگوں کے رجسٹر سے مٹا دیئے جائیں گے اور دوسرے لوگوں کے نام وہاں لکھ دیئے جائیں گے۔ تو آپ قدس سرہ نے جواب میں فرمایا اس شخص کا کیا حال ہوگا جو لوح محفوظ کو دیکھ رہا ہے۔ اور اسے نظر آ رہا ہے کہ میرا نام زندہ لوگوں کے رجسٹر سے مٹا دیا گیا ہے۔ اس سے آپ اپنی ذات والا صفات مراد لے رہے تھے۔ اگلی شب برات کی آمد سے قبل ہی آپ نے وصال فرمایا۔

اس کے بعد آپ نے اس کی صراحت بھی فرمادی۔ اور فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہر بار سے مجھے بہت بڑی بشارات دی گئیں۔ بہت عظیم عنایات عطا ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثت میں مجھے مقام شفاعت سے مشرف کیا گیا۔ میرے لئے خوشنودی کا شاہی فرمان اور پروانہ تحریر کر دیا گیا جس میں بہت سے اعزازات اور کرامات مندرج ہیں۔ اس شاہانہ پروانہ کا تعلق آخرت سے ہے جو دنیوی شاہی فرمان کے بدلے میں ہے۔ اس پر آپ نے اپنے سنگیوں اور گہروں کو الوداع کہہ دیا۔ اپنی اولاد کرام کو شریعت مطہرہ اور اتباع نبوی کو لازم پکڑنے کی وصیت فرمائی۔ انہیں ایسے امور کی وصیت فرمائی

جو متقی لوگوں کے لائق اور مناسب حال ہوتے ہیں ان میں سب سے آخری وصیت وہ ہے جو آپ نے اپنے ہر دو سجادہ نشین حضرات یعنی امت کے افراد کے سردار خازن الرحمۃ حضرت شیخ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ اور قطب العالمین امام العارفین حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کو فرمائی۔ حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر ایک کتاب کا نام اللطائف المدنیہ ہے اور حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کمالات پر یواقیت الحرمین ہے۔ آپ نے ان دونوں کو وصیت فرمائی کہ اگر تم پر کوئی ایسا راز عیاں کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کے مطابق ہو تو وہ نور اور ہدایت ہے۔ اگر ان دونوں کے خلاف ہو تو وہ تاریکی اور گمراہی ہے۔ اس کے قریب جانے کا قصد بھی نہ کرو۔ اگرچہ وہ صبح تاباں کی مانند ہو۔

میں کہتا ہوں آپ قدس سرہ العزیز کا یہ ارشاد شریعت مطہرہ کے ادب اور حکم الہی کے سامنے عاجزی اختیار کرنے کیلئے ہے۔ ورنہ ان حضرات گرامی قدر کے مکاشفات کا کتاب و سنت کے مخالف ہونا ممکن ہی نہیں۔

آپ کا انتقال تریسٹھ برس کی عمر میں متگل کے روز اٹھائیس صفر المظفر ۱۰۳۲ھ ہجری کو ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر مبارک کو منور رکھے۔ لوگوں نے آپ کے انتقال کے وقت اس سے پہلے اور بعد میں بہت سی عظیم نشانیاں اور کرامات دیکھیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(۱)

آپ قدس سرہ العزیز نے ایک روز گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا میں نے اس جگہ کعبہ معظمہ کے نور کی مانند ایک بہت عظیم الشان چمکتا ہوا نور دیکھا ہے۔ جس کے باعث مجھے حیرانی ہوئی۔ اس پر ندا آئی کہ یہ آپ کے قلب مبارک کے انوار سے ہے یہاں اس لئے ودیعت کیا ہے تاکہ تمہاری قبر اس جگہ میں ہو۔ جب آپ کا وصال مبارک ہوا لوگ جمع ہوئے اور آپ کی قبر انور کی جگہ کے

بارے میں بات چیت کرنے لگے۔ اس بات پر اتفاق ہوا کہ آپ کی قبر مسجد کے قریب ہو چناں چہ ایسا ہی ہوا اتفاق سے یہ جگہ وہی تھی جو آپ نے اپنے وصال مبارک سے دس سال قبل متعین فرمائی تھی۔

(۲)

جب آپ کو دفن کیا جا چکا تو اس روز آسمان کے اطراف انتہائی سرخ رنگت کے ہو گئے۔

(۳)

آپ رضی اللہ عنہ کبھی کبھی صبح کے وقت یارات کو اپنی قبر سے باہر تشریف لے آتے۔ بعض لوگ آپ کی زیارت کرتے، اور انتہائی تعجب کی بات یہ ہے کہ کبھی آپ نماز کی صف میں شامل ہو جاتے۔ لوگوں کے ذہنوں سے یہ بات محو ہو جاتی کہ آپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ جب جماعت ہو چکتی لوگ متنبہ ہوتے آپ کی طرف جلدی جلدی آتے لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نظروں سے غائب ہو چکے ہوتے۔

(۴)

حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے بڑے صاحب زادے خازن الرحمۃ حضرت شیخ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں رات کو آپ کے مزار شریف کے قریب ایک حجرہ میں رہا کرتا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کئی راتوں کو اپنی قبر انور سے باہر تشریف لاتے۔ گھر کے صحن میں چکر لگاتے۔ قرآن مجید باواز بلند تلاوت فرماتے۔ میں ادب کے باعث آپ سے تعرض نہ کرتا۔

ایک رات میں وہیں تھا۔ آپ اپنے مزار اقدس سے باہر آئے۔ میری طرف رخ فرمایا میرے حجرہ میں تشریف لے آئے میں آپ کو وہاں پا کر کھڑا ہو گیا آپ نے مجھے اپنی گود میں لیا۔ مجھے کھینچا اور بھینچا پھر آپ چلے گئے۔ اور اپنی جگہ پر تشریف لے گئے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے۔

آپ کے وصال پر آپ مریدین اور سنگیوں نے فارسی اور عربی نظم اور نثر میں دو سو سے زیادہ

تاریخی مادے استخراج کئے ہیں۔ جن میں سے دس درج ذیل ہیں۔

- | | | | |
|-----|--------------------------------|----|----------------------|
| ۱۔ | مرآت جمال اللہ | ۲۔ | اکبر آیۃ من آیات ربہ |
| ۳۔ | رفیع المناقب | ۴۔ | باعث نجات ابد |
| ۵۔ | اکمل الافاضل | ۶۔ | ہواشرف العالمین |
| ۷۔ | الموت جسری وصل الحیب الی الحیب | | |
| ۸۔ | العارف الذی وہب لہ ربہ | ۹۔ | وارث الرسول |
| ۱۰۔ | خیر المناقب | | |



باب ہفتم

چند ارشادات مبارکہ

ان ارشادات میں سے بعض کو (فارسی سے عربی زبان میں ترجمہ کئے بغیر) اپنی اصلی حالت میں درج کیا ہے۔ جب کہ بعض کا عربی میں ترجمہ کر کے شامل کتاب کیا ہے۔

(۱)

پہلے عنایت الہیہ نے مجھے مراد افراد کی مانند اپنی طرف کھینچا۔ پھر سلوک کی منازل میرے لئے آسان کیں۔ پہلے پہل میں نے اللہ تعالیٰ کو اشیاء کا عین پایا۔ پھر اسے اشیاء میں حلول اور سریان کے بغیر پایا۔ اس کے بعد اشیاء کے ساتھ معیت ذاتیہ سے متصف پایا۔ زان بعد اشیاء کے بعد پھر ان سے پہلے پایا۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کو (بصیرت کی آنکھ سے) دیکھا اور کسی شے کو نہ دیکھا۔ توحید شہودی کا یہی مفہوم ہے۔ اس کیفیت کو فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ ولایت کے میدان میں رکھا جانے والا پہلا قدم ہے۔ اور سب سے پہلا کمال ہے جو آغاز میں حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ رویت، مراتب مذکور سے کسی مرتبہ میں ہو پہلے آفاق میں پھر نفس میں حاصل ہوتی ہے۔

پھر میں نے بقا کی جانب ترقی کی جو ولایت کے میدان میں دوسرا قدم ہے۔ پھر میں نے اشیاء کو ثابت پایا اللہ تعالیٰ کو ان کا عین بلکہ اپنی ذات کا عین پایا۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کو اشیاء میں بلکہ اپنی ذات میں پایا۔ اس کے بعد میں نے اسے اشیاء کے بعد بلکہ اپنے نفس کے بعد پایا۔ زان بعد میں نے اشیاء کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کو بالکل نہ دیکھا یہ وہ نہایت ہے جہاں سے بدایت کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اور عوام کے مرتبہ کی جانب واپسی ہوتی ہے۔ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کا یہ سب سے کامل مقام ارشاد تکمیل کی سب سے کامل منزل اور مخلوق کے ساتھ کامل ترین مناسبت ہے جو کمال افادہ اور استفادہ کا تقاضا

کرتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے وہ اس سے نوازتا ہے اللہ تعالیٰ بڑا احسان فرمانے والا ہے۔ تمام مذکورہ احوال اور اوپر درج تمام کمالات مجھے حاصل ہیں۔ بلکہ ہر حال اور ہر کمال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مجھ تک پہنچا ہے۔

(۲)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

ان الله يبعث على راس كل مائة سنة من هذه الامة من يجدد لها دينها۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے سرے پر اس امت میں ایسی شخصیت کو مبعوث فرماتا ہے جو اس کیلئے اس کے دین کی تجدید کرتا ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے الہام فرمایا ہے کہ تم گیارہویں صدی میں مبعوث ہونے والے مجدد ہو۔ اور مجھ پر یہ بات عیاں کی گئی ہے کہ تم مجدد الف ثانی ہو۔ یعنی تم ایسی شخصیت ہو کہ قیامت تک جو آئے گا اس کو بارگاہ صمدیت سے فیض تمہارے واسطے سے پہنچے گا۔ اگرچہ وہ قطب ہوں، اوتاد ہوں یا ابدال ہوں۔ انہیں اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ دو شخصوں کے علاوہ ہر کوئی اسی کے وسیلہ سے واصل باللہ ہوگا۔ اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صاحب نبوت ہیں اور طریق نبوت میں واسطہ نہیں ہوتا۔ اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا وصول بھی نبوت کی راہ سے ہوگا نہ کہ ولایت کی راہ سے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

(۳)

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام نازل ہو۔

اسے سچے دوست! یہ جان لو کہ کسی بشر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کلام کبھی روبرو ہوتا ہے کلام کی یہ کیفیت انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے ہوتی ہے۔ اور کبھی یہ کلام ان کے کامل قابعین کے ساتھ تبعیت اور

وراثت کے باعث بھی ہوتا ہے۔ جب کسی سے اس قسم کا کلام کثرت سے ہو تو اسے مُحَدَّث کہتے ہیں جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ہوتا تھا۔ یہ کلام، الہام اور دل میں القاء کرنے اور فرشتے کے ساتھ کلام کے علاوہ ہوتا ہے۔ اس کلام سے صرف کسی کامل انسان کو مخاطب کیا جاتا ہے جو عالم امر و خلق، روح و نفس اور عقل و خیال کا جامع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جسے چاہے مختص فرماتا ہے اللہ تعالیٰ بڑا احسان فرمانے والا ہے۔

روبرو کلام سے یہ لازم نہیں آتا کہ کلام کرنے والا، کلام سننے والے کو دکھائی بھی دے کیوں کہ ممکن ہے اس کی نظر کمزور ہو۔ جو اس کے انوار کے حسن کی تاب نہ رکھتی ہو۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رویت باری تعالیٰ کے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا ایک نور ہے جو میں دیکھتا ہوں۔ نیز روبرو ہونے کی صورت میں شہودی حجابات اٹھ جاتے ہیں نہ کہ وجودی پردے۔ اسے سمجھ لو۔ کیوں کہ یہ بہت عظیم الشان معرفت ہے۔ شاذ و نادر ہی کسی نے اس کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ہدایت کی اتباع کرنے والوں پر سلام ہو۔

(۴)

حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشائخ کرام میں سے ہر کسی کے آئینہ کی دو جہتیں ہیں۔ لیکن میرے آئینہ کی چھ جہتیں ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد مبارک کی وضاحت اس خاندان عالیہ کے خلفاء میں کسی نے یقیناً نہیں کی۔ بلکہ رنزا اور اشارہ سے بھی اس بارے میں گفتگو نہیں کی۔ اس فقیر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس کی شرح کرے یا اس کی توضیح میں زبان کھول سکے۔ لیکن چوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے اس معما کو اس فقیر حقیر پر واضح کیا ہے اور اس کی حقیقت کو کما حقہ ظاہر کیا ہے۔ اس پاک ذات نے میرے دل میں القاء کیا کہ اس چھپے ہوئے موتی کو وضاحت کے پوروں سے تحریر کی لڑی میں پرودے۔ اور ترجمانی کی زبان کے ساتھ اس کی تقریر کرے۔ استخارہ کرنے کے بعد میں نے اسے

شروع کیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے عصمت اور توفیق کا سوال ہے۔

جاننا چاہیے کہ آئینہ سے مراد عارف کا قلب ہے جو روح اور نفس کے درمیان برزخ ہے اور دو جہتوں سے مراد روح اور نفس کی جہتیں ہیں۔ مقام قلب تک رسائی کے وقت باقی مشائخ کرام پر یہ دونوں جہتیں منکشف ہو جاتی ہیں اور ان پر دو مقامات کے علوم و معارف جو قلب کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں ان پر نازل ہونے لگتے ہیں۔ اس کے برعکس حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جس طریقہ سے ممتاز فرمایا ہے۔ ان کے اس مقام میں نہایت ہدایت میں شامل ہے۔ اس طریقہ میں قلب کے آئینہ میں چھ جہات ظاہر ہو جاتی ہیں۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس سلسلہ عالیہ کے بزرگوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت عیاں فرمادی ہے کہ انسانوں کے تمام افراد ہیں جو چھ لطائف یعنی نفس، قلب، روح، سر، خفی اور اخفی پائے جاتے ہیں۔ اکیلے قلب میں بھی پائے جاتے ہیں۔ چھ جہات سے آپ کی مراد یہ چھ لطائف ہیں۔ باقی مشائخ کرام کی سیر قلب کے ظاہر ہوتی ہے لیکن ہمارے ان مشائخ کرام کی سیر قلب کے باطن میں ہوتی ہے۔ اس سیر کے باعث وہ ابطن بطون تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ ان چھ لطائف کے علوم و معارف ان پر مقام قلب میں ہی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ علوم صرف وہ ہوتے ہیں جن کو مقام قلب سے مناسبت ہوتی ہے۔ حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد مبارکہ کی وضاحت یہ تھی۔

اس فقیر پر مشائخ کرام کی برکت سے بہت زیادہ انکشاف ہوئے اور تحقیق کے بعد توفیق کا

مرتبہ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واما بنعمة ربك فحدث۔

ترجمہ: رب تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کرو۔

اس آیت مبارکہ کے حکم کے مطابق اس مزید انکشاف سے ایک رمز اور اس توفیق سے ایک

اشارہ کا ذکر کرتا ہوں۔ حفاظت اور توفیق اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح قلب پر چھ لطائف کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہوتا ہے اسی طرح قلب قلب بھی ان لطائف کو متضمن ہوتا ہے۔ لیکن قلب قلب میں دائرہ کی تنگی یا کسی دوسرے راز کی بدولت ان چھ لطائف میں دو لطیفے یعنی لطیفہ نفس اور لطیفہ اخفی جزئیت کے انداز میں ظاہر نہیں ہوتے۔ مرتبہ ثالثہ میں بھی قلب کا یہی حال ہوتا ہے لیکن اس مرتبہ میں لطیفہ خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ مرتبہ رابعہ میں بھی قلب کا یہی حال ہوتا ہے لیکن اس مرتبہ میں لطیفہ سر ظاہر نہیں ہوتا۔ مرتبہ خاصہ میں لطیفہ روح بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اس مرتبہ میں قلب محض اور بسیط رہ جاتا ہے۔ اس میں کسی اور شے کا اعتبار نہیں ہوتا۔ یہاں بعض معارف عالیہ کو جاننا ضروری ہے تاکہ ان معارف کی بدولت النہایت النہایت اور غایۃ الغایۃ تک رسائی حاصل کی جاسکے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عطا فرمودہ توفیق سے میں کہتا ہوں کہ جو کچھ عالم کبیر میں تفصیل کے ساتھ ظاہر ہے وہ سب کچھ عالم صغیر میں اجمالی انداز میں ظاہر ہے۔ عالم صغیر سے مراد انسان ہے۔ لہذا جب عالم صغیر کا زنگ اتار کر اسے روشن اور پر نور کر دیا جائے تو اس میں آئینہ کی مانند وہ تمام اشیاء عیاں ہو جاتی ہیں جو عالم کبیر میں تفصیل کے ساتھ پائی جاتی ہیں کیوں کہ زنگ اترنے اور پر نور ہو جانے کے باعث اس کا ظرف وسیع ہو جاتا ہے۔ اور اس کے کوتاہ ہونے کا حکم زائل ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت قلب کی ہے۔ جس کی نسبت عالم صغیر سے اس جیسی ہے جیسی عالم صغیر کہ جمال اور تفصیل میں عالم کبیر کے ساتھ ہے۔ لہذا جب عالم اصغر یعنی عالم قلب صیقل ہو جاتا ہے۔ تو اس پر چھائی ہوئی تاریکی چھٹ جاتی ہے اس میں آئینہ کی طرح تمام چیزیں جو عالم صغیر میں تفصیل کے ساتھ موجود ہوتی ہیں عیاں ہو جاتی ہیں۔ قلب کی نسبت قلب القلب میں بھی جمال اور تفصیل کے اعتبار سے یہی حال ہے۔ اس میں تفصیل کا ظہور ہو جاتا ہے اگرچہ یہ مجمل ہوتا ہے۔ اجمال اور تفصیل میں تیسرے مرتبے اور چوتھے مرتبہ میں اسی قیاس کے مطابق ہوتا ہے۔ (یعنی درجہ سوم میں تفصیل اور اس سے اگلے درجہ یعنی چوتھے درجہ میں اجمال ہوتا ہے) مراتب

سابقہ میں موجود تفصیل کا ظہور ان دو مراتب میں صقالت اور نورانیت کے باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح قلب کا پانچواں درجہ بسیط ہوتا ہے اور اس میں کسی اور چیز کا اعتبار نہیں ہوتا اس میں بھی کامل تصفیہ کے بعد وہ تمام اشیاء ظاہر ہو جاتی ہیں جو تمام عوالم یعنی عالم کبیر، عالم صغیر اور عالم اصغر میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ لہذا اس پانچویں درجے میں قلب تنگ ہونے کے باوجود وسعت رکھتا ہے۔ وسیع ہونے کے ساتھ مزید وسعتوں کا حامل ہوتا ہے۔ قلیل تر ہونے کے باوجود کثیر تر ہوتا ہے۔ چیزوں میں کوئی اور چیز اس کیفیت کے ساتھ پیدا نہیں ہوئی۔ اس عجیب و غریب لطیفہ کے علاوہ کوئی اور شے ایسی موجود نہیں جو اس کے خالق جل و علا کے ساتھ اس سے بڑھ کر مناسبت رکھتی ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس میں اس کے خالق سبحانہ و تعالیٰ کی عجیب و غریب نشانیاں ظاہر ہیں جو اس کی کسی اور مخلوق میں نہیں۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے اس حدیث قدس میں فرمایا۔

لا یسعی ارضی ولا سمانی لکن یسعی قلب العبد لمومن۔

ترجمہ: میں نہ اپنی زمین میں سماتا ہوں اور نہ اپنے آسمان میں۔ لیکن میں صاحب ایمان بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔

عالم کبیر اگرچہ ظہور کے اعتبار سے آئینوں میں سب سے وسیع آئینہ ہے۔ لیکن اسے اپنی کثرت اور تفصیل کی بدولت ذات باری تعالیٰ سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جس میں نہ کوئی کثرت پائی جاتی ہے اور نہ ہی کوئی تفصیل۔ اس کی ذات کی مناسبت کے لائق جیسا کہ عیاں ہے وہی شے ہو سکتی ہے جو تنگ ہونے کے باوجود وسیع تر ہو۔ بسیط ہوتے ہوئے اس میں بہت زیادہ وسعت ہو۔ قلیل تر ہونے کے باوجود اس میں بہت زیادہ کثرت بھی موجود ہو۔ جب کوئی عارف جس کو کامل تر معرفت حاصل ہو اور جس کا شہود مکمل تر ہو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کا وجود بہت نادر اور جس کا مرتبہ بہت شرافت و عظمت والا ہے تو وہ عارف سارے جہانوں اور تمام ظہورات کا قلب بن جاتا ہے۔ ایسا عارف ہی ولایت محمدیہ سے متحقق اور دعوت

مصطفویہ سے مشرف ہوتا ہے چنانچہ (باقی اولیائے کرام یعنی) اقطاب، ابدال اور اوتاد اس کی ولایت کے دائرہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور افراد، اجناد اور اولیائے کرام کے باقی گروہ اس کی ہدایت کے انوار کے تحت داخل ہوتے ہیں۔ کیوں کہ وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور اللہ تعالیٰ کے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے مزین ہوتا ہے۔ اس عظیم نسبت کا وجود بہت نادر ہے مرادین سے کسی کسی کے ساتھ یہ مخصوص ہوتی ہے۔ مریدین کیلئے اس کمال سے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ یہ عظمت والی غایت اور سب سے آخری انتہا ہے جس سے بالاتر کوئی اور کمال نہیں اور نہ اس سے بڑھ کر اور کوئی عطیہ ہے۔ اگر ان صفات کا حامل کوئی عارف ہزاروں سال کے بعد بھی پایا جائے تو اس کا وجود غنیمت شمار ہوگا۔ اس کی برکتیں طویل زمانوں اور دراز مدتوں تک جاری و ساری رہتی ہیں۔ ایسی ہستی کا کلام دوا اور نظر شفا ہوتی ہے۔ اس بہترین امت سے حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ اسی نسبت شریفہ سے مزین ہو کر عنقریب موجود ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا احسان فرمانے والا ہے۔

اس سب سے بڑی نعمت کا حصول، جذبہ اور سلوک ہر دو طریق کی تفصیل یعنی ایک ایک کر کے تمام مراتب کی تکمیل اور ایک ایک کر کے تمام درجات کی بقائے اکمل اور فنائے اکمل کے اکمال سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ (مراتب و مقامات کی تکمیل) حضرت سید المرسلین اور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کے بغیر میسر نہیں آسکتی۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ہم کو ان کی اتباع کرنے والوں سے بنایا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں آپ کی کامل اتباع، اس پر ثابت قدمی اور آپ کی شریعت مطہرہ پر استقامت نصیب کرے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جو ہماری اس دُعا پر آمین کہے۔ یہ معارف ایسے دقیق اسرار اور خاص اشارات سے ہیں جن کے بارے میں اکابر اولیائے کرام میں کسی نے لب کشائی نہیں فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں کسی نے ان کی طرف اشارہ تک نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو ان اسرار اور ان کے اظہار کیلئے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل منتخب فرما

لیا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اگر پادشہ برادر پیرزن

بیاید تو اے خواجہ سہلت مکن

ترجمہ

اگر بڑھیا کے دروازے پر آئے سلطان

تو اے حاکم نہ ہو ہرگز پریشاں

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کسی علت یا کسی سبب سے وابستہ اور متعلق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے اور جیسا چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ اس کی بہترین مخلوق حضرت محمد مصطفیٰ اور آپ کی آل پاک، تمام انبیاء و مرسلین، ملائکہ مقربین اور اللہ تعالیٰ کے تمام بندگان صالحین پر درود و سلام اور برکت کا نزول ہوتا رہے۔ ہدایت کی اتباع کرنے والے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو پختہ طریقہ سے اپنانے والے پر سلام ہو۔

(۵)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر عیاں فرمایا ہے کہ ہندوستان میں انبیاء و رسل مبعوث ہوئے ہیں اس نے مجھے ان کے اسمائے گرامی، مقامات اور دیہات جن میں ان کی بعثت ہوئی اور ان کی قبروں کا علم عطا کیا ہے۔ مجھے ان کی قبروں پر چمکتے نور دکھائی دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے ان پر ایمان قبول کیا، ان کے مقامات اور درجات مجھ پر منکشف کر دیئے گئے ہیں۔ اگر میں چاہوں تو ان سب چیزوں کو ذکر کروں۔ جتنے نبی یہاں مبعوث ہوئے ان میں سے کوئی نبی ایسا نہیں جس پر تین سے زیادہ لوگ ایمان لائے ہوں۔ کچھ نبی ایسے ہیں جن پر ایک شخص ایمان لایا کچھ رسول ایسے ہیں جن پر دو، کچھ ایسے ہیں جن پر تین اور کچھ ایسے ہیں جن

پر ان کے وصال فرما جانے تک کوئی شخص ایمان نہ لایا۔

(۶)

ان دنوں عرش مجید سے اوپر عروج کثرت سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ پہلے پہل جب عرش سے اوپر عروج حاصل ہوا اور میں نے یہ سفر طے کیا تو جنتِ خلد کو اس کے نیچے دیکھا۔ دل میں آیا کہ وہاں میں لوگوں کے مقامات تو دیکھ لوں۔ بعض لوگوں کے مقامات مجھ پر منکشف ہوئے۔ میں نے ذوق اور شوق کے اعتبار سے نیز مرتبے اور جگہ کے لحاظ سے ان کو مختلف مقامات پر دیکھا ایک اور مرتبہ مجھ پر مشائخ کرام، اہل بیت عظام، خلفائے راشدین، حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات وہاں یعنی عرش مجید سے اوپر منکشف ہوئے۔ اسی طرح تمام انبیائے کرام اور ملاءِ اعلیٰ کے مقامات اس کے اوپر، ان کے درجات کے لحاظ سے مجھ پر عیاں ہوئے۔ جب عرش مجید سے اوپر مجھے عروج نصیب ہوا اور میں نے زمین کے مرکز سے لے کر عرش تک مسافت کر لی تو میں نے وہاں حضرت خواجہ شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا مقام دیکھا آپ کے مقام سے تھوڑا سا اوپر بعض مشائخ کے مقامات ملاحظہ کئے ان میں حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ ابوسعید خزار رحمۃ اللہ علیہ شامل تھے۔ بعض مشائخ کرام کو آپ کے مقام میں دیکھا باقی مشائخ کرام کے مقامات اس سے نیچے اور بعض کے اسی مقام پر تھے۔ اس مقام کے نیچے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ اور شیخ علاؤ الدولہ رحمۃ اللہ علیہما تھے۔ اس مقام سے اوپر حضرات ائمہ اہل بیت کا مقام تھا۔ اس سے بلندی پر حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مقام تھا۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے مقامات اور ان سے اوپر ایک جانب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تھا۔ اسی طرح عالی مرتبت فرشتوں کے مقامات دوسری جہتوں میں تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے ارفع و اعلیٰ تھا۔ جب کبھی میں اس عروج کی خواہش کرتا ہوں تو یہ مجھے میسر آ جاتا ہے اور کبھی یہ ارادے کے بغیر بھی نصیب ہو جاتا ہے۔

(۷)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واما بنعمة ربك فحدث (واضحیٰ - ۱۱)

ترجمہ: اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرو۔

ایک روز میں اپنے احباب طریقت کے حلقہ میں تھا۔ میرے دل پر کوتاہی اور نقص کا اس حد تک غلبہ تھا کہ میں گمان کرنے لگا کہ اہل کمال اور ارباب حال کے ساتھ مجھے کچھ مناسبت حاصل نہیں۔ میں اسی حال میں تھا کہ میرے باطن میں آواز دی گئی کہ میں نے آپ کو بخش دیا اور قیامت تک ہونے والے ان لوگوں کو بھی بخشش سے نواز دیا جنہوں نے میری بارگاہ میں آپ کا وسیلہ کسی واسطہ سے یا کسی واسطہ کے بغیر اختیار کیا۔ اس نداء کو تکرار کے ساتھ اتنی بار دہرایا گیا کہ شک کی کوئی مجال نہ رہی۔ اس انعام ربانی کے حصول پر اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ حمد ہے۔ ایسی حمد جو پاکیزہ اور برکت والی ہو جیسی ہمارا پروردگار پسند کرتا ہے اور راضی ہوتا ہے۔ اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی آل پر درود و سلام ہو جیسا کہ مناسب ہے۔ پھر مجھے حکم دیا گیا کہ اس مکاشفہ کا اظہار کروں۔ بیشک اللہ تعالیٰ وسیع بخشش والا ہے۔

(۸)

جب میں سلسلہ مشائخ نقشبندیہ قدست ارواہم میں اپنے شیخ (حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ) کی صحبت سے مشرف ہوا آپ کی توجہ کی برکت سے وہ جذبہ جو صفت قیومت میں فنا کے بعد حاصل ہوتا ہے، مجھے حاصل ہو گیا۔ اندراج النہایت فی البدایت سے شرف یاب ہوا جو اس سلسلہ عالیہ کے خصائص میں سے ہے۔ پھر یہ جذبہ پختہ ہو گیا اور مجھے سلوک کی منزلیں حاصل ہوئیں۔ میں نہایت تک پہنچ گیا یعنی حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد سے اس اسم سے واصل ہو گیا جو اس کا مربی یعنی پرورش کنندہ ہے۔ اس مقام سے پھر قابلیت اولیٰ تک ترقی نصیب ہوئی۔ جس سے مراد حقیقت محمدیہ ہے۔

یہ ترقی حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی مدد سے حاصل ہوئی۔ پھر اس مقام سے اُس مقام تک ترقی نصیب ہوئی جو اس قابلیت کا اجمال ہے۔ یہ اقطاب محمدیہ کا مقام ہے۔ یہ عروج اور ترقی حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی مدد سے نصیب ہوئے اس دوران حضرت خواجہ شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی تھوڑی سی مدد بھی شامل حال رہی۔ جو اپنے زمانہ کے قطب ارشاد تھے۔ جب میں اس عالی مقام پر پہنچا تو بارگاہ نبوی سے مجھے قطب ہونے کی خلعت عطا کی گئی۔ اور اس منصب سے میں شرف یاب ہوا۔ اس کے بعد مجھے عنایت الہیہ نے اپنی طرف کھینچا تو مجھے مقام اصل تک عروج حاصل ہوا جو ظل سے ملا ہوا تھا۔ یہ مقام اقطاب کے مقام سے بالا ہے اور افراد کے ساتھ مختص ہے یہاں پر مجھے فنا اور بقا حاصل ہوئی۔ پھر عنایت صمدی میرے شامل حال ہوئی۔ اس نے مجھے خاص اصل تک پہنچا دیا۔ اس عروج کے دوران غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی جانب سے بہت زیادہ مدد اور قوی تصرف نصیب ہوا جس کی بدولت میں اصل الاصل کے مقام تک پہنچا۔ وہاں سے دنیا کی طرف نزول ہوا۔ نزول کے وقت جسے سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے میرا گذر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اور قادریہ کے علاوہ دوسرے سلاسل جیسے کہ سلاسل چشتیہ اور کبرویہ کے مشائخ کرام کے مقامات پر بھی ہوا۔ انہوں نے بڑے اعزاز اور اکرام سے میرا استقبال فرمایا۔ اور اپنی نسبتوں کی نفاستیں نیز اپنے احوال کے خصائص مجھ کو القا کئے۔ ان کے حقائق اور ان کے درجات کا آپس میں فرق مجھ پر منکشف ہوا۔ مذکورہ بالا اقطاب کے مقام تک وصول سے قبل حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت سے مجھے دینی علوم حاصل ہوئے۔ اس مقام پر رسائی کے بعد ان علوم کا حصول مجھے اپنی ذات سے ہوا کسی اور کی مجال نہ تھی کہ عارف اور معروف کے درمیان دخل دے۔ یہ سب کچھ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور ان کی وراثت کی بدولت ہوا۔

(۹)

آپ قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر ہمارے سلسلہ میں قیامت تک داخل ہونے والے مردوں عورتوں کے نام، ان کے نسب اور ان کی رہائش کے مقامات منکشف فرمادیئے ہیں اگر میں چاہوں تو ان سب کا ذکر کر سکتا ہوں۔

(۱۰)

آپ قدس سرہ العزیز نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشارق و مغارب مجھ پر یوں منکشف فرمادیئے ہیں جیسا کہ دیکھنے والے کے سامنے پڑا ہوا ایک ورق ہوتا ہے۔

(۱۱)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں کی ہدایت اور گمراہی سے ان کو بچانے کی بہت بڑی قوت عطا فرمائی ہے۔

(۱۲)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے شریعت مطہرہ کو میرے سامنے ایک کاروان کی صورت میں پیش فرمایا جو میرے مکان میں داخل ہو گیا۔ پھر مجھے الہام کیا گیا کہ یہ کاروان قیامت تک تمہارے گھر سے نہ نکلے گا۔

(۱۳)

جب آپ قدس سرہ العزیز اپنے والد ماجد کے قبرستان میں تشریف لے گئے تو وہاں تمام مردوں کی مغفرت کی تمنا کی۔ فرمایا مجھے آواز دی گئی کہ میں نے تمہاری آمد کی بدولت اس قبرستان سے قیامت تک کیلئے عذاب اٹھا دیا ہے۔

(۱۴)

فرمایا ایک روز حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ کو فی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب کے مجتہدین اور بعض

باعظمت اساتذہ مثلاً امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ سمیت ظاہر ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اور ان تمام حاضرین کے انوار میرے باطن میں داخل ہو گئے۔ اور وہ انوار میرے اجزاء بن گئے۔ اس کے تین دن بعد امام کبیر حضرت محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب کے مجتہدین اور اساتذہ کے ہمراہ ظاہر ہوئے۔ ان سب کے انوار میرے اندر داخل ہوئے اور ان کے انوار کو میں نے اپنے اندر یقینی طور پر معلوم کر لیا۔ مجھے آواز دی گئی کہ حق ان سے باہر نہیں ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چھوڑا ہے تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنا لیا ہے۔ اگرچہ چاروں مسالک فقہ حق پر ہیں۔ مجھ پر عیاں ہوا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس معاملہ میں دو تہائی کے مالک ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک تہائی کے آپ نے فرمایا میں حنفی شافعی ہوں۔

(۱۵)

فرمایا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بشارت دی ہے کہ قیامت کے روز تمہاری شفاعت سے ہزاروں لوگوں کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

(۱۶)

فرمایا میں نے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ تحریر کیا۔ معاملہ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے دست اقدس میں وہ رسالہ موجود ہے۔ اور فرما رہے ہیں اس طرح کا عقیدہ ہونا چاہیے۔ بارگاہ نبوی سے مجھے بشارت دی گئی کہ تم علم کلام میں مجتہد ہو۔ اس وقت سے اس علم کے ہر مسئلہ میں میری ایک خاص رائے ہے لیکن وہ رائے تمام مسائل یا اکثر میں علمائے ماترید یہ کے مطابق ہے۔

(۱۷)

فرمایا ایک دن کعبہ شریفہ کی زیارت کے شوق میں بہت اضافہ ہو گیا۔ میں نے اچانک اپنے آپ کو کعبہ معظمہ کے اندر پایا ایک گروہ آیا اور میرا دیدار کرنے لگا۔

(۱۸)

فرمایا مجھ پر منکشف ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جس کے سوا جزاء ہیں ایک جزو کو دنیا میں پھیلا دیا گیا ہے۔ باقی اجزاء کو قیامت کے دن پھیلا یا جائے گا۔ یہ سب اجزاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کے باعث اس روز میرے ہاتھ میں ہوں گے اور میرے حوالہ ہوں گے۔ ان کو اولین و آخرین پر جس طرح اللہ تعالیٰ چاہے گا میرے ہاتھوں سے صرف کیا جائے گا۔

مجھ پر منکشف کیا گیا کہ ان خزانوں کا مخزن اور ان چھپائے ہوئے احوال کی جگہ حرف ہا ہے جو قرآن مجید کے حروف مقطعات میں سے ہے۔ اس کی دو آنکھیں ہیں۔ ایک آنکھ دنیوی رحمت کا معدن ہے تو دوسری آنکھ میں کام آنے والی رحمت کا مرکز۔

مجھ پر قرآن مجید کے تمام حروف مقطعات کے اسرار بھی عیاں کئے گئے ہیں جو کمالات کا مغز اور حقائق و معارف کا خلاصہ ہیں۔ ان معاملات کے مالک صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ لیکن اصحاب ولایت میں سے باکمال لوگوں کیلئے وراثت کے انداز میں حصہ ہے جن کو علمائے راسخین کہا جاتا ہے اور ایسے لوگ کم بلکہ بہت ہی کم ہوتے ہیں۔

(۱۹)

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے الہام فرمایا ہے کہ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے سات درجے ہیں

۱۔ پہلا درجہ: دل کی تصدیق کے بعد اطمینان قلب سے پہلے، جس کا تعلق ولایت کے ساتھ ہوتا ہے، شریعت مطہرہ کے احکام پر عمل کرنا اور سنت مبارکہ پر عمل کرنا۔ علمائے ظاہر عبادت گزار زاہد لوگ جو اطمینان کے مرتبہ تک نہیں پہنچے تمام اہل اسلام متابعت کے اس درجہ میں شریک ہیں۔ اور یہ سب متابعت صوری کے اس درجہ میں برابر ہیں۔ یوں کہ نفس نے اس مقام میں ابھی تک کفر اور انکار سے خلاصی نہیں پائی

ہوتی اس لئے یہ درجہ صورت کے اعتبار سے متابعت کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ اور صورت کی متابعت بھی کامیابی کا باعث اور دوزخ کے عذاب سے نجات دلانے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل مہربانی کے باعث نفس کے انکار کا اعتبار نہیں رکھا صرف دل کی تصدیق کو کافی شمار فرمایا ہے۔

۲۔ دوسرا درجہ: اس درجہ کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات اور افعال کی اتباع سے ہے جن کا تعلق حقیقی بیماریوں، باطنی مرضوں کے ازالہ، بری عادات کے دور کرنے اور اخلاق کے درست کرنے جیسے باطنی امور کے ساتھ ہے۔ اس درجہ کا تعلق طریقت کے مقام سے ہے۔ اور یہ ان سالکین کے ساتھ مخصوص ہے جو شیخ مقتدا سے صوفیہ کا طریقہ اخذ کرتے ہیں۔ اور سیرالی اللہ کے میدانوں اور جنگلوں کی مسافت کو طے کرتے ہیں۔

۳۔ تیسرا درجہ: اس درجے کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اذواق اور مواجیدہ کی پیروی سے ہے جو ولایت خاصہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں یہ درجہ صاحب ولایت کے ساتھ مخصوص ہے خواہ وہ مجذوب سالک ہو یا سالک مجذوب۔

۴۔ چوتھا درجہ: یہ اطمینان نفس اور حقیقی اسلام کا درجہ ہے۔ اس درجہ میں انسان متابعت کی صورت سے نکل آتا ہے اور حقیقی متابعت کے دائرہ میں آجاتا ہے یہ علمائے راہین کا حصہ ہوتا ہے۔ دوسرے درجہ میں اگرچہ تمکن قلب کے بعد اطمینان نفس کا ایک حصہ متحقق ہو جاتا ہے لیکن کمال اطمینان اس درجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ یہ کمالات نبوت کا ثمرہ ہے۔ اس مرتبہ پر فائز ہونے والا عارف قرآن مجید کے حروف مقطعات کے اسرار اور کتاب و سنت کے تشابہات کی تاویل کو سمجھنے سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ یہ گمان ہرگز نہ کریں کہ یہ ”ید“ کی قدرت کے ساتھ، ”وجہ“ کی ذات کے ساتھ وغیرہ تاویلات کی مانند ہے جس میں علم ظاہر کا عمل دخل ہے۔ بلکہ یہ خاص اسرار ہیں۔ جو اصل میں تو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا حصہ ہے لیکن انکی اتباع کے باعث اللہ تعالیٰ صدیقین اور اولیائے کرام میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرما دیتا ہے۔

ولایت کے طریقہ سے اس دولت تک رسائی کسی بھی دوسرے طریقہ کی نسبت زیادہ قریب ہے اور یہ طریق سنت مبارکہ کو لازم پکڑنا اور شریعت میں ناپسندیدہ بدعت سے مکمل اور کلی طور پر پرہیز کرنا ہے۔ اور یہ اس زمانہ میں بہت ہی مشکل ہے کیوں کہ بدعت عام ہو چکی ہے اور لوگ اس میں غلو کرتے ہیں سنت مبارکہ کو چھوڑ چکے ہیں اور اس کا وجود بہت کم پایا جاتا ہے۔

۵۔ پانچواں درجہ: اس درجہ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کمالات میں اتباع ہے جن کے حصول میں علم اور عمل کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ ان کا حصول صرف رب تعالیٰ کے فضل و احسان کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ یہ درجہ بہت اعلیٰ ہے۔ اس درجہ کا ما قبل درجات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اصل میں یہ درجہ اولوالعزم رسل کرام علیہم السلام کا حصہ ہے اور ان کے طفیل بعض اولیائے کرام کا حصہ ہے۔

۶۔ چھٹا درجہ: یہ درجہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کمالات میں اتباع کا ہے جو آپ کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس مرتبہ میں کمالات کے اضافہ کا تعلق صرف محبت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جو فضل اور احسان سے بالاتر ہے۔ یہ درجہ اگرچہ دراصل حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اولیائے کرام میں سے کسی کسی کو اور صدیقین میں سے بہت کم افراد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور تبعیت سے اس سے نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ درجہ اوپر ذکر شدہ درجات سے جدا ہے جن کا تعلق عروج اور بلندی سے ہے۔

۷۔ ساتواں درجہ: متابعت کا یہ درجہ نزول سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ تمام سابقہ درجات کا جامع ہے۔ کیوں کہ اس درجہ میں قلب کی تصدیق، اس کی تسکین، نفس کے اطمینان، اس کے تزکیہ اور جسم کے اجزاء کے اعتدال کے ساتھ ہوتی ہے۔ سابقہ تمام درجات اس درجہ کے اجزاء کی مانند ہیں۔ اور یہ ان تمام کا مجموعہ ہے۔ اس مرتبہ پر فائز ہو کر تابع مقبوع کے یوں مشابہ ہو جاتا ہے کہ دور سے دیکھنے والا خیال کرتا ہے کہ دونوں متحد ہو گئے ہیں۔ ان کے مابین فرق زائل ہو گیا ہے۔

کامل تابع وہ ہے جو ان تمام سات مراتب سے مزین ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی اتباع نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پاک اور تمام ان لوگوں پر درود نازل فرمائے جو ہدایت کی اتباع کریں۔ آپ ﷺ کی اتباع کو مضبوطی سے تھام لیں۔

(۲۰)

فرمایا میں نے ایک دن کھانا تیار کرایا اس کا ثواب اپنے ان بچوں کو بہہ کیا جن کا بچپن میں انتقال ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ فرشتے نعمتوں کے دسترخواں لئے جا رہے ہیں۔ انہیں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں جمع کر رہے ہیں۔ جب وہ ان کو جمع کر چکے تو میرے بچے آئے۔ انہوں نے ان نعمتوں کو حاصل کیا۔ وہ نعمتیں ان کے اجزاء بن گئیں۔ جن سے ان کو قوت اور استعداد حاصل ہو گئی۔ اپنی جنت سے وہ بلندی کی جانب ترقی کرنے لگے۔ اور وہ پہلی جنت کی نسبت کئی مراتب بلند اور اعلیٰ جنت میں داخل ہو گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ دسترخوان تمام اہل اسلام تک پہنچے۔ میں دیکھا کہ مشرق و مغرب میں کسی اہل ایمان مرد اور عورت کی قبر باقی نہ رہی جہاں اس کا حصہ نہ پہنچا ہو۔ اور کوئی جنت ایسی نہ بچی جسے ان دسترخوانوں کے حصہ کے باعث رفعت نہ ملی ہو۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ ان کا کچھ حصہ ملائع اعلیٰ تک پہنچا اور ان میں بھی اسی طرح تقسیم ہوا۔ کیوں کہ میں نے دُعا کے وقت کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کھانے کا ثواب تمام اہل ایمان مردوں، عورتوں اور بلند مرتبت فرشتوں کو پہنچائے۔

(۲۱)

فرمایا احادیث میں وارد ہے کہ قرض دارمیت کی روح اس وقت تک آسمانوں کی طرف پرواز نہیں کرتی جب تک کہ اس کے ذمہ قرض ادا نہ کر دیا جائے۔ مجھے الہام ہوا کہ یہ حکم ان لوگوں کیلئے مخصوص ہے جن کو اس دنیا میں (روحانی) عروج حاصل نہ ہوا ہو۔ لیکن جس شخص کو یہاں عروج نصیب ہوا ہو اور وہ حقیر اور ناکارہ (دنوی) تعلقات سے رہائی حاصل کر چکا ہو۔ اسے عروج سے کوئی ممانعت پیش نہیں آتی۔

(۲۲)

آپ قدس سرہ العزیز نے فرمایا

اللہ رب العزت کی ازلی نعمتوں نے مجھے اپنے حصار میں اس طرح لے لیا کہ اس عالی مرتبت گروہ (اولیاء) کے سلوک کے طریقوں سے کوئی طریقہ اور ان کی منازل سے کوئی منزل ایسی نہ رہی جس میں داخل نہ ہو۔ مجھے الہام کیا گیا کہ نبوت کے منصب کے بغیر نوع انسانی کا کوئی کمال ایسا نہیں جو مجھے عطا نہ کیا گیا ہو۔

(۲۳)

اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے، آپ کی فتوحات اور برکات سارے جہانوں پر عام ہوں

نے فرمایا

وراثت نبوی کے طفیل اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے مقام تک عروج نصیب فرمایا جس کی عظمت و منزلت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ اس مقام کی یہ شان ہے کہ اس کے ایک نقطہ کا مقام تمام دائرہ امکان، یعنی عالم ارواح، عرش، کرسی، لوح، قلم، ساتوں آسمانوں اور زمینوں کے تمام اطراف و جوانب اور ان کے نیچے جو کچھ ہے، سے بڑا اور عظیم تر ہے۔ فرمایا جب اس مرتبہ پر میں پہنچا تو دیکھا تو اس مجلس کے بالائی اور صدر کے مقام پر صاحب قاب قوسین اور ادنیٰ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ آپ کے اطراف و جوانب میں حضرات انبیائے کرام اور رسل عظام رونق افروز ہیں میں نے وہاں بہت ہی کم اولیائے کرام کہ پایا۔ اگر ان کی تعداد بیان کروں تو لوگ حیران رہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عظیم درجہ میں داخل کیا اور وہاں مجھے قرار عطا کیا۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جیسی کہ اس کی شان کے مناسب اور لائق ہوں۔

آٹھواں باب

آپ کے مبارک کلام پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جواب عام لوگ بے سمجھ ہوتے ہیں وہ اول سے لے کر آخر تک جہالت اور حسد کے باعث معزز لوگوں اور مخلوق میں سے خاص افراد کے عیب نکالا کرتے ہیں۔ ان کے حقائق اور معارف کو باطل ٹھہرانے میں اپنی کوششیں صرف کرتے ہیں۔ ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کامل فرماتا ہے اگرچہ یہ امر مشرکین کو ناپسند معلوم ہو۔

خلاصہ یہ کہ عام اور خاص نیز سطحی نظر والوں اور اصحاب باطن کے درمیان اختلاف نور اور ظلمت کی مانند ہمیشہ تک باقی رہے گا۔ یہ عوام الناس اور ارباب ظاہر اس برائی سے نہیں رکتے اور وہ عالی مرتبت گروہ اپنے دشمنوں سے نہ تو بدلہ لیتے ہیں اور نہ ہی کسی ملامت کرنے والے کی طعن و تشنیع سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔ ایسا اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان سنت الہیہ کے مطابق ہے لیکن باطل کی طرف داری کرنے والے لوگ نقصان اٹھاتے ہیں۔ اہل اللہ کی مدد چوں کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و مدد ہے لہذا ہر نیکو کار اہل ایمان کو چاہیے کہ اس سلسلہ میں کوشاں رہے اور اس عمل کے ذریعہ سے بڑی کامیابی سے سرفراز ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلْيَنْصُرِ اللَّهُ مَنِ يَنْصُرُهُ وَرَسُولَهُ بِالْغَيْبِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بالضرور اس شخص کی مدد فرمائے گا جو اس (کے دین) اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔

واضح رہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مریدین نے ایسے لوگوں کے تمام شبہات کا جواب دے دیا ہے اور ان کے مقاصد کا رد فرمایا ہے۔ حصول سعادت کے لئے میں اس میں سے کچھ یہاں بیان کرتا ہوں۔

شبہ اول اور اس کا جواب

معترضین کا کہنا ہے کہ آپ قدس سرہ نے اپنی ذات کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دیا ہے۔ کیوں کہ آپ نے لکھا ہے کہ

”ولایت محمدیہ سے ولایت احمدیہ ذات باری تعالیٰ کے زیادہ قریب اور افضل ہے۔“

پہلی ولایت (ولایت محمدیہ) سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت اور دوسری ولایت (ولایت احمدیہ) سے اپنی ذات کی ولایت انہوں نے مراد لی ہے۔

میں کہتا ہوں سبحان اللہ! یہ آپ کی ذات بابرکات پر بہت بڑا بہتان ہے۔ آپ نے دونوں ولایتوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایتیں مراد لی ہیں۔ حقیقت حال وہ نہیں جیسا کہ معترضین نے کہا ہے۔ آپ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں صراحت فرمادی ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو ولایتیں ہیں۔ ایک ولایت ملک کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے جب کہ دوسری ملکوت کے ساتھ۔ پہلی کا نام ولایت محمدیہ ہے اور دوسری کا ولایت احمدیہ۔ یہ دوسری بارگاہ اقدس میں پہلی ولایت کی نسبت سے زیادہ قریب ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کو بعض دوسرے کمالات پر فضیلت حاصل ہے۔ لہذا جو کچھ معترضین نے آپ کے متعلق اس سلسلہ میں کہا ہے باطل ہے۔ والحمد للہ تعالیٰ

واضح رہے کہ جو شخص آپ کے عظیم الشان مکتوبات مبارکہ کا مطالعہ کرتا ہے وہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ آپ کی جانب اس فساد کی نسبت کر سکے۔ آپ قدس سرہ نے متعدد مقامات پر اس امر کی تصریح فرمائی ہے۔ ایک مقام پر فرمایا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت مبارکہ کل ہے اور تمام جہانوں کے حقائق اللہ تعالیٰ کے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت کے اجزاء ہیں۔

مبدأ و معاد میں فرمایا

ہر ولی کی ولایت اس کے نبی کی ولایت کے اجزاء میں ایک جزو ہوتی ہے۔ ولی کے کمال میں جتنا اضافہ بھی ہو وہ کمال پہلے اور بالذات نبی کیلئے ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ بدیہی امر ہے کہ کل جزو سے بڑا ہوتا ہے کیوں کہ کل تمام اجزاء کا مجموعہ ہوتا ہے۔ بڑا سے بڑا جزو بھی کل میں داخل ہوتا ہے۔

شبہ ثانی اور اس کا جواب

معتزین کا کہنا ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیا ہے کیوں کہ آپ نے لکھا

مجھے فلاں فلاں مقام تک عروج نصیب ہوا۔ حتیٰ کہ مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام پر بھی عروج عطا ہوا۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام سے بالا مقام پر بھی عروج نصیب ہوا۔ اس عروج کو آپ نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اس سے پتہ چلا کہ آپ نے اس مقام کو اپنی ذات کیلئے معین کر لیا ہے۔ جس سے آپ کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر افضلیت لازم آتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی حضرت امام ربانی قدس سرہ السامی کی ذات بابرکات پر بہتان ہے اور یہ اولیائے کرام کی اصطلاحات سے جہالت اور ان کے ارشادات سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ کیوں کہ کسی مقام سے گذر کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس مقام پر اسے استقرار حاصل ہے۔ کیوں کہ کم مرتبہ لوگ اکابر کے پاس جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے طفیل نعمتوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اس سے ان کے درمیان مساوات

قطعاً لازم نہیں آتی۔ عارفوں کے امام حضرت خواجہ شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

میں اولیائے کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات سے گذرا پھر میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے مقامات پر سے گذرا یہاں تک حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام تک پہنچا۔ میں ازراہ ادب اس مقام میں داخل نہ ہوا۔ لیکن میرے ادب بجالانے کی وجہ سے مجھے اس مقام میں داخل کیا گیا۔ اور یہ سب نعمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں مجھے عطا ہوئی۔

جہانگیر بادشاہ نے جب آپ رحمۃ اللہ علیہ سے اسی کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ اے بادشاہ! جب آپ کسی خادم کو اپنی بارگاہ میں اپنے قریب طلب فرماتے ہیں اور یہ مقام آپ کی جان پہچان والے امراء اور اکابر کے مقامات سے برتر ہے وہ خادم آکر آپ کے سامنے اس وقت تک کھڑا رہتا ہے جب تک آپ اس سے مخاطب رہتے ہیں۔ جب آپ بات چیت سے فارغ ہو جاتے ہیں وہ اپنی جگہ واپس چلا جاتا ہے۔ یہی احوال اولیائے کرام کے ہوتے ہیں۔ وہ بھی کسی کام کی غرض سے اپنے مقامات سے بالاتر مقام تک عروج پاتے ہیں۔ اس جواب پر بادشاہ خاموش ہو گیا۔

واضح رہے کہ یہ برتر مقام جیسے آپ نے کسی طرف منسوب نہ فرمایا یہ درحقیقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے۔ کیوں کہ آپ نے ایک اور مقام پر فرمایا کہ تمام مقامات میں سب سے بلند مقام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس مکتوب شریف میں اس امر کی صراحت نہ ہونے سے نقصان لازم نہیں آتا۔ کیوں کہ آپ کا ارادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام نبوت کو بیان فرمانے کا ہے۔ اس تقریر سے الحمد للہ تمام شبہات جڑ سے اکھڑ گئے۔

شبہ سوم اور اس کا جواب

معرض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ نے لکھا ہے کہ حقیقت کعبہ حقیقت محمدیہ سے برتر ہے۔ حالاں کہ امت کا اجماع ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ آپ کے اس قول سے اجماع کی نفی ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت امام ربانی رنۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے قطب طریقت و حقیقت حضرت شیخ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ شبہ حل ہو چکا ہے۔ اور اس اعتراض کا بودا پن عیاں ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا:

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو برتہ و بالا ہے۔ درود و سلام اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح ہمارا پروردگار محبوب اور پسند فرماتا ہے۔ نیز آپ کی آل پاک اور صحابہ کرام پر جس طرح کہ ان کی بلند شان کے لائق اور مناسب ہے۔

اما بعد ہمارے شیخ اور امام امام المحققین حضرت شیخ احمد رضی اللہ عنہ کی ایک تصنیف میں آپ نے

فرمایا:

”کعبہ ربانیہ کی حقیقت، حقیقت محمدیہ سے برتر ہے“

اس عبارت سے بعض لوگوں کو وہم ہوا کہ آپ نے کعبہ معظمہ کو رسولوں کے سردار، اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل قرار دیا ہے جب کہ آپ مخلوق میں سب سے افضل اور اشرف ہیں۔

میں کہتا ہوں حفاظت اور توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تحقیق کی لگا میں اسی کے دست قدرت میں ہیں، کہ یہ وہم لفظ حقیقت سے کسی شے کی ذات اور اس کی شخصیت مراد لینے کی بنا پر پیدا ہوا

ہے۔ اور حقیقت کا یہ معنی مراد لینا صوفیہ کرام کے برتر گروہ کی اصطلاح سے واقفیت نہ ہونے اور ہمارے شیخ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی حقیقت پر مطلع نہ ہونے پر مبنی ہے۔

و کم من عائب قولا صحیحا

و آفته من الفہم السقیم

ترجمہ: کتنے ہی لوگ درست بات میں عیب نکالتے ہیں جس کا باعث ان کی بیمار ذہنیت ہوتی ہے۔ صوفیہ کرام کے نزدیک کسی شے کی حقیقت سے مراد ایسا اسم الہی ہے جو اس کی تعین کی مبداء ہوتا ہے۔ اس چیز کا وجود اس اسم الہی کے ظل اور عکس کی مانند ہوتا ہے۔ اور وہ اسم اس بارگاہ اقدس سے اس شے تک فیوض کا واسطہ ہوتا ہے۔ جس طرح کہ شان ذاتی، اس اسم مقدس اور ذات برتر و پاک جل شانہ کے مابین واسطہ ہے۔ عادت الہیہ یہی جاری ہے کہ مفیض اور مستفیض کے درمیان واسطہ موجود ہو اور دونوں کے درمیان مناسبات پائے جاتے ہوں۔

حضرت شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ ”قدس“ میں فرمایا موجودات اسمائے الہیہ کے ظلال اور اسماء شیون ذاتیہ کے ظلال ہیں۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد واضح ہو کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اطوار اور انوار میں قلب کے اعتبار سے بے شمار کمالات اور بے حساب مقامات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وجود عنصری اور اس عالم ظلمانی کی ہدایت کے اعتبار سے اسم مبارک محمد ہے جو آپ کی حقیقت سے پیدا ہے۔ نیز ایک اسم الہی ہے جو اس عالم سفلی کی تربیت سے مناسبت رکھتا ہے جسے حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے۔ اور آپ کے روحانی وجود جو نورانی عالم ملکوت کا مربی ہے ایک اور باعظمت اسم ”احمد“ ہے جو اس شان الہی سے پیدا ہے جو حقیقت محمدیہ کی اصل اور اس کا مبداء ہے وہ اس عالم علوی کی تربیت سے مناسبت رکھتا ہے اسے حقیقت احمدیہ کہا جاتا ہے اور اسے حقیقت کعبہ نورانیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان دو تعینات کے علاوہ جو

آپ کیلئے اجسادِ طبعیہ کی مانند ہیں آپ کے بے حساب عروج و درجے شمار اسرار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی جانب اپنے اس ارشاد مبارک میں اشارہ فرمایا ہے۔

لی مع اللہ وقت لایسعی فیہ ملک مقرب ولانبی مرسل۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایسا وقت ہوتا ہے جس میں نہ کوئی مقرب فرشتہ سما سکتا ہے اور نہ

ہی کوئی نبی اور رسول۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے اس ارشاد میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

فکان قاب قوسین او ادنی۔

ترجمہ: پس دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ یہ سب کمالات و اسرار سرِ اصطفائی اور

محبوبیت صرفہ کا نتیجہ ہیں جن کا تعلق فضل سے ہے اور تفوق کا مدار بھی یہی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ (حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد میں) آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کے بعض کمالات کی بعض دوسرے کمالات پر فوقیت کا بیان ہے۔ اور حقیقت کعبہ مبارکہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے حقائق میں ایک حقیقت اور آپ کی جامع اور بابرکت حقیقت کا ایک جزو ہے۔ لہذا یہاں کسی

اور کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دینے کا وہم باطل ہو گیا اور آپ سے کسی اور کے افضل ہونے کی

بات نیست و نابود ہو گئی۔

حضرت امام ربانی شیخ حقانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سوال کے جواب میں اپنے

مکتوبات مبارکہ کے دفتر اول اور مکتوب نمبر ۲۰۹ میں جو تحقیق بیان فرمائی ہماری درج بالا عرضداشت اس کا

ایک حصہ ہے۔

واضح رہے کہ ہمارے شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات میں حقیقتِ محمدیہ کا لفظ مختلف

معانی اور متعدد مطالب میں مستعمل ہوا ہے۔ جب اس لفظ کے مقابلہ میں حقیقتِ احمدیہ اور حقیقتِ کعبہ

ربانیہ واقع ہو تو اس سے مراد وہ جامع اسم الہی ہے جو سفلی عالم کی تربیت کے مناسب ہے۔ اور جب اس کے مقابلہ میں حقیقت الہیہ ہو تو اس سے مراد وہ جامع شان ذاتی ہے جو عالم علوی کی تربیت کی ذمہ دار ہے۔ وہ تمام شیونات ذاتیہ پر حاوی ہے۔ اور اس جامع اسم کا اصل اور مبدا ہے جو تمام اشیاء کو اپنے من میں لئے ہوئے ہے۔ اس طرح یہ شان سارے حقائق کا کل ہے اور باقی حقائق اس کے حصے اور ٹکڑے ہیں۔ اس کو حقیقہ الحقائق کہا جاتا ہے۔ اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی حقیقت ہے کہ اس کے اور مقدس ذات باری تعالیٰ کے درمیان کوئی اور واسطہ نہیں ہے، جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے اپنے وصال سے چند روز پہلے ایک اور مکتوب مبارک میں فرمایا کہ حقیقت محمدیہ پر ہر حقیقت سے (انفرادی طور پر) برتر اور فائق ہے اسی طرح یہ تمام حقائق سے مجموعی طور پر بھی فائق اور برتر ہے۔ تمہارا پروردگار جو کہ عزت کا رب ہے ان تمام نامناسب امور سے پاک ہے جو گمراہ لوگ اس کیلئے بیان کرتے ہیں۔ رسولوں پر سلام نازل ہو۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جو سب جہانوں کا رب ہے۔

شبہ چہارم اور اس کا رد

معرض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ خلعت کا مقام ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے واسطہ سے حاصل ہوا۔ اس سے پہلے آپ کو یہ مقام حاصل نہ تھا۔ میں کہتا ہوں یہ بھی ایک جھوٹ ہے۔ کیوں کہ آپ نے ایسا نہیں کہا بلکہ آپ نے درج ذیل آیت اور حدیث کی وضاحت کا قصد فرمایا ہے۔

۱۔ یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

ترجمہ: اے ایمان والو! آپ درود و سلام پیش کیا کرو۔

۲۔ اذا صلیتم علی فقولوا اللہم صلی علی محمد النبی وعلی آل محمد کی

صلیت علی ابراہیم الخ۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد مبارک کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حبیب قرار دیا۔ محبوبیت اگرچہ خلقت سے افضل ہے لیکن یہ دونوں الگ الگ جنسیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت کا مقام بھی عطا فرمائے تو اس نے آپ کو ملتِ ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا اور آپ کی امت کو آپ پر درود پاک بھیجنے کا حکم دیا یعنی آپ کیلئے یہ مقام طلب کرنے کا حکم دیا اور یوں کہنے کا امر فرمایا:

اللہم صل علی محمد مثل صلوتک علی ابراہیم۔

ترجمہ: اے اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح درود

نازل فرما۔

اسباب کی رعایت اللہ تعالیٰ کی حکمت، اس کی سنت اور اس کی تخلیق ہے۔ ارشاد ربانی

قل رب زدنی علما۔

ترجمہ: اے محبوب! کہو کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

سلو الی الوسیلة۔

ترجمہ: میرے لئے مقامِ وسیلہ کی دعا کیا کرو۔

اسی قبیل سے ہے۔ تو کوئی بعید نہیں کہ وہ ذات پاک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی دعا کے

باعث آپ کو یہ مقام مرحمت فرمادے۔ یا آپ کے اس مرتبہ میں مزید ترقی عطا کر دے۔ اس کی مثال ایسی

ہی ہے کہ کوئی امیر اپنے خزانچی کو حکم دے کہ وہ اس کا مال بعض نفیس اشیاء اور خوبصورت خلعتیں بنانے پر خرچ

کرے۔ وہ خزانچی اس کے حکم کی تعمیل کر دے امیر وہ عالی شان خلعتیں زیب تن کرے جس سے اس کے

حسن اور عظمت میں اضافہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خزانچی نے بادشاہ کو ایسا عطیہ دیا

ہے جو پہلے اس کے پاس نہ تھا۔ بلکہ سب کچھ اس خزانوں سے تیار کیا گیا معاملہ اس سے زیادہ نہیں کہ اس نے بادشاہ کی خدمت کی اور بہتر انداز میں کی۔ تمام احوال میں وہ خزانچی اس کا خادم، تابع اور اس کے دربار کا محتاج ہے۔ پختہ اور ثابت شدہ امر یہی ہے۔ اور جو کچھ اس کے خلاف وہم و گمان میں آئے اس کو ایسی مفہوم کی طرف لوٹایا جائے گا۔

واضح رہے کہ معافی کی رفعت اور حقائق کی وسعت کی نسبت سے عبارت کا میدان تنگ ہوتا ہے۔ یہ عبارت صورت کا ایک آئینہ ہے اور حقیقت کے کمالات کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ اس میں بیان حقیقت کے سلسلہ میں کوئی کوتاہی یا تبدیلی واقع ہوگئی ہو۔ علاوہ ازیں ارباب مشاہدہ اور اصحاب معائنہ پر کبھی حالت سکرطاری ہو جاتی ہے۔ محبوب حقیقی کی محبت کا پیالہ پی کر وہ مدہوش ہو جاتے ہیں پھر اس اور اس میں تمیز نہیں کر سکتے۔ ان کے سکر کی یہ حالت ان کے عذر ہوتی ہے لیکن دیگر اہل صحو کیلئے کوئی عذر نہیں ہوتا۔ ان کا حال صحراء میں اچانک اس سواری پانے والے شخص کی مانند ہوتا ہے جس کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص کی مانند بے حد خوشی ہوتی ہے جو صحراء میں اچانک اپنی سواری پالے اور کہے اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ جس طرح یہ شخص اپنے اس کلام میں معذور ہے اسی طرح ارباب مشاہدہ کا حال ہوتا ہے۔ کیوں کہ سکر کی حالت میں تمیز کرنے والی ترازو ان کے ہاتھ سے گر چکی ہوتی ہے۔ سکر کی یہ غیر معمولی حالت مشاہدہ کی خوشی یا غلبہ اشتیاق کے باعث پیدا ہوتی ہے کیا تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال نہیں دیکھتے کہ آپ نے عرض کی

رب ارنی انظر الیک

ترجمہ: اے پروردگار! مجھے اپنی زیارت کرائیے میں تیرا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔

جب آپ کو اس کا مناسب جواب دے دیا گیا تو آپ نے یہ کہتے ہوئے اپنی عرضداشت سے

رجوع کر لیا۔ اے

انی تبت الیک

ترجمہ: اے پروردگار! میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

----- میں نے حاسدین کے شبہات کے رد میں ایک عجیب رسالہ تحریر کیا ہے۔----- (مفضول کی فاضل پر فضیلت جزئی) نہ عقلاً نقصان دہ ہے نہ نقلاً۔ عقلی طور پر اس کے عدم نقصان کی وضاحت یوں ہے کہ خادم اور غلام مالک کی خدمت کرتے ہیں کوئی بھی صاحب عقل اس خدمت سے نفرت نہیں کرتا۔ اور مہمات اور مہلکات میں لشکر اور افواج امراء اور سلاطین کی دنیا بلکہ آخرت میں مدد کرنے کو بعید شمار نہیں کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب لوگ پل صراط سے اپنی قربانی کے جانوروں کی مدد سے گذریں گے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند الفردوس کے حوالہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:

استفرہوا ضحایا کم فانہا عطا یا کم علی الصراط۔

ترجمہ: قربانی کے لئے عمدہ جانوروں کا انتخاب کیا کرو کیوں کہ یہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔

نقلی طور پر اس امر کی وضاحت یوں ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هو الذی ایدک بنصرہ وبالؤمنین۔

ترجمہ: اس ذات نے اپنی مدد اور مومنوں کے ساتھ تمہاری تائید کی۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اے اس کے بعد مخطوط کی فوٹو سٹیٹ کی تین چار سطروں کے بیشتر الفاظ مٹے ہوئے اور مدہم ہیں۔ جس کے باعث حضرت محقق مدظلہ العالی کے لئے ان کا پڑھنا دشوار تھا۔ انہوں نے اس حقیقت حال کو واضح طور پر بیان کر دیا۔ لہذا ان کا صحیح اور یقینی ترجمہ سے مترجم غنی عنہ معذور ہے۔

و شاورهم فی الامر۔

ترجمہ: اے محبوب! ان سے معاملہ میں مشورہ کیجئے۔

نیز فرمایا:

یا ایہا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین۔

ترجمہ: اے پیارے نبی! اللہ تعالیٰ اور آپ کی اتباع کرنے والے ایمان آپ کیلئے کافی ہیں۔

نیز فرمایا:

ان اللہ وملائکة یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا

تسلیمًا۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پاک بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی

ان پر خوب درود و سلام بھیجا کرو۔

اللہم صل علی (سیدنا) محمد وسلم علیہ وآلہ کما تحب وترضی۔

نیز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ پر جانے کی

اجازت چاہی تو آپ نے ان سے فرمایا:

اشرکنا یا اخی فی دعائک ولا تنسنا۔

ترجمہ: اے بھائی! ہمیں اپنی دعائیں شریک رکھنا اور ہمیں بھول نہ جانا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ایسی بات ہے کہ اگر اس کی بجائے ساری دنیا مجھے

مل جاتی تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔ اسے امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت

فرمایا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ”ولا تنسنا“ کے الفاظ پر ختم ہو جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

سلوا لله لي الوسيلة أعلى درجة في الجنة لا ينالها الا رجل واحد وارجو ان
اكون انا هو۔

ترجمہ: میرے لئے وسیلہ کی دُعا مانگا کرو یہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ کا نام ہے۔ اسے صرف
ایک شخص حاصل کر سکے گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا۔
اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اذا صليتم فقولوا اللهم صلي على محمد النبي الامي وعلى آل محمد الى
آخره۔

ترجمہ: جب تم درود پاک بھیجنے لگو تو یوں کہا کرو اے اللہ! امی نبی حضرت محمد مصطفیٰ اور آپ کی
آل پاک پر درود نازل فرما۔

اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا
ہے۔

اور اب ہم تمہیں معتبر کتابوں سے صحیح حوالہ جات سناتے ہیں جو اس مقام پر بہت ہی مفید ہیں۔
ہدایہ میں ہے:

الطاهر من الذنوب لا يستغنى عن الدعاء كالنبي والصبى۔

ترجمہ: گناہوں سے پاک شخص بھی دُعا سے مستغنی نہیں اس کی مثال نبی اور نابالغ بچہ ہے۔
البحر الرائق میں ہے:

وفي منية المصلى وروى عن بعض المشائخ انه قال لا يقول ارحم محمدا ذكر

واكثر المشائخ على انه يقوله للتوارث وقال السرخي لا بأس به لان الاثر ورد به من

طریق ابی ہریرہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم و لان احدا وان جل قدرہ لایستغنی عن
رحمة اللہ و صححہ الشارح۔

ترجمہ: مدیۃ المصلیٰ میں ہے بعض مشائخ سے مروی ہے کہ ارحم محمد (اے اللہ حضرت
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما) نہ کہے اور اکثر مشائخ کا قول ہے کہ یہ کہے کیوں کہ یہ الفاظ توارث
سے ثابت ہیں۔ امام سرحسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ان الفاظ کے کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیوں کہ حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ مروی ہیں۔ نیز کوئی شخص اس کا مرتبہ خواہ
کتنا بلند ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ شارح کنز یعنی امام محقق زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اسے صحیح
قرار دیا ہے۔

علامہ علقمی رحمۃ اللہ علیہ نے الکوکب النیر شرح جامع صغیر میں فرمایا:

قوله عليه الصلوة والسلام ثم سلوا الله لي الوسيلة قال القرطبي قال ذلك
قبل ان يوحى اليه انه صاحبها ومع ذلك فلا بد من الدعاء بها فان الله يزيد بكثرة دعاء
أمته رفعة كما زاده بصلوتهم ثم انه يرجع عليهم بنيل الاجور ووجوب شفاعته۔

ترجمہ: ارشاد نبوی ہے۔ میرے لئے وسیلہ کی دعا کیا کرو۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد آپ پر نازل ہونے والی اس وحی سے پہلے فرمایا تھا کہ آپ اس مقام کے
مالک ہیں۔ اس کے باوجود آپ کیلئے ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگنا ضروری ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی
امت کی دعاؤں کی کثرت سے آپ کے درجات میں رفعت عطا فرماتا ہے۔ جس طرح ان کے درود پاک
بھیجنے سے آپ کے درجات میں اضافہ فرماتا ہے۔ پھر یہ دعا اور درود پاک امتیوں کی جانب ثواب کے
حصول اور آپ کی شفاعت کے وجوب کے ساتھ لوٹ جاتے ہیں۔

علامہ مذکور نے اسی کتاب میں ایک اور مقام پر فرمایا:

قال في النهاية معنى قوله صلى الله على محمد عظمه في الدنيا باعلاء ذكره
واظهار دعوته وابقاء شريعته وفي الاخرة بتشفيعه في أمته وتضعيف أجره ومثوبته.
فان قلت أليس الله تعالى قد أوجب هذه الأمور كلها لنبيه صلى الله عليه
وسلم فما فائدة دعائنا وسوالنا ذلك .

قلت الجواب من وجوه أحدها أن يكون بعض هذه المذكورات على درجات
ومراتب فيجوز اذا صلى عليه آخر من أمته أن يزداد النبي صلى الله عليه وسلم
بذلك الدعاء في كل شئ من تلك المراتب والدرجات ولهذا كانت الصلوة
مما تقصد بها قضاء حقه ويتقرب بأكثرها الى الله تعالى ولا بعد ولا استحالة في ان الله
تعالى يزيد في درجات النبي ويعالیه بصلوة الصالحين وملائكته ويضاعف بدعائهم
وسوالهم في ثوابه واعلى مراتبه عليه السلام فان الصفات الالهية غير متناهية ولا قابلة
للنقص والتقليل.

ترجمہ: النہایۃ میں فرمایا کہ ”صلی اللہ علی محمد“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں
آپ کے ذکر کی رفعت، دعوت کے پھیلاؤ اور آپ کی شریعت کی بقاء کے ساتھ اور آخرت میں آپ کی
امت کے حق میں آپ کی شفاعت کی قبولیت اور آپ کے اجر و ثواب میں کئی گنا اضافہ کے ساتھ آپ کو
عظمتیں عطا فرمائے۔

اعتراض: کیا یہ تمام امور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہیں فرما رکھے تو
آپ کیلئے ہماری دعا اور اللہ تعالیٰ سے سوال کا کیا فائدہ ہے۔

جواب: اس اعتراض کے کئی جواب ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ مذکورہ بالا امور کے متعدد
درجات اور مراتب ہیں۔ تو جب آپ کی امت سے آپ کے علاوہ کوئی اور آپ پر درود پاک بھیجے گا تو ممکن

ہے کہ اس دُعا کے طفیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام درجات اور مراتب میں اضافہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ درود پاک ان امور سے ہے کہ جن کی بجا آوری سے آپ کے حق کی ادائیگی کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اس کی کثرت اللہ تعالیٰ صالحین اور فرشتوں کے درود پاک بھیجنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات میں اضافہ اور ترقی عطا فرماتا ہو۔ اور ان کی دُعا اور سوال کے باعث آپ اور اعلیٰ مراتب میں کئی گنا اضافہ فرماتا ہو۔ کیوں کہ صفات الہیہ غیر متناہیہ ہیں نہ وہ نقص کو قبول کرتی ہیں نہ ہی کمی کو۔

علامہ محقق ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کی شرح میں فرمایا

مذہب شافعیہ کی علمائے متاخرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یوں دُعا کرنا جائز ہے یا نہیں کہ اے اللہ! جو کچھ ہم نے پڑھا اس کے ثواب کے باعث آپ کے شرف و بزرگی میں اضافہ فرما۔ بعض علماء اس دُعا کو اس بنا پر منع فرمایا ہے کہ آپ شرف و عظمت کے لحاظ سے کامل ہیں۔ اس کیلئے دُعا کی آپ کو ضرورت نہیں ہے۔ نیز اضافہ کے طلب سے بعض اوقات نقص اور کمی کا وہم پڑتا ہے۔ بعض علمائے کرام اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور یہی اصح ہے۔ جیسا کہ میں نے اس موضوع مبسوط کلام اور تحقیق اپنے فتاویٰ میں کی ہے۔ جو طویل بھی ہے اور مختصر بھی۔ اور یہ دونوں قسم کی تحریریں فتاویٰ میں مندرج ہیں۔ جو تحقیق کرنا چاہے وہ وہاں ان کو ملاحظہ کرے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ممانعت کی علت جو پہلے فریق نے بیان کی ہے وہ ممنوع بلکہ عجیب ہے۔ کیوں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درجات کسی ایک حد پر جا کر نہیں رکے کہ اس سے اضافہ نہ ہو سکے بلکہ آپ کے درجات میں ہمیشہ سے ترقی ہو رہی ہے اور یہ ترقی قیامت کے دن بلکہ اس دن کے بعد بھی جاری رہے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حشر میں جمع ہونے والے تمام لوگ جب انبیائے کرام علیہم السلام سے مایوس ہو کر آپ کی جانب رجوع کریں گے تو آپ ان کے فیصلہ کیلئے شفاعت عظمیٰ کا مطالبہ کرتے ہوئے عرش کے نیچے سجدہ ریز ہوں گے۔ اس وقت آپ کو اللہ تعالیٰ کی ایسی ثناء کا الہام ہوگا جس کا الہام اس

سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔

اور یہ دعویٰ کرنا کہ ثواب اور درجات کے اضافے کی دعا کرنے سے نقص کا وہم پڑتا ہے باطل ہے۔ یہ دعویٰ کس طرح درست ہو سکتا ہے جب کہ حجاج کرام کیلئے سنت ہے کہ جب خانہ کعبہ شریفہ کا دیدار کریں تو اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ دُعا مانگیں۔ اے اللہ اس گھر کی عزت و تکریم میں اضافہ فرما۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت و تعظیم میں اضافہ کر دیا ہے۔

مزید براں جس شخص کو بھی اس کی طاعت پر ثواب دیا جائے گا اسے اپنی نیکی کی مانند اجر ملے گا۔ اور اسے وہ نیکی سکھانے والے استاذ کو بھی اس کے سکھانے کے باعث اس کی مانند اجر عطا ہوگا۔ اور اس طرح ہر مرتبہ میں اس ثواب میں کئی گنا اضافہ ہوتا جائے گا اس معاملہ کی انتہا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر ہوگی۔ جن کو آپ کی امت کے افراد کی طاعات پر اتنا زیادہ ثواب عطا ہوگا جس علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دُعا مانگنے والے شخص کا یہ کہنا کہ ہم نے جو کچھ تلاوت کیا اس کے باعث آپ کے شرف و عظمت میں اضافہ فرما ثابت شدہ تحقیق کی رو سے حقیقت کے مطابق ہے لہذا اس کی ممانعت کا قول کس طرح کیا جاسکتا ہے۔

(درج بالا) اس قول کی تائید امام ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۵۵۹ پر یوں درج فرمایا ہے۔

نال محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم الخلة والوسيلة بدعاء أمتہ ولذلك أمر بالصلوة علیہ کما صلی وأمرهم أن یسئلوا الوسيلة. انتھی۔

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلت اور وسیلہ کا مقام اپنی امت کی دعا کے باعث حاصل فرمایا اسی لئے جب کبھی نماز ادا کی جائے آپ پر درود پاک بھیجنے کا حکم دیا گیا نیز آپ کی امت کو آپ کیلئے وسیلہ کے حصول کی دعا کا حکم دیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ تمہاری تسلی کیلئے درج بالا اکابر کے ارشادات کافی ہیں۔

اب باقی جزوی فضیلت کا لازم آنے کی صورت باقی رہ گئی۔ اگر ہم اس کو تسلیم کر لیں تو اس سے بھی کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔ کیونکہ صحیح عقل اور سلیم طبیعت اسے بالکل بعید قرار نہیں دیتی۔ کیوں کہ بدیہی امر ہے کہ ہر صنعت کے جاننے والے کو اس کی بدولت پر اس شخص پر فضیلت حاصل ہے جو اس صنعت کو نہیں جانتا۔ اگرچہ دوسرے اس شخص کو پہلے آدمی پر متعدد وجوہ کی بنا فضیلت حاصل ہو۔ ایسی فضیلت تو ہر جو لا ہے اور حجام کو ہر فاضل اور علامہ شخص پر حاصل ہے۔ اس کی یہ ادنیٰ سی فضیلت علامہ اور فاضل کی فضیلتوں کے سامنے اڑتے ہوئے غبار اور کئی سمندروں کے بالمقابل ایک قطرہ کی سی ہے۔

نقل کی رو سے اس کے دلائل ائمہ اربعہ کی کتابوں اور ان کے عقائد کی تالیفات میں درج ہیں کہ ولی کیلئے نبی پر جزوی فضیلت ممکن ہے۔ اگر اس مقام کی وضاحت اور مفصل حوالہ درکار ہوں تو اس فن کی بڑی بڑی کتابوں کی جانب رجوع کریں۔ ہم ان میں کچھ یہاں درج کرتے ہیں۔

جو اہر منظومہ شرح فقہ اکبر میں ہے۔ واضح رہے کہ فقہ اکبر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی

تصنیف ہے۔

سئل رجل عن أبي حنيفة هل يجوز أن يعلم النبي من العلوم والمعارف ما لا يعلم الرسل وهل يحصل للولي من المزايا والمعارف ما لا يحصل للنبي فأجاب عنه رضوان الله عليه الفضل ثابت للرسول على الأنبياء عليهم السلام والأنبياء على ما سواهم ولا يصل أحد من الأولياء مرتبة أحد الأنبياء ولكن لامناقشة في الفضل الجزئي۔

ترجمہ: ایک شخص نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا ممکن ہے کہ کوئی نبی ایسے علوم و معارف کو جانتا ہو جو کسی رسول کے علم میں نہ ہوں۔ نیز کیا کسی ولی کو ایسی فضیلتیں اور معارف حاصل ہو سکتے

ہیں جو نبی کو حاصل نہ ہوں۔ تو آپ نے جواب دیا۔ (کلی) فضیلت رسل کرام کو انبیائے عظام پر اور انبیائے عظام علیہم السلام کو ان کے سوا باقی مخلوق پر ثابت ہے۔ انبیائے کرام میں کوئی نبی کسی رسول کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اور کوئی ولی کسی نبی کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا لیکن جزوی فضیلت کے پائے جانے میں کوئی اختلاف نہیں۔

علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع میں لکھا

يجوز فضل الجزئي للولي على النبي

ترجمہ: ولی کیلئے جزئی فضیلت نبی پر جائز ہے۔

علامہ ابوالسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا

يجوز فضل المفضول على الأفضل جزئيا۔

ترجمہ: مفضول کی جزئی فضیلت افضل پر جائز ہے۔

امام ابوالسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایک اور مقام پر لکھا۔

وكفى بهم اى الشهداء شرفا ان لم يجنى اطلاق الاموات عليهم وقد جاء

ذلك الاطلاق على الانبياء عليهم الصلوات والتسليمات۔

ترجمہ: شہداء کیلئے یہی شرف کافی ہے کہ ان پر میت کا اطلاق وارد نہیں ہوا جب کہ یہ اطلاق

انبیائے کرام علیہم السلام پر آیا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ارشاد نبوی

المتحابون في جلالى لهم منابر من نور يغطهم النبيون والشهداء۔

ترجمہ: میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والوں کے لئے قیامت کے دن نور کے منبر

ہوں گے جن پر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے۔

یغبطهم من يتحلى به الانسان من علم وعمل فان له عند الله منزلة لا يشارك فيها صاحبه احد من لم يتصف ذلك وان كان له من نوع آخر ما هو اخير عنه قدرا و اعلیٰ شاناً فربما يتمنى ويغبط أن يكون له مثل ذلك مضموناً الى مراتبه الرفیعة۔

ترجمہ: ان پر رشک کریں گے یعنی اس انسان پر جو کسی علم اور عمل سے مزین ہوگا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے ایسا درجہ عطا ہوگا جس میں اس درجہ والے کے سوا کوئی اور ایسا آدمی شریک نہ ہوگا جو اس علم اور عمل سے متصف نہ ہو۔ اگرچہ اس دوسرے شخص کو کسی دوسری قسم کی ایسی فضیلت اور بزرگی حاصل ہو جو پہلے شخص کی فضیلت سے درجے میں افضل اور شان میں اعلیٰ ہو۔ تو وہ شخص کبھی تمنا اور رشک کرے گا کہ کاش اس کے پاس ان بلند مراتب کے ساتھ ساتھ اس طرح کی فضیلت بھی موجود ہوتی۔

حضرت محقق جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد میں مفضول کیلئے افضل پر جزوی فضیلت کے امکان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حواشی تجرید میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حضرت امام مہدی کے بارے میں یہ روایت درج ہے کہ آپ کو بعض انبیائے کرام علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہوگی۔ اس سے مراد جزوی فضیلت ہے۔

کلی فضیلت کا دعویٰ اللہ اس سے اپنی پناہ رکھے مردود اور باطل ہے۔ جاہل کے سوا کوئی اور اس دعویٰ کی جانب توجہ نہیں کرتا۔ کیوں کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ معنی یا تو آپ عبارت سے صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے یا ان معترضین کے گمان کے مطابق آپ کی عبارت سے لازم آتا ہے۔ پہلی صورت بدیہی طور پر باطل ہے۔ کیوں کہ صریح وہ معنی ہوتا ہے جس میں اس کے سوا کسی اور معنی کا احتمال نہ ہو۔ جب ایسا نہیں تو ان کا دعویٰ بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ باقی رہی دوسری صورت کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے یہ مفہوم لازم آتا ہے (تو یہ کئی وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ کھینچ تان کر اگر یہ کہا جائے کہ (آپ کی عبارت سے فضیلت کلی لازم آتی ہے کیوں کہ) الفاظ اس مفہوم کا احتمال رکھتے ہیں تو اس کے علاوہ مفہوم کا احتمال بھی ان میں پایا جائے گا۔ جب صرف احتمال پایا جاتا ہے تو استدلال باطل ٹھہرتا ہے۔

۲۔ متکلم نے خود بار بار اپنی مراد کا اظہار اس کے خلاف تقریری اور تحریری طور پر فرما دیا ہے۔ عبارت سے خلاف شریعت جس معنی کا وہم ہوتا ہے آپ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر تواضع اختیار فرماتے ہوئے اس سے نفرت کا اظہار اور اس سے استغفار فرمایا ہے۔ نیز اپنے سنگیوں اور اولاد کو عمر بھر اور اپنے وصال مبارک کے وقت شریعت مطہرہ پر عمل اور اس کا شوق دلایا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے باعظمت صاحب زادے حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے لوگو! آخری بات، جس کے بعد میرا اپنے والد ماجد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے فراق ہو گیا، یہ تھی کہ آپ نے مجھے اور میرے برادر عزیز شیخ محمد معصوم سے فرمایا شریعت مطہرہ کو لازم پکڑو اسے مضبوطی سے تھامے رکھو۔ اگر اس کے خلاف کوئی کشف والہام صبح کی روشنی کی مانند واضح ہو تو وہ رات سے زیادہ تاریک ہوتا ہے۔ اس گفتگو فرمانے کے بعد آپ نے اس دار فانی سے کوچ فرمایا۔

کلام کرنے والا اپنی گفتگو کے مفہوم کو بیان کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ اس کے بیان کے خلاف جو احتمال ہوگا شرعی اور عرفی لحاظ سے اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ بلکہ مفتی پر واجب ہے متکلم کے اظہار کے بغیر کلام کو اس کے بہتر معنی پر محمول کرے جیسا کہ فتاویٰ میں مذکور ہے تو اس صورت میں اس کی تاکید کتنی ہوگی جب کہ متکلم اپنی مراد ظاہر کر دے جس پر کوئی غبار نہ ہو۔

فتاویٰ ظہیریہ میں ہے

اذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير ووجه يمنع التكفير فعلى المفتي

ان يميل على ذلك الوجه ولا يفتي بتكفير تحسينا للظن بالمسلم وقال عليه الصلوة

والسلام تظن بكلمة خرجت من أخيك سوء وانت تجد لها في الخير محملاً.
هكذا في الخلاصة والفضول العمادية۔

ترجمہ: جب کسی مسئلہ میں کلام کے متعدد معانی اس کے متکلم کو کافر ٹھہرانے کو لازم کرتے ہوں اور ایک معنی کافر قرار دینے سے روکتا ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ اس معنی کی جانب مائل ہو اور اس کے متکلم مسلمان سے حسن ظن برقرار رکھتے ہوئے کافر قرار نہ دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بات جو تیرے بھائی سے صادر ہوئی تم اسے برا خیال کرتے ہو حالانکہ تم اس کا بہتر مصداق بھی پاتے ہو۔ خلاصہ اور فضول عمادیہ میں اسی طرح ہے۔

۳۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قطعی عقائد اہل سنت و جماعت کے مطابق ذکر فرمائے ہیں۔ وہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مخلوقات پر فردا فردا اور مجموعی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا اثبات فرمایا ہے۔ لہذا مکاشفات جن کا انتہائی درجہ ظن ہے کی بحث سے جو وہم پیدا ہوتا ہے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ کلام کے سمجھنے کا تقاضا یہ ہے کہ جب کسی ایسے شخص کا عقیدہ ثابت ہو جائے جو معاملات میں اچھا، بزرگی اور تقویٰ میں منفرد ہو تو اس کے جانب ایسی بات منسوب نہ کی جائے جس کا اظہار مناسب نہ ہو۔ اور اس سے صادر ہونے والی عبارت کو اس مفہوم سے پھیر دیا جائے گا جس کی وجہ سے قطعی عقاید کے خلاف کسی عقیدے کا وہم ہوتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کسی کے اس ارشاد پر نظر ڈالو۔

استفہموہ اہجر

یہ بات اگر آپ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور شخص سے صادر ہوتی تو اسے بہت برا بھلا کہا جاتا۔ لیکن جب یہ ایسے شخص سے صادر ہوئی جس کی عظمت و جلال اور دین میں استقامت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کامل محبت اور ادب کا انداز ثابت ہے تو ظاہری معنی سے دوسرے معنی کی جانب اس کا پھیرنا اور اس کی ایسی تاویل کرنا جس میں کوئی عیب نہ ہو، اور بے ادبی لازم نہ آئے،

واجب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت سے برخ اسود کا قصہ بھی اسی طرح کا ہے۔ اس نکتہ کو خوب یاد رکھو کیوں کہ اس مقام پر اصل عظیم ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ نوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فخریہ انداز اور حالت سکر میں صادر ہونے والے کلمات اسی قبیل سے ہیں۔ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے نکلنے والے کلمات کی تاویل صرف باطن کے نور سے ہو سکتی کیوں کہ ظاہر کے اعتبار سے وہ کلمات شریعت مطہرہ کے کامل طور پر مخالف ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے صادر ہونے والے اس قسم کے کلمات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام فرمایا۔

يا غوث الاعظم خلقت الانسان مطيئتي لو عرف الانسان منزلته عندي يقول
في كل نفس من الانفاس لمن الملك اليوم انا الملك لا ملك اليوم الا لي۔

ترجمہ: اے غوث اعظم! میں نے انسان کو اپنی سواری بنایا ہے۔ اگر انسان کو میرے ہاں اپنے مقام کا علم ہو جائے تو وہ ہر گھڑی کہنا شروع کر دے۔ آج کس کی حکومت ہے۔ میں بادشاہ ہوں آج میری حکومت ہے۔

يا غوث الاعظم جسم الانسان وبصره ولسانه ويده ورجله كل ذلك اظهرت
بنفسي لنفسي لاهو الا انا ولا انا غيره من اراد العبادۃ بعد الوصول فقد اشرك بالله
العظيم۔

ترجمہ: اے غوث اعظم! انسان کا جسم، آنکھ، زبان، ہاتھ اور پاؤں سب کو میں نے خود اپنے لئے ظاہر کیا ہے۔ وہ خود میں ہوں اور میں اس کا غیر نہیں ہوں۔ جس نے وصول کے بعد عبادت کا ارادہ کیا اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا جو برتر و با عظمت ہے۔

نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرید کے حق میں جو نماز ادا نہ کرتا تھا، فرمایا اس کا سر ہمیشہ، کعبہ میں سجدہ کے اندر ہوتا ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں المصنون اور المنقذ سے علامہ قطب بن محی نے آخرت کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ یہ (آخرت کا ثواب) عقلی لذت ہے جو کامل نفوس کو اس دنیا میں حاصل ہو جاتی ہے۔ تو (ثواب) خیالی نعمتوں کی جانب پھیرا ہوا ہوگا۔ (یعنی ثواب جسمانی طور پر نعمتوں کی صورت میں نہ ہوگا)۔ لذت کی صورت کا خیالی ہونا بعید نہیں جیسا کہ نیند میں ہوتا ہے۔ جنت میں جس جس نعمت کے موجود ہونے کا بیان ہے وہ بندے لئے مثالی ہوں گی۔ آخر کار حضرت علامہ قطب بن محی کہہ اٹھے کہ جو شخص المنقذ اور المصنون میں آپ کے اس کلام پر نظر ڈالتا ہے وہ حیرت کے ایسے سمندر میں گر جاتا ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔

شبه پنجم اور اس کا حل

معرض حضرات کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ مرید ہونے سے انکار کیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اویسی کہتے ہیں۔ اپنے آپ کو ان سے اور باقی سارے مشائخ کرام مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اعتراض کا پہلا حصہ جھوٹ ہے۔ کیوں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں بہت سے مقامات پر لکھا کہ آپ نے طریقت آپ رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ کی ہے۔ رہی یہ بات کہ میں اویسی ہوں اس کا معنی یہ ہے کہ عالی درجات تک میرے پہنچنے میں مقدس ارواح کا عمل دخل ہے۔ تو امر ظاہر شیخ سے طریقت اخذ کرنے کے منافی نہیں ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں

سے کسی مکتوب میں یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ میں فلاں سے افضل ہوں۔ اور میرا مقام فلاں مقام سے برتر ہے۔ ایسی باتیں مکتوبات میں بالکل نہیں ہیں۔ ہاں آپ نے اپنے بعض معارف کے بارے میں متعدد مقامات پر فرمایا کہ یہ معرفت ان معارف میں شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مخصوص فرمایا ہے۔ اکابر اولیاء میں سے کسی نے اس بارے میں کلام نہیں فرمایا۔ تمہیں علم ہے کہ آپ کے اس ارشاد سے صرف یہ علم ہوتا ہے کہ وہ معرفت آپ کے ساتھ خاص ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی اور ایسی نفس معرفت سے مخصوص ہو جو اس معرفت کے مساوی یا اس سے افضل ہو۔

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو تمام سلاسل کے مشائخ سے افضل قرار دیا ہے تو اس سے کوئی شرعی عیب لازم نہیں آتا۔ عیب اس صورت میں لازم آتا ہے جب کسی کو انبیائے کرام علیہم السلام یا ان افراد سے افضل قرار دے جن کے افضل ہونے پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ جب ایسی بات آپ کے مکتوبات میں موجود نہیں تو عیب بھی نہیں ہے۔

تمتہ: سادات کرام میں ایک متقی شخص آیا اور کہنے لگا میں نے خواب میں امام العرفاء حضرت خواجہ شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ہے اور آپ نے مجھے فرمایا مجھے فرمایا کہ شیخ احمد کے بارے میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہوتے تو میری خدمت کرتے انہوں نے بالکل ایسا نہیں کہا اور اگر آپ نے ایسا کہا بھی ہوتا تو آپ اپنے اس دعویٰ میں سچے تھے۔

و شبہ ششم اس کا حل

معرض حضرات کا کہنا ہے کہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ توحیدی وجودی کا انکار کرتے ہیں حالاں کہ صوفیہ کرام کا اس

پراجماع ہے۔

میں کہتا ہوں دعویٰ کی دوسری جزو درست نہیں۔ کیوں کہ بہت سے مشائخ کرام کا یہ مذہب نہیں ہے۔ علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ اجل حضرت علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے۔
عالم وجود سے برتر ملک و دود کا عالم ہے۔

باقی رہ گئی دعویٰ کی پہلی جزو تو اس بارے میں تفصیل ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تم کو اس تفصیل کا علم ہوتا کہ شک کے اندھیروں سے نکل کر یقین کے نور میں آ جاؤ۔

اس بارے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ علمائے کرام کے موافق اور ان صوفیہ عظام کے مخالف ہیں جو وحدت الوجودی مسلک رکھنے والے ہیں۔ آپ نے اپنے بلند مرتبت مکتوبات میں فرمایا کہ میں عرصہ دراز تک وحدت الوجودی صوفیہ کا ہمنوا رہا۔ اور توحید کے معارف سے بہت بڑا حصہ حاصل کیا۔ میں گمان بھی نہ کرتا تھا کہ اس سے برتر کوئی اور مقام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مقام سے نکالا تو اصل جمع فرق میں تبدیل ہو گئی۔ اشیاء کے حقائق کو دیکھا جیسا کہ میں وہ ہیں اور میں کہنے لگا کہ حق علماء کے ساتھ ہے۔ اور عینیت وجود کا تمہارا قول مبنی برخطا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ توحید و جودی کا درود مبتدی صوفیہ کی خطا ہے متوسط صوفیہ پر یہ کیفیت بہت کم اور نادار طاری ہوتی ہے۔ اور کامل صوفیہ پر اس طرح کی کیفیت کبھی ہی طاری ہوتی ہے۔ یہ کیفیت ظلی ولایت کے مقام سے پیدا ہوتی ہے جو سکر چال سے متلون اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ نبوت اور زویت الاشیاء کما ہی کا مقام اس کیفیت سے متزین نہیں ہوتا کیوں کہ وہ مقام تو صحو سے مزین ہوتا ہے۔ ہر دو مقامات کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ قدس سرہ العزیز اس امر سے انکار نہیں فرماتے کہ وحدت وجود کی کیفیت احوال اور مواجید میں شامل ہے۔ لیکن آپ اس کے ایسا کمال اور مقام ہونے سے انکار فرماتے ہیں جس سے بڑھ کر نہ کوئی اور کمال ہے اور نہ کوئی مقام۔ بلکہ یہ ایسا حال ہے جو سلوک کے دوران طاری ہوتا ہے۔ اصحاب کمال سے منقول ایسے احوال ان کے ابتدائی احوال پر محمول ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توحید یہ ہے کہ قدیم ذات کو حادث سے الگ جانا جائے۔ اور ہر وہ حقیقت جس کو شریعت رد کر دے۔ بے زندقہ ہوتی ہے۔

درج بالا وضاحت سے ثابت ہوا کہ وحدت وجود صوفیہ کرام کے احوال سے ایک حال ہے جو بعض سالکین پر وارد ہوتا ہے۔ نہ اس کا عقیدہ رکھنا درست ہے اور نہ ہی تقلید۔ کیوں کہ صاحب حال تو اپنے سکر کے باعث معذور ہے اوروں کے پاس تو کوئی عار نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ چوں کہ یہ سالک کا مشہود ہوتا ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا لہذا محقق صوفیہ نے اسے توحید شہودی کا نام دیا ہے۔

آپ کی رفیع خاتمہ کے بارے میں بشارات

۱۔ عارف ربانی حضرت امیر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بارگاہ نبوی سے مجھے بشارت ہوئی کہ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ صاحب قبول عظیم اور بات کے سچے ہیں۔

۲۔ آپ قدس سرہ کی سوانح میں ہے کہ ایک امین اور راست گوتا جر، جس کے چہرے پر کامیابی کے آثار تھے، نے اپنا ابتدائی حال یوں بیان کیا کہ مجھے حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت محبت اور عقیدت تھی۔ آپ کبھی کبھی میرے سامنے ظاہر ہوتے اور بعض معاملات کے بارے میں بشارتیں دیا کرتے تھے۔ نیز اہم موڑ میں میری مدد فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز آپ نے مکاففہ میں مجھے فرمایا کہ تم نے مجھ سے بہت سانیفیس حاصل کیا ہے۔ لیکن ظاہری شیخ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ میں نے عرض کی میں کس کی طرف رجوع کروں۔ فرمایا شیخ احمد سرہندی کی جانب کیوں کہ دور حاضر میں وہ ظاہر و باطن کے جامع ہیں۔ اپنے زمانہ کے قطب ہیں۔ اس نے بتایا کہ پھر میں نے آپ کی عجیب کرامات اور نادر کمالات دیکھے۔

۳۔ ایک صالح، عبادت گزار عورت نے بیان کیا کہ میں اکبر آباد کی ایک گلی میں رہتی تھی۔ میں

نے ایک مجذوب ولی کے بارے میں سنا جو کبھی لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جاتا اور کبھی ان میں آ موجود ہوگا۔ میں اس کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے مجھے کہا کہ قطب زمان حضرت شیخ احمد سرہندی کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔ کیوں کہ جس نے آپ کو عقیدت کی نظر سے دیکھا اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام فرمادیتا ہے۔

۴۔ شیخ کامل حضرت امیر حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ جو امام العارفين حضرت خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے نے فرمایا میں نے خواب میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ فصیح کلام میں شیخ احمد سرہندی کی مدح و ثنا فرما رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ مجھے ان (یعنی حضرت امام ربانی قدس سرہ) کے میری امت میں ہونے پر فخر ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں میری امت کا مجدد بنایا ہے۔

۵۔ بلخ کے امراء میں ایک شخص ہندوستان آیا۔ وہ سرہند شہر گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی۔ اس نے اپنا حال یوں بیان کیا۔ کہ میں بلخ میں تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک جنازہ آیا علاقہ ماوراء النہر کے اگلے پچھلے اولیائے کرام اس جنازہ کے پاس جمع ہو گئے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ مثلاً حضرت قطب ربانی خواجہ عبدالحق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قدوة العارفين حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ خصوصیت کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ یہ سب ایک عزیز الوجود ہستی کا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے اس معاملہ میں ایک شخص سے پوچھا تو اس نے کہا یہ ایک قطب کا جنازہ ہے یہ سب اولیائے کرام قطب الاقطاب کا انتظار کر رہے ہیں۔ اسی دوران ایک بہت با عظمت نورانی شخص آیا۔ انہوں نے اسے امام بنایا میں نے ان میں سے ایک سے اس کے نام اور سکونت کے مقام کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ ان کا نام شیخ احمد ہے اور ان کی رہائش سرہند میں ہے ان کی شکل و صورت میرے دل میں نقش ہو گئی جب میں نے آپ کو دیکھا تو پہچان لیا۔

۶۔ ایران سے ایک شخص آیا اس کا کہنا تھا کہ ہمارے شیخ بہت با عظمت اور عظیم کمالات کے حامل

تھے۔ ان کا نام صدر الدین تھا جو شیخ اجل حضرت شیخ محمد زاہد بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا سے تھے۔ ان کا وصال ہو گیا۔ ایک دن میں نے ان کی بارگاہ میں التجا کی آپ تو اس دار فانی سے چل بسے ہم شیخ کے بغیر حیران و پریشان باقی رہ گئے ہیں۔ میں دیکھا کہ گویا آپ فرما رہے ہیں میں تمہیں شیخ احمد سرہندی کے پاس بھیجتا ہوں دور حاضر میں ان سے بڑھ کر کامل رتبہ والا کوئی ولی نہیں ہے۔

۷۔ ہندوستان کے اکابر سے ایک شخص بلخ گیا وہاں حضرت قدوۃ العارفین شیخ مومن بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے شرف یاب ہوا۔ اس نے بیان کیا میں نے آپ کو اپنے سنگیوں سے یہ کہتے ہوئے سنا آج اگر سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور امام العارفین حضرت ابو یزید بسطامی زندہ ہوتے تو حضرت شیخ احمد سرہندی کے سلسلہ ارادت میں داخل ہوتے اور ان کے خدام بن جاتے۔ جسے سعادت نصیب ہو ان کی جانب پہنچنے کی کوشش کرے۔

۸۔ اسی واقعہ کی مانند ماوراء النہر کے حضرت سید میرک شاہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ حسن قیاد بانی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی القضاۃ حضرت لولک بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت مروی ہیں۔ فقیر مولف احسن اللہ الیہ کہتا ہے کہ اس قبیل کی حکایات اور روایات بہت ہی کثرت ہیں۔ ہم انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ معاملات کی حقیقتوں کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حسن خاتمہ

مولف کتاب ہذا، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ رکھے، کہتا ہے کہ میں نے خواب میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ مجھ پر بے حد مہربان ہیں۔ میں گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بیٹھا ہوں۔ میرے ہاتھوں میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میزان الشریعہ ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کتاب پڑھ کر سنارہا ہوں اور آپ نہایت توجہ سے اسے سماعت فرما رہے ہیں۔ میرے پڑھنے کے دوران صوفیائے کرام کے معارف سے ایک معرفت نکل آئی جس میں حضرت مجدد الف

ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے معارف کی تصدیق اور تحسین تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بہت اچھی لگی۔ فرمایا اس لطیف معرفت کو ہماری خاطر لکھ اور ہمارے گھر میں فلاں جگہ رکھ دو۔ اس جگہ میں بہت نفیس اشیاء رکھی ہوئی تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھیں۔ دربار نبوی میں میری حیثیت رازدار خادم کی سی تھی جیسا کہ والد کے ہاں مقبول بیٹے یا دادا کے ہاں محبوب پوتے کی ہوتی ہے۔ میں نے چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے معارف میں ایک معرفت پیش کروں۔ مجھ سے کہا گیا کہ اس کی ضرورت نہیں کیوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج ان کے مخصوص معارف اور حقائق پر نزول فرمایا ہے جس طرح کہ بادشاہ اپنے امراء میں سے کسی امیر کے ہاں جائے جس کی خاطر عمدہ گھر تعمیر کئے گئے ہوں ان کو اس نے پسند کیا ہو ان کے اندر گیا ہو اور پسندیدگی کا اظہار کیا ہو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے خطاب فرمایا اور تشابہات کے ایسے اسرار بیان فرمائے جس سے حاضرین حیرت زدہ رہ گئے۔ میں نے دیکھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن جب میں گناہ گاروں کی جماعت کی شفاعت کروں گا تو انہیں اس شیخ کے سپرد کروں گا۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مجدد الف ثانی مراد لے رہے ہیں۔ تاکہ یہ ان کو امن، امان اور اطمینان کے ساتھ جنت میں لے جائیں۔ وہ دوبارہ واپس آئیں گے میں ایک اور جماعت ان کے حوالے کروں گا وہ ان کو جنت میں چھوڑ کر آئیں گے اس طرح بار بار ہوگا۔

بارالہا! درود، سلام، برکت اور کرم سب سے معزز اور سب سے برتر نبی پر، جو دو کمانوں بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ کے مقام پر فائز ہیں، آپ کے نیک سیرت صحابہ کرام اور آپ کی پاک آل پر نازل فرماتا رہے جب تک منیٰ میں حجاج کے لئے خیمے نصب ہوتے رہیں اور ارباب صفا مروہ پر چڑھتے رہیں۔ پاک ہے تمہارا رب جو عزت کا مالک ہے ان اوصاف ذمیرہ سے جو کافر اس کیلئے بیان کرتے ہیں۔ رسولوں پر سلام ہو اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

مرقعات



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

شیخ عبدالاحد سرہندی (م۔ ۱۱۲۷ھ / ۱۷۱۴ء)، مخطوطہ مجموعۃ الرسائل،
نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ عربیہ کلیکشن نمبر ۶۵/۷۲، لٹن لائبریری،
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (بھارت)



- ۱..... رسالہ فیض عام
- ۲..... الجنات الثمانية
- ۳..... رسالہ بدائع شرائع
- ۴..... رسالہ خیر الکلام
- ۵..... رسالہ اسرار جمعہ
- ۶..... رسالہ البرہان الجلی فی فضل ذکر خفی
- ۷..... رسالہ نفی الاشارة فی الصلوٰۃ



المدة فمؤدرا بواحد سبعين فيل هو هذا الاكثر من سورة بحرات وفي بعض نسخ
 مائة مائة مائة من السنة ومن في الى البرود ويسن في قوله والوقت
 او سائر منها الى لم يكن يسن في المؤيد بقصارة الى الفرة في قوله
 الى برود وساط من كورت الى الفنى والباقيته بقدره ذكره في شرح
 فيه كتب غير الامام موسى الاشعري ان القراء في المؤيد بقص المفضل وفي العشاء
 لمفضل وفي الصبي بطول المفضل رواه عبد الرزاق في مسنده والظهير في
 سعة الوقت فقال في الاصل ودونه لا روى عن عمه انه كتب الامام موسى
 في مؤيد والمفضل ولان وقتها وان كان مشوا لكان وقتها في حال
 هي ثم كلف في سبع العشر كلف في سبع النسخ في بيها في التمهيد في
 القراءه لربما فصلت الى الوقوع في الوقت المذكور فكان اوسطه في باب
 المؤيد في بناء على العلة وكرهه التاخير فكان قصارها في السبعين
 في ثمانين اربعين اربع وتسعين او بين التين الى المائة لافي العشر
 البرود كان في سبعين اربعين اربع وتسعين اربع وتسعين اربع
 حبان بالسبعين الى مائة واثنين عن ابن عمر ان النبي صلى الله عليه
 في الخبر القاصد وفي مائة اربع وتسعين اربع وتسعين اربع
 التوفيق اربع وتسعين اربع وتسعين اربع وتسعين اربع وتسعين
 سنين وقيل في نظر الليالي وقصارتها والاكثره الاشتغال وقتها
 والفروجه التي يقدر حال من العلة والاقامة اذ قد روى انه صلى الله
 حذر المعوزتين في الخبر وان سفره في سقاط شرط العمله فمما
 القراءه اول انتهى كل منه وليعلم ان هذا الذي ذكرت من كلام
 لما ذكرت من الامار لانهم هم اوردوا ما كان عليه اكثر من العمل

السبعين

بسم الله الرحمن الرحيم
 بحمد الله وسلام على عباده الذين طغى بجهنم بعض من ذرية اسرائيل
 فوالله اني اذ كنت عليه والى اسم الاسلام على من شاء ان لا اله الا الله
 عبده ورسوله واتم العتوة والبراءة الكوفة لم يخرج وبقدم رمضان رماه
 موسم فان قلت في السنة كوني بشراية التملك وشراية تسار العبادات
 لما كنت مقيمة للاختلاف الذي لا يعمد العون بعينه بل هو الذي يكون
 وشراية كونه فان قلت في السنة كوني بشراية التملك وشراية تسار
 بانست بغيره بغيره بغيره بغيره بغيره بغيره بغيره بغيره بغيره
 يكون في الطاعة والعبادة فان قلت في السنة كوني بشراية التملك
 في عدم قبول امر الله ورسوله في سنة الله قلت استدره الى ان امر الله
 الا بغيره بغيره بغيره بغيره بغيره بغيره بغيره بغيره بغيره
 فان قلت في السنة كوني بشراية التملك وشراية تسار العبادات
 في العتوة مرات التي كانت هناك ان العباد اذا اراد دخول محض المولى
 يتطهر ولا ثم يدخل فكذا في حقيقة من ادلى فان قلت في السنة كوني بشراية
 في الوفا قلت ان البور اذا دخل محض مولاة وتعد على خدمته اقوم على القربان
 ويكذب باليدين ويواجه بالوجه ويحتمل بالقدم فيقبل الدخول تطهير من منها والاشارة
 فهو كونه من قبول الطاعة واتخاذ الاوامر بالامر فان قلت في السنة كوني
 في السنة كوني قلت كما كان العبد سؤفا في سنة الاول حين في ذلك حين ولكن حال
 في السنة كوني قلت كما كان العبد سؤفا في سنة الاول حين في ذلك حين ولكن حال

(رساله بدائع شرايع، خواجة عبدالاحد عليه الرحمة، صفحه اول واخر مخطوط، مجموعة الرسائل نمبر ٦٥/٤٢، لندن الاجبريري، على كره مسلم يونيورسٹی، بھارت)

گفته اند در شریعت و تورات منتهای کثرت عرف آمده و احوالی که در آخرت بر خیزد
 در جهان این شهر کشته چون حد برایین واقع گردشت بهر قبیل
 احوالی که بر آید نگردد که بر حافظه خود استوار گردید و اینست دلیل
 که اینحال بر حسب حضرت پیغمبر روح ایشان را گفته بود مشهور است
 و در آنکه گفته اند اگر اینحال بطریق نبوت دست دهد مقصود
 خروج و مقصود بر نبوت است در قافله که از نبوت و اقامت سر
 این پس که سجد و در با کلمه هر قسم علیه علیه الصلوة و السلام
 که در این مقام المعانی کمال کمال است پس اینها را که اولیای
 اینحال بر حسب پیغمبر روح ایشان را نبوده بلکه از نبوت سر و این
 از روح و نفس حکیمان پیغمبر که در هر یک که کلامه تا به تحقق من نور
 المنزه من الزمان و الکلام و غیره از من بخار و استقامت و اول
 لم یکن لخالق الا فیان جمال پاکش از نور کمال است و وجود و اسباب
 محال است و در حدیثی که در حدیثی است که در حدیثی است که در حدیثی است
 حدیثی است که در حدیثی است که در حدیثی است که در حدیثی است که در حدیثی است
 قدمت بهیچ شیئی است پس بعضی از امامین تقاضای حضرت خیر الانام
 امام جعفر صادق علیه السلام را که در حدیثی است که در حدیثی است که در حدیثی است

امام جعفر صادق علیه السلام
 سینة و مولانا شیخ عبد الله
 و غیره

بسم الله الرحمن الرحيم
 سبحانك يا من بعثت في اس كل سنة من هذه الامة من يحمد اسماء
 و زاد في كل ان وشان بشموس الهداية ويحوم الكرامته تنوير باه
 صل وسلم وبارك وكرم على سيد الانام وصحة الكرام اماركع ربكم
 وفتح خاشع بالتمام اما بعد فيقول اخوف البرية عبد الاحدين
 سعيد خازن الرحمة العمدة قدس نفعه العلية لا فرنت بزيارة الحسين
 الشريفين زاد بها امة وكرامته مع امام العصر وقطب المنار
 محمد نقشبند خلف قدوة العارفين غوث الوصلين الشيخ محمد مصوم قدس
 سره وشرقت با دراك صبية الكرام فيها التمسح منهم ان اولها
 مشتد على احوال جبر الحجد وللالف التلا القطب بالاشيخ
 النقشبندی السمرقندی قدسنا ادب سره ولسا هي حيث تكون
 لاصحابه وتبصرة لاجبابه فاستخرجت من مقامات الفارسية التي
 هي بالثقافات مثل الفاضل الكامل الشيخ بدر الدين السمرقندی
 المحقق خواجه بنتم الكاشغري بقوله في رسالة حاوية لالابد من احوال
 متضمنة على جنات ثمانية وخامسة وحسن خاتمة الجنة الاولى في
 التي صدرت بوجوده لمسعود قبل ظهوره الثانية في بيان ميلاده
 في نسبة سلسل المشايخ الكرام قدس سره رابعهم الرابعة في
 وسنده في الحديث وعلم القراءة وغيرها الخامسة في ذكر مصنفاته
 في ذكر كراماته اس بوعه في ذكر بعض كلماته الطيبة المتضمنة
 لكاشفات البصيرة

(رسالة خير الكلام، خواجه عبدالاحد عليه الرحمة، صفحہ اول و آخر مخطوط، مجموعۃ الرسائل نمبر ۶۵/۷۲، لٹن لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بھارت)

فان قلت لا يسر في ان يكون في الامور العرفية ما في الامور الشرعية
 البتة والاعتبار ولكن ليس كذلك وهو علم في كل حال العرفية
 نفس اهل بيته فان قلت ما السر في كيفية الاحرام كذا او كذا قلت
 العرفية لنفوس اهل الغاية الكبرية والاولى كالميتعين في جميع
 قلت ما السر في كون الامور العرفية في كل حال كالتامة في الامور
 كذا لا شك في ان السر في كون الامور العرفية في كل حال كالتامة في
 في حقوق الامور العرفية في كل حال كالتامة في كل حال كالتامة
 السنة والامر بالمعروف فان قلت ما السر في ان الامور العرفية في كل حال
 اشرف مما لا يشرف ان يكون من حقائق الامور العرفية فان قلت ما السر
 في كون الامور العرفية في كل حال كالتامة في كل حال كالتامة
 اعظم من حقائق الامور العرفية في كل حال كالتامة في كل حال كالتامة
 من حقائق الامور العرفية في كل حال كالتامة في كل حال كالتامة
 فان قلت ما السر في ان الامور العرفية في كل حال كالتامة في كل حال
 في حقوق الامور العرفية في كل حال كالتامة في كل حال كالتامة
 من حقائق الامور العرفية في كل حال كالتامة في كل حال كالتامة
 على ذلك في الامور العرفية في كل حال كالتامة في كل حال كالتامة
 المصطفى عليه وعلى آله
 ومن استلما
 لكانت

بعد من التوحيد وسلم ومدارسته البيضاء بهم برزق وشبههم يطرون وهم الذين اذوا بذكر الله
 فان كان في الدنيا ربيطة في الدنيا وان طريق الجنة وابتداء طريق مقوم اقوال الكائن في
 الصفة العلية وبرزق اخرج ابوداود وعنه ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من
 عباد الله اناس لما هم بانبياء اولئك اشهدوا لغيرهم الانبياء والشهداء اليوم القيمة بمجانهم الله
 قالوا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في انتم كما يواجره الله على غير ارحام بينهم ولا اموال
 يعاطفونها فواتية وجوبهم لنور وانهم ليعلمون ان لا يخافون اذا خاف الناس ولا يفرحون
 اذا فرحوا من غير ابد الا ان الله ان اولئك لا تخوف عليهم ولا يفرحون في يوم القيمة
 ان الله عباده النبيين والاشهاد الذين شهدوا في الدنيا وهم يوم القيمة من الله يوم
 القيمة فعلى العباد عند شهادتهم ان يقولوا ان من عبادة الله من قبل ان يمشي
 قبل يمشي لم يكن منهم حرام يتواكلون ولا يشربون ولا يلبسون ولا يزوجون ولا يفترون
 يجعل الله وجوبهم نورا ويجعل لهم منابر من ربه عرش الرحمن يعرضون على الله
 ويحجون النار ولا يخافون ثم لا كانت الرسالة حاوية لاسير رحمة كما ان الله سبحانه
 وليكون في تاريخها بيان بركب العزة في يوم القيمة وسلم على المرسلين والحمد لله

رب العالمين

امين

تم

٦٥/٤

رسالة برهان الجلي في فضل الذكر الخفي

بسم الله الرحمن الرحيم
 الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد فان من سنن ائمة الهدى
 واجابته الغفلة عنه حتى قالوا حيب على العاقل ان يستيقظ في ذكر الله
 ويحجب عن رسال الغفلة باستطاع حتى يتشرف ويثبث في الذكر
 كما يذكر انه كان يصح في البيت المنظم في اشرف الذاكرين ويا قول اللسان
 ومتى ان يعلم ان للذكار انواعا ولكل نوع احكام عليه لا بد ان لا يطلع عليها
 فقد ذكر منها ما يقتضي الحال في هذه الرسالة وهي مستعملة على مقدمته وختمه بقوله
 وقد مر وسن خاتمة لمقدمته في انواع الذاكر الفصل الاول في فضله
 مطلق الذكر الثالث في اثبات الذكر الخفي الثالث في فضل الذكر الخفي
 على الجهر الرابع في فضل كلمة التهنيل وبعض الادعية للابوة بالسنن الجليل
 الخامس في بعض حقايق قلب العارفين الكامل الخامسة في ان السبع طرق تقوية
 العلية قد استنفوسهم وجب على كل مسلم وفيها سالك ثلثة وسنن الجليل
 في ابرار وبعض الحكايا المفيدة والرسالة مسماة بالبرهان الجلي في فضل الذكر
 الخفي المقدمة اعلم ان الذكر على ثمانية انواع الجهر والخفي وكما في غيرها وكل
 منها ثمرات بها قد سر السرار صور وحقوق وعجايب اما الجهر ونحوها
 التي في صورته ان يتلفظ بكلمة تنبئ من تعظيم الحق تبارك وتعالى وحقوقه
 ملاحظة وجه الله فيه وغايتها الا بمرئيه في قدرها تضمنت بتلك الكلمة من التضرع
 والتقدير والتمني وغير ذلك اما الخفي فيقال له العارفين باب التسمية الشئ باشارة النواحي في صورته

(رسالة البرهان الجلي في فضل ذكر خفي، فتاوى عبد الاحد عليه الرحمة، صفحة اول وآخر مخطوط، مجموعة الرسائل نمبر ٦٥/٤٢، لندن لائبريري، علي گڑھ مسلم يونيورسٹی، بھارت)

رسالة نفى اللشارة في الصلوة
 باسم الرحمن الرحيم
 يسلم من شيت اللشارة في غير وقتها من العبادات والصلوات والسلام على من تقدمت
 وتبعها كل الخلق في صلوة وعيد الله سبحانه من تصدق بصلواته لا يضره من اللشارة

الام

صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 يَا سَيِّدَ السَّلَاةِ جِئْتَنَا قَاصِدًا
 أَرْجُو رِضَاكَ وَخَشِيْتُ بِجَمَاكَ
 أَنْبَأَكَ الَّذِي لَوْلَاكَ مَا خَلَقَ أَمْرٌ
 كَلَّا وَالْخَلْقُ الْوَالِدُ لَوْلَاكَ
 أَنَا طَائِعٌ بِالْجُودِ فَتَنَا وَكَرِيمٌ
 لَا جَنْفِي فِي الْأَنْامِ سِوَاكَ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِكَ وَسَلَّمَ أَمَّا أَبَدًا

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ
 خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
 وَجَعَلَ الرَّسُوْلَ مِنْ
 نَحْوِ نَبِیِّ الْاَوَّلِیْنَ
 مُحَمَّدًا وَآلِہٖ
 الطَّیْبِ وَسَلَّمَ